عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ

●

سیّد ریاست علی ندوی

●

ناشر
بہار اردو اکادمی، پٹنہ

Marfat.com

عہدِ رسالت
و
خلافتِ راشدہ

سید ریاست علی ندوی

ناشر
بہار اردو اکادمی
پٹنہ

جملہ حقوق بنام بہار اردو اکادمی محفوظ

135014

سن اشاعت : ۱۹۸۷ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰ جلدیں

خوشنویس : امیر حسن رضوی

مطبع : لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ

قیمت : ۳۵ روپیے

ناشر : بہار اردو اکادمی،
۸/بی۔ سری کرشنا پوری، پٹنہ ۱

●

پتہ

بہار اردو اکادمی، ۸/بی۔ سری کرشنا پوری، پٹنہ ۱۰

فہرست مضامین

"عہد رسالت و خلافت راشدہ"

دیباچہ ۱

مقدمہ

اسلامی علم تاریخ ۹

علم تاریخ ۱۰

تاریخ کے آخذ ۱۰

قدیم عرب میں علم تاریخ ۱۰

اسلامی تاریخ کی ابتداء و ترقی ۱۱

اسلامی علم تاریخ کے چند خصوصیات ۱۳

قدیم عرب قبل اسلام

عرب اور اس کی جائے وقوع ۱۷

قدیم عرب اقوام ۱۸

عرب میں حضرت ابراہیمؑ کا ورود اور خانہ کعبہ کی تعمیر ۲۱

آل اسماعیلؑ ۲۳

قدیم عرب کی سیاسی زندگی ۲۴

خاندان قریش کا آغاز ۲۵

شہر مکہ کی مرکزیت ۲۵

عالم کے شہنشاہوں کی اس بزنگاہ ۲۵

قصی بن کلاب اور مکہ میں جمہوری حکومت کی تاسیس ۲۶

نظام حکومت ۲۷

شعبۂ کنثوری و انتظامی ۲۸

شعبۂ مالیات ۲۸

مجلس قانون ساز ۲۹

سفارت ۳۰

شعبۂ عدالت ۳۰

شعبۂ عسکری ۳۱

شعبۂ مذہبی ۳۲

جانشین ۳۳

عبد مناف ۳۳

Marfat.com

ہاشم ۳۳
قیصر روم کی مکہ کو زیر اثر لانے کی
ناکام کوشش ۳۴
عبدالمطلب ۳۵

اعتذار

حمزہ و عمر کا قبول اسلام ۳۷
حرم میں پہلی اعلانیہ نماز ۳۸
عام مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم ۳۸
حبشہ کی ہجرت ۳۹
مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے دربار
میں قریش کی سفارت اور ناکامی ۴۰
حبشہ کی ہجرت ثانیہ ۴۱
حضرت ابوبکر کا ارادۂ ہجرت حبشہ ۴۱
مہاجرین حبشہ کی مدینہ واپسی ۴۱
بنو ہاشم کا مقاطعہ اور شعب ابی طالب
میں محصوری ۴۲
ابوطالب و حضرت خدیجہ کی وفات ۴۲
حضرت سودہ و عائشہ سے نکاح ۴۳
طائف کا سفر ۴۳
مطعم بن عدی کی حمایت میں اور قبائل کے
درمیان تبلیغ و اشاعت اسلام ۴۴
یثرب کے افق پر اسلام کی کرنیں ۴۴
بیعت عقبہ ۴۵
ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد پیمان ۴۷
صحابہ کی ہجرت ۴۷
حکم خداوندی کا انتظار ۴۸
آنحضرتؐ کے قتل کی سازش ۴۸
آستانہ مبارک کا محاصرہ اور حکم ربانی
کا نزول اور ہجرت کا اہتمام ۴۸
ہجرت نبوی ۴۹
تعاقب اور مشرکین کی ناکامی ۴۹
یثرب میں انتظار ۵۰
قریش میں جوش انتقام ۵۱
غزوہ بدر ۲ھ / ۶۲۳ء ۵۱
اسیران جنگ ۵۶
مال غنیمت اور خداوندی عتاب ۵۷
قیدیوں کے متعلق حکم خداوندی ۵۸
غزوہ بدر کے بعد لڑائی میں پہل
نہ کرنے کی ہدایت ۵۹
غزوۂ بدر ایک معجزہ ہلاکت تھا ۵۹
بدر کے مابعد اثرات ۶۰
غزوۂ سویق ۶۱

Marfat.com

غزوہ بنی قینقاع ۲ھ / ۶۲۳ء — ۶۱

قتل کعب بن اشرف ۳ھ / ۶۲۴ء — ۶۲

غزوہ احد ۳ھ / ۶۲۴ء — ۶۲

احد کی شکست کے اثرات مابعد اور قریش کا عناد اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں — ۶۷

آنحضرت ؐ کے قتل کی ناکام سازش — ۶۸

غزوہ بنی نضیر — ۷۰

لااکراہ فی الدین — ۷۱

بدعہدی اور فریب سے مبلغین اسلام کا قتل — ۷۱

سرایا ابی سلمہ و بئر رجیع ۴ھ / ۶۲۵ء — ۷۲

غزوہ ذات الرقاع و دومۃ الجندل ۵ھ / ۶۲۶ء — ۷۳

غزوہ بنی مصطلق ۵ھ / ۶۲۶ء — ۷۴

حضرت جویریہ سے شادی اور قیدیوں کی آزادی — ۷۴

عبداللہ بن ابی کا کردار — ۷۴

واقعہ افک — ۷۵

غزوہ احزاب یا خندق ۵ھ / ۶۲۶ء — ۷۶

بنو قریظہ کا خاتمہ ۵ھ / ۶۲۶ء — ۷۹

صلح حدیبیہ

ادائے عمرہ کے لیے مکہ معظمہ کی طرف روانگی ۶ھ / ۶۲۷ء — ۸۰

قریش کی مزاحمت — ۸۱

قیام حدیبیہ اور صلح کی سلسلہ جنبانی — ۸۱

بیعت رضوان — ۸۳

صلح حدیبیہ ۶ھ / ۶۲۷ء — ۸۴

صلح حدیبیہ کی شرائط کے خوش گوار نتائج — ۸۵

معاہدہ کی ایک شرط کی تنسیخ — ۸۶

چند اہم مذہبی احکام و معاشرتی واقعات

چند اہم مذہبی احکام کا نزول — ۸۷

چند معاشرتی واقعات — ۸۹

مدنی زندگی کا دور وسطیٰ

۶ھ / ۶۲۷ء — ۹ھ / ۶۳۱ء

سلاطین و امراء کو اسلام کی دعوت — ۹۳

غزوہ خیبر — ۱۰۰

فتح وادی القریٰ — ۱۰۳

جزیرہ عرب سے یہود کی جلاوطنی — ۱۰۳

ادائے عمرہ ۷ھ / ۶۲۸ء — ۱۰۳

جنگ موتہ ۸ھ / ۶۲۹ء — ۱۰۴

فتح مکہ — ۱۰۶

غزوہ حنین واوطاس وطائف ۸ھ ۶۳۰ء	۱۱۲
تقسیم غنائم واسیران جنگ	۱۱۳
غزوہ تبوک	۱۱۴
شام میں اسلامی حکومت کی داغ بیل	۱۱۵
مسجد ضرار	۱۱۶
حج اکبر واعلان برارت	
حج اکبر ذی الحجہ ۹ھ ۶۳۱ء	۱۱۶
اعلان برارت	۱۱۷
چند فقہی احکام ومعاشرتی واقعات	
چند فقہی احکام وفرائض اوران کی آخری تکمیل	۱۱۸
چند معاشرتی واقعات	۱۲۰
مدنی زندگی کا دور آخر	
۱۰ھ ۶۳۲ء و ۱۱ھ ۶۳۲ء	
مسیلمہ کذاب	۱۲۳
اسود عنسی	۱۲۴
طلیحہ بن خویلد	۱۲۴
عمرہ و حج	۱۲۵
خطبہ وداع	۱۲۶
حج کے چند دیگر مناسک کی ادائیگی اور مراجعت	۱۳۰
خطبہ خم غدیر	۱۳۲
وفات نبوی کی پیش گوئی	۱۳۳
اسامہ بن زید کی مہم	۱۳۴
آغاز علالت	۱۳۴
حضرت ابوبکر کی امامت	۱۳۵
واقعہ قرطاس	۱۳۵
نماز کی آخری امامت اور زندگی کا آخری خطبہ	۱۳۶
ایک پیشین گوئی	۱۳۸
صحابہ کا آخری دیدار	۱۳۹
عالم کرب	۱۳۹
آخری مسواک	۱۳۹
زندگی کے آخرترین لمحہ میں نماز اور غلاموں کی یاد	۱۴۰
روح پاک کا عالم قدس میں پہنچنا	۱۴۱
وصال نبوی سے صحابہ کی وارفتگی اور حضرت ابوبکر کا تدبر واستقلال	۱۴۰
تجہیز وتکفین	۱۴۲
نماز جنازہ اور تدفین	۱۴۲
حلیہ وسراپا، معمولات واخلاق	
حلیہ وسراپا ولباس	۱۴۲

Marfat.com

معمولات ۱۴۴

اخلاقِ نبوی ۱۴۵

متروکات وازواجِ مطہرات اولادِ امجاد

متروکات ۱۴۷

ازواجِ مطہرات ۱۴۷

اولاد و امجاد ۱۴۹

خصائص نبوی

ازواج کی تعداد ۱۵۰

چند عبادتوں میں اختصاص ۱۵۰

دیگر انبیا کی چند خصوصیات ۱۵۱

پیروؤں کی کثرت ۱۵۲

تکمیل دین و دعوت عام ۱۵۲

ختم نبوت ۱۵۳

شفاعت اولیں ۱۵۴

عہد رسالت پر ایک اجمالی نگاہ اور ایک دینی وصالح مدنیت کا نظارہ

منصب نبوت ۱۶۰

طلوع اسلام کے وقت دنیا کا
مذہبی و اخلاقی نقشہ ۱۶۲

نبوت کا آخری نسخہ ۱۶۳

انبیا کی ایک مختلف معجزات ۱۶۵

غلبہ روم کی پیشین گوئی ۱۶۷

قحط مکہ ۱۶۸

شق قمر ۱۶۹

معجزۂ قرآن ۱۷۰

معراج ۱۷۱

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے مختلف
مافوق الفطرت واقعات ۱۷۴

مابعد زمانہ کے متعلق مختلف پیشین
گوئیاں زبان مبارک سے ۱۷۶

چند دیگر معجزات ۱۷۶

تبلیغ واشاعت ۱۷۸

قبول اسلام کے لیے وفود عرب
کی آمد ۱۷۹

تکمیل دین و تاسیس شریعت

اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات اور
ان کے اثرات ۱۸۳

اسلام کے بنیادی اصول و عقائد ۱۸۶

عبادات ۱۸۷

محاسن اخلاق کی تکمیل ۱۹۰

تعلیم اخلاق ۱۹۱

حسن و اخلاق و عمل کے پیکر ۱۹۳

Marfat.com

تاسیس حکومت الٰہیہ

وحدت کا حصول ۱۹۴
قیام امن و امان ۱۹۵
حکومت الٰہیہ کی داغ بیل ۱۹۶
خلیفۃ اللہ ۱۹۸
حکومت کے مختلف شعبے ۱۹۹
مجلس شوریٰ ۱۹۹
شعبہ کشوری - ولایات ۲۰۰
ولاۃ ۲۰۰
توقیعات و فرامین کا دفتر ۲۰۱
عہدہ انشاء و کتابت ۲۰۲
شعبۂ عسکری ۲۰۲
شعبہ مالیات ۲۰۵
محاصل ۲۰۵
عمال ۲۰۶
شعبہ قضا ۲۰۷
محکمہ احتساب ۲۰۷
نظام معیشت ۲۰۸
جاگیروں اور افتادہ زمینوں کا انتظام ۲۰۹
نظام تعلیم ۲۰۹
نظم مساجد ۲۱۱
مختلف شعبوں کے اہم امور کی انجام دہی
کا دست نبوی میں لینا ۲۱۳
دنیا کا سب سے بڑا انسان ۲۱۴

خلافت راشدہ
اور اسلام میں خلافت کا نظام

نوع انسانی کی اشرف المخلوقاتی ۲۱۶
نوع انسان میں فطری جذبہ عبدیت ۲۱۷
کلمۂ فطرت ۲۱۷
خلیفۃ اللہ فی الارض اور
نفاذ قانون الٰہیہ ۲۱۸
حکومت الٰہیہ میں اقتدار اعلیٰ ۲۲۰

حکومت الٰہیہ یا اسلامی حکومت
کے تین بنیادی اجزاء

قوانین الٰہیہ ۲۲۲
اسلامی قانون کے مآخذ ۲۲۳
اسلامی قانون کا اطلاق ۲۲۵
اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا
کے لیے قوانین ۲۲۵
مجلس شوریٰ ۲۲۶
خلیفہ و امام ۲۲۷
منصب خلافت پر سرفرازی کے شرائط ۲۲۷

Marfat.com

منصب خلافت کے لیے کسی قبیلہ
یا خاندان کی تخصیص ۲۲۹
خلیفہ کے فرائض ۲۳۰
خلیفہ کے انتخاب کے مختلف طریقے ۲۳۱
بیعت کا مفہوم اور اس کی شرعی
حیثیت ۲۳۶
اسلامی بادشاہت خلافت کے
لباس میں ۲۳۸
عباسیوں کا دور خلافت ۲۳۹
خلفاء مذہبی پیشوا کی حیثیت سے ۲۴۰
خلافت عثمانیہ قسطنطنیہ ۲۴۱
الغائے خلافت ۲۴۱

عہد صدیقی

سنہ ۱۱ھ / ۶۳۲ء	سنہ ۱۳ھ / ۶۳۴ء

حضرت خلیفہ رسول اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سنہ ۵۱ ق ھ / ۵۷۳ء	سنہ ۱۳ھ / ۶۳۴ء

نام ونسب وخاندان ۲۴۳
حضرت ابوبکر کے والدین ۲۴۳
قبل اسلام کی زندگی ۲۴۴
اسلام ۲۴۴
اسلام کے بعد مکہ کی زندگی ۲۴۴
ہجرت سے امارت حج تک ۲۴۶
وصال نبوی کے بعد حضرت ابوبکر
کا تدبر واستقلال ۲۴۶
واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ ۲۴۷

بیعت خلافت

حضرت ابوبکر کی بیعت خلافت ۲۴۸
سب سے پہلا خطبہ خلافت ۲۴۹
حضرت علی کا بیعت کرنا ۲۵۰

دور فتن اور اس کا خاتمہ

فتنوں کی گھنگھور گھٹائیں ۲۵۱
حضرت اسامہ کی مہم کے متعلق
صحابہ سے مشورہ ۲۵۱
جمہوری طرز فکر کی ایک درخشاں مثال ۲۵۲
مہم کی روانگی ۲۵۳
مجاہدین کے لیے ایک دستور العمل
کی وصیت ۲۵۳
مہم کی واپسی ۲۵۴
مانعین زکوٰۃ کا فتنہ ۲۵۴
مرتدین ومدعیان نبوت کا استیصال ۲۵۵

تدوین قرآن کی بنیادی خدمت

جمع وتدوین قرآن مجید ۲۶۰

Marfat.com

فتوحات

عراق اور شام کی مہمیں ۲۶۱
شاہان ایران ۲۶۲
عراق پر فوج کشی ۲۶۳
ہرمز کے نام خالد کا مکتوب ۲۶۳
فتح کواظم، مذار، ولجہ وغیرہ ۲۶۴
عراق میں اسلامی حکومت کا پہلا نظم ونسق ۲۶۵
شہنشاہ ایران کے نام مکتوب ۲۶۵
فتح انبار، عین التمر و دومۃ الجندل وغیرہ ۲۶۶
حضرت خالد کی شام کو روانگی اور مثنیٰ شیبانی ولایت عراق پر ۲۶۹
ایرانیوں کی چڑھائی اور مثنیٰ کی کامیاب مدافعت ۲۶۹
ایرانیوں کی عظیم تیاریاں اور مثنیٰ کا ورود مدینہ ۲۷۰
شام کی مہمیں اور فتوحات ۲۷۰

وفات

حضرت ابوبکر کی علالت اور استخلاف ۲۷۱
آخری وصیتیں اور وفات ۲۷۲
تجہیز وتکفین وتدفین ۲۷۳

فضائل ومناقب، علم وفضل، اخلاق وعادات وازواج واولاد

فضائل ومناقب اور علم وفضل ۲۷۳
اخلاق وعادات ۲۷۵
رسول اور اہل بیت سے محبت ۲۷۶
ازواج واولاد ۲۷۷

عہد صدیقی پر ایک نظر اور اس دور کی مدنیت

خلافت وامامت کے فرائض ۲۷۸
محکمہ افتاء کا قیام ۲۸۰
نظام خلافت ۲۸۰
نظم ونسق ۲۸۰
امراء وعمال کو نصیحتیں ۲۸۱
امن وامان ۲۸۲
شعبۂ قضاء ۲۸۳
شعبۂ افتاء ۲۸۳
شعبۂ مالیات ۲۸۳
شعبۂ عسکری ۲۸۴
ذمیوں کے حقوق کی حفاظت ۲۸۵

Marfat.com

عہد فاروقی

سنہ ۱۳ھ ۶۳۴ء — سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سنہ ۴۰ ق ھ ۵۸۴ء — سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

نام ونسب وخاندان ۲۸۸
اسلام ۲۸۹
ہجرت ۲۹۱
قیامِ مدینہ قبلِ خلافت ۲۹۱

بیعتِ خلافت

بیعت وخطبۂ خلافت ۲۹۳

فتوحاتِ عراق وایران

مہم عراق ۲۹۴
جنگ نمارق وسقاطیہ ۲۹۶
واقعۂ جسر ۲۹۶
جنگ بویب ۲۹۸
یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی نئی تیاریاں ۲۹۹
حضرت عمر کی جوابی تدبیریں ۳۰۰
لشکر کی روانگی اور شراف میں قیام ۳۰۱
مثنیٰ کی رحلت اور ان کی فوج کا شراف میں داخلہ ۳۰۱
قادسیہ کا انتخاب ۳۰۱
دربار کسریٰ میں اسلامی سفارت ۳۰۲
قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ۳۰۲
فتح ابلہ ۳۰۴
شہر بصرہ کی بنا ۳۰۸
چند اہم شہروں پر قبضہ ۳۰۸
نوشیرزانی پایۂ تخت مداین پر قبضہ ۳۰۹
اموال خزائن ۳۱۰
عراق میں ایرانیوں کی آخری لڑائی ۳۱۱
حکومتِ ایران کا نیا پایۂ تخت مرو ۳۱۳
دوآبہ دجلہ وفرات پر قبضہ ۳۱۴
فتح خوزستان ۳۱۴
عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کی فیصلہ کن جنگ ۳۱۷
فتح ہمدان ۳۲۰
فتح اصفہان ۳۲۱
فتح طبرستان ۳۲۳
فتح آذربائجان ۳۲۳
فتح فارس ۳۲۵
فتح کرمان ۳۲۶
فتح سیستان ۳۲۶

فتح مکران ۳۲۶
سندھ و ہند پر ابتدائی حملے ۳۲۷
خراسان کی فتح اور کیانی سلطنت کا خاتمہ ۳۲۸
تاتاریوں کی مدد سے بازیافت کی کوشش ۳۲۹
یزدگرد کا آخری انجام ۳۳۰
نامۂ فتح اور حضرت عمر کی تقریر ۳۳۰

فتوحات شام، اردن، فلسطین و مصر

فتح دمشق ۳۳۱
فتح اردن ۳۳۲
فتح بعلبک و حمص ۳۳۳
فتح حماۃ و لاذقیہ ۳۳۳
رومیوں کی فریاد ہرقل کے دربار میں ۳۳۴
ہرقل کی عظیم فوجی تیاری ۳۳۵
عیسائی رعایا کی اسلامی حکومت سے ہمدردی ۳۳۵
حمص کا انخلاء ۳۳۵
دمشق سے کوچ ۳۳۶
یرموک کی فیصلہ کن جنگ ۳۳۶
فتح قنسرین ۳۳۸
فتح حلب و انطاکیہ ۳۳۸
فتح بیت المقدس ۳۳۹
حضرت عمر کا ورود بیت المقدس اور معاہدہ ۳۴۰
مسجد عمر کی تعمیر اور حضرت بلال کی اذان ۳۴۲
حضرت عمر کے سفر بیت المقدس کی تاریخی اہمیت اور سفر سے واپسی ۳۴۲
عیسائیوں کی حمص کے محاصرہ کی ناکام کوشش ۳۴۳
حضرت خالد کی معزولی ۳۴۴
طاعون عمواس اور حضرت عمر و ابوعبیدہ میں اختلاف رائے ۳۴۷
فتح قیساریہ ۳۴۹
فتح مصر ۳۴۹
ایک قلعہ کی تسخیر ۳۵۰
اسکندریہ پر قبضہ ۳۵۱
حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ۳۵۳
جانشینی کے لیے نام ۳۵۴

Marfat.com

وصال و تدفین ۲۵۵

حضرت عمر کے صاحبزادے کی
وارفتگی اور ہرمزان کا قتل ۲۵۵

علم و فضل، اخلاق و عادات و
ازواج و اولاد ۲۵۶

امامت و اجتہاد ۲۵۸

اخلاق و عادات ۲۵۹

**عہد فاروقی پر ایک نظر اور
اور اس دور کی مدنیت**

فتوحات کی وسعت ۲۶۲

نظام حکومت۔ مجلس شوریٰ ۲۶۲

صوبوں کی تقسیم ۲۶۴

عہدہ دار ۲۶۴

شعبہ مالیات ۲۶۶

بیت المال ۲۶۶

خراج ۲۶۷

مردم شماری، پیمائش اور
تشخیص لگان ۲۶۷

جزیہ زکوٰۃ عشور وغیرہ ۲۶۸

دیوان مالیات ۲۶۹

سکے ۲۷۰

شعبہ عسکری۔ فوجی مراکز ۲۷۰

فوجی چھاؤنیاں اور فوج کی تعداد ۲۷۰

فوجیوں کا شمار اور تنخواہیں ۲۷۱

فوج کے حصے اور اسلحے وغیرہ ۲۷۳

شعبہ عدالت ۲۷۴

قضا کا دستور العمل ۲۷۵

قانون ۲۷۵

قضاۃ ۲۷۵

قضاۃ کی تنخواہیں ۲۷۶

امیر المومنین مدعا علیہ کی
حیثیت میں ۲۷۶

عدالت کے آئین و اصول ۲۷۷

شعبہ احداث و پولیس ۲۷۷

شعبہ رفاہ عام ۲۷۸

عہد فاروقی کے نو آباد شہر ۲۸۰

شعبہ تعلیم ۲۸۱

شعبہ مذہبی ۲۸۲

اشاعت اسلام ۲۸۴

اعراب قرآنی ۲۸۵

مساجد ۲۸۶

حج کی قافلہ سالاری ۲۸۷

Marfat.com

ذمیوں کے حقوق اور ان کا تحفظ ۲۸۷
مال گذاری، جزیہ و اخراج کی
تشخیص میں رعایتیں ۲۸۷
مذہبی آزادی ۲۸۹
ذمیوں اور مسلمانوں کے مساوی حقوق ۲۹۰
غلامی کا استیصال ۲۹۱
حضرت عمر کے طریقۂ حکمرانی کی
نمایاں خصوصیات ۲۹۴
نکتہ چینیوں کو برداشت کرنا ۲۹۵
مساوات ۲۹۵
سیاست و تدبیر مملکت ۲۹۷
رعایا کی خبرگیری ۲۹۹

عہد عثمانی

۲۴ھ / ۶۴۵ء — ۳۵ھ / ۶۵۶ء

حضرت امیر المومنین ذوالنورین عثمان بن عفانؓ

۴۷ ق ھ / ۶۴۵ء — ۳۵ھ / ۶۵۶ء

نام و نسب پیدائش و خاندان ۴۰۴
قبول اسلام اور عقد نکاح ۴۰۵
ہجرت ۴۰۵
بیر رومہ کی خریداری اور وقف ۴۰۶
غزوہ بدر میں عدم شرکت ۴۰۷
حضرت ام کلثوم سے عقد نکاح ۴۰۸
غزوات میں شرکت اور تجہیز
جیش تبوک ۴۰۸
خدمت کتابت ۴۰۹
عہد صدیقی و فاروقی ۴۰۹
خلافت کے لیے نامزدگی ۴۰۹
خلافت کے لیے انتخاب ۴۱۱
بیعت خلافت ۴۱۱
خطبہ خلافت ۴۱۲
پہلا مقدمہ ۴۱۲
امراء و ولاۃ کے نام فرامین اور
کوفہ کی ولایت میں تبدیلی ۴۱۳
استحکام حکومت پر اثر اور بغاوتیں ۴۱۴
عمرو بن العاص کی معزولی ۴۱۵
سعد بن ابی الوقاص کی معزولی ۴۱۵
آذربائیجان وغیرہ کی بغاوتوں کا
استیصال ۴۱۵
ولید بن عقبہ والی کوفہ کی معزولی ۴۱۶
حضرت ابوموسیٰ اشعری کی معزولی ۴۱۷
خراسان کی بغاوت اور یزدگرد کی زندگی کا خاتمہ ۴۱۷

Marfat.com

آرمینیہ کی اطاعت ۴۱۹
رومیوں کا قبضہ ۴۱۹
عمرو بن العاص کا دوبارہ تقرر اور
بغاوت کا استیصال ۴۱۹
عمرو بن العاص کی دوبارہ معزولی ۴۲۰

فتوحات عثمانی کا درخشاں دور

نئی پیش قدمیاں ۴۲۰
جرجان، ہرات، کابل، نیشا پور
وغیرہ کی فتوحات ۴۲۰
عہد عثمانی میں ہندوستان پر حملہ
نہ کرنے کا فیصلہ ۴۲۲
عبداللہ بن عامر کی واپسی ۴۲۲
ایشیائے کوچک فتوحات ۴۲۲
رومیوں سے دوبارہ آویزش اور
مغرب میں پیش قدمیاں ۴۲۳
فتح طرابلس ۴۲۴
فتح شمالی افریقہ کی تکمیل ۴۲۴
افریقہ کا مال غنیمت اور طریق
شیخین سے انحراف ۴۲۵
عربوں کے جنگی بیڑے ۴۲۶
فتح قسطنطنیہ کے لیے اسپین پر حملہ آوری ۴۲۶
بحر روم میں رومیوں کے دو اہم
فوجی مرکز ۴۲۶
حملہ قبرص ۴۲۷
ایک عظیم الشان بحری جنگ ۴۲۸
جزیرہ قبرص اسلامی ممالک
محروسہ میں ۴۲۹
قسطنطنیہ کا رُخ ۴۲۹
سسلی پر حملہ ۴۲۹
طرابلس کی بغاوت و استیصال ۴۳۰
رومیوں کا جوابی حملہ ۴۳۱
دور فتن کا آغاز سلسلہ فتوحات
کا انقطاع ۴۳۱

عہد عثمانی کا دور فتن

عہد عثمانی کے فتنے اور اس کے
اسباب ۴۳۱
عبداللہ بن سبا اور ا... ا...
منظم تحریک ۴۳۴
سبائیوں کے عقیدے ۴۳۵
سبائیوں کی مخفی تنظیم ۴۳۷
فتنہ کا پہلا مرکز ــــ بصرہ ۴۳۸
فتنہ کا دوسرا مرکز ــــ کوفہ ۴۳۹

Marfat.com

والیٔ کوفہ کے خلاف شر انگیزی ۴۳۹

عبداللہ بن سبا کی کوفہ سے جلاوطنی ۴۴۰

کوفی شر انگیزوں کا سیاسی نعرہ ۴۴۰

شر انگیزوں کی جلاوطنی اور واپسی ۴۴۰

والیٔ کوفہ کی مدینہ میں طلبی ۴۴۱

فتنہ کا صدر مقام ـ مصر ۴۴۱

شام میں فتنہ انگیزی کی ناکام کوشش ۴۴۲

غلط فہمی پھیلانے کے لیے مراسلات
اور افواہوں کی بھرمار ۴۴۵

عمال سے مشورہ ۴۴۵

کوفہ کے مفسدوں کا باغیانہ اقدام
اور والی کا جدید عزل ونصب ۴۴۷

حضرت علی کی صلاح نیک ۴۴۸

تحقیقاتی وفود ۴۴۹

اعلان عام ۴۵۰

ولاۃ وعمال سے دوبارہ مشورہ ۴۵۰

اکابر صحابہ سے مشورہ ۴۵۱

امیر معاویہ کی آخری پیشکش اور
حضرت عثمان کا جوار رسول کو نہ چھوڑنے کا عزم
۴۵۱

مدینہ پر باغیوں کی یورش ۴۵۲

حضرت عثمان پر حملہ ۴۵۲

صحابہ کا مشورہ اور حضرت عثمان کا
نقطۂ نظر ۴۵۴

حضرت عثمان کے خلاف الزامات
اور ان کے جوابات ۴۵۴

صحابہ کرام کی معزولی وتادیب کے
واقعات ۴۵۴

بیت المال میں بیجا تصرف اور بیت المال
کے سرمایہ سے اعزہ کو داد و دہش ۴۵۸

اعزہ نوازی کے چند اور الزامات ۴۶۲

حضرت عثمان پر چند ذاتی الزامات، بعض
چیزوں کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص
کرانا ۴۶۳

چراگاہ بقیع کی تخصیص ۴۶۳

مصحف عثمانی کی اشاعت ۴۶۴

حدود کے اجراء میں تغافل ۴۶۴

منیٰ میں خلاف سنت چار رکعتیں
نماز پڑھنا ۴۶۵

رائے عامہ کی تائید حضرت عثمان
کے حق میں ۴۶۵

حضرت علی کے توسط سے باغیوں کا
افہام وتفہیم ۴۶۶

Marfat.com

باغیوں کی ذو واپسی ۴۶۶
اصلاحات کی چند تجویزوں کا اعلان ۴۶۶
مدینہ پر باغیوں کی دوبارہ یورش ۴۶۶
جانشین کی تلاش ۴۶۸
کاشانۂ خلافت کا محاصرہ ۴۶۸
اتمام حجت کے لیے تقریریں ۴۷۰
امیر حج کا تقرر، باغیوں کو مکہ میں خبر پھیلنے کا اندیشہ اور حضرت عثمان کو جلد قتل کرنے کا فیصلہ ۴۷۲
حضرت عثمان کی آخری تقریر ۴۷۲
جان نثاروں کے مشورے اور وفا پیشہ اجازت طلبی حضرت عثمان کا انکار ۴۷۲

شہادت

شہادت کی تیاری ۴۷۴
حملہ اور شہادت ۴۷۴
تجہیز و تکفین ۴۷۵
واقعہ شہادت پر صحابہ کے تاثرات ۴۷۶
شہادت عثمانی کے نتائج ۴۷۷
علم وفضل و کمال ۴۷۷
اخلاق و عادات وطرز بود وماند ۴۷۸
ازواج و اولاد ۴۷۹

عہد عثمانی پر ایک نظر اور اس دور کی مدنیت

فتوحات کی وسعت ۴۸۱
نظام خلافت ۴۸۱
صوبوں کی تقسیم ۴۸۲
ولاۃ وعمال کا تقرر ۴۸۳
حکومت کے مختلف شعبے، شعبہ استقلال وعسکری کی علیحدگی ۴۸۴
شعبہ مالیات ۴۸۴
شعبہ عسکری ۴۸۵
شعبہ عدالت ۴۸۶
تعمیرات و رفاہ عام کی خدمات ۴۸۶
بند مہروز ۴۸۶
مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر ۴۸۶
مذہبی امارت و پیشوائی کی خدمات ۴۸۷
مصحف صدیقی کی اشاعت ۴۸۷

عہد مرتضوی

۳۵ھ / ۶۵۶ء — ۴۰ھ / ۶۶۱ء

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رض

۲۳ ق ھ / ۶۰۰ء — ۴۰ھ / ۶۶۱ء

نام ونسب ۴۹۰

Marfat.com

پیدائش و آغوش محمدی میں پرورش ۴۹۰
حضرت علی کا قبول اسلام ۴۹۱
والدین کی رحلت ۴۹۱
مکہ کی زندگی ۴۹۲
ہجرت ۴۹۲
مدینہ میں اخوت کا نیا رشتہ ۴۹۳
مسجد نبوی میں تعمیر کی شرکت ۴۹۳
غزوہ بدر میں حضرت علی کے کارنامے ۴۹۳
حضرت فاطمہؓ سے نکاح ۴۹۴
دیگر غزوات میں اہم خدمات ۴۹۴
کعبہ کے اندر آخری بت شکنی اور وارث نبی امی کے دوش مبارک پر ۴۹۶
بنو خزیمہ کی دادرسی ۴۹۶
غزوہ حنین کو سنبھالنا ۴۹۶
موسیٰ و ہارون کی نسبت کی مثال ۴۹۷
آنحضرت صلعم کے قائم مقام کی حیثیت سے تبلیغ اسلام ۴۹۷
یمن میں اشاعت اسلام ۴۹۷
تاج فخر ۴۹۷
رسالت مآب سے جدائی اور آخری خدمت ۴۹۸
حضرت علی کی خدمات خلفائے ثلاثہ کے دور میں ۴۹۸

خلافت

بیعت خلافت ۴۹۹
قاتلین عثمان کی تلاش، تعیین مقدمہ کی سماعت و ناکامی ۴۹۹
قصاص عثمان کے لیے عام اضطراب ۵۰۰
ولاۃ عمال کے عزل و نصب کا قصد اور خیر خواہوں کے مفید مشورے ۵۰۱
ولاۃ کی معزولی و تقرری ۵۰۲
امیر معاویہ کی مزاحمت ۵۰۳
امیر معاویہ کا قصد خروج اور مطالبہ قصاص عثمان کی علمبرداری ۵۰۳
حضرت علی کی جوابی تیاریاں اور اکابر صحابہ کا تردد اور غیر جانب داری ۵۰۴
جنگ جمل کی تمہید - حضرت عائشہؓ کی قصاص عثمان کے لیے تیاری ۵۰۵
حضرت ام المومنین عائشہ بصرہ کی سمت ۵۰۶
والی بصرہ و حضرت عائشہ کی فوجوں میں جنگ ۵۰۷
حضرت امیر کا قصد عراق اور بعض صحابہ کی مخالفت ۵۰۸
حضرت امیر کا سفر عراق ۵۰۹

بصرہ پر مخالفین کا استیلاء ۵۰۹
حضرت امام حسن کا کوفہ میں ورود اور
دس ہزار فوج کا مجتمع ہونا ۵۰۹
حضرت امیر کی طرف سے مصالحت
کی کوشش ۵۱۰
جماعت سبائی و مخالفین عثمان میں
اضطراب اور مخفی مشورہ ۵۱۲
حضرت علی سے پیش قدمی کا مطالبہ ۵۱۳
قصاص و جنگ سے متعلق حضرت
علی کی شرعی رائے معلوم کرنے
کی کوشش ۵۱۳
فوج کو حضرت امیر کی صبر و سکون کی
تلقین ۵۱۳
حضرت طلحہ و زبیر کی مصالحانہ روش ۵۱۳
حضرت علی کی بصرہ کے قریب منزل اور
مصالحت کے لیے نامہ و پیام ۵۱۴
صلح کا انعقاد ۵۱۴
شرانگیزوں کا جنگ جمل برپا کر دینا ۵۱۴
جنگ سے حضرت زبیر و طلحہ کی علیحدگی
اور شہادت ۵۱۵
ام المومنین کے ہودج کی قربان گاہ پر
جاں نثاروں کی قربانیاں ۵۱۶
جنگ کا خاتمہ ۵۱۷
حضرت علی کی طرف سے حضرت
ام المومنین کی خبرگیری ۵۱۷
حضرت علی حضرت ام المومنین کی
خدمت میں ۵۱۷
حضرت ام المومنین عائشہ کی
مکہ کو روانگی ۵۱۸
جنگ جمل پر ایک نظر ۵۱۸
حضرت علی کا ورود کوفہ ۵۱۹
مرکز خلافت کی منتقلی کوفہ میں ۵۱۹
حکومت کا جدید نظم و نسق و عمال
کا تقرر ۵۲۰
خراسان کی بغاوت کا استیصال ۵۲۰
اشتر نخعی کی پیش قدمی ۵۲۱
جنگ صفین کی تمہید، امیر معاویہ کو
بیعت کی دعوت ان کا اعتراض ۵۲۱
امیر معاویہ اور عمرو بن العاص میں سازباز
اور مصر کی حکومت کے لیے معاہدہ ۵۲۲
شام میں حضرت علی کے خلاف فضا
تیار کرنا ۵۲۳

Marfat.com

چند مصلحین امت کی ناکام مصالحانہ کوشش	۵۲۴
جنگ کی تیاری	۵۲۶
امیر معاویہ کے اعوان وانصار	۵۲۶
امیر معاویہ کی رومیوں سے عارضی صلح	۵۲۷
جنگ صفین، دارالخلافہ سے فوج کی روانگی	۵۲۷
طلایہ فوجوں میں مڈبھیڑ	۵۲۷
صفین میں امیر معاویہ کی مورچہ بندی	۵۲۸
پانی کے لیے کشمکش	۵۲۸
مصالحت کے لیے امیر معاویہ کے پاس ایک اور سفارت	۵۲۸
مصلحین امت کی طرف سے جنگ کی روک تھام	۵۳۰
آغاز جنگ	۵۳۰
جنگ کا التوا	۵۳۰
مصالحت کی نئی اور آخری کوشش	۵۳۱
منصب خلافت کے متعلق حضرت علی کا واضح نقطۂ نظر	۵۳۱
خونریز مسلسل لڑائیاں	۵۳۳
فیصلہ کن جنگ کی تیاری	۵۳۴
حیدر کرار امیر معاویہ کے خیمہ تک	۵۳۵
عمرو بن العاص کا مقابلہ میں آنا اور حیدر کرار کا دشمنوں کو ان کی زندگی بخش دینا	۵۳۵
لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ	۵۳۶
امیر معاویہ کی طرف سے مصالحت کی تحریک	۵۳۶
شامیوں کی ایک شاطرانہ چال اور میدان جنگ کا انوکھا منظر	۵۳۷
التوائے جنگ	۵۳۹
صفین کے معرکوں اور کشتوں کی تعداد	۵۳۹
ثالثی کی تجویز اور ثالثوں کا انتخاب	۵۴۰
تحکیم کا عہدنامہ	۵۴۱
عراقی فوج میں تفریق	۵۴۲
صفین سے فوجوں کی واپسی	۵۴۲
خوارج کی بنیاد	۵۴۳
خوارج کو افہام وتفہیم اور ان کی واپسی	۵۴۳
خوارج کا بنیادی عقیدہ	۵۴۴
دونوں ثالثوں کی گوشہ خلوت میں مشاورت	۵۴۴

Marfat.com

فیصلہ کا اعلان ۵۴۷
فیصلہ ثالثی کے بعد حضرت علی کا
قصد فوج کشی ۵۴۹
امیر معاویہ کا اعلان خلافت ۵۴۹
بعض مقام کے باشندوں کا سکوت ۵۴۹
خوارج کا خروج ۵۵۰
خوارج کو دعوت اتحاد ۵۵۰
امیر المومنین کی خدمت میں اطاعت شعار
شہریوں کا ایک وفد ۵۵۱
خوارج کے استیصال کا قصد اور
شام کی تیاری کا جاری رکھنا ۵۵۱
خوارج کے مظالم ۵۵۱
حضرت علی کا اتمام حجت ۵۵۱
معرکہ نہروان ۵۵۲
اس کا علم ۵۵۲
معرکہ کارزار اور میدان میں خوارج
کا خاتمہ ۵۵۳
شام پر حملہ کا قصد اور اشعث بن قیس
کی رخنہ اندازی ۵۵۴
کمال سبائیوں کا آخری حشر ۵۵۵
شام پر فوج کشی کے ارادہ کا التوا ۵۵۶

مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ ۵۵۷
عمرو بن العاص ولایت مصر پر ۵۶۱
حضرت علی کے مقبوضات پر امیر معاویہ
کی جارحانہ پیش قدمیاں ۵۶۲
باشندگان بصرہ کی سرکشی و اطاعت ۵۶۲
مختلف علوی مقبوضات پر چھاپہ
مارنے کی ناکام کوشش ۵۶۳
امارت حج کے لیے نزاع ۵۶۵
حجاز و یمن پر امیر معاویہ کی تاختیں ۵۶۵
چند بغاوتیں اور ان کا استیصال ۵۶۷
خریت بن راشد کی سرکوبی اور
رامہرمز کی بغاوت کا خاتمہ ۵۶۷
کرمان و فارس اور دوسرے صوبوں
کی دوبارہ اطاعت ۵۶۸
فتوحات ۵۶۹
امیر معاویہ سے مقابلہ کی آخری تیاری ۵۶۹

شہادت

حضرت علی پر قاتلانہ حملہ ۵۶۹
جانشین کے متعلق اظہار خیال ۵۷۱
وفات ۵۷۱
مدت خلافت ۵۷۱

Marfat.com

فضل وکمال اخلاق وعادات و ازواج واولاد

فضل وکمال ۵۷۱
تفسیر و علوم قرآن ۵۷۲
علم حدیث ۵۷۳
فقہ واجتہاد ۵۷۴
قضا اور فیصلے ۵۷۵
علم اسرار وحکم ۵۷۷
تقریر وخطابت ۵۷۸
شاعری ۵۷۹
فن نحو کی ایجاد ۵۷۹
اخلاق وعادات ۵۷۹
زہد، توکل، قناعت، فیاضی ۵۸۰
عبادت وریاضت ۵۸۲
امانت ودیانت ۵۸۲
شجاعت وبسالت ۵۸۳
تواضع وخاکساری ۵۸۴
لباس وغذا ۵۸۴
ازواج واولاد ۵۸۵
ازواج واولاد سے لطف ومحبت
اور شفقت ۵۸۶

حضرت علی کے صفات حسنہ کی توصیف
امیر معاویہ کے دربار میں ۵۸۷
عہد مرتضوی پر ایک اجمالی نظر اور
اس دور کی مدنیت ۵۸۸
ملکی نظم ونسق ونظام خلافت میں
اصلاح ۵۹۵
عمال کی نگرانی ۵۹۶
شعبہ عسکری ۵۹۷
شعبہ مالیات ۵۹۷
خراج کی آمدنی پر احتساب ۵۹۸
بیت المال ۵۹۸
شعبہ عدالت وقضاء ۵۹۹
جیل خانہ ۵۹۹
بازار کی نگرانی ۶۰۰
امت واجتہاد ۶۰۰
ذمیوں کے حقوق کی نگرانی اور
ان پر شفقت ۶۰۱

عہد حسنی

۴۰ھ / ۶۶۱ء — ۴۱ھ / ۶۶۲ء

Marfat.com

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۳ھ ۶۲۴ء — ۴۱ھ ۶۶۲ء

نام و نسب ولادت و بچپن ۶۰۵
جہادوں میں شرکت ۶۰۶
حضرت عثمان کی مدافعت میں ۶۰۶
عہد مرتضوی میں خدمات ۶۰۶
بیعت خلافت ۶۰۷
پہلا خطبہ ۶۰۷
امیر معاویہ کا جارحانہ اقدام
حضرت حسن کی مدافعت میں روانگی
اور عراقی فوج کی غداری ۶۰۸
امام حسن کے خیالات میں تبدیلی ۶۰۹
قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں مقابلہ ۶۱۰
حضرت امام سے عراقیوں کی دوبارہ
غداری اور مدائن کا محاصرہ ۶۱۰
دست برداری کا قطعی فیصلہ ۶۱۱
مصالحت و دست برداری کے
لیے سلسلہ جنبانی ۶۱۱
شرائط صلح ۶۱۱
قیس بن سعد کو واپسی کا حکم ۶۱۲
شرائط صلح کی امیر معاویہ کی طرف سے
بالمشافہ تصدیق ۶۱۲
منصب خلافت سے دستبرداری
کا اعلان اور زمام حکومت
کی امیر معاویہ کو سپردگی ۶۱۲
دستبرداری کے اثرات و نتائج ۶۱۳
دستبرداری کے حقیقی اسباب ۶۱۳
مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان ۶۱۴
خلافت و امامت ۶۱۵
قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں
مصالحت ۶۱۵
مدینہ منورہ میں توطن ۶۱۶
زہر خورانی ۶۱۶
ناناجان کے پہلو میں جانے کی تمنا ۶۱۸
وفات ۶۱۸
تدفین کے لیے نزاع ۶۱۸
جنازہ و دفن ۶۱۹
مدینہ میں سوگواری ۶۱۹

فضل و کمال، اخلاق و عادات و
ازدواج و اولاد

فضل و کمال ۶۱۹
اصلاح عقاید ۶۲۰

عبادت و ریاضت ۶۲۰
اخلاق و عادات ۶۲۰
استغناء و حلم و بردباری ۶۲۱
فیاضی و سیر چشمی ۶۲۱
ازواج و اولاد ۶۲۲
خاتمہ سخن ۶۲۲

خلافت راشدہ کے دور کے نظام حکومت پر ایک نظر

اسلامی حکومت کی رعایا ۶۲۳
مسلم رعایا ۶۲۳
ذمی رعایا ۶۲۴
خلیفہ و امام و مجلس شوریٰ ۶۲۵
نائب امیر ۶۲۵
وزراء ۶۲۵
ولاۃ ۶۲۶
امیر عسکر و امیر البحر ۶۲۶
قضاۃ ۶۲۷
مفتی ۶۲۸
محتسب ۶۲۸
چند دیگر عہدہ دار ۶۲۹
محکموں کی خود کاری ۶۲۹
بیت المال ۶۲۹
غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات ۶۳۰
جہاد ۶۳۰
اسیران جنگ ۶۳۲
غلامی ۶۳۲
ایک نئی فضا کی تخلیق ۶۳۳
اسلامی جمہوری حکومت کے ثمرات ۶۳۴
انسانیت معراج کمال کی راہ پر ۶۳۵

Marfat.com

دیباچہ

عہدِ رسالت وخلافتِ راشدہ علامہ سید ریاست علی ندوی کی آخری تصنیف ہے ان کا انتقال ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۷۶ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب پلیگرم اسپتال گیا میں ہوا۔ ان کی آخری تصنیف کو سمجھنے کے لئے ان کی پہلی کتاب کو، جو کہ ایک ترجمہ ہے، سمجھنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ان کے نظریہ اور ذہنی رجحان پر بھی ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

جہاں تک ان کے نظریہ اور ذہنی رجحان کی بات ہے، ایک خصوصی ادبی و علمی نشست میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ افسوس ہے کہ ان کی پوری تقریر قلم بند نہ کی جا سکی۔ شروع کے کچھ جملے ایک صاحب نے نوٹ کر لئے تھے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

"دُنیا کی ہر زندہ قوم و ملّت میں ایک مختصر جماعت، قوم و ملّت کے ہوشمند افراد اور نونہالوں کی ذہنی و دماغی نشو و نما اور ان کی علمی و ادبی و تہذیبی ترقیوں کے لئے اپنی زبان و قلم کو وقف رکھتی ہے۔ اس کی انگلیاں ملک و ملّت کے ذہنی رجحانات کی نبض پر رہتی ہیں اور حالات اور ماحول کا جائزہ لیتی ہوئی ضرورت کے مطابق لٹریچر تیار کرتی ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں پر دو قسم کی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک طرف ہندوستانی شہریت کے لحاظ سے ان پر کچھ حقوق اور ان کے کچھ فرائض ہیں، دوسری طرف وہ ایک ایسی ملّت کے افراد ہیں جس کا اپنا مذہب اور

Marfat.com

اپنی روایت ہے، اپنی تاریخ اور اپنا تمدّن ہے، اپنی زبان اور اپنا ادب ہے۔ اگر کسی ملت کے افراد اپنے علوم و فنون اور تمدّن سے بے نیاز، اپنے اسلاف کے علمی اندوختوں اور تہذیبی ورثوں سے ناآشنا، اپنے مذہب اور اس کی روایات سے بے پروا اور اپنی زبان اور اس کے ادب سے بیگانہ ہو جائیں گے، تو وہ اپنی ملت کی اختصاصی حیثیت کو کھو بیٹھیں گے، خصوصاً جب کوئی تنگ نظر جماعت ہمارے اسلاف کے کارناموں کو اغلاط بنانے اور ہماری تمدّنی خصوصیتوں اور تہذیبی ورثوں اور یادگاروں کو مٹانے کی فکر اور سعیٔ پیہم میں لگی ہوئی ہو۔

اس لئے نئے ہندوستان میں، ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے حقیقی فکر ان کی اسلامی خصوصیات کی بقا، وحفاظت اور اردو زبان و ادب اور اس کی نوک پلک کو بچانے کی ہے۔ ہمیں اب بدلے ہوئے حالات کے لحاظ سے اپنی تالیفات کو اُجاگر کرنا ہے، علوم اسلامیہ کی تاریخی ترقیوں کو دکھانا ہے، اسلامی تہذیب و تمدّن کو بدلے ہوئے حالات میں مورخانہ تصحیح و نقد کی میزان کے مطابق پیش کرنا ہے اور اسلام کے عہد اوّل کی تاریخ کو اس انداز میں سامنے لانا ہے کہ اس سے اسلام کے حقیقی خط و خال بھی نکھر کر ابھر آئیں، یہ خدمتیں سنجیدہ، قومی، علمی، مذہبی، تمدّنی، سیاسی، تاریخی اور تعلیمی ہوں گی، لیکن یہ کسی ایک فرد سے انجام نہیں پا سکتیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی نظم و ترتیب قائم کیا جائے اور کسی سلسلے سے منسلک ہو کر کام کو انجام دیا جائے۔"

موصوف کی پہلی کتاب ائمۂ اسلام ہے، یہ علامہ ابن تیمیہؒ کے رسالہ فسح الملام عن ائمۃ الاسلام کا آپ کے قلم سے سلیس اردو ترجمہ ہے اس کا پہلا ایڈیشن

Marfat.com

الہلال بک ایجنسی لاہور نے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا تھا، اس وقت آپ ۲۱ برس کے ہو چکے تھے ۲۲ویں برس میں قدم رکھا تھا۔ بقول مترجم "اس میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام نے انسانی عقل کے لئے کس قدر وسیع فضا پیدا کی ہے اور علمائے امت کو امت اسلامیہ کے منافع کے لئے کس قسم کی عقلی آزادی عطا کی ہے۔

موصوف کی پہلی تصنیف تاریخ صقلیہ دو جلدوں میں بڑی تقطیع کے ۱۰۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مناسب ہوگا کہ دونوں جلدوں کا سرسری جائزہ لیا جائے۔

تاریخ صقلیہ جلد اوّل: مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی۔ اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے۔ مگر افسوس کہ اس کی کوئی مرتّب تاریخ اردو، انگریزی میں کیا، عربی میں بھی موجود نہیں تھی۔ سارے حالات جا بجا ہزاروں ہزار صفحوں اور سیکڑوں کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے سالہا سال کی انتھک محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد ایک ہزار صفحات سے زائد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتّب کی۔ اس کی پہلی جلد میں رزم کی داستان ہے جس میں صقلیہ کی جغرافیائی حالات، سسلی، اٹلی اور جزائر سسلی پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بہ عہد کے دوروں کا عروج اور آخر میں اسلامی حکومت کے زوال اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے۔ اقبالؒ اسی فراموش شدہ واقعہ کو یاد کر کے یوں اشک بار ہوئے تھے ؎

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو.....

Marfat.com

تاریخ صقلیہ جلد دوم : یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے جس میں عہد اسلامی کی بساطِ بزم بچھائی گئی ہے۔ کتاب چند ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے۔ پھر نظامِ حکومت کی تفصیل آئی ہے، جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے عمّال کا ذکر ہے۔ پھر معاشی حالات کا بیان ہے جن میں مسلمانوں کی صنعت وحرفت، زراعت و تجارت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد علوم وادب کا تذکرہ ہے جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعروشاعری، علوم عقلیات، ریاضیات، طبعیات کا تذکرہ ایک فصل میں ہے اور انھیں میں مفسّرین، محدثین، فقہا، صوفیا، معلّمین، مؤرخین، ادبا، شعرا، علمائے عقلیات و ماہرینِ سائنس کے مفصّل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور ان کے کلام نظم ونثر پر نقد و تبصرہ ہے۔ آخری باب "سسلی کے اسلامی تمدّن سے یورپ کا استفادہ" کے عنوان سے ہے جس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ کے نئے تمدّن اور علوم وفنون کے بناؤ اور ترقی میں سسلی کے اسلامی تمدّن کا کس قدر حصّہ ہے۔

مندرجہ بالا طویل اقتباسات اور تبصرے میں نے اس لئے پیش کئے کہ ناظرینِ کتاب مصنّف کے نظریہ و ذہنی رجحان کے ساتھ ساتھ یہ بات مدّنظر رکھیں کہ علّامہ سائنس کو اسلام کی ضد نہیں، بلکہ ایک جزو سمجھتے تھے۔

علّامہ کے مضامین ان کے بچپن سے یعنی ترجمۂ ائمۂ اسلام کی اشاعت کے بہت پہلے سے ہی ملک کے پایہ کے رسائل وجرائد میں شائع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ ان کی تحریروں سے ان کے احساسات وجذبات نیز ان کے نظریہ اور ذہنی رجحان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھیں یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ مسلمانوں نے عقل سے کام لینا بند کردیا

Marfat.com

ہے۔ دینی اور دنیاوی علوم سے اپنا ناطہ توڑ لیا ہے۔ تلاش و تحقیق کا کام بند کر دیا ہے، کم درجہ کی سطحی کتابیں لکھنے اور پڑھنے کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اپنا ماضی فراموش کر چکے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ جہالت نے ان کے یہاں مسکن بنا لیا ہے اور آپس میں ہی یہ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ علامہ "ایک خاص تنگ نظر جماعت" کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کی مراد مسلمانوں کے دونوں طرح کے دشمنوں سے ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو ہمارے کھلے دشمن ہیں اور ہماری عزت و آبرو اور جان و مال کے خواہاں ہیں۔ دوسری قسم کے دشمن جو کہ زیادہ خطرناک ہیں وہ ہم میں ہی ہیں۔ ملک و بیرونِ ملک کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اپنی عقل، علم اور قابلیت سے ایسا لٹریچر تیار کرتے ہیں جو مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے۔

موصوف چاہتے تھے کہ مسلمان عقل سے کام لیں۔ دینی اور دنیاوی علوم میں مہارت حاصل کریں اور اپنے ماضی سے واقف رہیں۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں نے اپنے علم اور عقل دونوں کے استعمال سے اس دنیا کو مسخر کیا تھا۔ پچاس سال وہ اسی نظریہ اور ذہنی رجحان سے تحقیق و تلاش میں لگے رہے اور صفحات کے صفحات تباہ کرتے رہے۔ اسی نظریہ کے تحت انھوں نے ائمۂ اسلام کا ترجمہ کیا۔ اسی نظریہ کے ساتھ تقریباً پندرہ سال کی تحقیق و جستجو کے بعد تاریخ صقلیہ لکھی۔ تاریخ صقلیہ کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقیاں صقلیہ کی علمی، تمدنی اور سائنسی ترقیوں کی بنیاد پر ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب **اسلامی نظامِ تعلیم** کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان حکمراں تعلیم سے کتنی دلچسپی لیتے تھے اور ان کے دور میں تعلیم اور نظامِ تعلیم میں کتنی ترقیاں ہوئیں۔ بقول سید صباح الدین عبدالرحمٰن "اردو میں اس موضوع پر اس سے بہتر شاید کوئی اور کتاب نہیں۔"[1]

---

[1] معارف ۱۹۷۶ء

Marfat.com

مصنفِ زیرِ نظر کتاب اس بدلے ہوئے زمانے کے لحاظ سے کام کے انداز و رُخ کو بھی بدلنے کی ضرورت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ انھیں مذہبی لٹریچر نیز مذہب مخالف یعنی ملحدانہ لٹریچر سستے داموں یا مفت بہ آسانی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے ذہین مسلمان طلباء کے ہاتھوں میں اس طرح کی کتابیں دیکھیں اس لئے انھوں نے آج کے نوجوانوں کے لئے اسلام کے ابتدائی دور کی ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جو ان کے دماغ کے پردے کو کھولے اور وہ کم درجہ کی سطحی کتابیں نیز دشمنانِ اسلام اور منافقینِ اسلام کی مشکوک کتابیں پڑھ کر گمراہ نہ ہوں اور اپنے علمی اعتماد کو بھی نہ کھوئیں۔

ان ہی حالات کے تحت " مورخانہ تصحیح و نقد کی میزان کے مطابق " علامہ نے اسلام کے عہدِ اوّل کی تاریخ " عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ " کی تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔

عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ کی تصنیف کے بعد ایک نشست میں آپ سے جب اس کتاب کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل باتیں کہی تھیں، جنھیں قلم بند کر لیا گیا تھا:

" اس میں قدیم عرب قبل اسلام کی سیاسی، معاشی، تمدنی و اخلاقی زندگی کا جائزہ لینے کے بعد اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ ایک نئے انداز میں جامع و مانع طریقے سے پیش کی گئی ہے جس میں اسلام کی نشو و نما، عہد بہ عہد کی ترقی اور اسلام کی تعلیم و دعوت کی حقیقی روح کا نقشہ نظر آتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے سیرتِ پاک اور خلفائے راشدین کے سوانحِ حیات اور عہد بہ عہد کی مسلسل تاریخ کے ساتھ اسلام کی حقیقی

Marfat.com

زندگی، اور اس دور کی مذہبی، سیاسی، عسکری، معاشی، تمدنی، علمی و تعلیمی زندگی کے نقش و نگار کا مرقع نگاہوں میں آجاتا ہے صحابہ کرامؓ کی باہمی آویزشوں پر ادب کو ملحوظ رکھ کر اختلافات کے وجوہ و اسباب و علل پر بھی خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔"

موصوف اس کتاب میں "مقدمہ اسلامی علم تاریخ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"زیرِ نظر کتاب عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ میں جو واقعات آئے ہیں وہ زیادہ تر احادیث، سیر، مغازی اور قدیم مؤرخ امام طبری وغیرہ کی تاریخ سے ماخوذ ہیں، جن میں ہر واقعہ سلسلۂ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس لئے محدثین و مورخین نے واقعات کی صحت اور جانچ کے لئے جو کسوٹی رکھی ہے، توقع ہے کہ زیرِ نظر کتاب کا ہر واقعہ اس پر پورا اُترے گا۔"

اس کتاب کا مسودہ آپ نے اپنی زندگی میں بہار اردو اکادمی کو بغرض طبع و اشاعت دیا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کے ابتدائی چند صفحات زمانے کی نذر ہو گئے۔ کب ہوئے، کیسے ہوئے، کہنا مشکل ہے۔ اس کا جتنا افسوس مجھے ہے اتنا ہی بہار اردو اکادمی کے موجودہ ذمّہ داروں کو بھی ہے۔ اب افسوس کرنے سے کیا حاصل۔ خدا کو جو منظور تھا، ہوا۔

خوشی کی بات ہے کہ بہار اردو اکادمی نے فیصلہ کیا کہ علامہ سیّد ریاست علی ندوی کی تصنیف عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ کو اپنی اصلی حالت میں شائع کیا جائے۔ چند صفحات کی غیر موجودگی سے ناظرین کو جو زحمت ہوگی، اس کا ہمیں احساس

اور افسوس ہے۔

میں بہار اردو اکادمی کے سکریٹری جناب شاہ مشتاق احمد صاحب سابق ایم۔ایل۔اے بہار کا مشکور ہوں کہ ان کی ذاتی دلچسپی و توجہ سے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کی نوبت آئی۔

آخر میں جناب عنایت کریم صاحب پبلی کیشن کم سیلس آفیسر، بہار اردو اکادمی کا تذکرہ و شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو کتابت اور تصحیح کے مرحلوں سے گذارنے کے لئے سخت محنت کی اور اسے اپنی نگرانی میں شائع کرایا۔

امید ہے کہ زیر نظر کتاب اردو زبان میں ایک اہم اضافہ سمجھی جائے گی۔ اہلِ ذوق اسے پسند کریں گے اور یہ مقبولِ عام ہوگی، کیونکہ اس انداز کی کتاب اردو زبان میں شاید کوئی دوسری موجود نہ ہو۔

سید ارشد علی
موضع آبگلہ۔ ڈاکخانہ بنیا دگنج
ضلع گیا (بہار)

تاریخ
۳ رجمادی الاول ۱۴۰۱ھ
مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۸۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلامی علم تاریخ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد
وآلہ وخلفاء راشدین واصحابہ اجمعین ؕ

تاریخ ایک آئینہ ہے، جس میں اجتماع انسانی کے ہر دور کے خط و خال نظر آتے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی اس کے ساتھ تھے لوگ فخر و ترجیح کے لئے اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرتے تھے، تفریح و گرمی صحبت کیلئے مجلسوں میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر آتا تھا۔ باپ دادا کے طور و طریق و عادات و رسوم کی یادگاریں قائم کی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ کا سرمایہ ہیں جس کی بنیاد پر علم تاریخ اپنی عمارت تعمیر کرتا ہے۔

علم تاریخ انسان کے حالات میں فطرت کے واقعات سے جو تغیرات پیدا ہوئے ہیں اور خود انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان کا اور ان کے اسباب و علل کا پتہ لگانا اور انھیں ترتیب دینا علم تاریخ کا کام ہے تاکہ معلوم ہو کہ گذشتہ

Marfat.com

زمانہ کے واقعات سے موجودہ زمانہ کے حالات کس طرح پیدا ہوئے اور موجودہ دور، پچھلے زمانہ سے کن کڑیوں کے ساتھ مربوط ہے، اس طرح کسی خاص دور کی تاریخ کے بیان میں اس زمانہ کی سیاست، طرزِ حکومت، سیاسی کش مکش، جارحانہ و مدافعانہ معرکہ آرائیاں، معیشت، معاشرت، تہذیب و تمدن، عادات و خصائل، مذہب، اخلاق، علوم و فنون و آداب، زبان اور اس عہد کے زعماء، عمالِ حکومت اور اربابِ علم و فن وغیرہ کی سب ہی تفصیلات آجاتی ہیں اور یہی علم تاریخ ہے۔

تاریخ کے ماخذ تاریخ جن چیزوں سے مرتب کی جاتی ہے، ان میں خاندانی، قبائلی اور ملکی روایات، الہامی کتابوں کی تصریحات، سلاطین و ممالک کے احوال، آثارِ قدیمہ، کتبات اور مختلف دور کے سکے، کسی دور کی تاریخ کی ترتیب میں کام آتے ہیں۔ یہی تاریخ کے عمومی ماخذ ہیں، جو کچھ تو بطور یادگار محفوظ ہیں اور کچھ سینہ بہ سینہ اور نقل در نقل ہو کر اسلاف سے اخلاف کو پہنچتے ہیں۔

قدیم عرب میں علم تاریخ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا، عربوں کو تاریخ سے طبعی مناسبت تھی۔ ان میں انساب کا چرچا عام تھا، وہ بارہ بارہ پشتوں کے رشتے ناطے محفوظ رکھتے تھے۔ قبائل کے باہمی نسبی تعلقوں کو جانتے پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب بھی یاد رکھتے تھے۔ ایام عرب کی داستانیں بڑے بڑے قومی میلوں میں سنائی جاتی تھیں۔ قومی کارناموں کی روایتیں سینہ بہ سینہ پہنچاتے تھے۔ اپنی شاعری میں قبائلی مفاخر بیان کرتے تھے اور گذرے ہوئے واقعات و جذبات کی تصویر کھینچتے تھے۔ عرب میں تمدن کے آغاز کے ساتھ ہی لکھنے پڑھنے کا رواج آیا۔ حمیری و نبطی خط رائج تھے جن کے کتبے اس زمانہ میں بھی محفوظ ہیں، اسی زمانہ میں تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ تاریخ شاہانِ حیرہ، اسلام کے ظہور سے صدیوں پہلے لکھی جا چکی تھی، اسلام کے مورخوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، عربی تاریخوں میں اس کا مواد آج بھی موجود ہے۔ عربی رسم خط کی ایجاد اسلام سے پہلے ہو چکی تھی، جس سے نستعلیق خط سے فارسی و اردو خط نکلے ہیں۔ عربی خط کی ترقی قریش کے عروج کے دور میں ہوئی۔ اسلام کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا

Marfat.com

عبدالمطلب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دستاویز، اسلام کے ابتدائی دَور میں دستیاب ہوئی تھی۔ اور خلیفہ مامون رشید کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔ اس کا متن آج بھی تاریخ کے اوراق میں موجود ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

اسلامی تاریخ کی ابتداء و ترقی | عرب میں قریش کو تمام قبیلوں پر تفوق حاصل تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جن میں حضرت عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان ابوحذیفہ اور ایک خاتون شفاء بنت عبداللہ وغیرہ تھے۔ بدر کے قیدیوں میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ان میں کا ہر قیدی دس دس آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے اور آزاد ہو جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ مختلف صحابہ کے پاس ان کا الگ الگ صحیفہ موجود تھا، کبھی آپ کا خطبہ قلمبند کیا گیا۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ کے ناموں کی فہرست قلمبند کرائی، جن کی تعداد پندرہ سو تھی، نیز آپ کے وہ خطوط موجود ہیں جو آپ نے اسلام کی دعوت کے لئے سلاطین و امراء کو بھیجے تھے۔ اسی طرح احادیث کے وسیع ذخیرہ میں آپ کے احوال و واقعات اور اقوال و افعال کا قیمتی سرمایہ تاریخ کے بھی زرّیں ابواب ہیں۔

اس کے بعد جب تصنیف و تالیف کا دَور آیا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی وہ تاریخ کے فن میں تھی۔ امیر معاویہ متوفی ۶۰ھ ؁ ۶۸۰ء نے عبید بن شریہ کو جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور جس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے، صنعاء سے بلا لیا اور اسکی یادداشت کو اس سے قلمبند کرایا، اس کی متعدد کتابیں تیار ہوئیں جن میں سے ایک "کتاب الملوک و اخبار الماضیین" چھپ چکی ہے۔ اس طرح عہد اسلام کے آغاز کے بعد عرب میں فن تاریخ میں جو سب سے پہلی کتاب لکھی گئی، وہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

اس کے بعد ۱۱۷ھ ؁ ۷۳۵ء میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی ایک مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی زبان سے عربی زبان میں کیا گیا جو غیر زبان سے اسلامی عہد میں عربی میں ترجمہ کی

پہلی کتاب تھی، پھر عوانہ بن حکم متوفی (سنہ ۱۴۷ھ/۷۶۴ء) نے عام تاریخ کی تدوین کی اور بنو اُمیہؓ کے حالات خاص طور پر لکھے، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں سیرۃ نبوی اور غزوات پر خاص توجہ کی گئی، مغازی میں سب سے پہلی تصنیف امام زہری کی تھی پھر ان کے تلامذہ میں مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں تحریر پا گئیں۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت تیزی سے ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری تک کے قدمائے مؤرخین میں سے کلبی (سنہ ۲۰۴ھ/۸۱۹ء) واقدی (سنہ ۲۳۰ھ/۸۴۴ء) بلاذری (سنہ ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) ابو حنیفہ دینوری (سنہ ۲۸۱ھ/۸۹۴ء) طبری (سنہ ۳۱۰ھ/۹۲۲ء) اور مسعودی (سنہ ۳۴۶ھ/۹۵۷ء) وغیرہ آسمانِ شہرت کے درخشندہ ستارے ہیں، پھر متاخرین کا دور آیا جن میں ممتاز مورخین ادریسی (سنہ ۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء) سمعانی (سنہ ۵۶۲ھ/۱۱۶۷ء) یاقوت حموی (سنہ ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء) ابن خلکان (سنہ ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء) ابوالفداء (سنہ ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء) نویری (سنہ ۷۳۳ھ/۱۳۳۳ء) ابن اثیر (سنہ ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) ذہبی (سنہ ۷۴۶ھ/۱۳۴۵ء) ابن خلدون (سنہ ۸۰۶ھ/۱۴۰۳ء) مقریزی (سنہ ۸۴۵ھ/۱۴۴۱ء) اور سیوطی (سنہ ۹۱۱ھ/۱۵۰۸ء) وغیرہ کو قبول عام حاصل ہوا۔

قدماء میں یہ خصوصیت تھی، کہ وہ تمام واقعات کو محدثین کے طرز پر اتصال سند کے ساتھ نقل کرتے تھے۔ امام بخاری (سنہ ۲۵۶ھ/۸۷۰ء) و امام طبری (سنہ ۳۱۰ھ/۹۲۲ء) وغیرہ کی تاریخیں اسی نہج پر ہیں۔ متاخرین نے یہ التزام چھوڑ دیا۔ قدماء کی تصنیفات میں تمدن و معاشرت و معیشت کی جھلکیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ متاخرین نے عام تاریخوں میں صرف اختصار اور سیاسی حالات پر اصل توجہ رکھی۔ قدماء میں سے کلبی وغیرہ نے تاریخ کے لئے نئے عنوان جیسے "اوائل اسلام" "قریش کے پیشے" "عرب کے اصنام" "قبائل عرب کے مناظرات" "جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد" وغیرہ پر مستقل کتابیں لکھیں۔ بعض قدماء و متاخرین نے عام تاریخوں کے علاوہ جغرافیہ، سفرنامہ، طبقات و تذکرہ و تراجم پر کتابیں لکھیں اور ان میں تنوع پیدا کیا۔ یہ کتابیں تمدن، معیشت، معاشرت، علوم و فنون اور صنائع کی معلومات کا بھی مخزن ہیں۔ ان مباحث کا قیمتی سرمایہ ان کتابوں کے اوراق میں منتشر ہے۔ متاخرین میں سے ابن خلدون کو تاریخ میں

ایک نئے فن فلسفۂ تاریخ کی بنا ڈالنے کی اولیت کا شرف حاصل ہے اور یورپ کے مورخوں نے اسی فلسفی مورخ کو جدید فن سوشالوجی کا بھی بانی قرار دیا ہے۔ یورپین مورخین کانت، بکل وغیرہ نے اسی کے نشانِ راہ کی پیروی کی ہے۔

اس طرح اسلامی علم تاریخ اپنے گوناگوں مباحث و عنوانات کے لحاظ سے شاخ در شاخ ہو کر ایک دفترِ بے پایاں بن گیا، سینکڑوں مستقل عنوانات قائم ہوئے جن میں سے ہر عنوان کے تحت بیسیوں مورخوں نے سینکڑوں کتابیں لکھیں جن کی تفصیل تاریخ التاریخ[1] یعنی اسلامی علم تاریخ کی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اسلامی علم تاریخ کی چند خصوصیات قدیم تاریخیں چاہے وہ مسلمان مورخین کی ہوں یا دوسرے غیر مذاہب کے ایشیائی اور یورپین مورخین کی، ان کا یہ انداز تھا کہ ان کا محور فرماں روائے سلطنت کی ذات ہوتی تھی، ساری توجہ فتوحات اور خانہ جنگیوں اور کچھ دربار کے حالات پر مبذول رہتی تھی۔ عام تمدن، معاشرت، اخلاق و عادات و مذہب سے انھیں بحث نہیں رہتی تھی۔ اسلامی تاریخوں میں جو سلطنتوں پر لکھی گئیں یا تاریخِ عام کی حیثیت سے مرتب ہوئیں، ان میں تو عموماً یہی انداز قائم رہا، لیکن جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، دوسری قسم کی تالیفات، تاریخ ممالک، تاریخ مدن (شہر)، سفرنامہ، جغرافیہ، تذکرہ، طبقات، تراجم، تاریخ ملل و مذاہب، تاریخ علوم و فنون و کتب میں یہ معلومات پھیلے ہوئے ہیں، ایک دقیقہ سنج مصنف اپنے کام کے موتیوں کو رول کر اپنے دامن میں سمیٹ سکتا ہے اور عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ کے لئے تو یہ انمول جواہر احادیث کے ذخیرہ میں درخشاں نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں نے فن تاریخ کا ایک معیار قائم کیا۔ واقعات کی صحت کو جانچنے کے

---

[1] "تاریخ التاریخ" کے نام سے راقم سطور کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف ہے۔ ان سطروں کی تسوید میں اس کا مسودہ بھی سامنے رہا ہے۔

Marfat.com

دو طریقے رکھے یعنی روایت و درایت۔ روایت یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے وہ اس شخص کی زبان سے ہو جو خود اس میں شریک تھا ہو، اور اس سے لے کر اخیر راوی تک یہ تصریح موجود ہو کہ فلاں نے فلاں سے یہ بات کہی اور اس نے اس سے سن کر اس کو فلاں سے بیان کیا۔

پھر یہ تحقیق شروع ہوئی کہ جو لوگ سلسلۂ روایت میں آئے ہیں وہ کون ہیں، کیسے ہیں، کیا مشاغل تھے، چال چلن کیسا تھا، سمجھ کیسی تھی، ان کی سچائی کا معیار کیا تھا، ذہن سطحی رکھتے تھے یا دقیقہ بیں، صاحبِ علم تھے، یا علم کا کم حصہ پایا تھا اور ان کے متعلق ان کے ہم عصر کیسی رائے رکھتے تھے، ان میں ثقاہت اور سنجیدگی پائی جاتی تھی یا نہیں، ان لوگوں کے حالات کی تحقیق میں سینکڑوں اہلِ علم نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور ان کی تحقیقات کے نتائج میں فنِ اسماء الرجال تیار ہوا اور اس فن کی کتابوں میں لاکھوں انسانوں کے حالات قلمبند ہو گئے۔ ڈاکٹر اسپرنگر فن رجال کی کتاب "اصابہ" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> "کوئی ایسی قوم نہ دنیا میں گذری نہ آج موجود ہے،
> جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کے ایسا فن تیار
> کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کے
> حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔"

واقعات کی صحت کی جانچ کے دوسرے طریق درایت کا مقصود یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے وہ عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو یعنی واقعہ کا وقوع میں آنا فی نفسہٖ ممکن ہو، بات عقل کے مطابق ہو، اصولِ مسلمہ کے خلاف نہ ہو، عام محسوسات و مشاہدات بھی اس کے خلاف نہ ہوں، اور بات جس زمانہ کی کہی گئی ہو، اگر وہ پیش آتی، تو اس زمانہ کے بیشتر لوگوں کے علم میں ہوتی۔

قدمائے مؤرخین نے سلسلۂ روایت کو قائم رکھا، متاخرین نے زیادہ تر انہی

Marfat.com

قدماء کی کتابوں کی تلخیص کی، اس لئے سلسلۂ سند کو حذف کر دیا اور قدماء کی کتابوں میں جس دور تک کے حالات آئے تھے، اس کے بعد کے زمانہ کے لئے بھی نہ انھوں نے سند کا التزام رکھا، اور نہ اپنے عہد کی تاریخ بیان کرنے میں انھوں نے سلسلۂ روایت کے درج کرنے کی ضرورت سمجھی، لیکن درایت کے اصول سے ان اہلِ علم نے خاص طور پر کام لیا، اور اکثر روایتوں اور واقعات کی صحت سے صرف اس بناء پر انکار کیا کہ وہ درایت کی کسوٹی پر پورے نہیں اُترتے ہیں۔ اسی طرح واقعات کی تفصیل میں راویوں نے قیاس سے کام لیا، اور وہ قیاس روایت و درایت کے خلاف نظر آیا تو بلا تامّل اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

تاریخ نویسی کے موقع پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے اہم حکومت اور اربابِ اقتدار کا اثر ہوتا ہے۔ بنو اُمیہ نے نوّے ۹۰ برس حکومت کی، ان ہی کے زمانہ میں تصنیفات کا آغاز ہوا۔ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت سے دشمنی تھی، اسی طرح بنو فاطمہ و بنو عباس صدیوں حکومت کرتے رہے۔ وہ بنو اُمیہ کے دشمن تھے۔ دونوں فریق کے دورِ حکومت میں بے شمار جھوٹی حدیثیں اور واقعے گڑھ گڑھ کر ایک دوسرے کے خلاف بیان کئے گئے اور ہر ایک کے اپنے اپنے دور میں بنو امیہ، اہلِ بیت اور آلِ عباس کی شان میں منقبت کی حدیثیں گڑھی گئیں، واقعات بیان کئے گئے، مگر اسلام کے محدثین و مورخین نے دار و رسن اور قید و بند کی پروا نہ کی اور علانیہ منادی کرادی کہ یہ سب حدیثیں جھوٹی ہیں۔ اور آج احادیث کا ذخیرہ اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اگر ان میں کے کچھ احادیث و واقعات نظر آتے ہیں تو ان ہی مجموعوں میں ہیں، جن میں موضوع اور جھوٹی حدیثوں کو یکجا کیا گیا اور "موضوعات" یعنی "گڑھی ہوئی احادیث" کے نام سے موسوم ہیں۔

Marfat.com

زیرِ نظر کتاب " عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ " میں جو واقعات آئے ہیں، وہ زیادہ تر احادیث، سیر، مغازی اور قدیم مؤرخ امام طبری وغیرہ کی تاریخ سے ماخوذ ہیں، جن میں ہر واقعہ سلسلۂ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس لئے محدثین و مورخین نے واقعات کی صحت اور جانچ کے لئے جو کسوٹی رکھی ہے، توقع ہے کہ زیرِ نظر کتاب کا ہر واقعہ اس پر پورا اُترے گا۔

Marfat.com

قدیم عرب قبل اسلام

عرب اور اس کی جائے وقوع ایشیا کے نقشہ میں جنوب کی طرف ہندوستان سے جانب مغرب ایک مستطیل نما جزیرہ نما نظر آتا ہے، وہی جزیرۂ عرب کہا جاتا ہے، جس کی تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے، جس کے مشرق میں بحر ہند، خلیج فارس، اور بحر عمان ہے، مغرب میں بحر قلزم، ابنائے سویز اور بحر روم ہے، جنوب میں بحر ہند یا بحر عرب اور شمال کی سمت میں جو حصّہ خشکی سے ملا ہوا ہے، ملک شام اس کی سرحد کو جدا کرتا ہے، اس کے رقبہ کا تخمینہ بارہ سے تیرہ لاکھ مربع میل کیا گیا ہے۔ ملک کا بڑا حصّہ صحرا اور ریگستان پر مشتمل ہے۔ آب وہوا عموماً گرم وخشک ہے، اور آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔

وجہ تسمیہ اس ملک اور اس کے باشندوں دونوں ہی کو عرب کہا جاتا ہے۔ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں۔ عربوں کو اپنی زبان پر ناز تھا، اس لئے انھوں نے اپنے آپ اور اپنے ملک دونوں کو عرب، اور دوسروں کو عجم کے نام سے یاد کیا، جس کے معنی ژولیدہ بیان اور قوتِ گویائی سے عاری ہونے کے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب "عربہ" سے نکلا ہے جس کے معنی دشت وصحرا کے ہیں اور جیساکہ گذرا، عرب کا بڑا رقبہ دشت وصحرا ہی پر مشتمل ہے،

زبان قدیم زمانہ میں اس ملک کی زبان سامی تھی، پھر اس سے نکلی ہوئی شاخیں اس کی زبان رہی، جس کی آخری ترقی یافتہ شکل عربی زبان ہے۔

آبادیاں قدیم عرب کے مشہور شہروں میں سب سے بڑا مرکزی شہر مکّہ تھا، اس کے

بالائی اور نشیبی دو حصے تھے۔ بالائی حصہ کو بکہ اور پورے شہر کو جس میں بکہ بھی داخل تھا، مکہ کہتے تھے۔ کعبہ معظمہ کی تعمیر اسی بالائی حصہ بکہ میں ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں ان دونوں ناموں کا ذکر آیا ہے، قدیم زمانہ میں عرب کے اور دوسرے شہر طائف، دومۃ الجندل، تیماء، یثرب، صنعاء، ہجر، حضرموت، سبا، عدن وغیرہ تھے۔

قدیم عرب اقوام عرب باشندوں کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔ عرب بائدہ، عاربہ، مستعربہ۔

عرب بائدہ، وہ قدیم قبائل ہیں، جن کا ذکر الہامی کتابوں میں تو آیا ہے اور عرب کے اشعار میں بھی آگیا ہے، مگر مورخین ان کے حالات کچھ زیادہ قلمبند نہیں کرسکے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس و رقیم وغیرہ ہیں۔

عاربہ، وہ قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ یہ حمیر، کہلان اور ازد وغیرہ ہیں، جن کی شاخوں میں جرہم، ہمدان، انمار، مذحج، لخم، جذام اور کندہ وغیرہ ہیں۔

مستعربہ، دراصل نسل اسماعیلؑ اور اس کی شاخیں ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ نے مکہ کے جرہمی قبیلہ میں شادی کی تھی، ان ہی کی اولاد مستعربہ کہلائی۔ حضرت اسماعیلؑ کی بارہ اولادیں ہوئیں، جن میں سے ایک کا نام قیدار تھا، ان کی نسل سے عدنان اور انہی کی نسل سے قریش اور ان کی شاخیں ہیں۔

محققین کی تحقیق میں قدیم اشوریوں اور بابلیوں کا اصل وطن بھی عرب ہی تھا۔ جہاں سے نقل کر کے وہ دجلہ و فرات میں آئے تو ان کے ایک ہاتھ میں آب دار تلوار تھی، دوسرے ہاتھ میں تمدن کی مشعل، تلوار کی قوت سے ملک فتح کئے اور تمدن کی ضیاپاشیوں سے آراستگی و شائستگی پھیلائی، ان کے آثار، ان کی سلطنتوں کی بربادی کے بعد بھی ان ملکوں میں باقی رہے اور ان ہی کی زبان ان ملکوں میں تحریر و تقریر اور تہذیب و ترقی کا ذریعہ بنی رہی، ان کی الواح اور پتھروں پر جو شاہی احکام اور دعائیں نکلی ہیں وہ سامی زبان میں ہیں،

Marfat.com

جو عربی لہجہ کی اصل بنیاد ہے، اس طرح حجاز کے علاوہ شام و عراق بھی عہد قدیم سے عربوں کی آماجگاہ تھے اور ان سب ملکوں میں سامی زبان کو فروغ حاصل تھا اس لئے یہاں کی تمام تمدنی ترقیاں عربوں ہی کی رہین منت تھیں۔

اسی طرح عراق میں عمالقہ کی سلطنت تھی، حمورابی یا بابل کی سلطنت کا جو بیسویں سے اکیسویں صدی قبل مسیح تک رہی، دنیا کی تہذیب کی تعمیر میں غیر معمولی عظیم حصہ ہے، حمورابی قوانین ۲۸۳ دفعات کا ترجمہ یورپی و عربی زبانوں میں ہو چکا ہے محققین نے اس سلطنت کو بھی عربی سلطنت قرار دیا ہے۔

عرب بائدہ کی سب سے مشہور قوم عاد ہے، اس کی عظمت و جبروت کے بڑے افسانے بیان کئے گئے ہیں، انھوں نے بہشت کے نمونہ پر ایک عمارت بنوائی تھی، غضب الٰہی سے معتوب ہوئے، ان کی تباہی کا ذکر تفصیل سے قرآن مجید میں آیا ہے۔ عرب بائدہ کی دوسری قوم ثمود کی بربادی کے عبرت انگیز حالات بھی قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، ان کا دارالسلطنت اس مقام پر تھا جہاں مدائن آباد ہوا۔ اسی طرح اقوام طسم و جدیس کے آثار بھی نکل چکے ہیں جن سے ان کے شاندار تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ رقیم کی سلطنت چوتھی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک رہی۔ انھوں نے بڑی شائستگی سے حکومت کی، ان کی سلطنت بلقاء و عمان کے حدود میں تھی۔ اصحاب رقیم کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ قوم تبّع کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ اصحاب اخدود اسی قوم سے تھے۔ عرب بائدہ کی یہ سب قومیں خاص سرزمین عرب سے تعلق رکھتی تھیں۔

عہد قدیم میں عربی حکومت کا ابتدائی مرکز یمن تھا سلاطین یمن نے دنیا کے مختلف ممالک فتح کئے اور ایران کے آخری حدود تک ان کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ یمن کی سرزمین سے بہت سی سلطنتوں کے عروج و زوال کی کہانی وابستہ ہے سلطنت معینی جنوبی عرب میں تھی، پرانے کتبوں سے اس کے پچیس[25] حکمرانوں کا پتہ چلا ہے۔ اس کا زمانہ

پندرہ سو سے آٹھ سو برس قبل مسیح متعین کیا گیا ہے۔ سلطنت سبا کا پایۂ تخت مآرب تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس ملکۂ سبا کی ملاقات کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ سلاطینِ سبا نے بند عرم تعمیر کرایا تھا جو شہر مآرب کی دو پہاڑیوں کے درمیان تھا۔ ہمدانی نے چوتھی صدی ہجری میں اس بند کے کچھ حصے دیکھے تھے اور اپنی جغرافیہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کی جگہ شاہانِ حمیر نے لی۔ وہ اولوالعزم حکمران تھے، چھبیس ۲۶ حکمرانوں نے ایک ہزار سات سو برس تک حکومت کی۔ حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ یمن کی یہ حکومتیں اپنی عظمت و شوکت، شان دار تمدن اور عالی شان عمارات اور مختلف فنونِ کتابت و صنعت و حرفت وغیرہ کی ترقیوں میں مختلف اقوام عالم میں اپنی شانِ امتیاز رکھتی تھیں۔ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق اس قوم کی سرکشی کی وجہ سے مآرب کا بند عرم توڑ دیا گیا تھا اور پوری قوم تباہ ہو گئی تھی۔

یمن کے اس مشہور سیلاب میں مآرب اور اس کے اضلاع برباد ہو گئے تھے۔ سیلاب کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس ۱۲۰ فیٹ تھی۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کا ہے۔ اس سیلاب کے اثر میں آٹھ بڑے بڑے خاندان یمن سے نکل کر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ نظام سلطنت میں ضعف آگیا۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کی رعایا نے یہاں کے فرماں روا ذونواس سے بغاوت کی۔ شاہ حبش سے اعانت چاہی۔ اس نے ۵۲۹ء میں فوج بھیجی جس نے یمن پر قبضہ کر لیا اور حمیر کی یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ جنوبی عرب کا خطہ عیسوی حکومت کے قبضہ میں آگیا۔ اب یہ زمانہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا آگیا تھا۔ اسی زمانہ میں نجاشی ابرہہ اشرم شاہ حبش نے یمن ہی سے ہاتھیوں پر فوج لے کر مکہ پر چڑھائی کی تھی اور اللہ تعالٰی نے ان کے پورے لشکر کو برباد کر دیا۔ قرآن مجید میں ہاتھی پر چڑھ کر مکہ پر حملہ آوروں کو اصحاب فیل کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ۶۰۳ء میں قبیلہ حمیر کے ایک باحوصلہ شخص ذویزن نے ایرانیوں کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا اور یمن ایرانی شہنشاہیت کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا۔

Marfat.com

اس طرح جو قبیلے یمن سے نکلے تھے، ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں حیرہ میں جہاں اب کوفہ آباد ہے ایک سلطنت قائم کی، لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں مجوس سے متاثر ہوگئی، دوسرا قبیلہ شام میں جاکر آباد ہوا جو غسّانی خاندان کہلاتا ہے، یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا، رفتہ رفتہ عیسائی ہوگیا اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا۔

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا وہ صرف اس کے جنوبی حصہ یمن پر اور اسی حصہ میں یہودیت، مجوسیت اور عیسائیت کے کچھ اثرات پہنچے، اسی طرح حجاز کے بعض خطوں میں بعض عرب قبائل نے یہودیت اختیار کرلی تھی ورنہ سارے عرب کی سیاست و مدنیت بیرونی اثرات سے پاک رہی۔ یمن دراصل عرب عاربہ کا مرکز تھا، جو قحطانی کہلائے۔ جن سلطنتوں کا ذکر اوپر گزرا وہ دراصل ان ہی قحطانیوں کی تھیں۔ ان کے عظیم الشان محلوں کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں اور جاہ و جلال کے مظہر ہیں، اگرچہ جیساکہ اوپر گزرا یمن کے قحطانیوں کی آزاد حکومت کا اسلام کے ظہور سے کچھ پہلے خاتمہ ہوچکا تھا، پھر بھی شاہانہ شان و شوکت ان میں اس زمانہ میں بھی موجود تھی۔

عرب مستعربہ کا، جو آلِ اسمٰعیل ہیں، مرکز حجاز تھا۔ یہ کبھی کسی کے باج گذار نہیں ہوئے ان کی سیاسی تاریخ قریش کی تاریخ کے ساتھ وابستہ رہی۔ ظہور اسلام کے وقت یہی عرب عاربہ و مستعربہ یا یوں کہا جائے قحطانی و عدنانی شاخ در شاخ قبائل کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ کا تعلق تمام تر ان ہی کے ساتھ قائم ہے۔

عرب میں حضرت ابراہیم کا ورود اور کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے پیارے نبی اور نبیوں کے والد تھے۔ انھیں نورِ ہدایت اس دور میں عطا ہوا جب دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس وسیع خطۂ خاک میں کہیں گز بھر زمین نہیں تھی جہاں کوئی خدائے واحد کا نام لینے والا، اس کا نام لے کر سرِ نیاز جھکا سکتا۔ دنیا کے چپہ چپہ پر فرضی خداؤں اور بتوں کی پرستش جاری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متمدن وطن بابل کا حکمران نمرود

Marfat.com

اپنی خدائی منواتا اور اپنا مجسمہ پجواتا تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی صدا بلند کی تو آتشِ نمرود میں ڈالے گئے، جو اُن کے لئے گلزار بن گئی۔ مصر آئے تو ناموس کو خطرہ ہوا فلسطین پہنچے تو کسی نے ان کی طرف رُخ نہیں کیا، بالآخر جب شام، عراق، مصر اور فلسطین میں پیغامِ حق کو سننے والا کوئی نہ مل سکا تو وہ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی ماں حضرت ہاجرہ کو لے کر صحرائے عرب میں داخل ہوئے کہ ریگستانِ عرب تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا اور یہاں کے بسنے والوں کی فطرت سادہ تھی، حق کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت ان میں موجود تھی، اس لئے یہ سرزمین توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ابد سے سازگار تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ اور ان کی ماں کے ساتھ تقریباً ۲۷۹۳ برس قبلِ ہجرت مکہ میں وارد ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تقریباً چودہ[۱۴] برس کی تھی حضرت ابراہیمؑ نے مکّہ کے بالائی حصہ کے مقام بکّہ کی ایک پہاڑی مروا کو حضرت اسمٰعیلؑ کی تاریخی الہامی قربانی کے لئے قربان گاہ بنایا، بکّہ اور مروا، دونوں کا ذکر زبور اور قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور اسی قربان گاہ کے قریب حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ دونوں نے اپنے متبرک ہاتھوں سے ایک عبادت گاہ تعمیر کی، جو کعبہ کے نام سے موسوم ہوئی ہے، اس بے چھت کے چھوٹے سے گھر کو اللہ نے اپنا گھر کہا اور حکم دیا کہ:

135014

> "ہمارے اس گھر کو طواف کرنے والوں .... کے لئے پاک کر اور
> تمام لوگوں میں منادی کر دے کہ ہر دُور دراز گوشہ سے چاہے پیدل چل کر
> چاہے دُبلی اونٹنیوں پر چڑھ کر یہاں حج کے لئے آیا کریں"

یہ صدا مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گئی اور آج تک لاکھوں لاکھ انسانوں کے لئے یہ حج و طواف کا مقام ہے، کعبہ کی اس عمارت کا طول ۳۲ گز اور عرض ۲۲ گز اور چھت تک کی بلندی ۹ گز تھی۔ اس گھر کی تعمیر سے پہلے یہ مقام سنسان تھا۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم یہاں آکر آباد ہوا، اور کعبہ کی تولیت آگے چل کر اسی قبیلہ کو سونپی

گئی، پھر حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں ان کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے یہ مقام ایک مرکزی اور آباد شہر بن گیا اور حضرت سمٰعیل علیہ السلام تاحیات کعبہ کے متولّی رہے۔

آلِ اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی قبیلۂ جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی لڑکی سے ہوئی۔ اس شادی سے ان کے بارہ ۱۲ لڑکے پیدا ہوئے، جن میں سے نابت و قیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے مکّہ میں وفات پائی اور اپنی والدہ کے پہلو میں مقام حجر میں مدفون ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بڑے لڑکے نابت کعبہ کے متولّی ہوئے، پھر قیدار کے ہاتھ میں عرب کی سیادت آئی اور اس کی نسل میں عدنان کو غیر معمولی فروغ اور تاریخی اہمیت حاصل ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کرام کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے لڑکے معد تھے۔ معد کے نزار۔ ان کے دو لڑکے ہوئے ربیعہ و مضر، اور ان دونوں کے بکثرت بطون و قبائل ہوئے، چنانچہ ربیعہ سے بنو اسد، عبدالقیس، عنزہ، بکر تغلب، وائل، اراقم وغیرہ، اور مضر کی دو بڑی شاخیں ہوئیں، قیس عیلان بن مضر اور الیاس بن مضر۔ قیس عیلان کی دو شاخیں ہیں غطفان، سُلیم، اور غطفان سے ثقیف و عبس ذبیان اور سُلیم سے ہوازن۔

دوسری طرف الیاس بن مضر سے تمیم، ہذیل، اسد اور بطون کنانہ ہیں۔ کنانہ میں ایک عالی حوصلہ سردار فہر بن مالک بن نضر پیدا ہوا۔ اسی فہر کا لقب قریش تھا اور اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلائی، پھر قریش در شاخ ہوئے جن میں جمح، بنو سہم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو زہرہ، بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف ہیں۔ عبد مناف کے چار بیٹے عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم ہیں۔ ان میں سے عبد شمس کے بیٹے اُمیہ اور اسکی اولاد بنو اُمیہ ہیں، اور ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب اور ان کی اولاد، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فاطمہ و بنو عباس ہیں، اس طرح عبد مناف کی دو شاخیں بنو امیہ و بنو ہاشم ہوئیں جن

Marfat.com

کا اسلام اور اس کی تاریخ سے گہرا تعلق رہا۔

آلِ اسمٰعیلؑ کے بطون و قبائل حجاز، تہامہ، نجد، عراق پھر یمن میں آباد ہوئے۔

قدیم عرب کی سیاسی زندگی | قدیم عرب میں قیدار کو سیاسی برتری اور شوکت و عظمت حاصل ہوئی، اس کی اولاد جری، شجاع اور کثیر تعداد میں ہوئی، اس کا ذکر الہامی کتابوں میں آیا ہے، ان کی بستیاں بسی ہوئی تھیں جن میں کثیر تعداد میں لوگ آباد تھے۔ اگرچہ منظم حکومت کی تشکیل نہیں ہوئی مگر ان میں سے ایک ان کا سردار ہوتا تھا، جس کی اطاعت سب قبائل کرتے تھے، ان میں تمدن کے آثار پائے جاتے تھے، تجارت بھی کرتے تھے، اس کا ذکر بھی الہامی کتاب میں آیا ہے، وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف کو کنویں سے نکالا، وہ اسماعیلی ہی تھے جو مالِ تجارت لے کر مصر جا رہے تھے، اس کا تذکرہ بھی توراۃ میں مذکور ہے۔ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

خانہ کعبہ کی تولیت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، آگے چل کر جب بنو اسمٰعیل مختلف مشغولیتوں سے باہر نکلے تو تولیت کی ذمہ داری ان کے ننہالی قبیلہ جرہم نے لے لی، لیکن بنو جرہم اس خدمت کو اچھی طرح انجام نہ دے سکے۔ حرم کے احترام کے خلاف بھی ان سے حرکتیں سرزد ہوئیں، تو آلِ اسمٰعیل نے بزورِ قوت پھر باگ ان کے ہاتھ سے لے لی اور جرہمیوں کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اس طرح عرب کی سیادت یا دوسرے لفظ میں حکومت آلِ اسمٰعیل کے ہاتھ میں رہی جو منتقل ہو کر عدنان تک پہنچی اور اب سارے عرب میں کعبہ کو مرکزیت حاصل تھی۔

عدنان ہی کے دور میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا، عربوں کی قوت ٹوٹ گئی۔ عدنان مارا گیا، اس کے لڑکے معد نے زمام سیادت سنبھالی، مگر عرب ویران ہو گیا۔ معد کے بعد اس کے بیٹے نزار سے عدنان کی نسل پھیلی اور اتنی پھلی پھولی کہ سارے عرب پر چھا گئی اور مشہور قبائل جن کا ذکر اوپر گذرا، عرب کے چپے چپے میں پھیل گئے۔ ابتداءً یہ بدویانہ زندگی

Marfat.com

گذارتے تھے جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے تھے وہیں خیمہ زن ہوجاتے۔ اونٹ، بکری کے گلّے ان کا ذریعۂ معاش تھا، عدنانیوں کا عام پیشہ تجارت تھا۔ مقامی خرید وفروخت کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بیوپار کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر نے حملہ سے پہلے عدنانی قافلۂ تجارت کو جو اس کے ملک میں موجود تھا، پہلے ہی گرفتار کرلیا تھا۔

عدنانی قبائل میں سے ربیعہ، مضر اور قضاعہ نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، جو صدیوں تک شان وشوکت سے چلتی رہیں بنو قضاعہ کی حکومت حجاز سے لے کر شام وعراق تک پھیلی ہوئی تھی، اسی طرح ربیعہ کی اگرچہ منظم ریاست نہ تھی مگر ان کی سیادت تمام قبائل میں مسلّم تھی۔ آل مضر میں بکر وتغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں، بنو عامر عراق میں اور بنو کندہ نے نجد میں شاندار حکومت قائم کی۔

خاندانِ قریش کا آغاز دوسری طرف بنو کنانہ میں فہر بن مالک بن نضر پیدا ہوا جو قریش کے لقب سے یاد کیا گیا، کعبہ کی تولیت اس کے ہاتھ میں تھی، یہ بنو کنانہ کا قائد تھا۔ جب اس کے زمانہ میں حسان بن عبدکلال حمیری نے یمنی لشکر کے ساتھ مکّہ پر چڑھائی کی تاکہ حجرِ اسود کو اٹھاکر یمن لے جائے اور حج کا رُخ یمن کی سمت کردے تو فہر نے اس لشکر کا مقابلہ کیا، شمالی عرب کے تمام قبائل اس کے زیرِ علم آگئے، یمنیوں کا مقابلہ کیا اور فہر غالب آیا۔

شہر مکّہ کی مرکزیت اور عالم کے شہنشاہوں کی اس پر نگاہ یمنیوں کا یہ ناکام حملہ مکّہ کی مرکزیت کو مٹانے کے لئے کیا گیا تھا، جہاں بیت اللہ کعبہ سارے عرب کا قبلہ اور روحانی تسکین کا سرچشمہ تھا۔ شہر مکّہ اس زمانہ میں شام، یمن، طائف ونجد وغیرہ آنے جانیوالے تجارتی قافلوں کی گذرگاہ پر واقع تھا اور خود تجارت کی اہم منڈی بن چکا تھا۔ وہ چشمۂ زمزم کے قریب آباد تھا اور ہر طرف بلند اور ناقابلِ تسخیر پہاڑ اس کے پاسبان تھے، اس کی مرکزیت کی شہرت کی وجہ سے عرب مؤرخ ابن ہشام کے بیان کے مطابق سکندر ذوالقرنین نے بھی اس کی زیارت کرنی چاہی تھی، پھر اس زمانہ کے تین شہنشاہ رومی، ایرانی اور حبشی اس

پر قبضہ کرنے کے خواہشمند تھے اور اس کے لئے ان میں باہم رقابت پیدا ہو چکی تھی بخت نصر نے اس پر حملہ کیا مگر اس زمانہ میں عرب ایسا ویران ہو گیا کہ بخت نصر نے اپنی حکومت کی داغ بیل یہاں نہیں ڈالی، اس کے بعد عرب میں خوش حالی آئی اور انھوں نے طاقت بھی فراہم کر لی تو پھر مکّہ کے قدرتی قلعہ کی تسخیر آسان نہ رہ گئی، اگر کوئی کبھی حملہ آور ہوا تو کامیاب نہ ہو سکا۔ کہا جاتا ہے کہ رومی شہنشاہ ایلیوس گالوس کے زمانہ سے نیرو کے عہد تک ہر شہنشاہ نے اپنے اثر و نفوذ کو مکّہ تک پھیلانا چاہا، مگر کسی کو کامیابی نہ ہو سکی۔ (لامنس فرانسیسی کتاب مکّہ قبل ہجرت ص ۲۳۹)

قصی بن کلاب اور مکّہ میں جمہوری حکومت کی تاسیس

اس لئے درحقیقت شہر مکّہ تاریخ کے کسی دور میں کبھی کسی غیر عرب قوم کا محکوم نہیں رہا۔ کعبہ کی تولیت ہمیشہ عربوں ہی کے ہاتھوں میں رہی۔ قحطانی و عدنانی قبائل میں کش مکش ہوتی۔ قحطانیوں میں سے بنو جرہم، قضاعہ، خزاعہ اس منصب پر سرفراز ہوئے۔ آلِ اسماعیل یعنی عدنانی خصوصاً قریش قحطانیوں کے تسلّط کے زمانہ میں حجاز اور عرب کے دوسرے خطوں میں منتشر ہو گئے تھے، حرم کی تولیت پر بنو خزاعہ قابض تھے کہ خاندان قریش میں ایک اولوالعزم نوجوان قصی پیدا ہوا، جس نے اپنے تدبّر و دانش مندی سے بنو کنانہ کو یکجا کیا اور مکّہ میں ایک خود مختار جمہوری سلطنت کا بانی بنا، اور اس کے ہاتھوں قریش کی سیاسی و اجتماعی زندگی کو فروغ حاصل ہوا۔

قصی ایک طرف فہر ملقب بہ قریش کی اولاد کے سلسلۂ نسب میں چھٹی کڑی اور دوسری طرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کے سلسلۂ ذہب میں پانچویں کڑی ہے، اس کے باپ کلاب کا انتقال اس کے بچپن میں ہو گیا تھا، اس کی ماں نے قبیلۂ بنی عذرہ کے ایک شخص سے دوسری شادی کر لی اور وہ اپنی ماں کے ساتھ حجاز سے شام چلا گیا۔ اس کا بچپن شام ہی میں گذرا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زید تھا۔ وطن سے دور رہنے کی وجہ

Marfat.com

سے قصی کہا گیا۔ جوان ہوا تو اس کے دل میں اپنے آبائی وطن حجاز کی یاد اور مکہ کی کشش پیدا ہوئی اور وہ شام کی سکونت ترک کر کے مکہ چلا آیا اور یہاں توطن پذیر ہو گیا۔

قصی نہایت عاقل و فرزانہ اور حوصلہ مند مدبر تھا، اس نے قریش کے مختلف قبائل کو جو بکھرے ہوئے تھے، مکہ میں لا کر بسایا اور طاقت حاصل کی اور ان کا سردار بن گیا۔ اس زمانہ میں مکہ پر قحطانی قبیلہ جرہم کی حکومت تھی، اس نے قحطانی سردار کی بیٹی سے شادی کی اور اس کے مرنے کے بعد سرداری کی وراثت کا دعویدار بن گیا۔ تمام بنو کنانہ اس کے زیر علم آگئے، نیز قصی کے تعلقات قحطانیوں میں سے بنو قضاعہ سے خوشگوار تھے، انھوں نے بھی اس کا ساتھ دیا، اور قصی، بنو جرہم سے مکہ کی سرداری کو چھین کر خود سردار بن گیا۔ دوسری طرف ان دنوں کعبہ کی تولیت پر بنو خزاعہ قابض تھے، دوسرے قحطانی قبیلۂ قضاعہ کی حمایت اس کو حاصل ہو چکی تھی، چنانچہ اس نے مکہ کا سردار بننے کے بعد خلیل خزاعی سے کعبہ کی تولیت بھی چھین لی، اب وہ مکہ کا سردار اور کعبہ کا متولی تھا۔

مکہ پر قابض ہونے کے بعد اس نے اپنے رشتہ داروں کو مضافات مکہ سے قلب شہر بطحا میں منتقل کر لیا اور کعبہ کے سامنے ایوان حکومت کے لئے ایک عمارت تعمیر کی اس کا دروازہ کعبہ کے سامنے رکھا اور اس کا نام دارالندوہ یعنی مشورہ گاہ قرار پایا۔

مشہور مورخ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ قیصر روم نے مکہ پر قبضہ کرنے میں قصی کی مدد کی تھی، (معارف ابن قتیبہ ص ۱۳۳) یہ اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی جو رومی شہنشاہ اپنے اثر کو مکہ تک پھیلانا چاہتے تھے، لیکن قصی نے اپنی حکومت خود مختار جمہوری اصول پر قائم کی اور رومیوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

نظام حکومت قصی نے اس چھوٹی سی خود مختار جمہوری ریاست کو کئی شعبوں میں تقسیم کیا، جو چار بڑی قسموں شعبہ کشوری و انتظامی، عدالت، عسکری و مذہبی پر تقسیم کئے جا سکتے ہیں، پھر ان میں سے ہر شعبہ میں کئی ذیلی شعبے تھے، مختلف قبائل

کے سردار، ان سرکاری شعبوں کے الگ الگ سربراہ مقرر کئے گئے۔ ان قبائل میں ان کے یہ عہدے اور منصب قصی کے بعد بھی موروثاً جاری رہے، پھر ان ہی قبائل پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی جس میں شرکت کے لئے چند بنیادی دستور وضع کئے گئے۔

اگرچہ اس زمانہ میں متمدن ممالک یونان، روما، ایران وحبشہ میں صدر مملکت یا بادشاہ ہوا کرتے تھے، لیکن اس چھوٹی سی مملکت کے مطلق العنان اختیارات گو قصی کو حاصل تھے، اس کی ایک مجلس شوریٰ بھی تھی اور ملک کے عام باشندے اس سے محبّت و عقیدت بھی رکھتے تھے، مگر اس نے نہ اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور نہ صدر مملکت بنا، بلکہ یہ ایک سیاسی اجتماعیت ضابطہ کی بادشاہت کے بغیر تشکیل پائی تھی جس کا عملاً سربراہ و سردار قصی تھا، اور اس کے بعد اس کی اولاد نے اسی طرز سے اس کی یہ جانشینی کی، اور اس سیاسی اجتماعیت کی شکل ایک مستقل مملکت کی طرح قائم رہی، جس کے مختلف شعبے قائم اور قوانین وضوابط مقرر اور نافذ تھے۔

شعبہ کشوری وانتظامی | شعبہ کشوری میں مجلس شوریٰ یا مجلس قانون ساز، مالیات اور سفارت اہم صیغے تھے۔

مجلس قانون ساز | دار الندوہ کو مملکت کی مرکزی مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ) کی حیثیت حاصل تھی، پھر جتنی الگ الگ آبادیاں الگ قریوں اور محلوں میں تھیں، ان کی علیحدہ مجلسیں تھیں جن کو "نادی" کہا جاتا تھا اور ہر آبادی کے ممتاز قبیلہ کا سردار اس کا سربراہ تھا، مملکت کے شہریوں کے مجموعہ کو "جماعت" کہا جاتا تھا، اور جنھیں حق رائے دہندگی حاصل ہوتا تھا وہ "ملاء" کے نام سے موسوم تھے، دار الندوہ کے اجلاس میں معمر اہلِ مکہ شریک ہوتے تھے، جن کی عمر کم سے کم چالیس سال ہوتی تھی، لیکن قصی کے بیٹے عمر اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ (اخبار مکہ ازرقی ص ۶۴، ۶۵، ۶۶، واشتقاق ابن درید ص ۹۷)

دار الندوہ اور نادی میں حکومت وسیاست سے متعلق ہر قسم کے مشورے

Marfat.com

کئے جاتے تھے، اسی میں جارحانہ و مدافعانہ لڑائیوں اور ان کی تدبیروں پر غور اور فیصلے کئے جاتے تھے، یہیں تجارتی معاہدے طے پاتے تھے، بیرونی مہمانوں کی ضیافت کا سامان یہیں کیا جاتا تھا، پھر اسی میں کچھ سماجی و معاشرتی تقریبیں بھی انجام پاتی تھیں، مثلاً عربوں میں دستور تھا کہ وہ اجنبیوں کو جو ان کے ملک میں بس جاتے یا کسی طرح آ جاتے تھے اور یہاں سے وابستہ ہو جاتے تھے، جس خاندان سے بھی ان کا معاملہ طے پاتا وہ اس خاندان میں فردِ خاندان کی حیثیت سے لے لئے جاتے تھے اور مولیٰ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، مولیٰ بنانے کی یہ رسم دارالندوہ اور مقامی نادیوں میں انجام پاتی تھی، اسی طرح اگر کسی فرد کو خاندان سے خارج کرنا ہوتا تو اس کو طرد یا خلع کہتے تھے۔ طرد اور خلع کا اعلان بھی دارالندوہ اور نادی میں کیا جاتا تھا، اسی طرح کاروانِ تجارت کی آمد و روانگی بھی ان ہی نادیوں سے ہوا کرتی تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۴۳، ازرقی ص ۲۷۶)

دارالندوہ کے اجلاس کے انعقاد اور اس کے فیصلوں کی تشہیر کے لئے نقیب مقرر تھے، جن کو منادی اور مؤذن کہا جاتا تھا۔ بعض اہم انتظامی عہدوں پر قصی کے بیٹے سرفراز تھے، دورِ اسلامی کے آغاز سے پہلے تک دارالندوہ کے سربراہ بنو عبدالدار تھے۔

مالیات مالیات کے لئے مختلف ٹیکسوں کا نظم کیا گیا تھا۔ تاجروں سے درآمدِ مال پر محصول لیا جاتا تھا، لیکن اہلِ مکہ اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھے۔ (طبقات ابن سعد ج (قسم ۱ ص ۳۹) یہ ٹیکس مالیت کا دسواں حصہ ہوتا تھا، عرب میں میلوں کے لگنے کا عام رواج تھا، قصی نے میلوں پر بھی عشر یعنی دسواں حصہ محصول لگایا تھا، ٹیکس کی آمدنی میں اضافہ کے لئے میلوں کو ترقی دینے پر خاص توجہ رکھی جاتی تھی اور تاجروں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔ قریش ہر قسم کے محصول سے معاف رکھے گئے تھے، دوسرے مقاموں پر بھی ان کا احترام کیا جاتا تھا، ان کے تجارتی قافلے ان سے گذرتے تھے اور محصول سے معاف رکھے جاتے تھے۔ (ابن سعد ج ۱ قسم ۲ ص ۴۹)

معید پہ

چڑھاوے کی آمدنی ہوتی تھی، اس آمدنی کو اموال محجرہ کہتے تھے، موروثی طور پر یہ شعبہ بنو سہم کے پاس تھا، (العقد الفرید ج ۱ ص ۴۶) مکّہ کے باہر سے آنے والے اپنے گناہ آلود کپڑوں میں کعبہ کا طواف کرنے کا حق نہیں رکھتے تھے، وہ اہلِ مکّہ سے لباس خرید کر احرام باندھتے تھے، قربانی کے جانوروں اور قیام کا انتظام بھی کیا جاتا تھا، اس کا معاوضہ مقرر تھا، اس آمدنی کو حریم کہتے تھے۔ لاوارث اور اجنبی مرنے والوں کا سرمایہ بھی سرکاری خزانہ میں جمع کیا جاتا تھا، اہلِ مکّہ پر ایک خاص ٹیکس اَفادہ کے نام سے مقرر تھا جس کا ذکر آگے آئے گا، اس آمدنی سے حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، اور اس کی جو بچت ہوتی تھی وہ سرکاری خزانہ میں چلی جاتی تھی، آگے چل کر یہ شعبہ خاندانِ نوفل میں متوارث رہا۔

سفارت | قصیٰ کے کشوری نظم میں ایک اہم عہدہ سفیر کا ہوتا تھا جو موروثی ہو کر بنی عدی یعنی حضرت عمر فاروق رضؓ کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ عہدِ جاہلیت میں حضرت عمر رضؓ بھی اس منصب کی خدمت انجام دے چکے تھے، جب قبائل میں جنگ کی نوبت ہوتی یا کوئی اختلافی بات پیدا ہوتی تو یہ سفیر اس معاملہ کو سلجھاتے بھی تھے۔ اور لوگ اس کو مانتے بھی تھے۔ اس طرح سفراء، سفارت کی خدمتوں کے علاوہ حَکَم اور ثالث کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، اور معاشرہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ (العقد الفرید ج ۲ ص ۴۵)

شعبۂ عدالت | جرائم کی ذمہ داری اور دعووں کے حقوق متعیّن کرنے کے لئے ایک شعبہ " حکومت[۱] " کے نام سے قائم تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار " حاکم " ہوتا تھا جو مقدمے فیصل کرتا تھا اور دو قبیلوں کے جھگڑے کسی تیسرے ثالث کے ذریعہ فیصل ہوتے تھے۔ عدالتِ اعلیٰ کے اختیارات خود قصیٰ کے ہاتھ میں تھے، خوں بہا اور مالی تاوان کی دیکھ بھال

---

[۱] عربی میں حکم کے معنی حکومت کرنے اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے دونوں کے آتے ہیں۔

Marfat.com

وصولی اور دہانید کے لئے ایک مستقل شعبہ اشناق تھا، اس شعبہ کا عہدہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان میں متوارث رہا اور شعبہ حکومت کے وارث بنو سہیم تھے۔

قصی کے بعد کوئی واحد حاکم عدالت نہ رہ سکا اور قبیلوں کی رقابتیں اور جھگڑے بہت بڑھ گئے، جن سے ایام عرب کی تاریخ جداگانہ مرتب ہوئی۔ آگے چل کر مظلوموں کی دادرسی اور حمایت کے لئے ایک معاہدہ حلف الفضول قبائل کے درمیان طے پایا مگر وہ کسی مستقل نظام کی حیثیت نہ اختیار کر سکا۔

شعبہ عسکری | شعبہ عسکری کے ذیلی شعبے قبہ، اعنہ، عقاب اور لواء وغیرہ تھے۔ اسی طرح مال غنیمت کے سلسلہ میں چند اصطلاحیں اور ان کے قاعدے مقرر تھے۔

شعبہ قبہ، فوجی کیمپ کا انتظام کرتا تھا، اسی کی نگرانی میں وہ شامیانہ بھی ہوتا تھا جو جنگ میں ساتھ رکھے جانے والے بتوں پر سایہ فگن رہتا تھا۔ اعنہ سے مراد فوج کی سپہ سالاری تھی۔ قبہ و اعنہ دونوں شعبوں کے سربراہ وراثۃً بنو مخزوم تھے۔ عقاب قومی نشان کی علمبرداری تھی، یہ جنگی قومی جھنڈا ہوتا تھا، اس کا اعزاز بنو امیہ کو حاصل تھا۔ لواء کے معنی بھی جھنڈے کے ہیں، یہ ہر قبیلہ کا الگ الگ جھنڈا ہوتا تھا۔ اس کو لواء کہتے تھے جس کو قبیلہ کا سردار اٹھائے رکھتا تھا۔ عہد نبوی میں فتح مکہ کے موقع پر جو الگ الگ قبیلہ مکہ میں داخلہ کے وقت پہاڑی پر سے گذرا تو ہر ایک کے پاس اس کا علیحدہ علم تھا۔

لڑائیوں میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ ایک چوتھائی اور تین چوتھائی میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ تین چوتھائی عام سپاہیوں کا اور ایک چوتھائی مال غنیمت سردار کا حصہ ہوتا تھا، سردار کے حصہ کو مرباع کہتے تھے، نشیطہ وہ مال ہوتا جو دشمن کی شکست اور عام لوٹ سے پہلے حاصل ہوتا، اور صفی ایسے مال کو کہتے تھے جس کو ندرت یا کسی خصوصیت کی وجہ سے سردار مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے چن لیتا تھا اور اس کو یہ کرنے کا حق حاصل تھا۔

Marfat.com

یوں تو ہر عرب جنگجو، شجاع اور لڑائی کا دلدادہ تھا، بہ ایں ہمہ غلاموں اور تنخواہ یاب ملازمین کی فوج بھی مرتب کی جاتی تھی، جس کو قائمہ کہتے تھے۔

شعبۂ مذہبی مکہ عرب کا دینی مرکز تھا، اس لئے مملکت مکہ کا سب سے اہم شعبہ مذہبی تھا، جس کے ذریعہ ان کے معبد یعنی بیت اللہ کعبہ کی دیکھ بھال اور زائرین مکہ کی آسائش کا انتظام کیا جاتا تھا، اس سلسلہ میں مختلف خدمتوں کی انجام دہی کے لئے علیحدہ علیحدہ ذیلی شعبے سدانہ، حجابہ، سقایہ، رفادہ اور عمارۃ البیت کے نام سے قائم تھے۔ سدانہ سے مراد کعبہ کی رکھوالی اور کلید برداری تھی، یہ عہدہ بنو عبد الدار میں وراثۃً آیا۔ حجابہ کے معنی اس کی دربانی کے تھے۔ عمارۃ البیت کے ذمہ دار کا کام یہ تھا کہ وہ حرم کعبہ کی تقدیس کا نگہبان رہے اور گشت لگا کر دیکھتا رہے کہ کوئی بات کسی سے خلافِ ادب سرزد نہ ہونے پائے۔ سقایہ کے عہدہ دار کے ذمہ حج و عمرہ کے لئے آنے والے زائرین کو پانی پلانا اور اس کا انتظام کرنا تھا۔ عمارۃ البیت اور سقایہ کے منصب بنو ہاشم کو حاصل تھے۔ رفادہ کے سپرد حجاج کے خور و نوش کا انتظام کرنا تھا اس شعبہ کے ماتحت نادار حاجیوں کو ان کے پورے زمانۂ قیام میں کھانا کھلایا جاتا اور ایک دن مکہ کے باشندوں کی طرف سے تمام حجاج و زائرین کی ضیافت کی جاتی تھی جیسا کہ اوپر گذرا، رفادہ کا عہدہ بنو نوفل کے پاس وراثۃً آیا۔ شعبہ ایسار، بتوں سے استخارہ لینے کے نظم کے لئے تھا، بنو جمح اس کے منتظم تھے۔

نیز اسی شعبہ مذہبی کی طرف سے ان مقدس مہینوں کی تعیین کا اعلان کیا جاتا تھا، جن کو شہر حرام کہتے ہیں اور جن میں جنگ و خوں ریزی حرام سمجھی جاتی تھی اور راستے پر امن رہتے تھے۔ اس سلسلے میں شمسی و قمری مہینوں کے فرق کو مٹانے کے لئے ہر تین برس پر تیرہواں مہینہ کبیسہ (لوند) کا بڑھا دیتے تھے۔ آگے چل کر قبیلہ بنو فقیم اس کا منصرم ہوا، کبیسہ کے مہینے کا اعلان کرنے والے افسر کو قلمس یا قلنبش کہتے تھے۔

قصی نے مملکت مکہ کا جو نظم و نسق قائم کیا، اس سے قریش کا ذہن اجتماعی طاقت

Marfat.com

اور قدامت کے سانچے میں ڈھل گیا اور ان میں ایسی بہت سی سماجی، معاشرتی اور اخلاقی قدریں پیدا ہوئیں جن کے نقوش تا دیر ان میں قائم رہے۔

جانشین قصی کی چھ اولادیں ہوئیں، اس نے مرنے کے وقت حرم کے تمام مناصب اپنے سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیئے اور مکّہ اور قریش کی سیادت دوسرے بیٹے عبد مناف کے سپرد کی، اس طرح مملکتِ مکّہ کے مذہبی و سیاسی اقتدار دو خاندانوں میں تقسیم ہو گئے۔

عبد مناف عبد مناف کا نام مغیرہ اور لقب عبد مناف تھا جس نے نام کی جگہ اختیار کر لی، قصی کی وفات کے بعد مملکتِ مکّہ کی سرداری میں اس کا جانشیں ہوا۔ قریش میں اس کو غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی اور "قمر البطحاء" کے لقب سے پکارا گیا، اس کے لڑکے ہاشم، مطلب، عبد شمس، نوفل، ابو عبید اور ابو عمرو تھے، مکّہ میں اس نے وفات پائی، ہاشم اس کے جانشین ہوئے۔ (الاعلام)

ہاشم ہاشم نے عرب میں بڑی عزت و عظمت حاصل کی اور قریش کے مرتبہ کو بلند کیا، قصی نے کعبہ کی تولیت جیسا کہ گزرا عبد الدار کے سپرد کی تھی۔ عبد الدار کے بعد اس کی اولاد اس منصب کی اہل نہیں رہی، ہاشم نے بنو عبد الدار سے سقایہ و رفادہ کے عہدے بھی حاصل کر لئے۔

قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا، ہاشم نے اپنی توجہ تجارت کی ترقی کی طرف لگائی اور عرب کا دورہ کر کے قبائل سے معاہدے کئے کہ وہ قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں، دوسری طرف نجاشی اور قیصر کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا اور قیصر سے منشور حاصل کیا کہ قریش کے تجارتی قافلے روک ٹوک اور محصول کی ادائی کے بغیر شام آیا جایا کریں گے، اور قیصر ہی نے ایک سفارشی خط نجاشی کو لکھا کہ وہ مکّہ والوں کے تجارتی قافلے آزادانہ بلا محصول آنے جانے دیا کرے (یعقوبی ج ۱ ص ۲۸، طبری ص ۱۰۰۹، ابن سعد ج ۱ قسم ۱ ص ۴۳، ۴۵، امالی ابو علی قالی ص ۴۸)

Marfat.com

ہاشم نے حرم کی مفوّضہ خدمت بھی بڑی خوبی سے انجام دی، حجاج کو بڑی فیّاضی وسیر چشمی سے کھلاتے اور چمڑے کے مشکیزوں میں پانی بھرواکر سبیل لگواتے تھے، اس کی وجہ سے انھیں قریش اور عام عرب کی نگاہ میں بڑی وقعت حاصل ہوئی۔

ہاشم کی ایک سے زیادہ شادیاں ہوئی تھیں، جن سے کئی لڑکے تھے، آخری شادی یثرب میں خاندانِ بنی نجار میں ایک لڑکی سلمیٰ سے کی تھی، شادی کے بعد شام چلے گئے، اور غزہ میں انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، ہاشم کے بھائی مطّلب کو حالات معلوم ہوئے، وہ یثرب جاکر اپنے یتیم بھتیجے کو لے آئے اور اپنی آغوشِ شفقت میں پرورش کی، جس کی وجہ سے اس نوعمر بچّہ کا لقب عبدالمطلب قرار پایا، پھر اس لقب نے نام کی جگہ لے لی، عبدالمطلب سنِ شعور کے بعد باپ کی جگہ کعبہ کے متولی بنائے گئے۔

مملکتِ مکّہ میں ایک خلاء اور اضمحلال

ہاشم کے بعد عبدالمطلب کے برسراقتدار آنے سے پہلے تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مملکتِ مکّہ میں ایک خلاء پیدا ہوگیا، جس سے مکّہ کی اجتماعی زندگی اور مملکت کی سیاسی طاقت میں انحطاط آگیا، غالباً ہاشم کے لڑکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو مملکت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتا اور کعبہ کی تولیت کے نظم کو صحیح طور پر سنبھال سکتا، اسی دور میں ہاشم کے بھائی مطلب نے کعبہ کی تولیت اپنے ہاتھ میں رکھی، اور اپنے بھتیجے عبدالمطلب کے سنِ شعور میں آنے کے بعد ان کے حوالہ کی۔

قیصرِ روم کی مکّہ کو زیرِ اثر لانے کی ناکام کوشش

مملکتِ مکّہ کے اس دورِ انحطاط کو دیکھ کر قیصرِ روم کے دل میں اپنی دیرینہ آرزو کے پورا کرنے کا خیال آیا، اور جب ایک عرب عثمان بن حویرث اسدی نے عیسائیت قبول کر لی تو اس کو قیصر نے ایک تاجِ شہریاری سے سرفراز کیا اور ایک فرمان دے کر مکّہ روانہ کیا، کہ مکّہ والے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں، اگرچہ اہلِ مکّہ اپنے تجارتی کاروانوں کے لئے رومی مقبوضات شام، فلسطین اور مصر کے دست نگر تھے، لیکن جب عثمان، قیصر کے

شاہی فرمان کے ساتھ مکّہ آیا اور اہلِ مکّہ کے سامنے یہ تحریک پیش کی، تو مکّہ کے باشندوں نے اس فرمان پر غور کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد کی جس میں خود عثمان اور اس کے قریبی رشتہ دار بھی شریک ہوئے۔ جب یہ مسئلہ مجلس میں پیش کیا گیا تو اہلِ مجلس نے اتفاقِ رائے سے قیصر کے فرمان کو ٹھکرا دیا اور خود عثمان کے قریبی رشتہ داروں نے بھی اس کی مخالفت کی، عثمان مایوس ہو کر شام واپس چلا گیا۔

قیصر نے یہ روداد سُنی تو اس کا شاہانہ مزاج سخت برہم ہوا، اس نے اس کی پاداش میں مکّہ والوں کے لئے اپنی قلمرو میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا اور جو مکّی تاجر وہاں اس وقت موجود تھے، سب کو گرفتار کر لیا۔ (الفاسی ص ۱۴۴، الروض الانف سہیلی ج ۱ ص ۱۴۶، لامنس ص ۲۶۷)

عبد المطّلب | اس کے بعد ابو الحارث عبد المطلب کا زمانہ تقریباً ۱۲۷ قبل ہجرت ۵۰۰ء سے ۴۵ قبل ہجرت ۵۷۹ء) آیا۔ وہ قریش کے عظیم، عرب کے پیشوا اور خانوادۂ عدنان کے چشم و چراغ مانے گئے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے، اور چہیتے پوتے کا بچپن اپنے دادا ہی کی آغوشِ شفقت میں گذرا، ہاشم کے بعد قریش کی سرداری عبد المطلب کی طرف منتقل ہوئی اور سنِ شعور کے بعد ہی کعبہ کی تولیت اور مکّہ کی حکومت ان کے ہاتھ میں سنہ ۵۲۰ء میں آگئی اور سنہ ۵۷۹ء تک انھوں نے حکومت کی، ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ چاہِ زمزم کا جو اَٹ کر گم ہو گیا تھا، پتہ لگانا اور اس کو کھدوا کر نئے سر سے درست کرانا ہے۔ انھوں نے سقایہ و رفادہ کے فرائض کو خوبی سے انجام دیا، پھر پچھلے دَور میں شام، مصر اور فلسطین سے تجارت کا جو سلسلہ قیصر کے حکم سے منقطع ہو گیا تھا، اس کو نئے سرے سے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

البتہ حبشہ والوں نے ان کے زمانہ میں مکّہ پر چڑھائی کی، یہ اصحاب فیل کا واقعہ ہے جو حرب فجار سے بیس سال پہلے پیش آیا تھا حبشہ کے شہنشاہ نجاشی

Marfat.com

ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک کنیسہ تعمیر کرایا اور چاہا کہ عرب کعبہ کی مرکزیت کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کریں، اس سے عربوں میں اشتعال پیدا ہوا اور کسی کنانی نے کنیسہ میں نجاست ڈال دی۔ نجاشی نے اس کی پاداش میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کا فیصلہ کیا۔ ابرہہ نے ہاتھی پر فوج کو لے کر مکہ پر چڑھائی کی، آس پاس میں لوٹ مار مچائی، عبدالمطلب نے دیکھا کہ وہ مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے۔ وہ خود ابرہہ کے پاس گئے اور اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکے تو وہ ابرہہ سے یہ کہہ کر چلے آئے کہ ہم کعبہ کی حفاظت نہیں کرسکتے، خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا تو وہ اپنے گھر کو خود بچالے گا۔

Marfat.com

اعتذار

علامہ ریاست علی ندوی مرحوم کی زیرِ نظر کتاب "عہد رسالت اور خلافت راشدہ" کا مسودہ ان کی خود نوشت تحریر میں ہے۔ مسودہ کے چند صفحات امتدادِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اس طرح مقدمہ بھی ناتمام رہ گیا ہے اور حمزہ و عمر کے قبولِ اسلام کے قبل کے واقعات بھی اس کتاب میں نہیں آسکے ہیں۔ حضور صلعم کے مدینہ پہنچ جانے یعنی "یثرب میں انتظار" کی ضمنی سرخی کے تحت چند سطور کے بعد پھر مسودہ کے ساڑھے چار صفحات غائب ہیں اس لئے "قریش میں جوشِ انتقام" سے شروع ہونیوالی عبارت بے ربط معلوم ہوتی ہے بہرحال یہاں سے یعنی مسودہ کے صفحہ ۲۵ سے کسی اختلال کے بغیر کتاب اختتام کو پہنچتی ہے۔ ابتدائی چند صفحات کے ضیاع سے کتاب کی قدر و قیمت کو جو آنچ پہنچی ہے اس کا ہمیں بے حد ملال ہے۔ (مرتب)

حمزہ و عمر کا قبول اسلام | قریش نے عتبہ کی بات نہیں مانی۔ ابوجہل و ابولہب کی دشمنی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ ایک دن ابوجہل نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے سامنے سخت برا بھلا کہا اور ناملائم گالیاں دیں۔ یہی واقعہ اسلام کی کامرانی کے لئے ایک سبب بن گیا۔ اس دور میں عرب کے دو نامور جوان تھے: ایک امیر حمزہ بن عبدالمطلب دوسرے عمر بن الخطاب، حمزہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سن تھے اور بچپن سے باہم اُنس قائم تھا، وہ شکار سے واپس آرہے تھے، راہ میں کسی نے ابوجہل کی بدتمیزی کا ذکر کیا، وہ سخت اشتعال میں آئے اور اسی حالت میں تیر کمان اور ننگی تلوار لئے حرم میں آگئے جہاں ابوجہل اور دوسرے ممتاز رؤسا رشام کو بیٹھا کرتے تھے، اور ابوجہل سے غضب آلود لہجہ میں کہا۔ "میں مسلمان ہو گیا ہوں" یہ سنتے ہی کفار کے ہوش اڑ گئے اور اسلام کی صف میں ایک تازہ دم آگیا۔ اسی طرح عمر بن خطاب کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عزم کے پختہ اور جری تھے ساری مآل اندیشیوں کو بالائے طاق رکھ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ محمد کا کام تمام کر دیا جائے جڑ ہی مٹ جائے اور قصہ ختم ہو، لیکن حالات ایسے سامنے آئے کہ آستانہ

Marfat.com

نبوت پر حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔[۱]

حرم میں پہلی اعلانیہ نماز | حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اس وقت تک مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو چکی تھی تاہم مسلمان اپنے مذہبی فرائض اعلانیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کے ساتھ دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے اعلانیہ اسلام ظاہر کیا۔ ابتداءً ان پر بڑی سختی کی گئی۔ انھوں نے جرأت اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی، کفار میں ہلچل مچ گئی مگر وہ اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

عام مسلمانوں پر مشرکین کا جور وستم | لیکن اس کا طیش وغضب ہر طرف سے سمٹ کر ان بے کس مسلمانوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار ومددگار نہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ تو اپنے اپنے قبیلہ کے حصارِ حفاظت میں تھے۔ لیکن ایسے بہت سے مسلمان تھے جو غریب الوطن تھے یا ایک دو پشت سے مکہ میں آکر بسے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے افراد تھے اور بعض ایسے غلام وکنیز تھے جو انہی کفار کے قبضہ میں تھے اور مسلمان ہو چکے تھے۔ کفار نے ان بیکسوں کو اپنے ایسے مظالم کا نشانہ بنایا جن کی مثال جور وستم کی تاریخ میں موجود نہیں۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی، وہ مسلمانوں کو پکڑتے۔ عرب کی تیز دھوپ سے تپتی ہوئی ریتیلی زمین کے جلتے تودے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ کروٹ نہ لے سکیں۔ بدن پر گرم بالو بچھا دیتے تھے، لوہے کو آگ میں گرم کر کے اس سے داغتے تھے، کوئلے جلا کر زمین پر بچھاتے، اس پر چت لٹا دیتے، سینہ پر پاؤں رکھ کر چڑھتے اور وہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ اسی طرح پانی میں ڈبکیاں دیتے، گلے میں رسی باندھ کر لونڈوں کے حوالے کر دیتے جو گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔ ان شدائد کے سہنے والے

---

[۱] حضرت حمزہ و حضرت عمر کے قبول اسلام کی تفصیل کسی اور جگہ انہی صفحوں میں ملے گی۔

Marfat.com

اسلام سے تائب ہونے کے لئے کہتے۔ ان کے انکار کرنے پر بے تحاشہ مارتے، وہ بیہوش ہو جاتے، جب ہوش میں آتے تو پھر مارے جاتے، لیکن ان مومنین صادقین کی زبان سے "احد احد" ہی نکلتا اور کفار تلملا کر پھر اذیتیں پہنچاتے۔ ان ستم رسیدوں میں حضرت خباب بن ارت، بلال حبشی، عمار بن یاسر، ان کی والدہ سمیہ، والد یاسر، حضرت صہیب رومی، ابو فکیہہ، زنیرہ، لبینہ، نہدیہ اور ام عبس وغیرہ تھے، لیکن کوئی بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا۔ حضرت سمیہ کو تو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا۔ ان مظلوموں میں سے بعض کو حضرت ابوبکر نے بھاری داموں سے خرید کر آزاد کرایا اور ان کی جان بچی، اسی طرح جو ممتاز قبیلوں کے مسلمان تھے، کفار کی ستم رانیوں سے وہ بھی محفوظ نہیں رہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان پر خود ان کے خاندان کے بزرگ مظالم ڈھاتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان کو جو سن رسیدہ اور صاحب جاہ و منزلت بھی تھے، ان کے چچا نے رسّی سے باندھ کر پیٹا، حضرت زبیر بن عوام کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں ڈالتے تھے مگر یہ تمام بے رحمیاں ایک مسلمان کو بھی راہِ حق سے نہ لوٹا سکیں۔

حبشہ کی ہجرت لیکن اس صورتِ حال کو کسی نہ کسی تدبیر سے بدلنا تھا، جب قریش کے ظلم و تعدی کا بادل کسی طرح چھٹنے نہ پایا تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثارانِ اسلام کو اجازت دی کہ وہ مکہ کے آسمان کو چھوڑ دیں اور حبش کو ہجرت کر جائیں جہاں کے نجاشی کے عدل و انصاف کی ان دنوں عام شہرت تھی۔ توقع تھی، کہ اس کے سایہ میں ان بلاکشوں کو سکون مل سکے اور اسلامی فرائض کو آسانی سے ادا کر سکیں، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جس میں ۱۱ مرد اور ۴ عورتیں تھیں، رجب ۵ سنہ نبوی ۶۱۴ء میں مکہ سے روانہ ہوا۔ قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک پیچھا کیا مگر قافلہ کو نہ پا سکے۔ پھر جیسے جیسے مسلمانوں پر مکہ کی زمین تنگ ہوتی گئی، اور وہ موقع پا سکے، حبش کو ہجرت کر گئے۔

Marfat.com

مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے دربار میں قریش کی سفارت اور ناکامی

مسلمان حبش میں امن وامان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ قریش یہ خبریں سن کر برداشت نہ کر سکے، کہ روئے زمین پر مسلمانوں کو کوئی پناہ گاہ مل جائے، اس لئے نجاشی کے دربار میں سفارت بھیجی کہ وہ ان مجرم مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دے یا کم سے کم اپنے ملک سے شہر بدر کر دے۔ عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ رکن سفارت تھے، جن کے ساتھ گراں قدر تحائف بھی نجاشی اور درباریوں کے لئے بھیجے گئے تھے، ان دونوں نے پہلے درباریوں اور بطریقوں کو اپنا ہمنوا بنایا پھر نجاشی کے دربار میں اپنی درخواست پیش کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا "تم نے یہ کون سا دین اختیار کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے ؟" اس کے جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے ایک فصیح تقریر کی۔ عرب کی بت پرستی و بدکاری اور اخلاقی پستی کا ذکر کر کے ظہور اسلام اور پیغمبرانہ دعوت اور اس کے اخلاق حسنہ کی تلقین اور اس پر عمل کرنے کا نقشہ کھینچا اور آخر میں کہا "ہم اس پر ایمان لائے، شرک و بت پرستی چھوڑ دی، بدکاریوں سے تائب ہوئے، یہی ہمارا جرم ہے اور اسی جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہمیں جور و ستم کا نشانہ بنا کر مجبور کرتی ہے کہ ہم اسی گمراہی میں واپس آجائیں۔"

نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمھارے پیغمبر پر اترا ہے اسے کہیں سے پڑھو حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی، آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" پھر قریش سے کہا "تم واپس جاؤ، ان مظلوموں کو میں ہرگز واپس نہ دوں گا۔"

دوسرے دن عمرو بن العاص پھر دربار میں پہنچے اور اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا۔ نجاشی سے کہا کہ ان سے پوچھا جائے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ ظاہر تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہنے سے رہے۔

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ بلوایا اور یہ سوال ان کے سامنے رکھا حضرت جعفر پھر کھڑے ہوئے اور انھوں نے جواب میں فرمایا "حضرت عیسیٰ خدا کے بندے اور کلمۃ اللہ ہیں" یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں" بطریق جو درباریوں میں موجود تھے، برہم ہوئے لیکن نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ قریش کے سفیر ناکام واپس چلے گئے، نجاشی نے ان کے تحائف بھی لوٹا دیئے۔

حبشہ کی ہجرت ثانیہ | کچھ دنوں کے بعد حبش میں افواہ پھیلی کہ قریش اسلام لے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بہت سے مسلمان واپسی کے لئے حبشہ سے چل پڑے۔ مکّہ کے قریب پہنچ کر افواہ کے غلط ہونے کی اطلاع ملی تو کچھ واپس لوٹ گئے اور کچھ چھپ کر مکّہ میں داخل ہوگئے۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کو پکڑ پکڑ کر ان پر مظالم ڈھائے، تو اکثر نے دوبارہ ہجرت کا ارادہ کیا، قریش سدّ راہ ہوئے۔ بایں ہمہ دوبارہ ایک سو دو (۱۰۲) مسلمان جن میں ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں تھیں، حبشہ واپس چلے گئے۔

حضرت ابوبکر کا ارادۂ ہجرت حبشہ | اب قریش کے مظالم بہت بڑھ گئے تھے، حضرت ابوبکر کے لئے بھی مکّہ میں قیام ممکن نہ رہا اور حبشہ کی ہجرت کے ارادہ سے نکل پڑے، راہ میں ایک سردار ابن دغنہ ملا۔ اس کو اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو انھیں اپنی حمایت میں لے کر مکّہ واپس آیا۔ کفار قریش نے اس شرط سے اس کی حمایت کو منظور کیا، کہ حضرت ابوبکر قرآن کی تلاوت بہ آوازِ بلند نہ کریں، اس سے ان کی عورتیں اور بچّے متاثر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے چند دنوں اس کی پابندی کی، پھر بلند آواز سے تلاوت شروع کر دی۔ قریش نے ابن دغنہ سے شکایت کی، وہ ان سے ملا کہ اب میں تمھاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا "میرے لئے خدا کی حفاظت بس ہے"!

مہاجرین حبشہ کی مدینہ واپسی | مدینہ منوّرہ کی ہجرت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے مہاجرین حبشہ کو مدینہ بلوا لیا تھا۔

بنو ہاشم کا مقاطعہ اور شعب ابی طالب میں محصوری

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا دائرہ پھیلتا ہی جاتا ہے، حمزہ و عمر جیسے شجاع ان کے ہاتھ سے نکل گئے، نجاشی نے انھیں پناہ دے دی اور ان کی سفارت واپس آئی اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے تو انھوں نے تمام قبائل کا ایک معاہدہ مرتب کیا کہ نہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے، نہ ان کے ہاتھ خرید فروخت کرے، نہ ان سے ملے جلے اور نہ ان لوگوں تک کھانے پینے کا سامان جانے دے اور یہ مکمل معاشرتی مقاطعہ اس وقت تک رہے جب تک وہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ درِ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ ایک گھاٹی میں جو انہی کی نسبت سے شعب ابی طالب کہی جاتی تھی، پناہ گزیں ہوئے اور ساری سماجی و معاشرتی زحمتیں سامنے آئیں۔ کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو درخت کی پتیاں کھاتے، بچے بھوک سے بلبلاتے اور قریش سن کر خوش ہوتے۔ محرم ۷ نبوی (616ء) سے ۱۰ نبوی (619ء) تک تین سال اسی حصار میں زندگی گذاری، آخر آزمائش کی یہ گھڑی پوری ہوئی، تو خدا نے بعض کفار کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کیا۔ دو نوجوان ہشام عامری اور زہیر بن ابی امیہ آگے بڑھے۔ قریش کو اکٹھا کیا انھیں غیرت دلائی، کہ بنو ہاشم بے آب و دانہ تڑپ رہے ہیں اور تم دادِ عیش دے رہے ہو۔ آپس میں تلخی پیدا ہوئی، ابو جہل نے سخت مخالفت کی، مگر ایک سردار مطعم بن عدی آگے بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر معاہدہ کو چاک کر ڈالا اور چند نوجوان ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو گھاٹی سے باہر نکال لائے۔

معراج و فرضیت نماز

اسی ۱۰ نبوی (619ء) میں معراج نبوی کا واقعہ پیش آیا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افلاک کی سیر کرائی گئی، جنت و دوزخ کے نظارے

Marfat.com

دکھائے گئے اور اسی معراج میں پانچ وقتوں کی نماز فرض کی گئی جو عقائد کے بعد دین کا سب سے پہلا رکن ہے۔

ابوطالب و حضرت خدیجہ کی وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد چند دنوں قریش کے ظلم و ستم سے مامون رہے کہ اسی سال ۱۰ نبوی ۶۱۹ء میں آپ کے عم محترم حضرت ابوطالب اور چند دنوں کے بعد رمضان ۱۰ نبوی ۶۱۹ء میں حرم محترم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں کا سانحہ ارتحال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت غم انگیز تھا۔ یہ دونوں آپ کے مددگار و غمگسار تھے۔ یہ سہارا جاتا رہا، دوسرے صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے، اب قریش کو کس کا پاس تھا بڑی بے رحمی و بے باکی سے آپ کو ستانے لگے اور آپ صبر و تحمل سے سب کو برداشت فرماتے رہے۔

حضرت سودہ و عائشہ سے نکاح حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ایک دوسری بیوہ حضرت سودہ بنت ربیعہ سے نکاح کیا، پھر اسی سال ۱۰ نبوی ۶۱۹ء میں حضرت عائشہ بنت ابی بکر نکاح میں آئیں اور تین سال کے بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔

طائف کا سفر قریش میں جو صالح تھے وہ دائرۂ اسلام میں آچکے تھے باقی ماندوں کی متمردانہ روش سے سردست قبولِ حق کی کوئی امید باقی نہیں تھی اس لئے آپ بندگانِ حق کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے رؤساء کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن یہ بیگانہ تھے، مکہ والوں سے زیادہ تمرد، سرکشی اور گستاخی سے پیش آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے غلام زید بن حارثہ بھی تھے دونوں کیلئے سر چھپانا مشکل ہو گیا، اوباشوں نے پیچھا کیا، پتھروں کی بارش کی، آپ لہولہان ہو گئے وہاں سے واپس لوٹے، چند دنوں نخلہ میں قیام کیا، طائف والوں کے سلوک کے جواب میں آپ نے صرف یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ہ خداوندا!

میری قوم کو ہدایت دے، یہ نادان ہے۔

مطعم بن عدی کی حمایت میں اور قبائل کے درمیان تبلیغ واشاعتِ اسلام

اس کے بعد آپ پھر غارِ حرا میں تشریف لائے مطعم بن عدی کے پاس حمایت حاصل کرنے کے لئے پیام بھیجا۔ یہ عرب کا دستور تھا کہ جو بھی حمایت چاہتا وہ قبول کی جاتی اور مطعم میں فطرتِ صالح موجود تھی، یہ وہی تھا جس نے بنو ہاشم کے مقاطعہ کی دستاویز چاک کی تھی، اس نے حمایت میں لینا منظور کیا اور اپنے بیٹوں کے ساتھ غارِ حرا میں آیا اور تلوار کی چھاؤں میں آپ کو مکہ واپس لے گیا۔ عرب کے دستور کے مطابق اب آپ مامون ومحفوظ تھے اگر کوئی آپ کو گزند پہنچانے کا قصد کرتا تو وہ مطعم اور اس کے قبیلہ سے لڑائی مول لیتا، اس لئے اب آپ کو سکون سے فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ آپ مجمعوں اور عکاظ و ذوالمجاز کے بازاروں میں تشریف لے جاتے، پیامِ حق سناتے، مختلف قبیلوں کا دورہ فرماتے، انھیں قبولِ حق پر آمادہ کرتے۔ نیز حج کے موقع پر مختلف قبائل مکہ میں آتے تھے اور اپنے ڈیرے جماتے تھے۔ آپ قبائلِ بنی عامر، بنی فزارہ، غسان، مرہ، ضیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ وغیرہ کے درمیان تشریف لے گئے۔ اور انھیں پیغامِ حق سنایا، دشمنِ اسلام ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا اور کہتا "یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ کہتا ہے، اس کے فریب میں نہ آنا"۔ کبھی اسی مجمع میں آپ پر خاک اڑاتا اور ایذائیں پہنچاتا، لیکن آپ اپنے فرض کو ادا فرماتے رہتے۔ قبائل کے درمیان دورہ کے اس سلسلہ میں آپ یثرب کے قبیلہ اوس وخزرج کے پاس بھی تشریف لے گئے جنھیں خدا نے قبولِ حق کی توفیق عطا کی اور وہ اسلام کی مدد ونصرت کے لئے کھڑے ہو گئے اور انصار کے لقب سے یاد کئے گئے۔

یثرب کے افق پر اسلام کی کرنیں

یثرب عرب کا متمدن اور خوشحال شہر تھا۔ یہود اور دو قحطانی قبیلے اوس وخزرج یہاں آباد تھے۔ ابتداءً یہود اور عرب قبائل

Marfat.com

میں کش مکش رہی۔ یہود کو زوال آیا پھر اوس و خزرج جو انہی ناموں کے دو بھائیوں کی دو نسلیں تھیں باہم دست بہ گریباں ہوئے، اسی زمانہ میں اسلام کی دعوت کا غلغلہ مکہ سے بلند ہوا اور آفتاب اسلام کی کرنیں یثرب کے افق پر چمکیں۔

یہود کی وجہ سے یثرب کی فضا میں الہامی دین کا چرچا رہتا تھا، وہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا بھی عقیدہ رکھتے تھے، ظہور نبوی کے زمانہ میں ایک یثربی شاعر سوید بن صامت کو امثال لقمان کا ایک نسخہ ملا جس کو وہ الہامی کتاب سمجھا وہ مکہ معظمہ آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ امثال لقمان کے ذکر پر آپ نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے، یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، سوید نے تحسین کی اور اسلام کا معتقد ہوا، یثرب واپس آیا تو یہاں کے عربوں پر اسلام کا اثر پڑا۔ جب اوس و خزرج کے معرکوں میں اوس کو شکست ہونے لگی تو انھوں نے قریش کو حلیف بنانا چاہا، ایک سفارت ابوالحیس کی سرداری میں مکہ بھیجی، اس میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس بھی تشریف لے گئے، قرآن مجید کی آیتیں سن کر ایاس نے کہا "خدا کی قسم جس کام کے لئے ہم آئے ہیں، اس سے یہ بہتر چیز ہے" ابوالحیس نے مخالفت کی، جب یہ سفارت یثرب واپس آئی تو ایاس کے زیر اثر اوس میں اسلام کا چرچا پھیلا، اسی اثنا میں اوس و خزرج کی آخری مشہور جنگ بعاث ہوئی جس میں دونوں قبیلے بری طرح تباہ ہوئے اور اس لڑائی میں سوید بن صامت بھی مارا گیا۔

بیعت عقبہ پھر جب ۱۱ھ نبوی ۶۱۹ء میں حج کے موسم میں حسب معمول آپ حج کے لئے آئے ہوئے قبائل میں دورہ فرما رہے تھے کہ مقام عقبہ کے پاس خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، وہ اسلام کے ظہور کی خبر سن چکے تھے۔ یہ چھ اشخاص تھے، آپ معمول کے مطابق ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کو پیش کیا۔ ان لوگوں نے ایک

Marfat.com

ایک دوسرے کو دیکھا، پھر یہ سوچ کر کہ یہود ان سے سبقت نہ لے جائیں، اسلام قبول کرلیا۔ سویدوایاس کے بعد یہ چھ یثربی دائرۂ اسلام میں ضابطہ کے ساتھ داخل ہوئے۔

دوسرے سال ۱۱ نبوی ۶۲۰ء میں بارہ یثربی آئے اور اسی مقام عقبہ میں ملاقات ہوئی ان سب نے بھی اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ پہلی بیعتِ عقبہ کہی جاتی ہے انھوں نے اسلام کی تعلیم کے لئے معلم طلب کیا۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ یثرب آئے اور اسعد بن زرارہ کے مکان میں ٹھہرے جنھوں نے عقبہ میں سب سے پہلے بیعت کی تھی۔ حضرت مصعب روزانہ ایک ایک مکان میں جاتے، گھر والوں کو اسلام کی دعوت دیتے، قرآن پاک پڑھ کر سناتے اور لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے۔ رفتہ رفتہ یثرب سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ تھے۔ حضرت مصعب پہلے ان سے ملے تھے۔ شروع میں انھوں نے مخالفت کی، جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو نرم پڑے اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ سعد بن معاذ کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کرلینا تھا۔

اگلے سال ۱۲ نبوی ۶۲۱ء میں پھر یثربی حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور آپ سے اسی مقام عقبہ پر بت پرست یثربیوں سے کٹ کر ملے۔ ان کی تعداد ۷۲ تھی انھوں نے بھی قبول اسلام اور اس کے احکام کی پابندی کرنے کی بیعت کی۔ یہ عقبہ کی بیعتِ ثانیہ کہی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان میں سے بارہ اشخاص کو اسلام اور اس کے عقائد و تعلیمات کی تبلیغ کے لئے نقیب مقرر فرمایا، ان کے نام یثربیوں ہی نے پیش کئے تھے۔ جن میں سے ۹ خزرج کے اور ۳ اوس کے تھے ۔۔۔ جب یہ یثربی عرب بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن وانس سے اعلان جنگ ہے" سب نے کہا "ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔"

Marfat.com

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان | اوس و خزرج کے قبولِ اسلام سے یثرب میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو گئی جو اپنا سب کچھ اسلام پر نثار کر دینے کے لئے تیار تھی اس لئے آپ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے مرکز کو مکہ سے یثرب منتقل کر دینے کا عزم فرمایا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر یثربی مسلمانوں سے اس کا ذکر آیا۔ ان کے لئے اس سے زیادہ سعادت کیا ہو سکتی تھی، وہ آنکھیں فرشِ راہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے مگر ان میں خون کی محبت اور حرارت موجود تھی، وہ بھی اس موقع پر آپ کے ساتھ آئے تھے، انھوں نے یثربیوں کو مخاطب کر کے کہا "گروہ خزرج! محمد اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ اسی وقت بات صاف کر لو"۔ حضرت براء نے جواب میں کہنا شروع کیا، ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔۔۔" لیکن ابو الہیثم نے بات کاٹ کر اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا "یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو اب بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت و اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے آئیں"۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں"۔

صحابہ کی ہجرت | اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ یثرب کو ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن مسلمانوں کی ہجرت جاری رہی، یہاں تک کہ اکثر صحابہ ہجرت کر گئے۔ آخر میں اکابر میں سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رہ گئے اور چند ایسے مسلمان بھی جو اپنے افلاس کے باعث سامانِ سفر نہ کر سکے تھے۔ اب یثرب میں دو گروہ تھے۔ مکہ سے جانے والے مسلمان مہاجر کہلائے اور یثرب میں جنھوں نے ان کی مدد و نصرت

Marfat.com

بھی وہ انصار کے نام سے موسوم ہوئے۔

حکمِ خداوندی کا انتظار ابھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تھا اور آپ ہی کا وجودِ اقدس ستمگارانِ قریش کا حقیقی ہدف تھا۔ اطرافِ مکہ کے مختلف قبائل اسلام لا چکے تھے، انھوں نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کی۔ قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا محفوظ قلعہ پیش کیا۔ بنو ہمدان کے کچھ لوگوں نے آپ کو اپنے یہاں لے جانا چاہا لیکن قضاء و قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا، اور بات بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر طے بھی ہو چکی تھی۔ مگر ابھی حکمِ خداوندی نہیں پہنچا تھا، آپ ہمہ دم اس کا انتظار فرماتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش ادھر کفارِ قریش نے دیکھا کہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے، اب مسلمان یثرب میں طاقت پکڑتے جاتے ہیں، اسلام پھیلتا اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ انھوں نے دارالندوہ میں اپنا اجلاسِ عام بلایا، تمام قبیلوں کے نامی رؤساء شریک ہوئے، مختلف رائیں سامنے آئیں۔ آخر میں ابو جہل کی اس رائے پر اتفاق ہوا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص لیا جائے اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کے خون سے تمام قبائل کے دامن رنگ جائیں گے اور تنہا آلِ ہاشم تمام قبیلوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

آستانۂ مبارک کا محاصرہ اور حکمِ ربّانی کا نزول اور ہجرت کا اہتمام اس فیصلہ کے مطابق تمام قبیلوں کے نمائندوں نے سرِ شام ہی سے آکر آستانۂ مبارک کو محاصرہ میں لے لیا۔ عرب زنانہ مکان میں داخل ہو کر کشت و خون کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ باہر ٹھہرے رہے کہ آپ نکلیں تو بہ یک وقت آپ پر ٹوٹ کر آپ کی شمعِ حیات گل کر دیں، ادھر قضاء و قدر کا دوسرا اہتمام تھا۔ آپ کے انتظار کی

Marfat.com

گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ہجرت فرمانے کا حکم ربانی آچکا تھا اور دارالندوہ میں کفار نے جو مشورہ کیا تھا اس کی خبر بھی مل چکی تھی، چنانچہ آپ نے ہجرت کا اہتمام فرمایا۔ یہ عجیب بات تھی کہ قریش آپ کی جان کے خواہاں تھے، تاہم آپ کی دیانت پر آج بھی یہ اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، میں آج روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو یہ سب امانتیں جا کر واپس کر دینا"۔ حضرت علی کو بھی علم تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے، مگر وہ اس کو فرش گل سمجھ کر لیٹ رہے۔

ہجرت نبوی رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے کفار کو بے خبر کر دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔ حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لائے۔ یہاں سفر کا سامان مہیا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو ساتھ لیا اور دو اونٹنیوں پر ماہ ربیع الاول ۱۳؁ ۶۲۲ء میں مدینہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ مکہ سے تین میل چل کر پوپھٹے غار ثور میں روپوش ہوئے۔ یہ غار آج بھی بوسہ گاہ خلائق ہے۔ تین دن اس میں قیام رہا۔ حضرت ابوبکر کے نوخیز صاحب زادے عبداللہ رات کو یہاں سوتے، پوپھٹے شہر میں جاتے دن بھر کی خبریں لے کر رات کو واپس آجاتے۔ حضرت ابوبکر کا غلام بکریاں چرانے لاتا اور موقع پاکر دودھ غار میں پہنچا دیتا۔ رات کو حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماء کھانا بھی پہنچا دیتیں۔

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی صبح کو محاصرین کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر حضرت علی کو دیکھا۔ انھیں پکڑ کر حرم میں لائے، تھوڑی دیر محبوس رکھا پھر چھوڑ دیا پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے، غار کے دہانہ تک آگئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو

Marfat.com

تسلی دی کہ "گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے" قریش نے اشتہار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی پکڑ کر لائے گا وہ ایک خون بہا یعنی سو اونٹ انعام میں پائے گا۔ لوگ تلاش اور تعاقب میں نکل پڑے۔ اتفاق سے سراقہ بن جعشم نے دیکھ لیا۔ اس نے تعاقب میں گھوڑا دوڑایا مگر اس کے گھوڑے نے بار بار ٹھوکریں کھائیں اور اس ارادہ سے باز آیا حسن اتفاق کہ حضرت زبیر شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے راہ میں دونوں سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے بیش قیمت کپڑے تحفہ میں پیش کئے

یثرب میں انتظار ہجرت کی خبر یثرب پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم تھا۔ لوگ روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کرکے مایوس لوٹ جاتے تھے۔ ایک دن حسب معمول واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی نے راہ میں آپ کو دیکھ لیا تھا۔ قرائن سے سمجھا کہ نبیؐ آخر الزماں آپ ہی ہیں۔ یثرب میں آکر اطلاع دی کہ جس ہستیٔ گرامی کے تم منتظر تھے وہ آپہنچی۔ تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا[1]

---

[1] ماخذ صحیح بخاری ابواب بدء الوحی، ہجرۃ النبی، ہجرۃ مدینہ، القی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المشرکین، کتاب التعبیر، کتاب الجنائز وغیرہ ج ۱ ص ۴۴، ۵۳، ۵۵، ۵۴۳، ج ۲ ص ۱۰۲۶، ابن ہشام ج ۱ ص ۶۷، ۶۹، ۸۹، ۱۰۰، ۱۲۹، ۱۴۳، ۱۵۵، ۱۸۱، ۲۳۲، ۲۴۴، ۲۶۵۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۵، ج ۲ ص ۲۱۰، ۴۱۳، ۴۲۴، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۰۰، مسند احمد ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲، ۳۰۲، ج ۴ ص ۶۳، طبقات ابن سعد تذکرہ مختلف صحابہ، ج ۱ ص ۱۳۴۔ ۱۴۳، زرقانی ج ۱ ص ۳۱۴، ۳۴۲، ۳۶۷، ۳۵۳، ۳۵۸، ج ۲ ص ۱۷۱، ۲۷۶، ۳۶۲۔ طبری ج ۳ ص ۱۱۶۱، ۱۱۸۸، ۱۲۰۵، ۱۲۳۴، معارف ابن قتیبہ ص ۵۵، البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷، اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر مختلف صحابہ، ریاض النضرۃ محب طبری ص ۵۷، ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱، خصائص کبریٰ سیوطی ج ۱ ص ۸۸، سیرۃ النبی علامہ شبلی علیہ الرحمۃ جلد اول۔

قریش میں جوشِ انتقام | حضرمی کے واقعۂ قتل سے تمام مکہ غیظ و غضب اشتعال اور جوشِ انتقام سے بھر گیا۔ واقعہ کا تعلق ممتاز رؤسائے قریش سے تھا۔ ثار یعنی انتقام خون کی آواز سے مکہ کی فضا گونج اٹھی۔ اسی اثناء میں ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں تیس چالیس آدمیوں کا ایک تجارتی قافلہ مکہ سے شام گیا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے وہاں سے مکہ اطلاع بھیجی کہ واپسی کا راستہ محفوظ نہیں معلوم ہوا ہے کہ مدینہ کے مسلمان اس کے کارواں کو لوٹنے کے لئے حملہ آور ہونے والے ہیں۔ یہ افواہ پہلے ہی مکہ پہنچ گئی، غیظ و غضب کا بادل امنڈ آیا۔

غزوۂ بدر ۲ھ ۶۲۴ء | حضرمی کا واقعہ قتل اور قریش کے کاروانِ تجارت پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی افواہ، یہی دو باتیں بدر میں پیش آنے والی لڑائی کا پیش خیمہ بنیں، اور یہی غزوہ بدر کفر و اسلام اور قریش و مسلمان کے درمیان پہلی کھلی لڑائی ہے

چنانچہ سردارانِ قریش نے فیصلہ کیا کہ ان کے تجارتی قافلہ کی واپسی سے پہلے پہلے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا پرانا منصوبہ پورا کر لیا جائے اور اس کی زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیں، ہر قسم کے ہتھیار مہیا کئے گئے اور سامانِ رسد کے لئے مکہ کے رؤسا، عباس بن عبد المطلب، عتبہ ابن ربیعہ، حارث بن عامر اور ابوجہل وغیرہ نے باری باری سے روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرنے کی ذمہ داری قبول کی، فوجی تیاریوں کے بعد لشکر جوشِ انتقام اور آتشِ غضب سے لبریز مکہ سے مدینہ کے لئے چل پڑا اور کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا، اِدھر یہ فوج روانہ ہوئی، اُدھر ابوسفیان دوسرے راستہ سے مکہ پہنچ گیا، اور فوج کو اطلاع کرائی کہ وہ کاروانِ تجارت کے ساتھ مکہ لوٹ آیا ہے، اب لشکر میں اختلاف رائے ہوا، کچھ لوگوں نے چاہا کہ لشکر واپس لوٹ جائے لیکن ابوجہل نے واپس ہونے سے قطعی انکار کیا اور لشکر کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا۔ صرف قبیلہ زہرہ و عدی کے کچھ لوگ واپس چلے گئے۔

دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا، پھر خاص طور پر انصار سے مخاطب ہوئے،

Marfat.com

ان سے ان کے اسلام لانے کے وقت معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوگا تو یہ مدافعت کریں گے لیکن مکہ کی فوج کے سیلاب کو آگے بڑھ کر روکنے کی ضرورت تھی، انصار اپنی طرف سے حق کا مفہوم سمجھے، قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ نے انصار کی طرف سے عرض کی کہ "آپ جہاں تشریف لے جائیں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں . . اگر آپ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود پڑیں گے"۔ حضرت مقداد نے کہا "ہم موسیٰ کی امت کی طرح نہیں ہیں جس نے موسیٰ سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں آگے پیچھے آپ کے ساتھ لڑیں گے"۔ یہ تقریریں سن کر آپ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور آپ ۱۲ رمضان ۲ھ ۶۲۳ء کو جان نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے، ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا جو کم عمر تھے واپس کر دیئے اور اس سمت روانہ ہوئے جدھر سے اہلِ مکہ کی فوج آ رہی تھی[1] اور مدینہ سے تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر مقام بدر میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا، ایک طرف مشرکین کی فوج میں ایک ہزار پیدل اور ایک سو سوار تھے اور دوسری طرف بس تین سو تیرہ ۳۱۳ مجاہدین تھے جن میں صرف دو یا تین سوار تھے۔ ان میں سے ساٹھ یا ایک دوسری روایت کے مطابق تراسی ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے، ایک طرف سپاہ بہترین آلاتِ جنگ سے آراستہ تھی، دوسری طرف سب کے پاس معمولی ہتھیار بھی پوری طرح مہیا نہیں تھے۔ اس موقع پر اگر کوئی ایک آدمی بھی فوج میں بڑھ جاتا تو طمانیت کی بات تھی، دو صحابی حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت حسل کہیں سے آ رہے تھے۔ راہ میں کفار نے روکا کہ

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ آپ ابوسفیان کے قافلہ کو نعوذ باللہ لوٹنے کے لئے مدینہ سے نکل چکے تھے کہ قریش کے لشکر کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے یہیں پر صحابہ سے مشورہ کیا اور سفر کا رُخ بدل دیا لیکن مولانا شبلی مرحوم نے سیرۃ النبی میں واضح دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ آپ نے قریش کی حملہ آوری کی خبر سن کر مدینہ سے نکل کر ان کا مقابلہ کرنا چاہا اور مدینہ ہی میں وہ مشورہ فرمایا۔

Marfat.com

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو، انھوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کیا، پھر وہ بدر کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اور اپنی صورتِ حال عرض کی، آپ نے ارشاد فرمایا "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔"

قریش بدر میں پہلے پہنچ گئے تھے، انھوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا اسلامی لشکر جہاں پر پہنچا، کوئی چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ریتیلی تھی، اونٹوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے، حضرت حباب بن منذر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ مقام وحی کے رو سے انتخاب کیا گیا ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا وحی نہیں ہے تو حضرت حباب کے مشورہ سے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن دشمنوں کو بھی اس سے پانی لینے کی عام اجازت دی، پھر فضل ایزدی سے مینہ برس گیا، جس سے گرد جم گئی اور جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنائے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔ اب یہ موقع جنگ کے لحاظ سے بہتر مقام تھا۔ صحابہ نے کمر کھول کر رات کو آرام کیا۔

بدر ایک کنویں کا نام تھا، اسی نام پر گاؤں کا نام پڑا اور یہی مقام جنگ بنا، یہاں دونوں مقابل فوجوں نے اپنے مورچے سنبھال لئے۔ قریش جنگ شروع کرنے کے لئے بے تاب تھے، تاہم ان میں کچھ نیک دل بھی تھے جو آخر وقت تک لڑائی کو ٹالنے کی کوشش کرتے رہے، ان میں سے ایک حکیم بن حزام سپہ سالار لشکر عتبہ کے پاس آئے اور اس سے کہا اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کا ابدی یادگار بن سکتا ہے۔ قریش کا مطالبہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا، اس کا خوں بہا ادا کر دیں، بات ختم ہو جاتی ہے۔ عتبہ نیک نفس تھا وہ راضی ہو گیا، لیکن ابو جہل کا اتفاق رائے ضروری تھا حکیم عتبہ کا پیغام ابو جہل کے پاس لے کر گئے، وہ سخت برہم ہوا۔ اس نے کہا، عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا ہے، ابن ابی طالب کا بیٹا حذیفہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر میں موجود ہے، عتبہ اس کا

سامنا کرنا نہیں چاہتے۔" پھر ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر بھڑکایا کہ "خون کا انتقام سامنے آیا ہوا نکلا جاتا ہے۔" عامر نے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور خاک اڑا کر ثار ثار انتقام خون انتقام خون کا نعرہ مارا جس سے تمام فوج میں آتش انتقام بھڑک اٹھی اور خود عتبہ بھی ابوجہل کا طعنہ سن کر لڑائی کے لئے بے تاب ہو گیا اور حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

یہ دیکھ کر آپ نے بھی صف آرائی شروع کی۔ ایک تیر سے صفوں کو درست فرماتے رہے، پھر خود فوج کی پشت پر ایک چھپر کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف پہرا دینے کے لئے کھڑے رہے۔ اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں جن سے حق و باطل، نور و ظلمت اور کفر و اسلام کی تمیز ہو رہی تھی، اب توحید کی قسمت اور اس کے مستقبل کا فیصلہ ان ہی چند جانوں پر منحصر تھی۔ آپ پر رقت و محویت اور خضوع کی کیفیت طاری تھی۔ رب العزت کی بارگاہ میں گڑگڑا رہے تھے، دونوں ہاتھ پھیلائے زبانِ مبارک پر یہ کلمے جاری تھے "خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" و کبھی سجدے میں گرتے اور فرماتے "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔" عین اسی وقت روحانی تسکین کے ساتھ آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (قمر ع ۳) یعنی "فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے" نازل ہوئی، جس سے فتح کی پیشین گوئی آشکارا ہوئی ـــــ قریش کی فوجیں بالکل قریب آگئیں، تاہم آپ نے صحابہ کو پیش قدمی سے روکا، کہ جب دشمن پاس آجائیں تو تیر سے روکو۔ یہ ایثار و جاں بازی کا درد انگیز منظر تھا کہ جب فوجیں سامنے آئیں، تو لوگوں کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے تھے۔ حضرت ابوبکر کے بیٹے آگے بڑھے تو حضرت ابوبکر تلوار کھینچ کر نکلے۔ عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہ (اس کے لڑکے) مقابلہ کو نکلے، حضرت عمر کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ پاس قرابت

Marfat.com

اور رشتوں کا نہیں تھا بلکہ کفر اور اسلام، نور و ظلمت اور حق و باطل کا تھا۔

لڑائی کا آغاز ہوا، حضرمی کا بھائی مقابلہ کے لئے نکلا، حضرت عمرؓ کا غلام آگے بڑھا اور جام شہادت کو لبوں سے لگایا۔ پھر عتبہ اپنے بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں آیا۔ چند انصار مقابلہ کے لئے گئے، اس نے کہا تم ہمارے جوڑ کے نہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ و حضرت ابو عبیدہؓ کو بھیجا۔ عتبہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" ان لوگوں کے چہرے خود سے چھپے ہوئے تھے۔ سب نے نام و نسب بتایا۔ عتبہ نے کہا "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے"۔ مقابلہ شروع ہوا۔ عتبہ حضرت حمزہ سے اور اس کا لڑکا ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا۔ دونوں مارے گئے۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت ابو عبیدہ کو زخمی کیا، حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور ابو عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ پھر سعید بن العاص کا بیٹا عبیدہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا صف سے نکلا، حضرت زبیر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے اور تاک کر آنکھ پر برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی ایسی پیوست ہوئی تھی کہ لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچی گئی اور دونوں سرے سے خم ہو گئی تھی۔ یہ برچھی ایک زمانہ تک یادگار رہی۔

اب عام حملہ شروع ہوا۔ فرزندانِ توحید دادِ شجاعت دینے لگے۔ ابو جہل کی اسلام دشمنی اور شرارت کا عام چرچا تھا۔ دو انصاری نوجوان بھائیوں معوذ و معاذ نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں بھی مل جائے گا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے زور و کارن جاری تھا، عبدالرحمٰن بن عوف صف میں تھے، ان میں سے ایک ان کے پاس آیا اور کان میں پوچھا "ابو جہل کہاں ہے؟" پھر دوسرے نے بھی یہی پتہ چاہا، انھوں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل خاک پر تھا، اس کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آ کر معاذ کے شانے پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ کر لٹک گیا، صرف تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذ

Marfat.com

اسی حال میں لڑتے رہے لیکن لٹکتے بازو سے زحمت تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا، تسمہ الگ ہو گیا، اب وہ دادِ شجاعت دینے کے لئے آزاد تھے۔

اب جنگ میں سرتاج قریش ابوجہل، عتبہ، ولید، شیبہ، عبیدہ اور امیہ ابن خلف وغیرہ مارے جا چکے تھے، یہ دیکھ کر قریش نے سپر ڈال دی اور راہِ فرار اختیار کی مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کیا جن میں عباس، عقیل، نوفل، ابوالعاص اور بعض دوسرے معززینِ قریش بھی تھے۔ قریش کے تقریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اور مجاہدین میں سے صرف چودہ^{۱۴} صحابہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

اسیرانِ جنگ اسیرانِ جنگ دو دو چار چار کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ارشاد ہوا انھیں آرام سے رکھنا چاہیئے۔ اس کی تعمیل میں صحابہ خود کھجور کھا لیتے اور انھیں کھانا کھلاتے۔ جن قیدیوں کے کپڑے پھٹ گئے تھے انھیں کپڑے پہنائے۔ اسیرانِ جنگ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اعزہ بھی تھے، آپ کے چچا عباس اور داماد ابوالعاص کے علاوہ آپ کے چچازاد اور حضرت علی کے حقیقی بھائی عقیل بھی تھے، صحابہ سے آپ نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا، حضرت عمر نے کہا، ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے۔ رحمتِ عالم کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی۔ چار ہزار فی کس فدیہ مقرر ہوا اور جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں، یہی ان کا فدیہ قرار پایا، اور جو بالکل ہی نادار تھے، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، وہ آزاد کئے گئے۔ عباس زیادہ دولتمند تھے اس لئے ان سے زیادہ فدیہ لیا گیا۔ یہ ادائے فرض تھا، لیکن دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا نظر آیا کہ عباس کی کراہ سن کر رات کو آپ آرام نہ فرما سکے تھے، لوگوں نے ان کی گرہ کھولی تو آپ کو بھی سکون ہوا۔ اسی طرح آپ کے داماد ابوالعاص کے فدیہ میں آپ کی صاحبزادی حضرت زینب جو ابھی تک اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں، ایک قیمتی ہار بھیجا جو پہلے حضرت خدیجہ کے گلے میں

رہتا تھا، اس پر نگاہ پڑتے ہی پچیس برس کا محبت انگیز زمانہ یاد آگیا۔ آپ بے اختیار رو پڑے، صحابہ نے اس ہار کو واپس کر دیا۔ ابوالعاص رہا ہو کر مکہ واپس گئے اور حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیا، پھر وہ خود بھی مسلمان ہو گئے۔

مالِ غنیمت اور خداوندی عتاب غزوۂ بدر میں مجاہدین نے بعض ایسے طریقے اختیار کئے جو عرب میں رائج تھے، سردارانِ قریش کے مارے جانے کے بعد جب قریش کی ہمت چھوٹ گئی اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو مجاہدین ان کا تعاقب کر کے ان پر یلغار کرنے کے بجائے مالِ غنیمت جمع کرنے اور قیدیوں کو پکڑنے میں لگ گئے، جس کی وجہ سے آٹھ سو سے زیادہ مشرکین کو فرار ہونے کا موقع مل گیا، اگر ان کا خاتمہ میدانِ جنگ میں ہو جاتا تو وہ احد کی دوسری لڑائی کے لئے اس قدر جلد تیار نہ ہو سکتے تھے، حالاں کہ اس وقت تک مالِ غنیمت جمع کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی اجازت نہیں آئی تھی، بارگاہِ ایزدی میں یہ ناگوار گذرا اور فوراً عتاب کی آیت نازل ہوئی کہ

> "کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ سرزمینِ جنگ میں اچھی طرح خونریزی ہوئے بغیر اس کے پاس قیدی جمع ہو جائیں، تم دنیا کا سرمایہ چاہتے ہو اور خدا آخرت کا سامان چاہتا ہے۔ خداوند تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے، اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے سرمایہ حاصل کیا ہے اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا، پس اب جو کچھ تم مالِ غنیمت لے چکے ہو، اس کو کھاؤ، وہ حلال طیب ہے، اور اللہ کی راہ میں تقویٰ اختیار کئے رہو، اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت فرمانے والا ہے"[۱]

---

[۱] مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی حَتّٰی الآیہ (سورہ انفال ع ۹)

Marfat.com

جب عتاب کی یہ آیت اُتری تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا "تمھارے ساتھیوں نے جو کچھ کیا، اس پر خدا کی طرف سے جو کچھ آیا ہے اس پر رو رہا ہوں"۔ لہ

قیدیوں کے متعلق حکم خداوندی آیت عتاب میں بہرحال مالِ غنیمت کے حلال طیب ہونے کا بھی حکم آ گیا۔ اس کے بعد ایک دوسری آیت میں بھرپور لڑائی کے بعد اگر قیدی ہاتھ آجائیں تو ان کے متعلق بھی تصریح سے احکام آئے کہ:

لہ مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم نے تاریخ الامت میں ان آیتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے ان سے فدیہ کیوں لیا گیا؟ اس پر عتاب کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یہ کسی حیثیت سے صحیح نہیں۔ اس سلسلہ میں لائقِ اعتراض پہلو دراصل صرف یہ تھا کہ فدیہ لینے کا فیصلہ حکم خداوندی کے نزول سے پہلے کر لیا گیا، یہ ایک مسامحت تھی جس پر بارگاہِ الٰہی سے سرزنش کی گئی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اجازتِ الٰہی کے بغیر مالِ غنیمت کے جمع کرنے پر سرزنش ہوئی، ورنہ یہ مقصود نہیں کہ ان کو فدیہ کے بجائے قتل کیا جاتا یا مالِ غنیمت کو میدان میں پڑا چھوڑ دیا جاتا بلکہ اگر قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تو یہ منشائے ربانی کے برخلاف ہوتا، کیونکہ اس کے بعد قیدیوں کے متعلق جو احکام نازل ہوئے ان میں یہ آئین قرار پایا کہ انھیں قتل نہ کیا جائے بلکہ یا تو انھیں ان پر احسان کر کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر آزاد کیا جائے۔ سرزنش اور عتاب کا اصل مقصود یہ ہے کہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کے فدیوں کے حصول کو پوری خونریزی کئے بغیر توجہ کا مرکز نہ بنایا جائے۔ جو لوگ اسلام کو فنا کرنے کے لئے میدان میں اترے ہیں انھیں اچھی طرح قتل کرو، پھر جو درماندہ ہو کر تمھارے قبضہ میں آجائیں، انھیں یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کرو، اور اس خون ریزی سے بھی مراد دنیا میں خون ریزی کا پھیلانا نہیں، بلکہ اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں، تو تمھارے لئے بھی یہی بہتر ہے، کہ تم رک جاؤ ——!

Marfat.com

"جب تم کافروں سے مقابلہ کرو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ
جب تم ان کو خوب اچھی طرح قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں)
ان کو مضبوطی سے قید کر لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو،
یا کچھ فدیہ لے کر آزاد کر دو، یہاں تک کہ لڑائی سر سے اپنے ہتھیار
ڈال دے"۔ ؎

غزوۂ بدر کے بعد لڑائی میں پہل نہ کرنے کی ہدایت قرآن مجید میں بدر کے واقعہ کا تفصیل سے ذکر آیا ہے سلسلۂ کلام میں مزید پیش قدمی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی اور کفار کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں نہ ہوں، اگر وہ پھر جنگ آزما ہوں گے تو فتح و غلبہ آخر کار مسلمانوں ہی کے لئے ہے ارشاد ہوا:

"اے پیغمبر! خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک) نکال لایا... اگر
تم فتح چاہتے تھے تو فتح آ چکی، اب اگر رک جاؤ تو بہتر ہے۔ اگر تم (کفار)
پھر مخالفت پر آمادہ ہو گے تو ہم پھر مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ یاد رکھو،
تمھاری جمعیت کچھ مفید نہیں گو وہ کتنی ہی کثیر ہو، اس لئے کہ خدا
مسلمانوں کے ساتھ ہے"۔ ؎

غزوۂ بدر ایک معجزۂ ہلاکت تھا معجزات کا سرسری ذکر یکجا آگے آئے گا یہاں یہ اشارہ کر دینا ہے کہ بدر کا واقعہ ایک معجزۂ ہلاکت تھا۔ انبیاء کو جو معجزات عطا ہوئے، ان میں معاندین کی ہدایت یابی سے مایوسی کے بعد معاندین کی اجتماعی ہلاکت کا معجزہ بھی انبیاء سے صادر ہوتا رہا تھا۔ قریش کے معاندین تمسخر سے اس معجزہ کے ظہور کا مطالبہ کرتے تھے، اس پر آپ نے چند معاندین کے حق میں بد دعا فرمائی تھی، تیرہ برس کی مکی زندگی کے

؎ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰی الآیہ (سورہ محمد ع ۱)
؎ کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ الآیہ (سورہ انفال ع)

Marfat.com

بعد قوم کے صالح عناصر مکّہ سے ہجرت کر کے نکل گئے، تاہم قریش میں ایسے لوگ موجود تھے، جن کے سینے نورِ ایمان سے چمکنے والے تھے، اس لئے معجزۂ ہلاکت کے لئے مکّہ کی بجائے بدر کا میدان منتخب ہوا میدانِ جنگ میں پہنچنے کے بعد آپ نے ایک ایک مقام کی نشان دہی صحابہ کے سامنے کی کہ یہاں ابو جہل کا مقتل ہے، یہاں عتبہ کی لاش ہوگی، یہاں اُبی گرے گا اور ٹھیک انہی جگہوں پر ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا نظارہ دکھائی دیا اور قرآن مجید نے کفارِ مکّہ کے سامنے پیشین گوئی کر دی تھی کہ پہلے قحط آئے گا پھر معجزۂ ہلاکت بطشۂ کبریٰ یعنی واقعۂ بدر کی شکل میں ظاہر ہوگا اور یہ بطش اکبر کفار کے لئے ایسا ہی ہوگا جیسا فرعون کے لئے غرقِ بحر کا واقعہ پیش آیا۔ بدر میں جن معاندین کی ہلاکت ہوئی ان کے قبولِ اسلام سے مایوسی ہو چکی تھی، اور جن کے اسلام لانے کی امید باقی تھی وہ ان میں تھے جو یا تو فرار ہوئے یا قید کر لئے گئے۔

بدر کے مابعد اثرات بدر میں مسلمانوں کی فتحیابی سے ملک کے مذہبی و سیاسی حالات پر گوناگوں اثرات پیدا ہوئے اور درحقیقت اسلام کی آئندہ ترقیوں کا یہی اولین قدم تھا۔ ایک طرف قریش کی قوت ٹوٹی، عرب پر جو ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس میں کمی آئی، اور دوسری طرف مدینہ کے منافقین اور یہود پر اگرچہ مسلمانوں کی کامیابی شاق گذری، لیکن ان میں سے منافقین اب اسلام کا علانیہ اظہار کرنے پر مجبور ہوئے اور عبد اللہ بن اُبی کی روش بدل گئی، مگر یہود اپنے جذبات کو ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود اسلام دشمنی کے جذبہ کو چھپا نہ سکے۔

دوسری طرف قریش بھی اپنے غم کو بھلا نہ سکے، انھیں پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، اب بدر کے بعد مکّہ کا ہر گھر ماتم کدہ تھا، مقتولینِ بدر کے انتقام کے لئے ان میں اضطراب تھا اور اس کے نتیجہ میں اگلے چند برسوں میں لڑائیوں کا ایک سلسلہ قائم رہا، یہاں تک کہ فتح مکّہ کا موقع آیا اور عرب میں کفر و ظلمت کا علم ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا۔

Marfat.com

غزوہ سویق اب قریش کی مسندِ سیادت پر ابوسفیان بن حرب اموی آیا، اس نے بدر کا انتقام لینے کی منت مانی، کہ جب تک وہ انتقام نہ لے گا سر میں تیل نہ ڈالے گا، چنانچہ وہ ماہ ذی الحجہ ۲ھ ۶۲۳ء میں دو سَو شتر سواروں کے ساتھ مکہ سے رازداری کے ساتھ نکلا، حوالی مدینہ میں یہود سے ساز باز کی، بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم کا مہمان رہا اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ ہوا اور یہاں سے نکل کر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام عریض پر حملہ آور ہو کر ایک انصاری کو شہید کیا، چند مکانات لوٹے اور آگ لگا کر واپس ہوا، گویا عہد پورا کر لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو اس کے تعاقب میں نکلے، اس نے بار ہلکا کرنے کے لئے سامانِ رسد کی بوریاں پھینک دیں جن میں ستو تھا، اور بچ کر نکل گیا۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں اسی مناسبت سے یہ غزوہ سویق کے نام سے موسوم ہوا۔

غزوہ بنی قینقاع ۲ھ ۶۲۳ء جیسا کہ اوپر گزرا غزوہ بدر کے بعد یہود کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف آتشِ غیظ و غضب تیز ہو گئی، اب وہ جذبۂ عناد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کرتے۔ السلام علیک کی بجائے السام علیک یعنی تجھ کو موت آئے کہتے، آپ صبر و تحمل فرماتے۔ مشرکین کی نگاہ میں اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے اپنے اسلام کا اعلان کرتے پھر مرتد ہو جاتے۔ اوس و خزرج اور مہاجرین و انصار میں باہم تفرقہ اندازی کی کوشش کرتے، مگر آپ سب ہی باتوں کو برداشت کرتے جاتے، کہ اچانک ایک اتفاقی واقعہ پیش آ گیا اور بات آگے بڑھ گئی۔

ایک دن کسی یہودی نے کسی انصاریہ عورت کی برسرِ راہ بے حرمتی کی، ایک انصاری یہ دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور اس یہودی کو قتل کر ڈالا، یہودیوں نے حملہ کر کے اس انصاری کو مار ڈالا۔ معاملہ بارگاہِ رسالت تک پہنچا، یہاں بھی یہود نے گستاخی کی اور زعم میں کہہ گئے کہ ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

یہ قبیلہ قینقاع کے لوگ تھے جو جنگ کی باتیں کہہ کے نقضِ عہد کر کے چلے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکشی و ریشہ دوانی کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا، چناں چہ اُن پر چڑھائی کی گئی، وہ مضبوط و مستحکم قلعوں میں رہتے تھے، قلعہ بند ہو گئے، مجاہدین نے محاصرہ کر لیا، جب محاصرہ کے پندرہ دن گذر گئے تو قلعہ سے اترنے کی یہ شرط انھوں نے بھیجی، کہ انھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور ہے۔ عبداللہ بن اُبی نے انھیں جلا وطن کرنے کی رائے دی، چنانچہ یہ فیصلہ انھیں سنا دیا گیا اور وہ مدینہ کی سکونت ترک کر کے اپنے مال واسباب و دولت و ثروت کے ساتھ شام کے علاقہ اذرعات میں جا کر آباد ہو گئے۔ یہ تعداد میں سات سو تھے جس میں تین سو زرہ پوش تھے۔ یہ واقعہ ماہ شوال سنہ ۲ھ ۶۲۳ء میں پیش آیا۔

قتل کعب بن اشرف سنہ ۳ھ ۶۲۴ء کعب بن اشرف مدینہ کا متمول اور با اثر یہودی تھا، اس کی معاندانہ حرکتیں بھی بدر کے بعد زیادہ تیز ہو گئیں۔ قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا، تعزیت کے لئے مکہ گیا اور ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام لینے کا حلف اسی نے دلوایا تھا، وہ اچھا شاعر بھی تھا، اس نے بدر کے مقتولین کا پُر درد مرثیہ لکھا اور اس کی تشہیر کی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ اشعار لکھتا اور ان کو شائع کرتا۔ اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہتا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ کو قتل کرانے کی بھی مخفی سازش کی، مگر ناکام رہا۔ جب اس کی شر انگیزی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ فرمایا، جس میں کسی تدبیر سے اس کو قتل کرانے کی رائے قرار پائی، چنانچہ اس خدمت کو انجام دینے کے لئے محمد بن مسلمہ انصاری کا انتخاب کیا گیا جو اس کو اسی کے گھر میں بلطائف الحیل قتل کرنے میں کامیاب ہوئے اور اسلام کے خلاف سازش کا ایک بڑا مرکز ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول سنہ ۳ھ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔

غزوۂ احد سنہ ۳ھ ۶۲۴ء بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں سے اکثر قریش

Marfat.com

کے تاج و جواہر تھے، اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا۔ اس سال کی شامی تجارت کا پورا منافع قومی مد امانت کے طور پر محفوظ کر لیا گیا، تاکہ بدر کی انتقامی لڑائی میں کام آسکے۔ عرب کے دو نامور شاعر عمرو جمحی و مسافع مامور کئے گئے کہ وہ اپنی آتش بیانی سے قبائل قریش میں آگ لگائیں۔ خاتونانِ قریش نے منتیں مانیں کہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِّ محترم حضرت عباس گو اسلام لا چکے تھے مگر ابھی تک مکہ میں مقیم تھے، انھوں نے مکہ کے حالات سے آپ کو ایک تیز رَو قاصد کے ذریعہ مخفی اطلاع کرائی۔ ادھر قریش کا لشکر بڑی تیاریوں کے ساتھ ۳ شوال ۳ھ / ۶۲۴ء کو مکہ سے روانہ ہو گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے قاصد کے پہنچنے کے بعد دو شخصوں انس و مونس کو قریش کے لشکر کی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے آکر کہا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب اس کی چراگاہ عریض تک آچکا ہے اور ان کے گھوڑوں نے چراگاہ کی گھاس صاف کر دی ہے۔ آپ نے دشمنوں کی تعداد کا تخمینہ ایک دوسرے صحابی کے ذریعہ حاصل کیا اور مدینہ کی ناکہ بندی شروع کر دی۔ آپ نے چاہا کہ عورتوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، لیکن نوخیز صحابہ نے شہر سے نکلنے پر اصرار کیا۔

قریش نے مدینہ سے جانب شمال تقریباً ڈیڑھ دو میل پر کوہِ اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ عبد اللہ بن اُبَی شہر سے نکل کر مقابلہ کرنے کا مخالف تھا۔ اپنی رائے کے نہ مانے جانے کا عذر کر کے تین سَو کی جمعیت کو لے کر واپس چلا گیا۔ اسلامی فوج کی تعداد سات سَو رہ گئی جس میں ایک سَو زرہ پوش تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ مصعب بن عمیر کو علم عطا کیا، حضرت حمزہ نے زرہ پوش رسالہ کی کمان سنبھالی

زبیر بن العوام ایک الگ رسالہ کے افسر بنائے گئے اور عبداللہ بن جبیر کے ماتحت پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ اُحد کی پشت پر رکھا اور ہدایت کی کہ لڑائی و فتح بھی ہو جائے تو بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔

دوسری طرف قریش نے بھی ترتیب سے صف بندی کی، خالد بن ولید، عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان بن اُمیّہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور طلحہ مختلف دستوں کی کمان سنبھالے تھے۔ خاتونانِ قریش کشتگانِ بدر کے انتقام خون کے رجز، پڑھتی آگے آگے تھیں۔

قریش کے علمبردار طلحہ نے صف سے نکل کر طنز کے ساتھ للکارا ہ مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے حضرت علی نے بڑھ کر اس زہریلے طنز کا جواب اپنی ذوالفقار سے دیا اور طلحہ کی لاش چشم زدن میں خاک پر تھی، طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان حملہ آور ہوا۔ حضرت حمزہ نے اس کے شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر گئی، اب عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ فوج کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کردیں، ابودجانہ لاشوں پر لاشے گراتے جاتے تھے، سامنے ابوسفیان کی بیوی ہندہ آگئی، اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی، کہ رسول اللہ کی تلوار عورت کے سر پر نہیں آزمائی جا سکتی۔ یہ تلوار اُنھیں آپ ہی نے عطا کی تھی۔ حضرت حمزہ دو دستی تلوار سے صفیں صاف کرتے جاتے تھے۔ وحشی نام سے موسوم ایک حبشی غلام تھا اپنے آقا[ل] سے وعدہ لے چکا تھا کہ وہ اگر حضرت حمزہ کی زندگی ختم کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا، وہ ان کی تاک میں تھا۔ موقع پاکر دور سے ایک چھوٹا سا نیزہ

ل وحشی کا آقا جبیر بن مطعم تھا، جس کا چچا جنگ بدر میں حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند کا باپ عتبہ بھی انہی کے ہاتھ سے واصلِ جہنم ہوا تھا۔ ہند نے وحشی کو حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور جبیر بن مطعم سے یہ وعدہ دلوایا تھا۔ جس نے اپنے چچا کے قتل کیے جانے کی وجہ سے بخوشی اس کو منظور کر لیا تھا۔

Marfat.com

تاک کر پھینکا جو ناف پر لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ لڑکھڑا کر گرے اور روح پرواز کر گئی، لیکن حضرت علی و ابو دجانہ کے پے در پے حملوں سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور مطلع صاف ہو گیا۔

مجاہدین پھر مالِ غنیمت کی لوٹ میں لگ گئے، یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر کیے گئے تھے، دستہ کے افسر عبداللہ بن جبیر کے روکنے کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، صرف سالارِ دستہ اور چند مجاہدین اپنی جگہ کھڑے رہے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر مشہور قریشی قائد خالد بن ولید نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا، اور جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا، خالد نے سواروں کے ایک دستہ کو لے کر عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر نے اپنے چند جاں بازوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے اب لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ خالد کے عقب سے بے خبری میں حملہ آور ہونے سے ان مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی جو مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف تھے اور پورا اسلامی لشکر تتر بتر ہو کر منتشر ہو گیا۔ اس عام ابتری اور انتشار میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں، کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت مصعب بن عمیر کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں مشابہ تھے، ابن قمیہ نے شہید کر دیا اور غل مچ گیا، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی اور بڑے بڑے دلیر اور ممتاز صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر لی۔ صف میں افراتفری مچ گئی۔ حضرت عمر نے ہتھیار پھینک دیئے۔ ابن نضر نے کہا اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ جسم پر اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ اچانک کعب بن مالک نے مغفر سے ڈھکے ہوئے چہرے کے اندر سے آپ کو پہچان لیا اور زور سے چلائے، فداہ ابی و امی موجود ہیں۔ کفار نے بھی آواز سنی اور ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا لیکن حضرت علی کی ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا "مجھ پر کون جان دیتا ہے" اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کرکے شہید ہو گئے۔ اب جاں نثار سمٹ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ تیروں کی ساری بارش کی بوچھار ذاتِ اقدس پر تھی۔ ایک بدکردار عبداللہ بن قمیہ قریب پہنچ گیا، چہرہ مبارک پر تلوار ماری جس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ گئیں، لبِ مبارک زخمی ہوا اور دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ ابن ابی خلف جمحی نے کسی موقع پر حلف اُٹھایا تھا کہ وہ نعوذ باللہ آپ کو قتل کرے گا۔ آپ نے فرمایا تھا نہیں میں خود اس کو قتل کروں گا۔ اس موقع پر وہ بھی بڑھ کر سامنے آیا۔ آپ نے اس کا وار روکتے ہوئے اس پر حملہ کیا، وہ زخمی ہو کر ایک گڈھے میں گرا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ پہلا اور آخری شخص تھا جو آپ کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ (بخاری باب ما اصاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجراح یوم احد) پھر جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔ جو تیر بھی آتے، وہ اُن کی پیٹھ پر آتے۔ ابو دجانہ جھک کر سپر بن گئے، طلحہ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ صحابہ ہر چہار طرف سے آپ پر سایہ کئے تھے اور کفار تھے کہ تلے تھے کہ آج شمع نبوت کو گل کر کے رہیں گے۔ آپ کے جسم اطہر پر بے شمار زخم آئے مگر آپ ثابت قدمی سے کھڑے رہے اور اس وقت بھی زبانِ مبارک پر یہ کلمہ رہا کہ خداوندا! میری قوم کو معاف کر وہ نادان ہے۔

جب مشرکین کا ریلا رُکا تو آپ چند ثابت قدم جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے جماعت کو دیکھ لیا، پہنچنے کی کوشش کی مگر صحابہ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ پھر ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ "یہاں محمدؐ ہیں؟" پھر حضرت ابوبکر و عمر کا نام لے کر پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا تو کہا "سب مارے گئے"۔ حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا، بول اُٹھے "دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں"۔ ابوسفیان نے کہا "اے ہبل تو اونچا رہ"۔ آپ نے جواب دلوایا "خدا بلند و برتر ہے"۔ اس نے کہا ہمارے

Marfat.com

پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس عزیٰ نہیں"۔ جواب دیا گیا "خدا ہمارا آقا ہے، تمہارا کوئی آقا نہیں"۔ اس کے بعد قریش نے میدان میں پڑی ہوئی لاشوں سے بدلہ لیا، ان کے ناک کان کاٹ لئے، ہندہ نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہ کی لاش پر گئی، ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لئے اُگل دیا۔ اسی واقعہ سے اس کا لقب جگر خوار پڑا۔ اس غزوہ میں صحابیات نے بھی بڑی بہادری اور جاں فروشی دکھائی۔ حضرت عائشہ، ام سلیم مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور پلاتی تھیں، حضرت ام عمارہ نے ابن قمیہ پر تلوار چلائی، مگر وہ دوہری زرہ پہنے تھا، کارگر نہیں ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ مدینہ بھی پہنچ گئی تھی، ایک خاتون آپ کی خیریت جاننے کے لئے چل پڑیں۔ ان کے باپ بھائی اور شوہر کے مارے جانے کی اطلاع ملتی گئی، مگر وہ آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے تاب رہیں اور چہرۂ مبارک کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھیں: "آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں"!

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے۔ ان شہدا کو بے غسل و کفن اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ جب دونوں فوجیں میدان سے الگ ہوئیں تو گو مسلمان زخموں سے چور تھے، پھر بھی آپ نے ستر آدمیوں کی ایک جماعت ان کے تعاقب میں بھیجی تاکہ ابو سفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ لوٹ نہ آئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ عورتیں بین کرتی اور کپڑے پھاڑتی رہیں۔ اسی دن آپ نے یہ رسم بند کرائی۔

اُحد کی شکست کے اثراتِ مابعد اور قریش کا عناد اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں

جنگِ اُحد میں قریش کی شکست کے بعد ایک اسلامی دستہ کے ارشادِ نبوی کی ہدایت کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لئے ان کی فتح شکست سے بدل گئی۔ اس لئے قریش اپنی اس عارضی فتح مندی سے مطمئن نہیں ہوئے اور ان کی ریشہ دوانیاں پہلے

سے زیادہ بڑھ گئیں۔ اُحد کا واقعہ ماہ شوال میں پیش آیا تھا۔ ماہ ذی الحجہ حج کا موسم تھا۔ عرب کے قبائل مکّہ میں جمع ہوئے، قبائل کو قریش سے احد کی کامیابی کی مبالغہ آمیز داستانیں معلوم ہوئیں اور دلوں پر مسلمانوں کا بدر کے اثر سے جو رعب چھایا ہوا تھا، وہ اُٹھ گیا اور وہ جری ہو گئے۔ چنانچہ قریش نے ایک طرف مدینہ کے یہود سے سازباز کی اور اسلام اور داعئ اسلام کے خلاف انھیں شرانگیز روش اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ دوسری طرف مکّہ میں آئے ہوئے عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر انھیں مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے اور ہر ممکن طریق سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر تیار کر لیا۔ لوٹ مار اور قتل و غارتگری قبائل کا پیشہ تھا، ان کو ایک تاراج گاہ مل گئی۔ وہ چڑھ چڑھ کر مدینہ کی سمت آتے اور آس پاس میں غارتگری کر کے نکل جاتے۔ کبھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ان کے چند افراد بظاہر اسلام لاتے اور اپنے قبیلوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے نام سے مسلمان مبلّغین کو اپنے ساتھ لے جاتے اور موقع پاکر انھیں تہ تیغ کر دیتے۔ ان حالات کے سامنے آنے سے ادھر سے جہاں اور جب موقع ہوا، ان کی قوتوں اور اجتماعوں کو توڑنے اور ان کے شر سے بچنے کے لئے فوج کی ٹکڑیاں بھیجی جاتیں اور وہ اشرار اکثر فرار ہو کر کوہستانوں میں گھس جاتے اور کبھی مل جاتے تو مارے جاتے، اس قسم کے واقعات سنہ ۴ھ سے سنہ ۵ھ تک دو برس بار بار پیش آتے رہے۔ اس طرح احد کی شکست کے اثرات سے مسلمانوں کے لئے عرب کے سیاسی افق کا مطلع نئے سرے سے غبار آلود ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی ناکام سازش

دوسری طرف یہود کے شر سے بچنے کے لئے بھی بعض اقدامات اسی زمانہ میں کئے گئے۔ یہود کو اسلام دشمنی پر آمادہ کرنے میں قریش کی اوّلین تحریک یہ ہوئی کہ وہ آپ کی شمع حیات کو گل کر دیں۔ یہود کا عناد اسلام اور داعئ اسلام سے ظاہر تھا۔ غزوہ سویق کے موقع پر ابو سفیان یہودی قبیلہ بنی نضیر کا مہمان رہ چکا تھا، وہ مدینہ کی خفیہ اطلاعیں اس کو پہنچا چکے تھے، قریش نے اس قبیلہ سے رابطہ پیدا کیا اور انھیں آمادہ کیا کہ وہ آپ کو قتل کر کے مدینہ سے اسلام اور

Marfat.com

اس کے اثرات کو اکھاڑ پھینکیں، چنانچہ ۴ھ ۶۲۵ء میں آپ اتفاق سے کسی ضرورت سے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور خاموشی سے ایک یہودی عمرو بن جحاش کو بالاخانہ پر بھیجا کہ وہ آپ پر ادھر سے پتھر گرا دے، آپ کو ان لوگوں کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا اور آپ فوراً اس مقام سے ہٹ گئے۔ اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

یہ واقعہ سنگین تھا لیکن وہ کس ارادہ سے اوپر گیا تھا اور آپ کیوں کر وہاں سے ہٹ آئے، یہ بات ظاہر نہ ہونے پائی، یہود اس کو اتفاقی واقعہ سمجھے اور موقع کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس کرتے رہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بڑی سادگی سے یہ پیام بھیجا کہ آپ تین ۳ آدمیوں کو لے کر تشریف لے جائیں، وہ بھی اپنے احبار کو جمع کریں، باہم مذاکرہ ہو، اگر وہ آپ کے پیغام حق کو سن کر قائل ہو گئے تو پورا قبیلہ اسلام لے آئے گا۔ آپ نے اس کے جواب میں صاف طور پر کہلا دیا "پہلے تم معاہدہ کی تجدید کرو، تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا"، اس پر وہ خاموش ہو گئے، اس کے بعد آپ نے بنو قریظہ کو معاہدہ کی تجدید کرنے کا پیغام دیا، ان لوگوں نے اس کی تعمیل کی اور نئے سرے سے اس کا معاہدہ ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے بنو نضیر کو، بنو قریظہ کی مثال دے کر معاہدہ کر لینے پر دوبارہ آمادہ کرنا چاہا تو پھر انھوں نے کہلایا کہ "آپ صرف تین آدمیوں کے ساتھ تشریف لے آئیں، ہمارے بھی تین عالم ہوں گے، اگر وہ مطمئن ہو گئے تو ہم سب لوگ اسلام لے آئیں گے، کسی معاہدہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جائے گی۔ آپ نے رفع حجت کے لئے ان کی یہ تجویز مان لی، آپ تین آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلے لیکن راہ میں ہی تھے کہ اطلاع مل گئی، کہ یہود ہتھیار بند موقع کے منتظر ہیں، کہ آپ جیسے ہی پہنچیں، آپ کی شمع حیات کو گل کر دیں۔ یہ سنتے ہی آپ اثنائے راہ سے واپس تشریف لے آئے۔

Marfat.com

غزوۂ بنی نضیر اب بنو نضیر کا معاملہ صاف ہو چکا تھا، انھوں نے معاہدہ کو توڑ دیا، اسلام کے دشمنوں کو مہمان بنایا، اس سے سازباز کی، معاہدہ کی تجدید کی باربار کوششیں کی گئیں، وہ اس پر راضی ہونے کے بجائے حیلہ جوئی کرتے رہے اور درپردہ آپ کو قتل کرنے کی سازش میں شریک ہوئے اور اس کی باربار کوشش کی اور ناکام رہے، اس لئے اب ان سے یکسو ہونے کے لئے جنگ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔

دراصل بنو نضیر کو اطمینان یہ تھا کہ وہ نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعوں میں رہتے ہیں، پھر منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی سے بھی ان کی سازباز تھی، اس نے کہلا دیا تھا کہ ان پر اسلامی حملہ کی صورت میں وہ کھل کر دو ہزار سپاہ کے ساتھ میدان میں آجائے گا، اور پھر عین وقت پر بنو قریظہ بھی مدد کے لئے آجائیں گے، چنانچہ جب ماہ ربیع الاول ۴ھ ۶۲۵ء میں مجاہدین کی فوج نے بنو نضیر کی طرف کوچ کیا تو وہ اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے، کہ عقب سے عبداللہ بن اُبی فوج لے کر آئے گا، بنو قریظہ آجائیں گے اور سامنے قلعہ سے نکل کر یہ صف آرا ہو جائیں گے۔ آپ نے مجاہدین کو محاصرہ کر لینے کی ہدایت کی اور اسلامی لشکر پندرہ دنوں محاصرہ کئے رہا، اس اثناء میں نہ عبداللہ بن اُبی کی ہمت پڑ سکی کہ وہ علانیہ کھل کر سامنے آجاتا اور نہ بنو قریظہ کا کوئی آدمی سامنے نظر آیا۔

بالآخر جب وہ باہر کی مدد سے مایوس ہو گئے اور محاصرہ کی سختیاں اٹھانے کے لائق بھی نہ رہ گئے تو انھوں نے پندرہ دنوں کے بعد اس شرط پر امان طلب کی کہ وہ جس قدر مال واسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں اور اپنے سامان کے ساتھ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں باہر نکل جائیں۔ آپ نے اس شرط پر انھیں امان دے دی، چنانچہ وہ مدینے سے جلاوطن ہو گئے اور ان کے رئیس خیبر چلے گئے اور بیشتر بنو نضیر نے اسی سمت میں جاکر توطن اختیار کر لیا جہاں پہلے سے یہودیوں کی آبادی موجود تھی۔

لا اکراہ فی الدین یہود اس موقع پر انصار کے بعض ان لڑکوں کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، جنھوں نے ان کے اثر میں آکر یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، مگر انصار نے اپنے لڑکوں کو جانے سے روک لیا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، یعنی مذہب کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

بدعہدی اور فریب سے مبلّغین اسلام کا قتل فریب اور بدعہدی سے مبلّغینِ اسلام کو قتل کرنے کے دو سنگین واقعات ۴ھ/۶۲۵ء میں پیش آئے، چنانچہ ماہِ صفر ۴ھ/۶۲۵ء میں بنو کلاب کے ایک رئیس ابو براء نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام لانے کو ظاہر کیا اور اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے چند مبلّغین کے بھیجنے کی درخواست کی، آپ نے سترؔ صحابہ کو اس کے ساتھ کر دیا، اور دوسرے رئیس قبیلہ عامر بن طفیل کے نام آپ نے اس کی معرفت اپنا مکتوب ارسال فرمایا۔ ابو براء صحابہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوا اور مقام بیر معونہ پہنچ کر ٹھہر گیا اور وہاں سے ایک صحابی حرام بن ملحان کی معرفت اس مکتوب نبوی کو عامر کے پاس، بھجوا دیا۔ یہ سب کچھ پہلے سے ایک مرتّب سازش کے تحت عمل میں آیا، اس کے مطابق عامر نے مکتوب پاتے ہی حضرت حرام بن ملحان کو شہید کر دیا، پھر آس پاس کے مختلف قبائل عُصَیّہ، رِعل اور ذکوان کو اکٹھا کر کے بیر معونہ کی طرف چلا، ادھر صحابہ حضرت حرام بن ملحان کی واپسی کا انتظار کر کے خود اس سمت روانہ ہوئے، راہ میں عامر اپنے لشکر کے ساتھ مل گیا۔ اس نے صحابہ کو آتے دیکھ کر ان کو گھیرے میں لے لیا اور سب کو شہید کر دیا، صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن اُمیّہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کو کہا تھا، جا! تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" اس حادثہ سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے ظالموں کے حق میں بد دعا فرمائی۔

پھر کچھ دنوں کے بعد قبیلہ عُضَل اور قارہ کے چند اشخاص مدینہ آئے، اور

یقین دلایا کہ اُن کے قبیلے اسلام لاچکے ہیں چند مبلّغین ان کی تعلیم کے لئے عنایت فرمائے جائیں۔ آپ نے دسؔ صحابہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے بھی راہ میں مقام رجیع پر پہنچ کر بدعہدی کی اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کر دیا۔ ان کے دوسو آدمی آگئے جن میں ایک سو تیر انداز تھے۔ صحابہ نے جان بچانے کے لئے ایک ٹیکرے پر پناہ لی مشرکین نے ان کو پھر فریب دینا چاہا۔ اُن سے کہا اُترآؤ ہم تمھیں پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصم بن ثابت اس قافلہ کے سردار بنائے گئے تھے، انھوں نے جواب دیا "میں کافر کی پناہ نہیں لے سکتا۔" اور انھوں نے اپنے سات رفیقوں کے ساتھ تیر اندازوں کا مقابلہ کرکے شہادت پائی۔

دو صحابی حضرت خبیب بن ارث اور حضرت زید بن دثنہ ان کافروں کے دامِ فریب میں آگئے تھے، وہ دونوں نیچے اُتر آئے، کافروں نے بدعہدی کرکے ان کی مشکیں کس لیں اور انھیں غلام بنا کر مکّہ میں لے جا کر مقتول مشرکین کے وارثوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ حضرت خبیب کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خریدا، جس کو حضرت خبیب نے جنگِ اُحد میں قتل کیا تھا، اور حضرت زید کو مکّہ کے دوسرے رئیس صفوان بن اُمیّہ نے خریدا تھا۔ حضرت خبیب جب مقتل میں حرم کے باہر لائے گئے تو انھوں نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ قتل کے وقت مقتول کی آخری خواہش کو حتیّ الامکان پورا کرنے کا رواج تھا، انھیں اجازت ملی، نماز ادا کرکے انھوں نے فرمایا "جی چاہتا تھا کہ دیر تک پڑھتا رہوں، مگر خیال آیا کہ تم سمجھوگے کہ میں موت کا جلد سامنا کرنے سے ڈر رہا ہوں۔" پھر یہ اشعار پڑھے کہ:

"جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا، یہ جو کچھ ہے خالصتاً خدا کیلئے ہے، اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر اپنی رحمت و برکت نازل فرمائے گا۔"

Marfat.com

حضرت زید جب مقتل میں لائے گئے تو تماشا دیکھنے والوں میں ابوسفیان بھی تھا، اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا "سچ کہنا اس وقت اگر تمھارے بدلے محمدؐ قتل کئے جائیں تو تم کتنی بڑی اپنی خوش قسمتی سمجھو۔" انھوں نے فرمایا "خدا کی قسم! میں اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھ جائے۔"

سرایا ابی سلمہ و ابن انیس ۴ھ / ۶۲۵ء قریب و بعید کی ان بزدلانہ حرکتوں کے علاوہ قبائل نے لوٹ مار، غارت گری کا سلسلہ بھی ۴ھ / ۶۲۵ء ہی سے شروع کر دیا تھا۔ اور مدینہ پر چھاپہ مارنے کی بار بار کوششیں کی گئیں، چنانچہ ماہ محرم ۴ھ / ۶۲۵ء میں کوہستانی علاقہ قطن کے دو نامور سردار طلحہ و خویلد نے اپنے قبیلوں کے ساتھ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے علاقہ سے چل پڑے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہو گئی، آپ نے حضرت ابوسلمہ کی سرکردگی میں ایک سو پچاس مجاہدین کا ایک دستہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اسلامی دستہ کی آمد کی خبر سن کر وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ پھر اسی طرح اسی مہینہ میں بنولحیان کے سردار سفیان بن خالد نے کوہستان عرنہ سے آ کر مدینہ پر دستک دینی چاہی، حضرت عبداللہ ابن انیس کی سرکردگی میں ایک دو سوار دستہ ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، سفیان مارا گیا اور قبیلے کے دوسرے لوگ مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے۔

غزوۂ ذات الرقاع و دومۃ الجندل ۵ھ / ۶۲۶ء اسی طرح ۵ھ / ۶۲۶ء میں قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ محرم ۵ھ / ۶۲۶ء کو ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے ذات الرقاع تک تشریف لے گئے، وہ آپ کی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں میں گھس کر چھپ گئے اور آپ واپس تشریف لے آئے۔ پھر ماہ ربیع الاول ۵ھ / ۶۲۶ء میں دومۃ الجندل میں کفار

Marfat.com

کے اجتماع کی اطلاع ملی، آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے تو وہ لوگ بھی فرار ہوگئے۔

غزوہ بنی مصطلق ۵ھ ۶۲۶ء پھر چند ماہ کے بعد اسی طرح ماہ شعبان ۵ھ ۶۲۶ء میں مقام مریسیع میں کفار کے ایک عظیم اجتماع کی خبر ملی، یہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق تھے جو اپنے قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار کی سرکردگی میں جمع ہوئے تھے، آپ ۲ شعبان کو مدینہ سے جمعیت لے کر نکلے، خود حارث نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر راہِ فرار اختیار کی، مگر مریسیع کے باشندوں نے صف آرائی کی، لیکن زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکے، ان کے دس۱۰ آدمی مارے گئے اور چھ سو۶۰۰ گرفتار کر لئے گئے اور مالِ غنیمت میں دو ہزار ۲۰۰۰ اونٹ اور پانچ ہزار ۵۰۰۰ بکریاں ہاتھ آئیں۔

حضرت جویریہ سے شادی اور قیدیوں کی آزادی غزوہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں قبیلہ کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی حضرت جویریہ بھی تھیں، وہ اس عہد کے قانونِ جنگ کے مطابق آپ کے حصہ میں آئیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا صحابہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے اپنے حصہ کے اسیرانِ جنگ کو جو قانوناً ان کے لونڈی غلام ہوچکے تھے، ایک ایک کو آزاد کر دیا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی، وہ غلام نہیں رہ سکتا، اس طرح دفعتہً چھ سو قیدی آزاد ہوگئے۔

عبداللہ بن اُبی کا کردار غزوہ بنی مصطلق کے دو اور واقعے قابلِ ذکر ہیں، اس جنگ میں مشہور منافق عبداللہ بن اُبی بھی ساتھ تھا، اس نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر چشمہ سے پانی لینے کے معمولی واقعہ کو بہانہ بنا کر مہاجرین و انصار میں تفرقہ ڈالنا چاہا۔ بات جلد ہی کھل گئی کہ یہ عبداللہ بن اُبی کی فتنہ انگیزی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر غصہ میں رائے دی کہ اس منافق کو اب قتل کر دیا جائے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "کیا تم یہ چیز پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں

کو قتل کر دیا کرتے ہیں" پھر بھی یہ افواہ پھیلتی ہوئی اس کے بیٹے حضرت عبداللہ کے کانوں تک پہنچ گئی، وہ اسلام کے حقیقی جان نثار تھے، خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی "سنا ہے آپ عبداللہ بن اُبی کو قتل کرنے کا حکم دینے والے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ سب جانتے ہیں کہ میں اپنے باپ کا خدمت گذار ہوں، اگر واقعی ایسا ہونیوالا ہے تو میری صرف یہ درخواست ہے کہ مجھ ہی کو حکم دیا جائے، میں ابھی اس کا سر کاٹ کر خدمت اقدس میں لے آؤں، مبادا ایسا ہو کہ آپ کسی اور کو حکم عطا فرمائیں، اور میں غیرت و محبّت کے ناروا جوش میں قاتل کے ساتھ کچھ کر گذروں" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "نہیں، میں اس پر مہربانی کروں گا"۔ [1]

واقعہ اِفک پھر اسی غزوۂ بنی مصطلق میں اِفک کا واقعہ پیش آیا، جس میں نعوذ باللہ حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت تراشی گئی تھی، اس کی تردید میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی، جس میں اس کو سرتا پا لغو اور افترا پردازی قرار دیا گیا تھا، اس افواہ کو پھیلانے میں منافقین کا بھی بڑا حصہ تھا اور بعض سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی میں اس میں شریک ہو گئے تھے، وحیٔ الٰہی کے ذریعہ ان سب کی پرزور تردید و تکذیب کی گئی۔

---

[1] جب عبداللہ بن اُبی مرا تو اس کے صاحبزادے نے آکر آپ سے پیراہنِ مبارک مانگا۔ اور اسی کا اس کو کفن دیا گیا۔ یہ دراصل معاوضہ تھا اس پیراہن کا جو اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنا پیراہن، آپ کے چچا عباس کو ان کے قید کی حالت میں پہنایا تھا۔ جب اس کا جنازہ تیار ہوا تو اس کے لڑکے نے آکر نمازِ جنازہ کے لئے کہا، آپ تشریف لے چلے تو حضرت عمر نے بازو پکڑ کر کھینچا کہ آپ مشرک و منافق کی نماز پڑھانے جاتے ہیں۔ خدا فرما چکا ہے کہ ایسوں کے لئے آپ ستّر مرتبہ بھی استغفار کریں تو وہ قبول نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں اکہتّر مرتبہ استغفار پڑھوں گا۔ اور پڑھ کر نماز پڑھائی، تو پھر آیت نازل ہوئی کہ آپ استغفار کریں یا نہ کریں، خدا ایسوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔

Marfat.com

غزوۂ احزاب یا خندق ۵ھ/۶۲۶ء جب اسلام کے دشمنوں کی مسلمانوں کو فریب دے کر پامال کرنے اور مدینہ پر چھاپے مار مار کر امن وسکون کو برباد کرنے کی تحریک ناکام ہوتی دکھائی دی تو پھر انھوں نے جم کر مدینہ پر ایک ایسا حملہ کرنا چاہا جس میں عرب کی ساری طاقتیں یکجا ہو جائیں اور اس متحدہ حملہ کی مدافعت مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہو سکے، اس وقت عرب میں دو بڑی طاقتیں اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھیں، ایک طرف قریش مکہ تھے، دوسرے خیبر کے وہ یہودی سردار سلام بن ابی الحقیق حی ابن اخطب اور کنانہ بن ربیع جو مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے، ان لوگوں نے قریش سے مل کر پورے عرب میں اسلام کے خلاف آگ بھڑکائی۔ وہ پہلے مکہ پہنچے، یہاں قریش کے ساتھ مشورہ کر کے مدینہ پر متحدہ حملہ کا منصوبہ تیار کیا۔ پھر قبائل میں دورہ کر کے مختلف ممتاز قبائل بنو غطفان، بنو اسد، بنو سُلیم، بنو سعد اور قریش و یہود پر مشتمل دس ہزار فوج اکٹھا کر لی، ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کا سالار اور ابو سفیان پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اور یہ لشکر عظیم تیاریوں کے ساتھ مدینہ کی سمت روانہ ہو گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں سُنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی کے مشورہ کے مطابق عجمی طریق سے خندق کھود کر مدینہ میں موجود رہ کر مقابلہ کرنے کی رائے قرار پائی۔ مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان تھے، شامی رُخ کھلا ہوا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ذی قعدہ ۵ھ/۶۲۶ء کو تین ہزار صحابہ کے ساتھ اسی رُخ کو نکلے اور وسیع و عریض خندق کھودی گئی اور سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کا انتظام کیا گیا اور مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں۔ یہ وقت نازک تھا، شہر میں بنو قریظہ موجود تھے، ان سے بدعہدی کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت سلمہ بن اسلم کو دو سو مجاہدین کے ساتھ

Marfat.com

قلعوں کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا۔

اِدھر یہ انتظامات مکمل ہوئے اُدھر کفار کا لشکرِ عظیم آپہنچا۔ بنو قریظہ ابھی تک الگ تھلگ تھے۔ حملہ آوروں کے جمِ غفیر کو دیکھ کر ان کی کامیابی کا انھیں یقین آ گیا۔ وہ بھی موقع پا کر دشمنوں سے جا ملے۔ اب دشمنوں نے فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی لیکن وہ وسیع و عریض خندق کے باعث مدینہ میں گھسنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اپنا پڑاؤ ڈال کر مدینہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا لیکن ادھر موسم کی سختی، رسد کی قلّت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی اور حملہ آوروں کے بے شمار لشکر کے ہجوم کے باوجود صحابہ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی اور نہ جبین پر کوئی شکن آئی، نہایت خندہ پیشانی سے محاصرہ کی سختیاں برداشت کرتے رہے، البتّہ ان میں جو منافقین کی جماعت تھی، ان کا پردہ فاش ہوا۔ اور گھر کے محفوظ نہ ہونے کا عذر کر کے شہر میں واپسی کی اجازت مانگتے رہے لیکن مستقل مزاج صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، بعض صحابہ نے اپنے شکم کھول کر ان پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے تو آپ نے اپنا شکم مبارک کھولا۔ اس پر ایک کے بجائے دو پتّھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے، تیر اور پتّھر برساتے رہے جب کامیابی ہوتی دکھائی نہیں دی اور اسی حال میں تقریباً ایک مہینہ گذر گیا تو انھوں نے عام حملہ کا منصوبہ بنایا۔ خندق ایک جگہ سے کم چوڑی تھی، عرب کے شہسواروں نے اس مقام سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے، ایک نامور شہسوار عمرو بن عبدودّ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اس نے بڑھ کر مبارزہ طلب کیا، حضرت علی آگے بڑھے۔ عمرو نخوت سے چور تھا، حضرت علی کو دیکھ کر ہنسا، حضرت علی پا پیادہ تھے، وہ بھی گھوڑے سے اُتر آیا۔ بڑھ کر وار کیا، حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی، پیشانی

Marfat.com

پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا، تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پہ یادگار رہ گیا۔ حضرت علی نے وار کیا تو اُن کی تلوار اُس کا شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے مارے جانے کے بعد دوسرے نامی بہادر ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا۔ ذوالفقار کی چمک سے خیرہ ہو کر دونوں پیچھے ہٹے۔ ایک تیسرا نامی سردار نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ وہ چلایا "مسلمانو! شریفانہ موت چاہتا ہوں" حضرت علی نے خندق میں اتر کر تلوار سے گردن اُڑا دی۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا، تیر اندازی و سنگباری سے جگہ سے ہٹنا مشکل تھا۔ متصل چار نمازیں قضا ہوئیں، اُدھر مستورات جس قلعہ میں تھیں یہودیوں نے مسلمانوں کو حالتِ حصار میں دیکھ کر قلعہ پہ حملہ کرنا چاہا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور حملہ کی جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے مشہور شاعر حضرت حسان سے کہا "اُتر کر اس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا" حضرت حسان نے کہا "میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا"۔ حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑی اور اُتر کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا حضرت صفیہ نے حسان سے کہا، جاؤ اس کے ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ انھوں نے کہا جانے بھی دیجئے۔ کہا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہوں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی پڑی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں فوج موجود ہے، حملہ کی جرأت نہ کر سکے۔

محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جاتا تھا، محاصرین بھی ہمت ہارتے جاتے تھے۔ دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر بادِ صرصر کے تیز جھونکوں کے ساتھ نصرتِ الٰہی آگئی، طوفانی آندھی سے خیمہ کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ کھانے کے دیگ چولھوں پر سے اُلٹ گئے، پھر مزِق جمعہم کی دعاؤں کے اثر نے ان کی جمعیت کو پُرزے پُرزے کر دیا۔ قریش و

Marfat.com

یہود میں ناچاقی پیدا ہوئی اور اختلاف شدید ہو گیا۔ یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے کہ متحدہ عرب کے لشکر کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے، ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ختم ہو چکا موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ یہ کہہ کر طبلِ رحیل یعنی روانگی کا نقارہ بجانے کا حکم دیا اور مدینہ کا غبار آلود مطلع صاف ہو گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا، صرف حضرت سعد بن معاذ زخمی ہوئے جس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ یہ جنگ احزاب یا خندق سے موسوم کی گئی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ ۵ھ ۶۲۶ء | یہود کا تیسرا قبیلہ بنو قریظہ مدینہ کے اطراف میں رہ گیا تھا۔ یہ لوگ مارِ آستیں ثابت ہوئے۔ ان کی دشمنی غزوۂ احزاب میں معاہدہ کے خلاف دشمنوں کی فوج میں شرکت سے عیاں ہو چکی تھی۔ اس موقع پر انھوں نے اس قلعہ پر بھی بزدلانہ حملہ کرنا چاہا، جہاں مسلمان مستورات کو بحفاظت رکھا گیا تھا۔ ان کا جرم اس لحاظ سے زیادہ سنگین تھا کہ انھوں نے معاہدہ کی تجدید کی تھی اور عین وقت پر نقضِ عہد کر کے غداری کا سب سے زیادہ ثبوت دیا تھا اور جب شکست کھا کر ہٹ آئے تو بھی انفعال نہیں ہوا۔ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن حی بن اخطب کو میدانِ جنگ سے اپنے ساتھ لیتے آئے۔

اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا، کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں، قریظہ کی طرف بڑھیں۔ بنو قریظہ کو اب بھی عقل آتی، تو معذرت خواہ ہو کر طالبِ امان ہوتے، انھوں نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور جب حضرت علی فوج کے آگے سب سے پہلے ان کے قلعہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے علانیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، چنانچہ ان کا محاصرہ سختی سے کر لیا گیا۔ تقریباً ایک مہینہ محاصرہ قائم رہا، انھوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ان کو منظور ہے۔ حضرت سعد اور قبیلہ اوس، بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی

Marfat.com

سے بڑھ کر ہوتا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کرلی اس وقت تک آپ اور صحابہ کا عام دستور یہ تھا کہ جب تک کسی خاص مسئلہ میں قرآن مجید کا حکم نہیں آتا تھا، ایسے مسئلوں میں عموماً توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اس کے مطابق حضرت سعد نے فیصلہ سنایا کہ "لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ یہ فیصلہ یہودیوں کے مذہب کے عین مطابق تھا۔ (توراۃ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰) حضرت سعد کے فیصلہ پر عمل کیا گیا۔

مقتولین کی تعداد چار سو سے چھ سو تک بیان کی گئی ہے۔ عورتیں اور بچے قید کرلئے گئے اور ان کا سارا مال و اسباب غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس طرح بنو قریظہ کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

۳۔ صلح حدیبیہ

ادائے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ کی طرف روانگی۔ ۶ھ ۶۲۷ء یہود سے معاملات سے یکسو ہوجانے کے بعد آپ[۱] نے عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کا قصد فرمایا، مکہ اگرچہ قریش کا مرکز تھا اور ان کو اسلام سے دیرینہ دشمنی تھی لیکن کعبہ سب کو عزیز تھا مشرکین اس کو اپنا آبائی ورثہ سمجھتے تھے اور عقیدت و عبودیت کا مرجع کہلاتے تھے۔ اور اسلام کے لئے کعبہ قبلہ گاہ تھا، وہ دین ابراہیم کی یادگار تھا، جس کی تجدید کے لئے اسلام کا ظہور ہوا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ عرب کے دستور کے مطابق سال کے چند مہینوں میں جنہیں شہر حرام یعنی حرمت کے مہینے کہتے تھے، باہمی لڑائی بند رہتی تھی۔ ان مہینوں میں ایک دوسرے کے دشمن سے دشمن قبیلے خون کا انتقام پورا کئے بغیر قاتل و مقتول دونوں کے قبائل دوش بدوش

---

[۱] عمرہ ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ یہ حج کے زمانہ اور دوسرے مہینوں میں بھی ادا کیا جاتا ہے۔ مشرکین نے حج و عمرہ میں جن مشرکانہ مراسم و بدعات کا اضافہ کیا تھا اسلام نے ان کو مٹا کر دین ابراہیمی کے طریقہ پر حج و عمرہ کی رسمیں برقرار رکھی ہیں۔

Marfat.com

بے خوف و خطر کعبہ میں آتے اور مشرکانہ بدعات سے ملوث حج و عمرہ ادا کرتے تھے، اس لئے درحقیقت مسلمانوں کے لئے بھی روک نہیں تھی کہ ان مہینوں میں سے کسی مہینہ میں وہ مکّہ معظمہ میں داخل ہوں، چنانچہ آپ نے شہر حرام ذی قعدہ ۶ھ ؁۶۲۸ء میں عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانور ساتھ لئے اور یہ حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف اپنی تلوار نیام میں رکھ سکتا ہے، تاکہ قریش کو اس سفر سے کوئی بدگمانی نہ ہو، اور چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ میں قربانی کی ابتدائی رسم ادا کرنے کے لئے جانوروں کی گردنوں میں لوہے کے نعل قربانی کی علامت کے طور پر لٹکا دیئے گئے اور سفر جاری رہا۔

قریش کی مزاحمت ادھر قریش مکّہ کا حال معلوم کرنے کے لئے آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو بھیجا، اس نے آکر مخبری کی کہ قریش نے تمام قبائل کو اکٹھا کر لیا ہے، اور یہ طے کر لیا ہے کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکّہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس طرح انھوں نے شہر حرام ہونے کے باوجود مقابلہ کی زور شور سے تیاری کی اور قبائل کا مشترک لشکر مکّہ سے باہر مقام بلدح میں اکٹھا ہوا۔ اور خالد بن ولید کی سرکردگی میں دو سو (۲۰۰) سواروں کا ایک دستہ جس میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، وہ غمیم تک پہنچ گئے ہیں اس لئے راہ کترا کر داہنی طرف سے چلو، چنانچہ راستہ کترا کر آگے بڑھے اور مقام حدیبیہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔

قیام حدیبیہ اور صلح کی سلسلہ جنبانی حدیبیہ مکّہ معظمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا، گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے قریش کے پاس قبیلہ خزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقاء کو جو اگرچہ اسلام نہیں لائے تھے، مگر ان کی ہمدردی آپ کے ساتھ تھی، پیغامبر بنا کر بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ :

Marfat.com

"ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔ لڑائی نے قریش کو
نڈھال کر دیا ہے، ان کے لئے بھی یہ بہتر ہے کہ ایک معیّن مدت کے لئے
معاہدۂ صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں، اس پر بھی
اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے
میں اس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو
جو فیصلہ کرنا ہو کر دے"

بُدیل نے قریش کے مجمع میں یہ پیغام سنایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر باتیں کروں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معقول شرطیں پیش کی ہیں، عروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واپس جا کر قریش سے کہا:

"میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت و وارفتگی
کہیں نہیں دیکھی۔ محمدؐ بات کہتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص
ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی
گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش
ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور منہ پر مل لیتے ہیں"

لیکن عروہ کے ذریعہ کوئی بات طے نہ ہو سکی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن اُمیّہ کو بھیجا، قریش نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور خود ان پر حملہ ہونے والا تھا، مگر کسی طرح وہ جان بچا کر چلے آئے۔ پھر قریش نے ایک دستہ مسلمانوں پر حملہ آوری کے لئے بھیجا، یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ گو یہ سخت شرارت تھی، مگر آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ کی سفارت کے لئے حضرت عثمان کا انتخاب ہوا، قریش نے ان کو نظر بند کر دیا، اور ان کے نگاہوں سے چھپ جانے کی وجہ سے یہ خبر مشہور ہو گئی، کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔

بیعتِ رضوان جب حضرتِ عثمان کے قتل کئے جانے کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے اور اس کی تیاری کے لئے آپ نے ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہ نے ولولہ انگیز طور پہ آپ کے دستِ مبارک پہ خدا کی راہ میں اپنی جان کو نذر کرنے کی غیر مشروط بیعت کی۔ اور خود آپ نے اس کو اس درجہ اہمیت دی کہ باوجودے کہ یہ حضرت عثمان ہی کے شہید کئے جانے کی افواہ پر بیعت لی گئی تھی، لیکن اگر یہ افواہ غلط ہو اور حضرت عثمان بقید حیات ہوں تو وہ بھی اس بیعت کے شرف سے محروم نہ رہ جائیں، اس لئے آپ نے خود اپنے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس بیعت کا ذکر کیا اور درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کو بلند درجہ اور زندگی میں اپنی رضا کے حاصل ہونے کی خوش خبری سُنائی، اور اسی لئے یہ بیعت رضوان سے موسوم ہوئی ہے پھر افواہ غلط نکلی اور حضرت عثمان بخیریت واپس آگئے۔

صُلح حُدیبیہ ۶ھ ۶۲۷ء اس کے بعد قریش کے رؤسا کو کچھ عقل آئی۔ انھوں نے خود صلح کی سلسلہ جُنبانی کی اور اپنی طرف سے سہیل بن عمرو کو صلح کی شرطوں پر بات کرنے، اور جو شرطیں قریش نے بھیجیں، اگر آپ انھیں منظور کرلیں تو معاہدہ کرنے کی اجازت کے ساتھ سفیر بنا کر بھیجا۔ شرائط پر دیر تک گفتگو رہی، بالآخر آپ نے چند شرطیں منظور فرمالیں، لیکن مسلمانوں کی عام نگاہ میں وہ شرطیں مغلوبانہ اور بظاہر نظر توہین آمیز تھیں۔ بہ ایں ہمہ صحابہ میں لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی اور معاہدہ نامہ مرتب کیا جانے لگا۔ آپ نے حضرت علی کو مسودہ لکھنے کی ہدایت فرمائی، انھوں نے بسم اللہ سے صلح نامہ کا آغاز کیا۔ سہیل نے کہا۔ نہیں، عرب کے قدیم دستور کے مطابق "باسمک اللّٰھم" لکھا جائے۔ آپ نے یہ ترمیم منظور فرمالی۔ اس کے بعد صلح کے

Marfat.com

مسوّدہ میں فریقین کے نام لکھنے کا موقع آیا، تو حضرت علی نے آپ کا اسم گرامی "محمد رسول اللہ" لکھا۔ سہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر ہمارا آپ کا جھگڑا کیا تھا؟ محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جھٹلاتے ہو مگر خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں۔" پھر حضرت علی کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" مٹا کر "ابن عبداللہ" لکھ دیا جائے۔ حضرت علی نے عالم محبت کی وارفتگی میں فرمایا "میں ہرگز نہ مٹاؤں گا" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لفظ "رسول اللہ" کو مٹا دیا، پھر معاہدہ ترتیب پایا، جس کی شرطیں یہ تھیں کہ آپ[1] اس سال اپنے صحابہ کو لے کر واپس چلے جائیں۔ اگلے[2] سال آئیں اور صرف تین دن ٹھہر کر لوٹ جائیں، لیکن ہتھیار[3] لگا کر نہ آئیں، صرف تلواریں نیام میں لا سکتے ہیں لیکن نیام تھیلہ میں ہو گی۔ جو مسلمان مکہ میں ہیں وہ مدینہ جائیں تو واپس کر دیئے جائیں، اور کوئی مسلمان خود مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے اور[4] کافروں اور مسلمانوں میں سے کوئی مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ اور قبائل عرب[5] کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں عہد کریں۔

یہ شرطیں بہ ظاہر مغلوبانہ تھیں اور دب کر کی جا رہی تھیں۔ صحابہ غم سے نڈھال تھے۔ معاہدہ لکھنے کے وقت لفظ رسول اللہ پر جو اعتراض ہوا تھا اس وقت حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا تھا وہ تیز گفتگو کر گئے تھے، پھر ابھی معاہدہ مکمل طور پر لکھا نہیں گیا تھا کہ سفیر قریش سہیل کے لڑکے ابوجندل جو مسلمان ہو گئے تھے، قریش کی حراست سے کسی طرح نکل کر پابہ زنجیر، زخموں سے چور آئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے معاہدہ کی شرط کی روشنی میں ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، کہا گیا ابھی معاہدہ ہوا نہیں ہے، زیر تحریر ہے۔ سہیل نے کہا اگر یہ واپس نہیں ہوتا تو معاہدہ منظور نہیں۔ آپ نے ابوجندل کو صبر کی تلقین کے ساتھ واپس ہونے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا

خدا تمھارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راہ جلد پیدا کرے گا، اس کے بعد معاہدہ نامہ مکمل ہوگیا، صحابہ کرام پر رنج وغم کے بادل چھاگئے، مگر آپ کے ضبط، پائے ثبات واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا، پھر آپ نے خود قربانی کی، احرام اتارا، سر کے بال اتروائے یعنی عمرہ کے مراسم ختم ہوگئے، یہ دیکھ کر صحابہ نے بھی اتباع کی اور صلح کے تین دن کے بعد آپ حدیبیہ سے روانہ ہوئے۔ راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح وکامرانی عطا کی، تاکہ خدا تمھارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تمھیں سیدھے راستہ پر چلائے اور خدا تمھاری پوری پوری مدد کرے، وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسلی وتشفی اتاری تاکہ وہ اپنے ایمانوں کے ساتھ اپنے ایمان میں اور اضافہ کریں[1]۔

ان آیات کا سننا تھا کہ حضرت عمر اور تمام صحابہ کے دل کا بار ہلکا ہوگیا، چہروں کی پژمردگی دور ہوئی، طمانیت قلب پیدا ہوئی اور لوگ سکون قلب کے ساتھ خوش خوش اور بشاش بشاش مدینہ واپس آئے۔

صلح حدیبیہ کی شرائط کے خوش گوار نتائج

صلح حدیبیہ کی شرطیں بظاہر مغلوبانہ اور مایوس کن تھیں لیکن ان آیتوں میں اس صلح کو نہ صرف فتح وکامرانی سے موسوم کیا گیا، بلکہ اسی صلح کے خوشگوار نتیجہ کے متعلق یہ پیشین گوئی بھی کی گئی کہ اب وہ وقت بھی آرہا ہے جب خدا تم پر اپنی نعمت تمام کردے اور تمھیں سیدھی راہ چلا کر اس منزل تک پہنچائے جہاں خدا پھر فرمائے گا کہ "آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کیا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد کے واقعات اسی صلح حدیبیہ کے خوشگوار

---

[1] انا فتحنا لک فتحا مبینا الآیہ (سورہ الفتح ع ۱)

نتائج و ثمرات تھے۔

اس لئے کہ یہی صلح تھی جس کے بعد مسلمان اور کفار ایک دوسرے کے قریب آئے، باہم ملنے جلنے لگے اور اپنے خاندانی و تجارتی تعلقات کی وجہ سے وہ مدینہ میں بھی آکر قیام کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کے اخلاص، صداقت، حسنِ عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق کا پرتو اُن پر پڑتا رہا، اسلامی عقائد کے سمجھنے اور ان پر غور کرنے کا انھیں موقع ملا اور وہ اسلام کی طرف رفتہ رفتہ کھنچتے چلے آئے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ حضرت خالد اور حضرت عمرو بن العاص کا اسلام لانا بھی اسی زمانہ کا یادگار واقعہ ہے[۱]۔ ان واقعات سے صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" یعنی کھلی ہوئی کامرانی سے تعبیر کرنے کے رازِ سربستہ کی عقدہ کشائی ہوئی۔

---

[۱] حضرت خالد بن ولید، قریش کی صف میں ممتاز ترین قائد تھے۔ غزوۂ احد میں فتح کو شکست سے مسلمانوں کے لئے ان ہی نے بدلا تھا۔ رسالہ کی افسری ان کے سپرد تھی۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلیعہ ان ہی کی افسری میں آیا تھا، لیکن صلح حدیبیہ کا یہ اثر ہوا کہ خالد نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں عمرو بن العاص ملے، جنھوں نے شاہِ حبش کے دربار میں اسلام اور مہاجرینِ حبش کے خلاف قریش کی سفارت کی سیادت کی تھی۔ انھوں نے خالد سے پوچھا کدھر کا قصد ہے، بولے اسلام لانے جا رہا ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں ایک ساتھ بارگاہِ نبوی میں پہنچے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا، اسلام کی محبت اور خدمت میں صرف ہونے لگا۔ اور آگے چل کر حضرت خالد نے فتح مکہ کے موقع پر اسلامی دستہ کی افسری کی۔ پھر جنگ موتہ میں کارنامے انجام دیئے اور زبانِ نبوت سے سیف اللہ کا لقب پایا۔ یہ دونوں شجاعانِ عرب تھے، عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ کے دور میں ان کے اہم کارنامے انجام پائے اور حضرت خالد فاتح شام اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کہلائے۔

Marfat.com

معاہدہ کی ایک شرط کی تنسیخ | معاہدہ کی ترتیب کے وقت حضرت ابوجندل کا جو واقعہ پیش آیا تھا، آپ نے اس مظلوم سے یہ ارشاد فرما کر مکہ واپس جانے کی ہدایت فرمائی تھی کہ "صبر و ضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔" اس راہ کے نکلنے کا موقع جلد سامنے آگیا۔ ایک صحابی حضرت ابوبصیر عتبہ ابن اسید مکہ میں کفار کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ چلے آئے۔ قریش نے دو آدمیوں کو معاہدہ کے مطابق واپس لانے کے لئے مدینہ بھیجا۔ آپ نے ابوبصیر کو بلا کر حکم دیا کہ ان کے ساتھ واپس جاؤ، ان کے لئے تعمیل لازمی تھی، دونوں کے ساتھ واپس چلے، راہ میں ایک قریشی کو انھوں نے قتل کر دیا، دوسرا فرار ہو کر شکایت لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ ابوبصیر خود بھی مدینہ واپس آئے اور واقعہ کی تصدیق کی، اور عرض کیا "آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، البتہ مدینہ میں قیام نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر مدینہ سے واپس چلے گئے اور ایک مقام عیس میں جو قریش کے کاروانِ تجارت کی راہ میں پڑتا تھا، اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ مکہ کے مظلوموں کو ایک پناہ گاہ کی خبر ملی، تو چھپ چھپ کر وہیں آگئے۔ حضرت ابوجندل بھی یہیں چلے آئے، اب اس جمعیت نے قریش کے کاروانِ تجارت کو لوٹنا شروع کیا، تو قریش نے پھر خود مدینہ سفارت بھیجی کہ وہ اس شرط سے باز آئے۔ جو مسلمان چاہے مدینہ میں جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ اس طرح حدیبیہ کے شرائط میں مسلمانوں کے لئے جو سب سے گراں شرط تھی وہ خود قریش کی تحریک سے منسوخ ہو گئی۔ آپ نے بے وطن مسلمانوں کو جو عیس میں آباد ہو کر قریش کے لئے دردِ سر بن گئے تھے، لکھ بھیجا اور وہ سب کے سب مدینہ میں آکر آباد ہو گئے۔

۴۔ چند اہم مذہبی احکام و معاشی واقعات

چند اہم مذہبی احکام کا نزول | قرآن مجید کے نزول کی ابتداء جیسا کہ اوپر گذرا مکہ میں

ہوئی جہاں دس برس تک توحید و رسالت، قیامت، جزا و سزا، ترغیب و ترہیب اور اصلاحِ اخلاق و کردار کے متعلق آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ نیز عبادات سے متعلق بھی بعض جستہ جستہ آیتوں کا نزول ہوا۔ مدینہ میں تشریف آوری کے بعد غزوات و سرایا کا وہ سلسلہ جاری ہوا جن کا تذکرہ اوپر گذرا، ان کے ساتھ دین و مذہب کے ضروری اہم احکام بھی تدریجاً نازل ہوتے رہے جن سے ایک طرف دین کی تکمیل اور دوسری طرف صالح معاشرہ کی تشکیل ہوتی رہی اور وقت کے جو مختلف معاملات و مسائل پیدا ہوتے رہے، ان کے متعلق بھی مختلف فیصلے اور احکام کا نزول ہوتا رہا، مگر ان کا اندازِ بیان یہ رہا کہ وہ کسی وقتی مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ دین و مذہب کا ایک مستقل آئین و قانون ہے، اس طرح دینِ اسلام کی اس کے مختلف شعبوں میں تدریجاً تکمیل ہوتی رہی اور سنہ ۲ھ/۶۲۳ء سے سنہ ۶ھ/۶۲۷ء تک حسب ذیل احکام نازل ہوئے۔

دینی احکام کے سلسلے میں سنہ ۲ھ/۶۲۳ء میں ماہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔ عید الفطر کی پہلی نماز باجماعت بھی اسی سال پہلی مرتبہ عیدگاہ میں ادا کی گئی، جس میں پہلی مرتبہ آپ نے صدقہ فطر کا بھی حکم سنایا۔

سنہ ۳ھ/۶۲۴ء میں جنگِ احد کے واقعہ کے بعد اب شرک و اسلام کا اجتماع ممکن نہ تھا اس لئے اسی سال مشرکہ عورتوں سے مسلمان مردوں کا اور مسلمان عورتوں سے مشرکوں کا باہم عقد نکاح سے وابستہ رہنا حرام قرار پایا۔ وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔

سنہ ۴ھ/۶۲۵ء کے اہم مذہبی احکام میں شراب کی حرمت کے حکم کا نازل ہونا ہے۔ اور اسی سال نکاح و طلاق، کثرتِ ازدواج میں تحدید اور چند محرماتِ شرعی کے احکام نازل ہوئے۔

سنہ ۵ھ/۶۲۶ء میں نکاح و طلاق کے چند اور احکام نازل ہوئے۔ اسی طرح عورتوں کے متعلق چند اصلاحی احکام آئے، پردہ کا حکم بھی اسی سال آیا، زنا کی سزا ایک سو کوڑے

رکھی گئی۔ لوگ عفیف عورتوں پر تہمت لگانے میں بیباک تھے، اس کو روکنے کے لئے حدِ قذف نازل ہوئی، جس کی رو سے بغیر شہادت اتہام لگانا جرم قرار پایا اور شہادت نہ ہونے کی صورت میں لعان کا طریقہ مقرر کیا گیا کہ زن و شو اگر ایک دوسرے پر تہمت لگائیں اور شہادت نہ لا سکیں تو وہ اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بہ حلف اظہار کریں، پھر ان میں تفرقہ کرا دیا جائے۔ عرب میں ایک طریقۂ طلاق، ظہار تھا، اس کو غیر مؤثر قرار دیا گیا اور اس کا کفارہ مقرر ہوا۔ اسی طرح نماز کے لئے وضو کا طریقہ ہجرت کے پہلے سے جاری تھا، اس کا تکمیلی حکم مدینہ میں نازل ہوا۔ پھر اسی سال چند شرائط و حالات میں وضو کے بجائے "تیمم" کی اجازت کا حکم آیا اور اسی سال نمازِ خوف بھی مشروع ہوئی۔ عرب میں منہ بولے لڑکے کی مطلقہ سے نکاح جائز نہ تھا، اس رسم کی اصلاح کی گئی۔

۶ھ/۶۲۷ء کے اہم مذہبی احکام میں نماز کی تکمیل ہے۔ اب نماز اپنے تمام پہلوؤں سے مکمل ہو گئی۔ اب تک نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت تھی، اس سال سے نماز کے اندر گفتگو کرنے کی قطعی ممانعت صادر ہو گئی۔

چند معاشرتی واقعات ۲ھ/۶۲۳ء میں آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیّدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے انجام پایا۔ اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ (۱۸) برس کی تھی، سوا سو (۱۲۵) روپے مہر قرار پایا تھا، شادی کے بعد آپ نے حضرت علی کو جو ابھی تک کاشانۂ نبوت ہی میں رہتے تھے، کسی الگ گھر میں آباد ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اس موقع پر شہنشاہِ کونین نے سیّدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا ایک گدا، جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتّے تھے، ایک مشکیزہ، دو چکیاں، اور مٹی کے دو گھڑے تھے۔ شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نئے نئے بسے ہوئے گھر کا یہی کل اثاثہ تھا۔

Marfat.com

۳ھ ۶۲۴ء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی
جو غزوۂ بدر میں بیوہ ہوگئی تھیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں
آئیں، اور حضرت امّ کلثوم کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے انجام پائی
اور اسی سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت
امام حسن ۱۵ رمضان المبارک کو مولود ہوئے۔

۴ھ ۶۲۵ء میں آپ نے یہودیوں کے ایک مقدمہ میں توراۃ کے حکم کے مطابق
رجم کرنے کا فیصلہ سنایا اور توراۃ کے تفصیلی احکام پر عبور حاصل کرنے کے لئے
آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کی ہدایت فرمائی
جنھوں نے صرف پندرہ دنوں میں اس زبان پر عبور حاصل کرلیا۔

آپ کے ازواجِ مطہرات میں سے حضرت زینب بنت خزیمہ کا انتقال
اسی سال ہوا، اور اسی سال ماہِ شوال میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ
کے عقدِ زوجیت میں آئیں۔

اسی سال آپ کے چھوٹے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ماہِ شعبان
میں مولود ہوئے۔

۵ھ ۶۲۶ء میں آپ نے منہ بولے لڑکے کی مطلقہ سے نکاح کے جائز نہ ہونے کی
اصلاح کی، اور اس سلسلہ میں آپ نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب
رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جو پہلے آپ کے آزاد کردہ غلام و متبنّیٰ حضرت زید کے
عقد نکاح میں تھیں۔ ان کے تعلقات حضرت زید سے خوشگوار نہ رہ سکے تھے اور عرب
کے قدیم رسم و رواج کے مطابق ان کے آزاد کردہ غلام کے حبالۂ عقد میں آنے اور پھر
طلاق پڑ جانے کی وجہ سے بہ ظاہر ان کے وقار کو صدمہ پہنچا تھا، آپ نے ان کی دلجوئی
کے لئے ان کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔

Marfat.com

حضرت ریحانہ بھی اسی سال ۵ھ ۶۲۶ء میں آپ کے عقد نکاح میں آئیں جو بنو قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ کے حصّہ میں آئی تھیں، آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے عقد فرما لیا۔[1]

---

[1] مآخذ: صحیح بخاری جلد اول و دوم۔ ص ۵۶، ۳۱۳، ۳۵۸ و باب الہجرۃ و باب الاذان و باب المساجد و باب البیوع و کتاب المغازی و کتاب الجہاد، و ابواب قتل حمزہ، قتل کعب بن اشرف، غزوۂ بدر، اُحد، رجیع و دیگر غزوات، و کتاب الشروط و المصالحت، کتاب الدیات و کتاب الجنائز و ابواب ایتان الیہود و التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط المسلمین و المشرکین، و صحیح مسلم کتاب الجہاد و السیر و تذکرۂ غزوات بدر و اُحد وغیرہ۔ و باب الوفاء بالعہد، و ج ۲ ص ۹۳، ۱۳۶ وغیرہ۔ سنن ابی داؤد باب بدء الاذان و کتاب الجہاد و السیر و باب خبر النضیر و ج ۲ ص ۲۷، ۶۷، منتخب کنز العمال ذکر بدر وغیرہ، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۷۳۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۸، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۶۰، ۴۶۰ و ذکر غزوۂ بدر و احد و دیگر غزوات۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۹، ۲۱، ۱۵۸، ۱۶۱ ج ۲ ص ۱۶، ۲۰، ۲۵، ۲۶، ۳۸۸، و ذکر فاطمہ و غزوۂ بدر و احد وغیرہ ج ۳ ص ۱۲۰، ج ۸ ص ۱۱۷۔ طبری ص ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۳۳۸، ۱۴۲۱، ۱۴۲۵، ۱۴۸۹، ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۴، ۱۳۹۱، ۱۴۰۱، ۱۴۱۱، ۱۴۱۱، ۱۴۲۴ تا ۱۴۲۹۔ معارف ابن قتیبہ ذکر بدر و احد وغیرہ، لباب فی اسباب النزول، اصابہ تذکرۂ کرزد و ترجمہ حضری و زرقانی ج ۱ ص ۴۳۰، ۴۳۳ و ۴۷۷، ج ۲ ص ۸۸، ۸۹، ج ۴ ص ۳۰ و ذکر فاطمہ و غزوات و سرایا۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۴۲۔ الخمیس

Marfat.com

۴۶۴ ' ۵۱۷ - استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکر، مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۷'
۲۴۶ ' ج ۲ ص ۴۸۴ - فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۹ - و ابواب غزوات و سرایا،
کتاب التنبیہ والاشراف ص ۲۴۷ ' یعقوبی ج ۲ ص ۴۹ - مسند احمد ابن
حنبل ج ۳ ص ۹۲ ' ۱۳۷ ' ۳۴۷ ' ج ۴ ص ۴۰۰ ' اسد الغابہ ج ۲ ص
۳۱۴ و ۳۱۵

Marfat.com

مدنی زندگی کا دور وسطیٰ

سنہ ۶ھ ۶۲۷ء - سنہ ۹ھ ۶۳۱ء

سلاطین و امراء کو اسلام کی دعوت | صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ میں امن و سکون کی زندگی شروع ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعیت خاطر حاصل ہوئی تو آپ نے اسلام کے پیغام کو روئے زمین کے چپہ چپہ تک پہنچانے کے فرض کو ادا کرنے کے لئے ایک دن صحابہ کو جمع کیا اور ان سے فرمایا "خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔" پھر چند صحابہ منتخب کئے گئے جن کی معرفت آپ نے قیصر و کسریٰ، نجاشی و عزیز مصر اور مختلف امراء و سرداران قبائل کے پاس اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔

عہد رسالت میں عالمگیر حیثیت کی روم و ایران کی دو عظیم سلطنتیں اپنی عظمت و سطوت، تہذیب و تمدن اور وسعت مملکت کے لحاظ سے قائم تھیں۔ اٹلی، یونان، قسطنطنیہ وغیرہ اس کے حدود میں تھے۔ مشرق میں اس کی وسعت شام تک پھیلی ہوئی تھی، یہ عیسائی سلطنت تھی، اس زمانہ میں اس کا حکمراں قیصر روم ہرقل تھا، ایرانی سلطنت کا حکمراں کسریٰ، اس زمانہ میں نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز تھا، یہ مجوسیوں کی سلطنت تھی، جس کی سرحد عراق تک پھیلی ہوئی تھی، شام و عراق کی سرحد پر رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوتی تھی۔ عہد رسالت کے آغاز میں بھی ایک جنگ ہوئی تھی جس کی فتح مندی کے شکرانہ میں ہرقل بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ ہو چکی

Marfat.com

تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامہ کو جو ہرقل کے نام تھا عیسائی حاکم بُصری حارث نے قیصر کے پاس بھجوا دیا تھا جس کو حضرت دحیہ کلبی نے اس تک پہنچایا تھا۔

ہرقل علم نجوم کا ماہر اور عالم توراۃ تھا۔ ستاروں کی شناخت سے اس پر یہ حقیقت ظاہر ہو چکی تھی کہ توراۃ میں جس نبی آخر الزماں کے ظہور کی پیشین گوئی آئی ہے، وہ ظاہر ہو چکا ہے، وہ اپنی رائے ایلیسا کے حاکم ابن ناطور سے ظاہر کر چکا تھا اور ایک دوسرے عالم توراۃ و ماہر علم نجوم اسقف کو بھی لکھ چکا تھا۔ اس نے بھی جواب میں ہرقل کی رائے سے اتفاق کیا تھا اور تصریح کی تھی، کہ یہی وہ نبی ہے جس کے ظہور کی بشارتیں آئی ہیں، ابھی باہم یہ تبادلۂ خیال جاری تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی ہرقل کے پاس آ پہنچا تھا۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں قریش کا ایک کاروانِ تجارت ابوسفیان کی سرکردگی میں شام آیا ہوا تھا، ہرقل کو معلوم ہوا تو اس نے اس کارواں کو غزہ سے بیت المقدس میں طلب کیا اور اپنے پُر شان و شوکت دربار میں انھیں باریاب کیا، اور ترجمان کے ذریعہ پہلا سوال یہ کیا کہ "اس شخص سے جو اپنے نبی ہونے کا گمان کرتا ہے، تم میں سے نسب میں اس سے کوئی قریب تر ہے؟" ابوسفیان نے اس کے جواب میں اپنے آپ کو پیش کیا تو ہرقل نے ان سب کو اس ترتیب سے بٹھایا اور ایسی فضا پیدا کی کہ ابوسفیان اس کے سوالوں کے صحیح جواب دے سکے۔ چنانچہ ابوسفیان نے اسلام لانے کے بعد خود اس واقعہ کی پوری روداد بیان کی، جس میں یہ بھی کہا کہ "خدا کی قسم اگر مجھے اپنے جھوٹے کہے جانے کی لاج نہ ہوتی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ضرور غلط بیانی کرتا"۔ جب ہرقل اپنے سب سوالوں کے جواب لے چکا تو پھر اس نے اپنے ہر سوال اور ابوسفیان کے جواب کا دوبارہ ذکر کر کے ہر ایک پر اپنا واضح تبصرہ کیا، جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ آپ نبی برحق ہیں، اور سب سے آخر میں اس نے کہا۔

"میں یہ تو جانتا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن وہ یہ گمان نہ تھا،

Marfat.com

کہ وہ تمہارے (یعنی عربوں کے) درمیان پیدا ہوگا، اگر میں اس تک پہنچ سکتا تو مشقت اٹھا کر جاتا اور اس کے دیدار کا شرف حاصل کرتا، اور اس کے قدم دھوتا۔"

اس کے بعد اس نے نامۂ مبارک کو منگایا، اور عقیدت کے ساتھ مجمع میں اس کو سنایا۔ نامۂ مبارک حسب ذیل تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے، جو عظیم روم ہے، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اس کے بعد تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے، خدا تمہیں دوگنا اجر دے گا، اور اگر تم نہ مانو تو تم اپنی رعایا کے گناہ کے بھی ذمہ دار ہوگے، اے اہل کتاب، ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں، ہم کسی کو خدا کو چھوڑ کر خدا نہ بنائیں اور ہم آپس میں ایک دوسرے کو، خدا کو چھوڑ کر اپنا آقا نہ بنائیں، اور اگر تم نہیں مانتے، تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔"[1]

---

[1] ہرقل پرانی حکومت قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا، اس نے اکتیس سال ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک حکومت کی۔ سنہ ۶۱۲ء تا سنہ ۶۱۶ء میں ایرانی فوجوں نے دمشق، بیت المقدس، اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا، ہجرت کے پانچویں سال سنہ ۶۲۷ء میں مقام فینوہ میں روم و ایران کی سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے غالب آنے اور ایرانیوں کے شکست کھانے کی پیشین گوئی کی تھی، جو صحیح نکلی، اور جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ بہت سے عرب اس پیشین گوئی کی وجہ سے اسلام لے آئے، قیصر سنہ ۶۲۸ء میں بیت المقدس

ہرقل کی اس گفتگو سے بطارقہ سخت برہم ہوئے اور دربار میں ایک شور و ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اسی ہنگامہ میں ابوسفیان وغیرہ دربار سے نکل آئے۔ ابوسفیان نے راہ میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "اب ابن ابی کبشہ کی شان اتنی اونچی ہو گئی کہ ملک بنی اصفر (شہنشاہ روم) بھی اس سے لرزاں ہے" پھر ابوسفیان کا بیان ہے کہ "اسی وقت مجھے یقین آ گیا کہ آپ غالب ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو اسلام کے حلقہ میں داخل کیا۔"

اس کے بعد ہرقل نے ایک دوسری کوشش حمص میں کی اور رومی سرداروں اور بطریقوں کو ایک بند حویلی میں یکجا کر کے برملا کہا کہ "اگر تم اپنی فلاح و بہبود اور سلطنت

آیا تاکہ صلیب مقدس کی واپسی کے شکرانہ کی تقریب میں شریک ہو۔ اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوب حاکم بُصریٰ کے پاس دحیہ کلبی کی معرفت بھیجا جس نے اس کو ایک عرب ایلچی کے ہاتھ قیصر کے پاس شام میں بھیج دیا تھا۔ یہ مکتوب گرامی اسپین (قسطنطنیہ) کے عیسائی بادشاہ الفانسو کے قبضہ میں جو قیصر روم کا قریبی رشتہ دار تھا، آ گیا تھا، اور یہ سلاطین اس کا غیر معمولی احترام کیا کرتے تھے، اس نے خول میں بہ حفاظت رکھا تھا، اور شدائد کے موقع پر اس کی زیارت کے لئے اس کو نکالتے تھے۔ چھٹی صدی ہجری میں مراکشی مورخ سہیل نے بہ چشم خود اس کی زیارت کی تھی۔ (روض الانف ج ۲ ص ۳۲۱) الفانسو نے اس کو ایک مسلمان سپہ سالار عبدالملک بن سعید کو دکھایا۔ الفانسو کی وفات کے بعد اس کے نواسے کے قبضہ میں وہ آیا، مصر کے سلطان قلاوون نے ۶۸۲ھ میں اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس سیف الدین قلیچ کو سفیر بنا کر بھیجا تھا، شاہ نے اس سفیر کو بھی زیارت کرائی (عینی ج ۱ ص ۱۲۶) پھر مسلمان مورخ خفاجی متوفی (۱۰۶۹ھ) نے لکھا کہ "اسپین کے سلاطین اس کی عزت کرتے ہیں، سنہری صندوق میں حفاظت سے رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اس کی نگہداشت کی وصیت کرتے آئے ہیں۔"

Marfat.com

کی بقا چاہتے ہو تو اس ظاہر ہونے والے نبی کی پیروی کر لو" اور جب اس پر بھی شور و ہنگامہ مچا، تو اس نے بات بدل کر کہا "میں نے ابھی جو کچھ تم سے کہا اس سے میرا مقصد اپنے دین پر تمہاری استواری کو آزمانا تھا، تو میں نے جانچ کر لی" قیصر کے دل میں ایمان کی حلاوت پیدا ہو چکی تھی لیکن اس نے چاہا تھا کہ پیشوایانِ دین مسیحی اور عام عیسائیوں کو اسلام کے دائرہ میں لائے، لیکن ناکام رہا اور اس کے دل میں نور اسلام کی جو کرنیں چمکی تھیں وہ تاج و تخت کی محبت اور سلطنت کے جاہ و حشمت کی ہوس کی تاریکیوں میں بجھ کر رہ گئیں، تاہم جب تک وہ زندہ رہا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اس کی روش، حالت جنگ قائم ہو جانے کے باوجود معاندانہ نہیں رہی۔

ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کے نام آپ نے حسب ذیل نامہ مبارک عبداللہ بن حذافہ سہمی کی معرفت حاکم بحرین کے توسط سے ارسال فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے عظیم فارس کسریٰ کے نام۔
ہدایت پر چلنے اور خدا و رسول پر ایمان لانے والے کے لئے سلامتی ہو، میں تمہیں خدا کا بلاوا دیتا ہوں کیوں کہ مجھے خدا نے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے، تاکہ میں ہر شخص کو ہشیار کروں کہ کافروں کے متعلق خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی، اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے، اور اگر تم نے انکار کیا تو تمام مجوسیوں کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔"

ہرقل کے برعکس ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کے پاس جب عبداللہ بن حذافہ سہمی نامہ مبارک لے کر پہنچے تو مزاج خسروانہ، اس مکتوب اور اس کے طرز تخاطب کو برداشت نہ کر سکا، غصہ میں اس نے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ ادھر ایران میں یہ مکتوب پارہ ہوا، اُدھر مدینہ میں آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا "خدایا! تو ٹکڑے کرنے والے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے" اس کے ساتھ خسرو نے یمن کے ایرانی گورنر باذان کو لکھ بھیجا کہ مدعیٔ نبوت کو

Marfat.com

پکڑ کر میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔" یمن کے والی نے دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا، وہ دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور قبل اس کے کہ کوئی حرف مدعا زبان پر لائیں، آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا "آج رات میرے آقا نے تمھارے آقا کو مار ڈالا۔" پھر معلوم ہوا کہ خسرو کا بیٹا شیرویہ اس کی ایک حرم شیریں پر عاشق ہو گیا۔ اس نے اس کو راہ سے ہٹانے کے لئے اس کو مہلک زہر کھلا دیا، جس سے نہ صرف اس کی موت ہوئی بلکہ اس کا بدن پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور نامہ مبارک کے پرزے کر ڈالنے والے کے جسم کی دھجیاں اڑ گئیں۔

بہر حال گورنر یمن کے یہ دونوں سفیر یہ پیغام لائے تھے، کہ شہنشاہ ایران نے دربار میں طلب کیا ہے، اگر تعمیلِ حکم نہ کی گئی، تو تمھیں اور تمھارے ملک کو برباد کر دیا جائے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا "جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔" کہا گیا ہے کہ شیرویہ کی پدر کشی کی تاریخ[له] وہی تھی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، اس معجزہ کو دیکھ کر گورنر باذان اور بہت سے یمنی مسلمان ہو گئے۔

نجاشی شاہ حبش مسلمان مہاجرین کے ذریعہ آپ کی ذات گرامی، آپ کے پیام اسلام اور اس کی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا، جب نامہ مبارک پہنچا تو احترام میں تخت سے اتر آیا، اور نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا، اور حضرت جعفر کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور جواب میں لکھ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔" جب سنہ ۹ھ (۶۳۱ء) میں نجاشی کا انتقال ہوا، تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا "آج تمھارے بھائی اصحمہ نے وفات پائی۔" پھر صحابہ کے ساتھ اس کے جنازہ

له قیصر روم کے ایک خط کے مطابق، جس کو میدانِ جنگ سے اس نے اپنے بیٹے کے نام بھیجا تھا خسرو پرویز کے قتل کی تاریخ ۲۹ فروری ۶۲۸ء ہے جو وسط رمضان سنہ ۶ھ کے مطابق ہے، لہٰذا یہ وہ میعاد ایام کو شکست جس کی آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی، ماہ شعبان سنہ ۶ھ میں ہوئی تھی اس لئے یہ قرین قیاس

Marfat.com

کی غائبانہ نماز پڑھی۔

عزیز مصر مقوقش کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ نامہ گرامی لے کر گئے تھے، مقوقش بھی احترام سے پیش آیا، اور جواب میں لکھا کہ "مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کو عزت و احترام سے ٹھہرایا، آپ کے لئے دو قبطی لڑکیاں، لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں"۔ ان دو لڑکیوں میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں، جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

مختلف امراء کو جو خطوط آپ نے ارسال فرمائے، ان کے مختلف جواب آئے۔ ہوذہ ابن علی والی یمامہ نے لکھا کہ "جو باتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ اچھی ہیں، میں اتباع کرنے کے لئے تیار ہوں اگر حکومت میں مجھے بھی شریک کر لیا جائے"۔ حارث غسانی حدود شام کا والی تھا، وہ سخت برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا، اور مسلمان رومیوں کے حملہ کے منتظر رہے۔ حدود عراق کے والی شرجیل نے آپ کے قاصد حارث بن عمیر کو شہید کر دیا[۱]۔ اس طرح شام و عراق سے اسلام کی آویزش کی داغ بیل پڑ گئی۔

ہے کہ نینوا کی شکست کے بعد خسرو مارا گیا اور ہرقل اس وقت تک میدان جنگ میں تھا، اس نے اس اہم واقعہ سے اپنے بیٹے کو مطلع کیا۔ حدیبیہ کے لئے مدینہ سے روانگی کا مہینہ رمضان ۶ھ اور ذی قعدہ ۶ھ دو روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مہینوں کا یہ فرق دراصل اس سبب سے ہے کہ ان دنوں دو تاریخیں عرب میں چل رہی تھیں، ایک کبیسہ کے لحاظ سے اور دوسری بغیر کبیسہ کے، اور ان دونوں میں دو تین مہینوں کا فرق تھا۔ کسی نے ایک لحاظ سے رمضان کہا، کسی دوسرے نے دوسرے لحاظ سے ذی قعدہ کہا۔ اس کے کئی سال کے بعد حجۃ الوداع میں آپ نے کبیسہ کے سال کے حساب کو باطل قرار دیا اور اس وقت سے صرف سنہ قمری بغیر اضافہ ماہ کبیسہ جاری ہو گیا اور اسی قمری سنہ کے مطابق سنہ ہجری اختیار کیا گیا۔

[۱] ایک دوسری روایت یہ ہے، کہ حارث حاکم بصری کے پاس قیصر روم کا خط لے کر جا رہے تھے، شرجیل کے علاقہ سے گزرے، اس نے قتل کرا دیا۔

Marfat.com

۲- غزوات کا دوسرا سلسلہ

غزوۂ خیبر | صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں کا مرکز مکہ کی بجائے خیبر بن گیا تھا، جو عرب میں یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا گہوارہ تھا، مدینہ کے جلاوطن یہودیوں کے سردار بھی یہیں آکر بس گئے تھے جس سے ان کی طاقت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا خیبر مدینہ سے دو سو میل پر واقع تھا عرب کے بنو غطفان، اس کے قریب آباد تھے، جو یہود کے حلیف دہم عہد تھے، ابورافع سلام ابن الحقیق، حی بن اخطب کے قتل کیے جانے کے بعد یہود کا سردار تھا، اس نے سہ ۶ھ ۶۲۷ء میں بنو غطفان اور دوسرے عرب قبیلوں کو بھڑکا کر مدینہ پر حملہ آوری کے لئے ایک عظیم الشان لشکر اکٹھا کر لیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس کے تدارک کے لئے آپ کے ایماء سے ایک خزرجی انصاری عبداللہ بن عتیک، خیبر پہنچ کر ابورافع سلام کو اس کی خوابگاہ میں قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد اُسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا اور اس نے زیادہ بڑے پیمانہ سے مدینہ پر حملہ کی تیاری کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے جنگ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپ نے انھیں بھی مصالحت کی ایک پیش کش کی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس ۳۰ صحابہ کے ساتھ اُسیر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، کہ اگر وہ مدینہ آکر مصالحت کرے تو خیبر پر اس کی حکومت تسلیم کر لی جائے گی، اس نے گفت گو پر آمادگی ظاہر کی اور تیس ۳۰ آدمیوں کو ساتھ لے کر خیبر سے ایک مسلمان اور ایک یہودی دو دو شخص ہمرکاب چلے۔ مقام قرقرہ پہنچ کر اُسیر کے دل میں بدعہدی کا خیال آیا، اور اس نے ہاتھ بڑھا کر عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، انھوں نے دیکھ لیا اور زور سے چلائے " دشمن خدا! یہ بدعہدی؟" یہ کہہ کر سواری بڑھائی، اُسیر زد پر آگیا تو تلوار سے وار کیا، اس کی ران کٹ گئی، گھوڑے سے گرا اور گرتے گرتے عبداللہ کو زخمی کر دیا۔ اب مسلمان پیش ہوتی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے جن میں ایک کے سوا کوئی زندہ نہیں بچا۔

اُسیر بن رزام کے بعد یہود کی سیادت سلام کے بھتیجے کنانہ بن ربیع کے ہاتھ میں آگئی۔

Marfat.com

ایک دوسرا ذی اثر رئیس ہودہ بن قیس تھا، ان لوگوں نے خیبر کی نصف پیداوار دینے پر بنو غطفان سے معاہدہ کر لیا، اس کی ایک دوسری شاخ بنو فزارہ بھی ان سے مل گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسیر کی بدعہدی کے بعد بنو فزارہ سے سلسلہ جنبانی کی، یہ لوگ بھی راضی نہیں ہوئے اور مدینہ پر حملہ آوری کی تیاریاں کرتے رہے۔ مدینہ کے منافقین انھیں دم بدم کی خبریں بھیجتے رہے، اور مدینہ بلاتے رہے۔

اس اثناء میں، محرم ۶۲۸ء میں، بنو غطفان کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کی چراگاہ مقام ذی قرد تک پہنچ گیا اور چھاپہ مار کر مویشیوں کے نگہبان کو، جو حضرت ابوذر غفاری کے صاحبزادے تھے، شہید کر دیا اور جانور ہنکا لے گئے، مسلمانوں کو خبر ہوئی، تو تعاقب کیا۔ حملہ آور ان کے تیروں کی بارش سے مجبور ہو کر مویشی چھوڑ کر فرار ہو گئے، حضرت سلمہ جو اس تعاقب میں شریک تھے، بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، کہ صرف ایک سو آدمی مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے لے آئیں، آپ نے فرمایا "قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو"

جب مدینہ پر حملہ کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی اور منافقین مدینہ، حملہ آوروں کے استقبال کے لئے تیار نظر آئے تو آپ نے خود بڑھ کر خیبر پر حملہ آور ہونے کا اعلان فرما دیا۔ اب جتنی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئی تھیں، وہ مدافعانہ تھیں، معنوی حیثیت سے مدافعانہ تو یہ بھی تھی، لیکن ابھی تک اسلام کا لشکر کسی شہر پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کرنے کے لئے نہیں نکلا تھا۔

چنانچہ آپ نے جہاد کا اعلان فرمایا اور ماہ محرم ۶۲۸ء میں سولہ سو (۱۶۰۰) کی تعداد میں فوج لے کر خیبر کی سمت روانہ ہوئے، اور علم نبوی کو جو پہلی مرتبہ تیار کیا گیا تھا، حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا، مقام رجیع پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈالا، جو بنو غطفان اور خیبر کے بیچ میں واقع تھا۔ بنو غطفان اسلامی لشکر کے خیبر کی سمت پیش قدمی کی خبر سن کر ہتھیار سج کر نکلے، مگر مقام رجیع میں پڑاؤ دیکھ کر اپنے گھر کو خطرہ میں سمجھے اور واپس چلے گئے۔

خیبر کے اندر چھ نہایت مستحکم قلعے تھے، جن میں قلعہ قموص نہایت مضبوط اور محفوظ تھا،

Marfat.com

ان قلعوں میں ان کی بیس ہزار سے زیادہ فوج تھی۔ یہود نے ان میں سے ایک قلعہ ناعم میں سامان رسد جمع کیا تھا، اسلامی لشکر نے سب سے پہلے اسی قلعہ کا رُخ کیا۔ اس قلعہ پر محمود بن مسلمہ نے دلیری سے حملہ کیا، لیکن کنانہ نے قلعہ کی فصیل سے چکّی کا پاٹ ان کے سر پر لڑھکا دیا جس سے وہ شہید ہوگئے، لیکن قلعہ جلد فتح ہوگیا، پھر اسی طرح باری باری اور قلعے قبضہ میں آگئے۔ سب سے آخر میں قلعہ قموص پر حملہ ہوا، اور یہیں زیادہ جم کر لڑائی ہوئی۔

قلعہ قموص پر مختلف بڑے بڑے صحابہ کی سرکردگی میں حملہ ہوتا رہا، مگر کامیابی سامنے نہیں آئی۔ آخر میں حضرت ابوبکر و عمر اس خدمت پر مامور ہوئے، مگر فتح کا فخر کسی کی قسمت میں نہ آیا۔ جب محاصرہ کے بیس دن گذر گئے، تو آپ نے فرمایا "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا، وہ خدا اور اس کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور اس کے رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔" صحابہ بے قرار رہے، کہ دیکھیں یہ تاجِ فخر کس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ صبح کو دفعتہً آواز آئی، "علی کہاں ہیں؟" ان کی آنکھوں میں آشوب تھا، اس لئے یہ بات سب کے لئے غیر متوقع تھی، آپ نے حضرت علی کو بلا کر ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا، دعا فرمائی اور علم عطا فرمایا۔ یہودی سپہ سالار مرحب جو اس قلعہ کا رئیس، عرب کا مشہور پہلوان اور ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، رجز پڑھتا ہوا قلعہ کے باہر نکلا۔ حضرت علی نے بھی رجز کا جواب رجز سے دیا اور اس زور سے تلوار ماری، کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر گئی۔ مرحب کے مارے جانے کے بعد یہود نے عام حملہ کیا مگر جلد ہی پسپا ہوگئے، اور یہ قلعہ حضرت حیدرِ کرار کے ہاتھوں فتح ہوگیا اور فاتح خیبر کے لقب سے یاد فرمائے گئے۔

ان معرکوں میں ترانوے یہود مارے گئے اور پندرہ صحابہ نے شہادت پائی۔ فتح کے بعد خیبر کی اراضی پر قبضہ کر لیا گیا، یہ عرب کی نہایت لدخیز زمین تھی۔ نصف حصہ بیت المال میں اجتماعی ضروریات کے لئے رکھی گئی اور نصف حصہ اراضی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔ یہود نے درخواست کی کہ زمین ان کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور نصف پیداوار دیں گے، یہ

درخواست منظور کرلی گئی۔

لڑائی کے بعد قیدی بھی جمع کیے گئے تھے، جو مجاہدین کے حصہ میں آئے۔ قبیلہ نضیر کے رئیس کی صاحبزادی حضرت صفیہ بھی ان ہی قیدیوں میں تھیں، ان کے باپ اور شوہر دونوں قتل ہو چکے تھے۔ ان کے خاندانی اعزاز و وجاہت کا لحاظ کر کے آپ نے ان کو آزاد کیا، پھر ان سے نکاح فرمایا۔

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں خیبر میں قیام فرمایا۔ یہود کو کامل امن وامان دے دیا گیا۔ ان کی اراضی بھی معنوی طور پر ان ہی کے پاس چھوڑ دی گئی اور بھی بعض دوسری مراعات دی گئیں۔ ان چند دنوں کے قیام میں یہود سے تعلقات قائم ہوئے، اس سے فائدہ اٹھا کر سلام بن مشکم کی بیوی زینب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن ایک صحابی بشر بن براء نے پورا کھانا کھا لیا، تیسرے دن وفات پائی۔ مجرمہ نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور صحابی کے قصاص میں ماری گئی، زہر آلود ایک لقمہ کا اثر آپ کے جسم مبارک میں باقی رہا۔

فتح وادی القریٰ خیبر کے بعد آپ نے وادی القریٰ کا رخ کیا۔ یہاں بھی یہود آباد تھے، وہ طالب امان ہونے کی بجائے شرارت پر اتر آئے۔ اسلامی فوج پر تیراندازی کی۔ آپ کے غلام مدعم شہید ہو گئے۔ تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈالی اور خیبر کے طرز پر انھیں امان دی گئی۔

جزیرۂ عرب سے یہود کی جلاوطنی یہود ان مقامات میں عہد فاروق تک آباد رہے، لیکن جب ان کی فتنہ انگیزی و مفسدہ پردازی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ نے انھیں عرب سے جلاوطن کر کے شام میں آباد کر دیا۔

ادائے عمرہ ۶۲۸ء ۷ھ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق اس سال آپ کو عمرہ ادا کرنے کا حق حاصل تھا، چنانچہ آپ ماہ ذوقعدہ ۷ھ ۶۲۸ء میں صحابہ کے جم غفیر کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مکہ سے آٹھ میل ادھر ہی مقام بطن یا جج میں آپ نے مکہ میں بغیر ہتھیار

Marfat.com

نکالے داخل ہونے کی شرط پوری کرنے کے لئے سب ہتھیار اکھٹا کر دیئے اور ان کی حفاظت کے لئے دو سو سپاہیوں کا ایک دستہ متعین فرما دیا اور لبیک کہتے ہوئے حرم کی سمت روانہ ہو گئے برسوں کی دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا وقت آیا تھا۔ صحابہ بڑے جوش اور والہانہ انداز سے مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا، امرائے قریش اس منظر کی تاب نہ لاسکے تین دنوں کیلئے شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن پورے ہونے کے بعد شہر میں لوٹ کر آئے اور حضرت علی سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہو کہ شرط پوری ہو چکی، مکہ سے واپس جائیں حضرت علی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آپ نے اسی وقت کوچ کا اعلان کیا، اور مکہ سے واپس تشریف لے آئے۔

جنگ موتہ ۸ھ ۶۲۹ء | غزوۂ خیبر و وادی القریٰ، یہود اور اسلام کی عرب میں آخری لڑائی تھی، اس کے بعد عرب میں یہود کی سطوت و طاقت کا خاتمہ ہو گیا عیسائیوں کو اگرچہ عرب میں کوئی اجتماعی طاقت حاصل نہیں تھی، مگر عرب کی سرحد شام میں عیسائی عرب قبائل کے سردار اسلام سے خار کھائے بیٹھے تھے، شرجیل بن عمرو، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر چکا تھا اور ان کے خون کا قصاص اس کے ذمہ عائد تھا، اس لئے آپ نے تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج تیار کر کے شام کی طرف بھیجی اور اس کا سپہ سالار اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو بنایا اور ہدایت فرمائی کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو جعفر طیار بن ابی طالب کمان سنبھالیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں چنانچہ ماہ جمادی الاول ۸ھ ۶۲۹ء میں فوج مدینہ سے روانہ ہوئی۔ اُدھر جاسوسوں نے شرجیل کو خبر کر دی تھی، اس نے اسلام اور عیسائیت کی جنگ کا نعرہ دیا اور عیسائیوں کی ایک لاکھ ٹڈی دل فوج تیار ہو گئی، اس کے بعد خود ہرقل قبائل عرب کی اور کمک لئے مقام مآب میں خیمہ زن رہا۔ حضرت زید نے ان حالات سے باخبر ہو کر دربارِ رسالت کو مطلع کر کے حکم کا انتظار کرنا چاہا، یہ ایک

Marfat.com

دانشمندانہ رائے تھی، ظاہر ہے کہ تین ہزار اور ایک لاکھ فوج کا کوئی مقابلہ نہ تھا، اور نہ آپ نے یہ لشکر شہنشاہِ روم سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن عبداللہ بن رواحہ نے حضرت زید کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، اور کہا "ہمارا مقصد فتح نہیں، دولتِ شہادت حاصل کرنا ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں مل سکتی ہے۔" آخر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔

دونوں فوجوں کا مقابلہ مقام موتہ میں ہوا۔ جو شرجیل کے دار الحکومت بلقاء سے زیادہ دور نہ تھا۔ صرف تین ہزار کی جمعیت ایک لاکھ فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہوئی حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، حضرت جعفر طیار نے علم ہاتھ میں لیا، زین سے جگری سے ذبح کر لیا، دل سے چور ہو کر گر پڑے، ان کی لاش دیکھی گئی تو تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے، جو سب سامنے کی طرف تھے، پشت بے داغ تھی، پھر عبداللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا، وہ دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالد سردار بنے۔

ادھر موتہ کے میدان میں یہ آفت تھی، ادھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اس میدانِ کارزار کا چشم دید حال اس طرح بیان فرما رہے تھے جیسے اس زمانہ میں ٹیلیویژن میں چشم دید منظر سامنے آتا ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا "اب علم کو اللہ کی تلوار (سیف اللہ خالد) نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔" حضرت خالد بڑی بہادری سے لڑے، آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں، لیکن ایک لاکھ کا تین ہزار سے کیا مقابلہ تھا، حضرت خالد کو بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ وہ اپنے حسنِ تدبیر اور جنگی دانشمندی سے پوری فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے، یہ اسلامی لشکر کی بڑی کامیابی تھی، اس شکست معرکہ آرائی میں کل بارہ مسلمان شہید ہوئے، اور حضرت خالد کمال دانائی سے پوری فوج کو ورطۂ ہلاکت سے باہر لا کر مدینہ واپس لے آئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفر سے آپ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا خاص طور پر نہایت قلق ہوا۔

Marfat.com

فتح مکہ رمضان سنہ ۸ھ
مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے ساتھ اسلام کی آویزش ختم ہو چکی تھی، لیکن قریش اس معاہدہ کو زیادہ دنوں نباہ نہ سکے، حدیبیہ کی شرط کے مطابق قبائل عرب کو آزادی حاصل تھی کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں عہد و پیمان رکھیں، اس کے مطابق بنو خزاعہ اسلام کے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے۔ بنو بکر سے بنو خزاعہ کی پرانی دشمنی تھی، ان کی لڑائیاں ان دنوں رکی رہیں کیونکہ قریش اور عرب کے تمام قبائل کا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہو رہا تھا، صلح حدیبیہ سے لوگ مطمئن ہو گئے، بنو بکر سمجھے کہ اب خزاعہ سے ان کے انتقام کا وقت آ گیا ہے، دفعتہً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہو گئے، رؤسائے قریش نے اعلانیہ ان کی حمایت کی اور تلواریں چلائیں خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضروری ہے، لیکن ان کے رئیس نوفل نے کہا، یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا اور عین حرم کے حدود میں خزاعہ کے آدمی قتل کر دیئے گئے۔

خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار فریاد لے کر مسجد نبوی میں آئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سنے، تو قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ تین شرطوں میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔ (۱) مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے، یا (۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں، یا (۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا "صرف تیسری شرط منظور ہے۔" قاصد یہ جواب لے کر واپس چلا آیا، اس کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور اس کا انجام سمجھ میں آیا۔ ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں، ابوسفیان نے مدینہ آ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی، بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا، کامیاب نہ ہو سکا تو حضرت فاطمہ زہرا کے پاس آیا اور پانچ برس کے نوعمر حضرت حسن کا واسطہ دے کر بیچ بچاؤ کرانا چاہا۔ انہوں نے

فرمایا، بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل" آخر ابوسفیان نے حضرت علی کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ" میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی " ابوسفیان نے مکہ جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا، تو سب نے کہا نہ یہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کریں "

اب در اصل طلوع صبح رسالت کے اکیس برس کے بعد وقت آگیا تھا کہ جانشین ابراہیم (علیہما الصلوۃ والسلام) کے مقدس ہاتھوں سے حرم کعبہ آلائشوں سے پاک ہو کر توحید خالص کا منبع و سرچشمہ بنے، چنانچہ آپ نے مکہ کی تیاریاں کیں، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ وہ تیار ہو کر آئیں، احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے، لیکن اپنی نوعیت کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ایک معزز بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو آپ کی مخفی تیاریوں کی اطلاع مخفی خط کے ذریعہ بھیج دی۔ آپ کو اس کی اطلاع ہو گئی، چند صحابہ کو دوڑایا، وہ قاصدہ سے خط کو چھین کر لے آئے، صحابہ یہ دیکھ کر بے تاب ہو گئے، حضرت عمر نے عرض کی، کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں، لیکن جبین رحمت پر شکن نہ آئی، ارشاد ہوا: اہل بدر سے مواخذہ نہیں ہے" حضرت حاطب کے عزیز و اقارب مکہ میں تھے، انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا تھا کہ اس کے صلے میں وہ ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔

۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا، دس ہزار فوجیں رکاب میں تھیں، قبائل عرب راہ میں آ کر ملتے جاتے تھے مکہ سے دس میل سے بھی کم فاصلہ پر مقام مرالظہران میں لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔

قریش ان حالات سے بے خبر تھے، انہیں کچھ خبر ملی تو تحقیق کے لئے چند آدمیوں کو بھیجا، جن میں خود ان کا سردار اور سپہ سالار اعظم ابوسفیان بھی تھا، خیمۂ نبوی کے سامنے

Marfat.com

جو دستہ متعین تھا، اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور اپنے گھیرے میں لے لیا، حضرت عمرؓ نے بڑھ کر بارگاہ رسالت میں عرض کی، کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا ہے لیکن حضرت عباس نے اس کی جاں بخشی کی درخواست کی۔ ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے آپ کے سامنے تھے، اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملے، قبائل عرب کو اشتعال دلانا، یہود سے ساز باز اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر عفو نبوی کے حسن خلق اور قول کریمانہ "قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو" کی عملی تصدیق کے نمونہ کو سامنے آنا تھا، آپ نے حضرت عمر کی رائے قبول نہیں اور خود ابوسفیان کو مخاطب کر کے اس سے دو باتیں کیں، اس نے اسی مجلس میں اسلام کا اظہار کیا، اور اسی لمحہ مکہ میں کفر کا علم سرنگوں ہو گیا[1]۔

ابوسفیان نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں توحید کا اقرار تو یہ کہہ کر کر لیا کہ "کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا" لیکن جب رسالت کے متعلق پوچھا گیا تو برملا کہا "اس میں تو ذرا شبہ ہے" اس لئے اس لمحہ اس کا ایمان ابھی تک متزلزل تھا جب اسلام کا لشکر مکہ کی طرف بڑھا تو آپ نے اس کے اندر یقین کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے حضرت عباس سے فرمایا کہ "ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھیں" کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی فوجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں، قبیلہ پر قبیلہ آتا گیا۔

---

[1] ایک بیان یہ ہے کہ حضرت عباس قریش کو دکھانے کے لئے کہ مقابلہ نہ کریں گے مکہ کی طرف چلے راہ میں ابوسفیان مل گیا اس کو اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر نے دیکھا تو قتل کرنا چاہا، حضرت عباس نے ابوسفیان کے لئے امن حاصل کیا، رات کو اپنے خیمے میں رکھا اور صبح کو وہ اسلام لائے۔

Marfat.com

اور ہر قبیلہ کا پرچم الگ نظر آتا تھا، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہوتے جاتے تھے۔ سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ ابوسفیان نے پوچھا، یہ کون لشکر ہے، حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعتاً حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے "آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کردیا جائے گا۔" سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمودار ہوا، ابوسفیان کی نظر جمالِ مبارک پر پڑی تو کہہ اٹھے "آپ نے سنا، عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے؟" ارشاد ہوا "عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔" یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم سعد بن عبادہ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے، اور حضرت خالد کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں فوج لے کر دوسری سمت سے داخل ہوں، کہ احد میں وہ دوسری سمت سے آکر اسلام کو کبھی نقصان پہنچا چکے تھے، شاید مکہ میں دوسری سمت سے داخل ہو کر اس کی تلافی کا موقع آجائے۔

کعبہ میں پہنچ کر آپ نے اعلان کرایا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا[1] یا دروازہ کو بند کرلے گا، یا خانہ کعبہ میں داخل ہوجائے گا اس کو امن دیا گیا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، حضرت خالد کی فوج پر تیر برسائے، تین صحابیوں نے شہادت پائی، حضرت خالد نے جواب میں حملہ کیا، وہ لوگ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالد سے باز پرس کی، معلوم ہوا ابتداء مخالفین نے کی تھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ پھر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کے متعلق کہا کہ وہ فخر پسند آدمی ہے اس کو کوئی امتیاز عطا ہو۔ آپ نے فرمایا "تو ان کے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ مامون رہے گا" ابوسفیان مکہ دوڑ کر آئے، قریش کو سمجھایا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کو سنایا۔

ارشاد فرمایا "قضائے الٰہی یہی تھی۔"

حرم محترم کے آغوش میں ۳۶۰ بت تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور فرماتے جاتے "حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔"[1] پھر سب بُت نکلوا دیئے گئے، مصوریں بھی مٹا دی گئیں۔ جب حرم آلائشوں سے پاک ہو گیا، تو آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے، اور نماز دوگانہ ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مجمع عام سے خطاب فرمایا، یہ تاریخی خطبۂ فتح تھا، جس میں روئے سخن صرف اہل مکہ کی طرف نہیں، تمام عالم کی طرف تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں! تمام مفاخر، تمام انتقامات خوں بہائے قدیم، تمام خوں بہا، سب میرے قدموں کے نیچے ہیں، صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں، اے قوم قریش! اب جاہلیت کے غرور اور نسب کے افتخار کو خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم کی مٹی سے بنے ہیں۔"

پھر آپ نے قرآن مجید کی وہ آیتیں تلاوت فرمائیں، جن میں کہا گیا ہے "خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔"[2]

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا۔ جباران قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں آنحضرت

---

[1] وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل ع ۹ آیت ۸۱)

[2] إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورہ الحجرات ع ۲ آیت ۱۳)

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کی بوچھار کرتی تھیں، جن کے تیغ دشنام نے پیکرِ قدس کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، جنھوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آکر ٹکراتا تھا، جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی آگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگاتے تھے، رحمت عالم نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم کو معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟" پھر ارشاد فرمایا:

"جاؤ، تم سے کوئی مواخذہ نہیں، تم سب کے سب آزاد ہو۔"

کفار مکہ نے مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ کر لیا تھا، وہ واپس لے جا سکتے تھے، لیکن آپ نے مہاجرین سے فرمایا "تم بھی اپنی مملوکات سے دستبردار ہو جاؤ۔"

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ مشرکین کو غیرت آئی، کسی نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی، کہ اس آواز کے سننے سے پہلے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔" کسی نے کہا "اب جینا بیکار ہے" یہ سربرآوردہ مشرکین کے یہ تاثرات تھے، ادھر آپ نماز کے بعد مقام صفا میں ایک بلند جگہ پر تشریف فرما ہوگئے اور لوگ آ آکر اسلام قبول کرنے کی بیعت کرنے لگے۔ اب اسلام قبول کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، قریش کے گروہ در گروہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، صرف تھوڑے سے مشرک باقی رہ گئے، وہ آگے چل کر وہ بھی اسلام لے آئے، اور بعض رؤسائے قریش خوف سے فرار ہو گئے تھے، اس کی شہرت سن کر واپس آئے اور بعض رؤسائے قریش خوف —

قریش اہل عرب کی نگاہوں میں مذہبی پیشوا تھے، بہت سے قبائل کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا، وہ قریش کے اسلام لانے کے منتظر تھے، قریش کا اسلام لانا گویا تمام عرب میں شرک و بت پرستی کا خاتمہ تھا۔ مختلف قبائل آ آکر اسلام لاتے گئے۔ کعبہ کے بتوں کے ٹوٹنے کے ساتھ عرب کے بہت سے بت خاک میں مل گئے۔ با ایں ہمہ بعض سخت جان، جنگجو قبیلے ایسے باقی رہ گئے، جو عرب میں اپنی شجاعت میں شہرت رکھتے تھے،

وہ اسلام کے آگے سر نہ جھکا سکے، اور متحد ہوکر مکہ پر چڑھائی کر کے اپنے معبد کو واپس لینا چاہا اور غزوۂ حنین پیش آیا۔

غزوۂ حنین واوطاس وطائف شوال ۸ھ ۶۳۰ء | اس لئے غزوۂ حنین گویا فتح مکہ کا ردّعمل تھا، قبائل ہوازن وثقیف وغیرہ نے جو مکہ اور طائف کے درمیان آباد تھے، مکہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا اور اپنے شاخ در شاخ قبائل اور خانوادوں کو اکٹھا کیا، جوش کا عالم یہ تھا، کہ ہر قبیلہ اپنے تمام اہل وعیال کو لے کر آیا کہ ان کی حفاظت کی غیرت آئے گی۔ پیٹھ نہ پھیر سکے گے، ان کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں اس اجتماع کی خبر ہوئی، تو آپ نے حضرت عتاب بن اسید کو امیر مقرر کیا اور ماہ شوال ۸ھ ۱۳اء میں بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے جن میں بڑی تعداد مکہ کے نو مسلموں کی تھی، اسلامی لشکر اور کر وفر کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے نکلا "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے" بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ آئی مقام حنین میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اور اول وہلہ میں دشمنوں کی ایسی تیر اندازی ہوئی کہ مکہ کے نو مسلموں کے قدم اکھڑ گئے اور ایک عام بھگدڑ مچ گئی۔ یہ دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا دلائی، اکھڑے ہوئے قدم سنبھل گئے، جم کر لڑے اور دشمنوں کو شکست فاش ہوئی۔

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ مقام اوطاس اور کچھ طائف میں جمع ہوئی۔

اوطاس میں قبیلہ ہوازن کی نئی فوج بھی آگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مضبوط دستہ اوطاس بھیجا، مشرکین کا سپہ سالار درید مارا گیا اور دشمنوں نے شکست کھائی پھر اسلامی لشکر نے طائف آکر اس کا محاصرہ کیا، طائف ایک مستحکم قلعہ تھا، سامان رسد بھی وافر اکٹھا کر لیا تھا، مشرکین یہاں محصور ہو کر بیٹھ گئے، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی آپ نے صحابہ سے مشورہ کر کے بیس دن کے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس تشریف لے گئے۔

تقسیم غنائم واسیران جنگ | حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کو آپ نے مقام

Marfat.com

جعرانہ میں محفوظ رکھوا دیا تھا اور حضرت خالد کو ایک دستہ کے ساتھ یہاں چھوڑ کر طائف تشریف لے گئے۔ کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا، جس میں چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، اسیران جنگ کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، اس لیے کہ قبائل اہل وعیال کے ساتھ میدان جنگ میں آئے تھے۔

مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے رکھا گیا اور چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اس تقسیم میں مکہ کے رؤسا کو جو نومسلم تھے اور جنھیں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے، زیادہ حصہ دیا گیا، بعضوں کے حصہ میں دو دو سو اور اکثر کے حصہ میں سو سو اونٹ آئے۔ انصار کے نوجوان طبقہ کو خیال گذرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر نوازشیں فرمائیں اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی، تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور ان سے بحرآفریں خطاب فرمایا، پہلے آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ پہلے تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، کیا تم مفلس نہیں تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو تونگر و دولتمند کیا"

انصار ہر فقرہ پر کہتے جاتے، "خدا اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑا ہے" تو پھر آپ نے فرمایا:

"نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے تجھ کو پناہ دی، تو مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح تیری مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔"

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا:

"لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں

Marfat.com

لے کر جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر اپنے گھر واپس جاؤ"۔

انصار بے اختیار پکار اٹھے کہ ہم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہیں۔ اکثر صحابہ کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، پھر آپ نے انصار سے فرمایا:

"مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے جو کچھ ان کو دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا ہے۔"

میدان جنگ کے لیے زر فدیہ کی کوئی پیش کش نہیں آئی، یہ زیادہ تر قبیلہ ہوازن کے لوگ تھے جس قبیلہ کی خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کا آپ نے دودھ پیا تھا، حضرت حلیمہ کی صاحبزادی حضرت شیما بھی قیدیوں میں تھیں۔ انھوں نے صحابہ سے کہا "میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں" لوگ انھیں آپ کی خدمت میں تصدیق کے لیے لائے، انھوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ بچپن میں آپ نے دانت کاٹا تھا۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ وہ وطن واپس گئیں اور پھر آکر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

چند دنوں کے بعد قبیلہ ہوازن کے معززین کی ایک سفارت آئی، جنھوں نے آپ کو رضاعت کا واسطہ دے کر کہا کہ ان گرفتار ہونے والوں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں بھی ہیں، آپ نے سفارت کی عزت کی اور فرمایا "میں عبد المطلب کی اولاد کے حصہ کو آزاد کر دیتا ہوں، عام مسلمانوں سے تم خود میرا واسطہ دے کر اپنے عیال کو مانگو" ظہر کی نماز کے بعد سفیروں نے مجمع عام میں اپنی درخواست پیش کی اسلامیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی معلوم ہوا تو سب نے اپنے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد ہو گئے۔

غزوہ تبوک
رجب ۹ نومبر ۶۳۰

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا، غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا،

مذہباً عیسائی تھا، قیصر نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، رومی حملہ کی افواہیں مدینہ میں مشہور ہوتی رہتی تھیں ۹ھ ۶۳۰ء میں شام کے قبطی سوداگروں نے مدینہ میں خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے، ایک ماہ کی تنخواہ تقسیم کر دی ہے، فوج میں مختلف عرب قبائل ہیں۔ مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے، غسانی حکمراں نے قیصر کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو چکا ہے، عرب قحط سے بھوکوں مر رہے ہیں، قیصر نے چالیس ۴۰ ہزار فوج عرب کو زیر نگیں کرنے کے لئے بھیجی ہے۔ یہ خبریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں، عرب میں واقعی قحط تھا شدت کی گرمی بھی تھی، تاہم آپ نے لشکر تیار کیا، معاملہ سارے عرب کا تھا، قبائل سے امداد مانگی، صحابہ نے بھی حسب مقدور حصہ لیا، حضرت عثمان نے دس اوقیہ چاندی اور دو سو ۲۰۰ اونٹ پیش کئے۔ منافقین نے اس نازک موقع پر فائدہ اٹھانا چاہا، ان کی جماعت فوج سے الگ ہوگئی، بہ ایں ہمہ بیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار ہو گیا، آپ نے حرم نبوی کو اس موقع پر ساتھ نہ لے جانا چاہا، حضرت علی کو مدینہ کا حاکم بنایا، تاکہ مستورات کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام رہے، حضرت علی نے فرمایا "مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں"، آپ نے فرمایا "تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی"۔

شام میں اسلامی حکومت کی داغ بیل

آپ بیس ۲۰ ہزار فوج لے کر ماہ رجب ۹ھ ۶۳۰ء میں مدینہ سے نکلے، جس میں دس ہزار سوار تھے، مدینہ اور دمشق کی نصف راہ پر مدینہ سے ۱۴۰ میل کے فاصلہ پر مقام تبوک میں قیام فرمایا۔ غسانی حکمراں مقابلہ کے لئے نہیں نکلا، اسلامی لشکر کے ورود سے اطراف میں ہلچل مچ گئی، آس پاس کے عیسائی حکمرانوں نے خطرہ کا احساس کیا۔ خلیج عقبہ کے پاس کے مقام ایلہ کا عیسائی سردار یوحنا، اسلامی لشکر میں پہنچ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ اسی طرح مقام جرباء اور اذرح کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کی اور جزیہ کی شرط پر امان حاصل کیا۔ دمشق سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر مقام دومۃ الجندل میں قیصر روم کے ماتحت ایک عرب سردار اکیدر نام کا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے حضرت خالد کو ایک مختصر فوج دے کر بھیجا، جنھوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر آزاد کیا کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شرائطِ صلح پیش کرے۔ چنانچہ اسلامی لشکر کی واپسی کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا، اور جزیہ کی شرط پر آپ نے اس کو امان دی۔

تبوک میں تیس دن قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ واپس تشریف لائے۔ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ اس طرح آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں عرب سے باہر نکل کر نظام میں اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی اور مختلف علاقے قیصرِ روم کے اثر سے نکل کر اسلامی سلطنت کے زیرِ اثر آئے۔

مسجدِ ضرار مدینہ کے منافقین اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہتے تھے، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی پیہم کوششیں جاری تھیں، آپ کے علم و مشورہ کے بغیر یہ عذر لے کر بہت سے مجبور و معذور مسجدِ نبوی میں نہیں پہنچ سکتے، ایک الگ مسجد بنالی اور جس وقت آپ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے، آپ سے اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح کرنے کی درخواست کی۔ تبوک کے غزوہ میں وہ منافقین شریک نہیں ہوئے اور دوسروں کو زیرِ پردہ باز رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے، یہ حالات آپ کے علم میں تھے، آپ نے ان کی درخواست کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا "اس وقت ہم جا رہا ہوں"۔ واپس تشریف لا کر آپ نے مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مسجد میں آگ لگا دیں۔ قرآن مجید میں اسی مسجد کو "مسجدِ ضرار" سے موسوم کیا گیا جس کی تعمیر تفرقہ اندازی کے لئے عمل میں آئی تھی۔

۳۔ حجِ اکبر و اعلانِ برائت

حجِ اکبر ذی الحجہ ۹ھ / ۶۳۱ء اواخر ۹ھ / ۶۳۱ء میں آپ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، حضرت ابوبکر سالارِ قافلہ و امیرِ حج اور حضرت علی نقیبِ اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہم معلم بنائے گئے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کے لئے بیس اونٹ

ساتھ بھیجے گئے۔

مکہ ۸ھ؁ ۶۲۹ء میں فتح ہوا تھا، اس سال کے حج کے مراسم مشرکین ہی کے اہتمام میں انجام پائے تھے۔ امیر مکہ حضرت عتاب بن اسید کی امارت میں مسلمانوں نے اپنا حج ادا کیا تھا۔ ۹ھ؁ ۶۳۱ء میں یہ پہلا موقع تھا کہ فریضۂ حج، اصل سنت ابراہیمی کی صورت میں ادا ہوا، قرآن میں اس حج کو حج اکبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس حج کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اسی موقع پر خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے ختم اور اسلام کے درخشاں دور کے شروع ہونے کا اعلان کیا گیا۔ سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے مناسک و مراسم کی تعلیم دی گئی اور جاہلیت کے رسوم و بدعات و عادات کو باطل قرار دیا گیا، حضرت ابوبکر نے اپنے خطبہ میں حج کے مسائل بیان فرمائے۔

اعلان براءت | یہی موقع تھا جس میں اسلام کا تاریخی اعلان براءت شائع کیا گیا، حضرت علی نے قرآن مجید کی سورۃ براءت کی چالیس آیتیں مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں اور اعلان عام فرمایا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ کوئی شخص برہنہ حج کرنے نہ پائے گا۔ جن مشرکین سے اسلام کا معاہدہ قائم ہے، اور ان سے نقض عہد کا جرم سرزد نہیں ہوا ہے نہ معاہدے اپنے معاہدہ کی مدت کے خاتمہ تک برقرار رہیں گے، اور جن سے نقض عہد کا جرم سرزد ہو چکا ہے یا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے، انھیں چار مہینوں کی مہلت دی جاتی ہے اس اثنا میں وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جائیں، ورنہ اس مدت کے گذرنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا اور وہ ان سے بری الذمہ ہوں گے۔

اس اعلان براءت کے بعد کفار عرب عام طور پر جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اور سورۂ نصر میں اس کو فتح و نصرت سے تعبیر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جب اللہ کی نصرت اور فتح آگئی تو تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ پس اب اپنے پروردگار کے

حمد کی تسبیح کر اور اس سے مغفرت چاہ۔ وہ بلاشبہ توبہ قبول کرنے والا ہے[1]۔"

اب پورا عرب کفر و شرک کی آلائشوں سے پاک تھا، جو خال خال مشرک باقی رہ گئے تھے وہ چار مہینوں کی مدت گذرنے سے پہلے پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۔ چند فقہی احکام و معاشرتی واقعات

چند فقہی احکام و فرائض اور ان کی آخری تکمیل

اب تک اسلام کے عقائد و عبادات کے احکام نازل ہو چکے تھے، جب صلح حدیبیہ سے فی الجملہ اطمینان ہوا اور فتح خیبر سے یہود کی فتنہ انگیزیوں سے بھی نجات ملی تو شریعت کے جزئی احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع بھی آیا، اور مدنی زندگی کے دور ثانی میں مختلف نوعیت کے فقہی احکام و مذہبی فرائض متعین ہو کر نازل ہوئے۔

چنانچہ ۷ھ (۶۲۸ء) میں فتح خیبر کے بعد پنجہ دار پرند، درندہ جانور، گدھے اور خچر کا گوشت حرام کیا گیا، لونڈیاں فوراً تمتع میں آجاتی تھیں، اب استبراء یعنی وضع حمل یا ایک ماہ کا انتظار ضروری قرار پایا، سونے چاندی کو بہ تفاضل خریدنا بھی ممنوع ٹھہرا، متعہ یعنی عارضی نکاح کی حرمت بھی اس موقع پر نازل ہوئی، شراب کی حرمت کا حکم اگرچہ ۴ھ (۶۲۹ء) میں نازل ہوا تھا، مگر اس کی خرید و فروخت پر پابندی نہیں تھی۔ ۸ھ (۶۲۹ء) میں اس کی خرید و فروخت بھی حرام قرار پائی۔

اس طرح فتح مکہ اور اعلان برأت کے بعد ملک میں امن و امان کا دور شروع ہوا، فتوحات و غنائم سے دولت مندی و تونگری آئی، جائیداد و املاک ہاتھ میں آئے، تجارت کے راستے کھل گئے اور حصول معیشت کے بہتر مواقع پیدا ہو گئے تو ۹ھ (۶۳۰ء) میں زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور سود کی تحریم کے احکام بھی تدریجاً ۸ھ (۶۲۹ء) و ۹ھ (۶۳۰ء) میں نازل ہوئے

---

[1] اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ الآیہ (سورہ نصر)

اور اس کی عام اشاعت ۱۰ھ/۶۳۱ء میں حجۃ الوداع کے موقع پر کی گئی پھر اسی سال ۹ھ/۶۳۰ء میں غزوۂ موتہ کے بعد شامی علاقہ کے قبضہ میں آنے سے غیر مسلموں سے رابطہ پیدا ہوا اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کرنے کا حکم آیا، اور زکوٰۃ و جزیہ کی تحصیل وصولی کے لئے عمال مقرر کئے گئے، جس سے اسلامی حکومت کے نظام کی داغ بیل پڑی۔ یوں تشکیل حکومت کا آغاز فتح مکہ کے بعد حضرت عتاب بن اسید کو امیر مکہ مقرر کئے جانے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

پھر اسی ۹ھ/۶۳۰ء میں برأت اور حج کی فرضیت کی آیتیں نازل ہوئیں اور جیسا کہ گذرا پہلا حج مسلمانوں نے اس کی فرضیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں کیا۔

شریعت کے یہ فقہی احکام و فرائض، جیسا کہ اوپر کے بیان سے اندازہ ہو گا، بتدریج نازل ہوتے رہے، اور فتح مکہ کے بعد تکمیل کو پہنچے۔ حضرت عائشہ نے کیا خوب توجیہ فرمائی ہے، فرماتی ہیں:

> "پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں رقت اور استعداد پیدا ہو گئی، تو احکام نازل ہوئے، ورنہ پہلے ہی دن اگر یہ حکم دیا جاتا کہ شراب نہ پیو تو اس کا سننے والا کون ہوتا۔"

اس لئے عبادات کے جتنے احکام بھی آئے وہ تدریجاً نازل ہوئے۔ نماز اسلام کے ظہور کے بعد فرض ہوئی، لیکن اس کی تکمیل ہجرت کے سات آٹھ برس کے بعد ہوئی، روزہ مکہ میں سرے سے فرض نہیں ہوا، مدینہ میں اس کی فرضیت ہوئی، زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی ہجرت کے سات آٹھ برس کے بعد ہوا اور حج، حرمت ربوٰ اور وراثت وغیرہ کے احکام ۱۰ھ/۶۳۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اسی طرح اکل و شرب میں پہلے خدا نے صرف مردار، بہتا خون اور سور اور غیر خدا کے نام پر چڑھائے ہوئے جانوروں اور غیر ذبیحہ کے گوشت کو حرام کیا، پھر ۷ھ/۶۲۸ء میں گدھے، زندہ جانوروں اور پنجہ دار پرندوں کا گوشت حرام اور ۸ھ/۶۲۹ء میں سدھے ہوئے شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کے حلال ہونے کا حکم سنایا گیا، اسی طرح شراب ۸ھ/۶۲۹ء میں

Marfat.com

جاکر سرے سے حرام قرار پائی اور اسی سال سود کی حرمت کے تفصیلی احکام آئے، اور وارثوں کی موجودگی میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کو سنہ ۱۰ھ/۶۳۱ء میں ممنوع قرار دیا گیا۔ اور فقہی اوامر ونواہی جو کچھ بھی تھے وہ حجۃ الوداع میں آخری طور پر سنا دیئے گئے۔ اس طرح شرعی وفقہی احکام ومسائل کے نزول واعلان کی آخری طور پر تکمیل ہوگئی۔

چند معاشرتی واقعات | سنہ ۸ھ/۶۲۹ء میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد نرینہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ آپ نے بچہ کا نام ابراہیم رکھا۔ آپ کو اس بچہ سے غیر معمولی اُنس تھا، مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اتفاق سے ابراہیم نے جس دن وفات پائی، سورج گرہن غروب ہوا، عرب اس کا سبب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچہ کی موت کو سمجھے، آپ نے اس کو سنا تو مشغلہ چھوڑ کر عقیدہ کی اصلاح کے لئے باہر نکل آئے اور مجمع کے سامنے آپ نے خطبہ دیا "سورج اور چاند کا گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا"۔ پھر اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بھی وفات پائی۔

اسی طرح سنہ ۹ھ/۶۳۰ء ایلاء وتخییر کا اہم واقعہ پیش آیا اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ازواج سے کنارہ کشی ہے۔ اسلامی فتوحات کی وسعت اور غنائم کی کثرت سے معاشی حیثیت سے تمام صحابہ کو فراغ بالی حاصل ہوگئی تھی، مگر کاشانۂ نبوت میں فقر وفاقہ کا وہی حال تھا کہ کبھی چراغ جلتا اور کبھی نہیں جلتا تھا۔ آپ کی زاہدانہ فقر وفاقہ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، حالاں کہ سرمایہ کا ادنیٰ حصہ بھی ذاتی مصرف میں لایا جاتا اور جو کچھ آپ کے حصہ میں آیا کرتا تھا، وہ فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم نہ ہوجاتا تو گھر اور گھر والوں کی راحت وآرام کے لئے کافی ہوسکتا تھا۔ بالآخر ازواج مطہرات کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہوگیا اور انھوں نے ایکا کرکے توسیع نفقہ کا مطالبہ پیش کیا اس سے آپ کے سکون خاطر پر بار آیا اور آپ نے عہد فرمالیا کہ ایک مہینہ تک آپ ازواج

Marfat.com

جعرانہ میں محفوظ رکھوا دیا تھا اور حضرت خالد کو ایک دستہ کے ساتھ یہاں چھوڑ کر طائف تشریف لے گئے۔ کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا، جس میں چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ اسیران جنگ کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، اس لیے کہ قبائل اہل وعیال کے ساتھ میدان جنگ میں آئے تھے۔

مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے رکھا گیا اور چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اس تقسیم میں مکہ کے رؤسا کو جو نومسلم تھے اور جنھیں مولفۃ القلوب کہا گیا ہے، زیادہ حصہ دیا گیا، بعضوں کے حصہ میں دو دو سو اور اکثر کے حصہ میں سو سو اونٹ آئے۔ انصار کے نوجوان طبقہ کو خیال گذرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر نوازشیں فرمائیں اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی، تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور ان سے سحر آفریں خطاب فرمایا، پہلے آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ پہلے تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، کیا تم مفلس نہیں تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو تونگر و دولتمند کیا"

انصار ہر فقرہ پر کہتے جاتے، "خدا اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑا ہے" تو پھر آپ نے فرمایا:

"نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے تجھ کو پناہ دی، تو مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح تیری مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔"

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا:

"لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں

لے کر جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر اپنے گھر واپس جاؤ"۔

انصار بے اختیار پکار اٹھے کہ ہم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہیں۔ اکثر صحابہ کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، پھر آپ نے انصار سے فرمایا:

"مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے جو کچھ ان کو دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا ہے۔"

اسیران جنگ کے لیے زر فدیہ کی کوئی پیش کش نہیں آئی۔ یہ زیادہ تر قبیلہ ہوازن کے لوگ تھے جس قبیلہ کی خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کا آپ نے دودھ پیا تھا، حضرت حلیمہ کی صاحبزادی حضرت شیمہ بھی قیدیوں میں تھیں۔ انھوں نے صحابہ سے کہا "میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں" لوگ انھیں آپ کی خدمت میں تصدیق کے لیے لائے، انھوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی، کہ بچپن میں آپ نے دانت کاٹا تھا۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ وہ وطن واپس گئیں اور پھر آکر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

چند دنوں کے بعد قبیلہ ہوازن کے معززین کی ایک سفارت آئی، جنھوں نے آپ کو رضاعت کا واسطہ دے کر کہا کہ ان گرفتار ہونے والوں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں بھی ہیں، آپ نے سفارت کی عزت کی اور فرمایا "میں عبد المطلب کی اولاد کے حصہ کو آزاد کردیتا ہوں، عام مسلمانوں سے تم خود میرا واسطہ دے کر اپنے عیال کو مانگو" ظہر کی نماز کے بعد سفیروں نے مجمع عام میں اپنی درخواست پیش کی۔ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی معلوم ہوا تو سب نے اپنے اپنے حصّہ کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد ہوگئے۔

غزوہ تبوک
رجب ۹ھ نومبر ۶۳۰ء

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا، غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا،

مذہباً عیسائی تھا، قیصر نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، رومی حملہ کی افواہیں مدینہ میں مشہور ہوتی رہتی تھیں، سنہ ۹ھ/۶۳۰ء میں شام کے نبطی سوداگروں نے مدینہ میں خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکرِ گراں جمع کیا ہے، ایک ماہ کی تنخواہ تقسیم کر دی ہے، فوج میں مختلف عرب قبائل ہیں۔ مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے، غسانی حکمراں نے قیصر کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوچکا ہے، عرب قحط سے بھوکوں مر رہے ہیں، قیصر نے چالیس ہزار فوج عرب کو زیر نگیں کرنے کے لئے بھیجی ہے۔ یہ خبریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں، عرب میں واقعی قحط تھا شدت کی گرمی بھی تھی، تاہم آپ نے لشکر تیار کیا، معاملہ سارے عرب کا تھا، قبائل سے امداد مانگی، صحابہ نے بھی حسب مقدور حصہ لیا، حضرت عثمان نے دسو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے۔ منافقین نے اس نازک موقع پر فائدہ اٹھانا چاہا، ان کی جماعت فوج سے الگ ہوگئی، بایں ہمہ بیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار ہوگیا، آپ نے حرم نبوی کو اس موقع پر ساتھ نہ لے جانا چاہا، حضرت علی کو مدینہ کا حاکم بنایا، تاکہ مستورات کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام رہے، حضرت علی نے فرمایا "مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں" آپ نے فرمایا "تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی"۔

شام میں اسلامی حکومت کی داغ بیل | آپ بیس ہزار فوج لے کر ماہ رجب ۹ھ/۶۳۰ء میں مدینہ سے نکلے، جس میں دس ہزار سوار تھے، مدینہ اور دمشق کی نصف راہ پر مدینہ سے ۱۴۰ میل کے فاصلہ پر مقام تبوک میں قیام فرمایا۔ غسانی حکمراں مقابلہ کے لئے نہیں نکلا، اسلامی لشکر کے ورود سے اطراف میں ہلچل مچ گئی، آس پاس کے عیسائی حکمرانوں نے خطرہ کا احساس کیا۔ خلیج عقبہ کے پاس کے مقام ایلہ کا عیسائی سردار یوحنا، اسلامی لشکر میں پہنچ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ اسی طرح مقام جربا اور اذرح کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کی اور جزیہ کی شرط پر امان حاصل کیا۔ دمشق سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر مقام دومۃ الجندل میں قیصر روم کے ماتحت ایک عرب سردار اکیدر نام کا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے حضرت خالد کو ایک مختصر فوج دے کر بھیجا' جنھوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر آزاد کیا کہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے' چنانچہ اسلامی لشکر کی واپسی کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا' اور جزیہ کی شرط پر آپ نے اس کو امان دی۔

تبوک میں تیس دن قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ واپس تشریف لائے۔ یہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ اس طرح آپ کی حیات طیبہ ہی میں عرب سے باہر نکل کر شام میں اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی اور مختلف علاقے' قیصر روم کے اثر سے نکل کر اسلامی سطوت کے زیر اثر آئے۔

مسجد ضرار مدینہ کے منافقین اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہتے تھے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی پیہم کوششیں جاری تھیں' آپ کے علم و مشورہ کے بغیر یہ عذر لے کر بہت سے مجبور و معذور مسجد نبوی میں نہیں پہنچ سکتے' ایک الگ مسجد بنا لی اور جس وقت آپ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے' آپ سے اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح کرنے کی درخواست کی تبوک کے غزوہ میں وہ منافقین شریک نہیں ہوئے اور دوسروں کو در پردہ باز رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے' یہ حالات آپ کے علم میں تھے' آپ نے ان کی درخواست کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا "اس وقت مہم پر جا رہا ہوں" واپس تشریف لا کر آپ نے مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مسجد میں آگ لگا دیں۔ قرآن مجید میں اسی مسجد کو "مسجد ضرار" سے موسوم کیا گیا' جس کی تعمیر تفرقہ اندازی کے لئے عمل میں آئی تھی۔

۳۔ حج اکبر و اعلان برائت

حج اکبر ذی الحجہ ۹ھ / ۶۳۱ء اواخر ۹ھ / ۶۳۱ء میں آپ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا' حضرت ابوبکر سالار قافلہ و امیر حج اور حضرت علی نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہم معلم بنائے گئے' اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کے لئے بیس اونٹ

Marfat.com

ساتھ بھیجے گئے۔

مکہ سبب ۸ھ؁ ۶۳۰ء میں فتح ہوا تھا، اس سال کے حج کے مراسم مشرکین ہی کے اہتمام میں انجام پائے تھے۔ امیر مکہ حضرت عتاب بن اسید کی امارت میں مسلمانوں نے اپنا حج ادا کیا تھا۔ ۹ھ؁ ۶۳۱ء میں یہ پہلا موقع تھا کہ فریضہ حج، اصل سنت ابراہیمی کی صورت میں ادا ہوا، قرآن میں اس حج کو حج اکبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس حج کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اسی موقع پر خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے ختم اور اسلام کے درخشاں دور کے شروع ہونے کا اعلان کیا گیا، سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے مناسک و مراسم کی تعلیم دی گئی اور جاہلیت کے رسوم و بدعات و عادات کو باطل قرار دیا گیا، حضرت ابوبکر نے اپنے خطبہ میں حج کے مسائل بیان فرمائے۔

اعلان براءت یہی موقع تھا جس میں اسلام کا تاریخی اعلان براءت شائع کیا گیا، حضرت علی نے قرآن مجید کی سورۃ براءت کی چالیس آیتیں مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں اور اعلان عام فرمایا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا، کوئی شخص برہنہ حج کرنے نہ پائے گا، جن مشرکین سے اسلام کا معاہدہ قائم ہے، اور ان سے نقض عہد کا جرم سرزد نہیں ہوا ہے وہ معاہدے اپنے معاہدہ کی مدت کے خاتمہ تک برقرار رہیں گے، اور جن سے نقض عہد کا جرم سرزد ہو چکا ہے یا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے، انھیں چار مہینوں کی مہلت دی جاتی ہے اس اثناء میں وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جائیں، ورنہ اس مدت کے گذرنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا اور وہ ان سے بری الذمہ ہوں گے۔

اس اعلان براءت کے بعد کفار عرب عام طور پر جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اور سورۂ نصر میں اس کو فتح و نصرت سے تعبیر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جب اللہ کی نصرت اور فتح آگئی تو تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ پس اب اپنے پروردگار کے

حمد کی تسبیح کر اور اس سے مغفرت چاہ۔ وہ بلاشبہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔[1]

اب پورا عرب کفر و شرک کی آلائشوں سے پاک تھا، جو خال خال مشرک باقی رہ گئے تھے وہ چار مہینوں کی مدت گذرنے سے پہلے پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۔ چند فقہی احکام و معاشرتی واقعات

چند فقہی احکام و فرائض اور ان کی آخری تکمیل

اب تک اسلام کے عقائد و عبادات کے احکام نازل ہوئے تھے، جب صلح حدیبیہ سے فی الجملہ اطمینان ہوا اور فتح خیبر سے یہود کی فتنہ انگیزیوں سے بھی نجات ملی تو شریعت کے جزئی احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع بھی آیا، اور مدنی زندگی کے دور وسطیٰ میں مختلف نوعیت کے فقہی احکام و مذہبی فرائض متعین ہو کر نازل ہوئے۔

چنانچہ ۷ھ / ۶۲۸ء میں فتح خیبر کے بعد پنجہ دار پرند، درندہ جانور، گدھے اور خچر کا گوشت حرام کیا گیا، لونڈیاں فوراً تمتع میں آجاتی تھیں، اب استبراء یعنی وضع حمل یا ایک ماہ کا انتظار ضروری قرار پایا، سونے چاندی کو بہ تفاضل خریدنا بھی ممنوع ٹھہرا، متعہ یعنی عارضی نکاح کی حرمت بھی اسی موقع پر نازل ہوئی، شراب کی حرمت کا حکم اگرچہ ۴ھ / ۶۲۹ء میں نازل ہوا تھا، مگر اس کی خرید و فروخت پر پابندی نہیں تھی۔ ۸ھ / ۶۲۹ء میں اس کی خرید و فروخت بھی حرام قرار پائی۔

اس طرح فتح مکہ اور اعلانِ براءت کے بعد ملک میں امن و امان کا دور شروع ہوا، فتوحات و غنائم سے دولت مندی و تونگری آئی، جائیداد و املاک ہاتھ میں آئے، تجارت کے راستے کھل گئے اور حصولِ معیشت کے بہتر مواقع پیدا ہو گئے تو ۹ھ / ۶۳۰ء میں زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور سود کی تحریم کے احکام بھی تدریجاً ۸ھ / ۶۲۹ء و ۹ھ / ۶۳۰ء میں نازل ہوئے۔

---

[1] اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۔ الآیہ (سورہ نصر)

Marfat.com

اور اس کی عام اشاعت سنہ ۱۰ھ/۶۳۱ء میں حجۃ الوداع کے موقع پر کی گئی پھر اسی سال سنہ ۹ھ/۶۳۰ء میں غزوہ موتہ کے بعد شامی علاقہ کے قبضہ میں آنے سے غیر مسلموں سے رابطہ پیدا ہوا، اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کرنے کا حکم آیا، اور زکوٰۃ و جزیہ کی تحصیل وصول کے لئے عمال مقرر کئے گئے، جس سے اسلامی حکومت کے نظام کی داغ بیل پڑی۔ یوں تشکیل حکومت کا آغاز فتح مکہ کے بعد حضرت عتاب بن اسید کو امیر مکہ مقرر کئے جانے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

پھر اسی سنہ ۹ھ/۶۳۰ء میں برأت اور حج کی فرضیت کی آیتیں نازل ہوئیں اور جیسا کہ گذرا پہلا حج مسلمانوں نے اس کی فرضیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں کیا۔

شریعت کے یہ فقہی احکام و فرائض، جیسا کہ اوپر کے بیان سے اندازہ ہوگا، بتدریج نازل ہوتے رہے، اور فتح مکہ کے بعد تکمیل کو پہنچے۔ حضرت عائشہ نے کیا خوب توجیہہ فرمائی ہے، فرماتی ہیں:

> "پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں رقت اور استعداد پیدا ہوگئی، تو احکام نازل ہوئے، ورنہ پہلے ہی دن اگر یہ حکم دیا جاتا کہ شراب نہ پیو تو اس کا سننے والا کون ہوتا۔"

اس لئے عبادات کے جتنے احکام بھی آئے وہ تدریجاً نازل ہوئے۔ نماز اسلام کے ظہور کے بعد فرض ہوئی، لیکن اس کی تکمیل ہجرت کے سات آٹھ برس کے بعد ہوئی، روزہ مکہ میں سرے سے فرض نہیں ہوا، مدینہ میں اس کی فرضیت ہوئی، زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی ہجرت کے سات آٹھ برس کے بعد ہوا اور حج، حرمت ربٰو اور وراثت وغیرہ کے احکام سنہ ۱۰ھ/۶۳۱ء میں پایہ تکمیل کو پہنچے، اسی طرح ماکولات میں پہلے خدا نے صرف مردار، بہتا خون اور سؤر اور غیر خدا کے نام پر چڑھائے ہوئے جانوروں اور غیر ذبیحہ کے گوشت کو حرام کیا، پھر سنہ ۷ھ/۶۲۸ء میں گدھے، زندہ جانوروں اور پنجہ دار پرندوں کا گوشت حرام اور سنہ ۸ھ/۶۲۹ء میں سدھے ہوئے شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کے حلال ہونے کا حکم سنایا گیا، اسی طرح شراب سنہ ۸ھ/۶۲۹ء میں

Marfat.com

جاکر سرے سے حرام قرار پائی اور اسی سال سود کی حرمت کے تفصیلی احکام آئے، اور وارثوں کی موجودگی میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کو ۱۰ھ/۶۳۱ء میں ممنوع قرار دیا گیا۔ اور نہی اوامر و نواہی جو کچھ بھی تھے وہ حجۃ الوداع میں آخری طور پر سنا دیئے گئے۔ اس طرح شرعی و نہی احکام و مسائل کے نزول و اعلان کی آخری طور پر تکمیل ہو گئی۔

چند معاشرتی واقعات | ۸ھ/۶۲۹ء میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد نرینہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ آپ نے بچہ کا نام ابراہیم رکھا۔ آپ کو اس بچہ سے غیر معمولی اُنس تھا، مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اتفاق سے ابراہیم نے جس دن وفات پائی، سورج گرہن غروب ہوا، عرب اس کا سبب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچہ کی موت کو سمجھے، آپ نے اس کو سنا تو مسند کی اپنی جگہ چھوڑ کر حقیقیہ کی اصلاح کے لئے باہر نکل آئے اور مجمع کے سامنے آپ نے خطبہ دیا "سورج اور چاند کا گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کسی کے مرنے اور جینے سے اس میں گرہن نہیں لگتا"۔ پھر اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بھی وفات پائی۔

اسی طرح ۹ھ/۶۳۰ء ایلاء و تخییر کا اہم واقعہ پیش آیا اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ازواج سے کنارہ کشی ہے۔ اسلامی فتوحات کی وسعت اور غنائم کی کثرت سے معاشی حیثیت سے تمام صحابہ کو فراغ بالی حاصل ہو گئی تھی، مگر کاشانۂ نبوت میں فقر و فاقہ کا وہی حال تھا کہ کبھی چراغ جلتا اور کبھی نہیں جلتا تھا۔ آپ کی زاہدانہ فقر و فاقہ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، حالاں کہ سرمایہ کا ادنیٰ حصہ بھی ذاتی مصرف میں لایا جاتا اور جو کچھ آپ کے حصہ میں آیا کرتا تھا، وہ فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم نہ ہو جاتا تو گھر اور گھر والوں کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ بالآخر ازواج مطہرات کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو گیا اور انھوں نے ایکا کر کے توسیع نفقہ کا مطالبہ پیش کیا اس سے آپ کے سکون خاطر پر بار آیا اور آپ نے عہد فرما لیا کہ ایک مہینہ تک آپ ازواج

Marfat.com

مطہرات سے نہیں ملیں گے، اتفاق یہ کہ آپ اسی زمانہ میں گھوڑے سے گر پڑے، پنڈلی میں زخم آیا اور آپ بالاخانہ میں خلوت گزیں ہو گئے، اور لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوئی، کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے۔

اس واقعہ سے صحابہ میں اضطراب پیدا ہوا، حضرت عمر کے ہمسایہ حضرت عتبان بن مالک نے یہ سنا تو گھبرائے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے اور انھیں واقعہ کی اطلاع دی، حضرت عمر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، باریابی کے لئے اطلاع کرائی، مگر کوئی جواب نہیں آیا، جب دوبارہ اجازت طلبی پر بھی خاموشی رہی تو حضرت عمر نے خادم کو مخاطب کرکے بہ آواز بلند کہا، رباح میرے لئے اذن مانگ، شاید رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خیال ہو کہ میں حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو ابھی حفصہ کی گردن اڑا دوں" آپ نے اجازت دی، وہ اندر گئے اور دیکھا کہ کھانے کے لئے ایک طرف مٹھی بھر جو رکھی ہوئی ہے، حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپ نے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ "قیصر و کسریٰ کس عیش کی زندگی گذارتے ہیں اور حضور والا کس حال میں ہیں!" آپ نے فرمایا "ان کے لئے دنیا ہے اور میرے لئے آخرت" پھر عرض کی کہ "کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں" حضرت عمر "اللہ اکبر" پکار اٹھے، پھر کہا "تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں، اجازت ہو تو خبر کر دوں کہ واقعہ صحیح نہیں ہے"

جب ایلاء یعنی کنارہ کشی کی مدت ایک ماہ گذر گئی تو پھر تخییر کی آیت نازل ہوئی جس میں ازواج کو اختیار دیا گیا تھا، کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ اگر راحت و آرام چاہتی ہیں، تو رخصتی جوڑے لے کر رخصت ہو جائیں، اور اگر ابدی زندگی کی طلبگار ہیں، تو رسول کی معیت کو اپنا مطلوب بنائیں"

یہ پیغام آپ نے ازواج تک پہنچا دیا، اور کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو چھوڑنا پسند نہیں کیا، ان واقعات میں درپردہ منافقین کا بھی ہاتھ تھا لیکن

Marfat.com

ان کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں [۱]

---

۱ ماخذ: طبری، ج ۳، ص ۱۵۵۹، ۱۵۷۵، ۱۵۷۹، ۱۵۸۹، ۱۶۳۲، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۵۵، ۱۶۵۷، ۱۶۶۶، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۶۷، ۱۶۷۱، ۱۲۵۶، ۱۲۸۱۔ ابن ہشام باب خروج رسول اللہؐ و ذکر غزوات، فتح الباری، ج ۱ ص ۳۱، ج ۷ ص ۵۵، ۳۵۲، ذکر فتح مکہ و غزوات اخریٰ، ج ۸ ص ۴۰، ۹۵، ۲۵۰۔ و تفسیر سورہ تحریم، ابن خلدون، ج ۲۔ ذکر قبائل، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۳، ۱۲۲، ابن سعد، جزء مغازی ص ۶۶، ۸۶، ۱۱۰، ۹۳، ۱۱۹، ج ۱ قسم ۱ ص ۱۱۶، ۶۶، زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۴۰۰، ج ۳ ص ۴، ۴۲، ۷۲، ۸۶، ۹۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی ج ۳ ص ۱۹۲، ج ۴ ص ۱۶۹، ج ۷ ص ۷۳، ج ۸ ص ۱۹۰، یعقوبی ج ۲ ص ۵۶، صحیح بخاری ذکر غزوات موتہ، خیبر، حنین، طائف، تبوک، ذی قرد، و ابواب اذا اشترط فی المزارعہ، حج ابی بکر بالناس، الکلام فی الصلوٰۃ، الجمعہ، الحج، تحریم بیع الخمر، واقعۂ ایلاء من صف اصحابہ، تفسیر سورہ تحریم و کتب علیکم القصاص، کتاب الوصایا، کتاب الحج، باب الشروط و المصالحۃ من اہل الحرب، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ کتاب الحج و الصوم و الدیات و الحدود و الاشربہ و ابواب اخذ الجزیہ، قتل الاسیر و حکم ارض الخیبر الامام یصلی بن قعود، مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۱۳۸، ج ۴ ص ۳۶، ۳۹۹، ج ۶ ص ۵۴، ۲۴۹، ۲۹۹۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷، ۲۸، اصابہ ج ۲ ص ۲۵۱، ۱۸۷، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۶۶، زاد المعاد ج ۱ ص ۱۸۰، سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی مرحوم۔

مدنی زندگی کا دورِ آخر

سنہ ۱۰ھ ۳۱-۶۳۲ء و سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء

(مدعیانِ نبوت کا خروج، حجۃ الوداع، وفاتِ نبوی، حلیہ و سراپا، معمولات و اخلاق و متروکات، ازواجِ مطہرات و اولاد امجاد، خصائص نبوی۔

۱- چند مدعیانِ نبوّت کا خروج

اسلام کے عروج و ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دورِ آخر میں عرب کی دو سمتوں میں دو نئے فتنوں نے بھی سر اٹھایا۔ وہ دو جھوٹے مدعیانِ نبوت کا خروج ہے، عرب کے جن قبیلوں میں اسلام کی تعلیمات راسخ نہ ہو سکی تھیں، اور جاہلیت کی عصبیت ان میں موجود تھی، انھیں گمان ہوا کہ کامرانی کی راہ محض ادعائے نبوّت سے ہموار ہو جائے گی، چنانچہ سنہ ۱۰ھ ۶۳۲ء میں یمامہ میں مسیلمہ کذّاب کا ظہور ہوا اور یمن میں اسی سنہ ۱۰ھ ۶۳۲ء کے اواخر میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویدار بن کر خروج کیا، اور ان دونوں کے خروج میں درپردہ قبائلی عصبیت بھی کارفرما تھی۔

مسیلمہ کذّاب مسیلمہ کذاب کے حامی یمامہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا، بنو اسمٰعیل کے شجرۂ نسب میں ان کی ابتدائی قبائلی تقسیم یہ یاد ہوگی کہ نزار کے دو لڑکے ربیعہ و مضر تھے اور ان دونوں کی شاخ در شاخ قبائل عرب پھیلے تھے۔ قریش مضر کے سلسلہ کی کڑی تھے اور مسیلمہ کا تعلق سلسلۂ ربیعہ سے تھا۔ مسیلمہ کے ادعائے نبوت کے بعد ربیعہ کے قبائل کے بعض لوگ کہتے کہ "مسیلمہ جھوٹا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی، مضر کے سچے نبی سے ہمیں زیادہ محبوب ہے"۔ مسیلمہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو ادعائے نبوت کے بعد مکتوب لکھا کہ "میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک رہوں گا۔ نصف دنیا آپ کی اور نصف میری رہے گی"۔ آپ نے اس کو جواب میں لکھ بھیجا، کہ:

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو،

اما بعد! دُنیا خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا وارث

بنائے گا، اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

اس واقعہ کے چند مہینوں کے بعد آپ نے وصال فرمایا، اور مسیلمہ، عہد صدیقی میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ سکا۔

اسود عنسی | اسود عنسی، قبیلہ قحطان کی ایک شاخ عنس کا سردار تھا۔ بنو قحطان عرب عاربہ اور بنو اسمٰعیل عرب مستعربہ تھے، اس لئے اس کے ادعائے نبوت میں بھی نسلی عصبیت کا گہرا اثر موجود تھا۔ یمن میں زیادہ تر بنو قحطان آباد تھے۔ ان کے کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے تھے، اس نے خروج کرکے نجران پر قبضہ کر لیا۔ پھر صنعاء کے حاکم کو جو ابناء میں سے تھا، ختم کرکے اس پر قبضہ کر لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنائے یمن کو پیغام بھیجا کہ وہ اسلام پر استوار رہیں اور اسود کو قتل کر ڈالیں چنانچہ ایک عجمی نو مسلم فیروز دیلمی نے اسود کے ایک سردار قیس سے جو اس سے بدگمان ہو چکا تھا، اور سابق حاکم صنعاء کی بیوی سے جس کو اسود نے بجبر و زور اپنی زوجیت میں لے لیا تھا، ساز باز کی اور رات کو چھپ کر اس کے محل میں داخل ہو گیا، اور اس کو نشہ کی حالت میں قتل کر ڈالا، پھر صبح صادق کے وقت اس کے محل کی چھت پر چڑھ کر اذان پکاری، اس طرح اسود کے مارے جانے کی خبر پھیلی، اور صنعاء فتنہ و فساد سے مامون ہو گیا۔ اہل صنعاء نے ان واقعات کی اطلاع لکھ کر مدینہ بھیجی، مگر قاصد اس صبح کو پہنچا، جس کی شام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اسود کی شورش چار مہینے تک قائم رہی۔

طلیحہ بن خویلد | اس کے بعد عین مرض وفات کے زمانہ میں بنو اسد کے سردار طلیحہ بن خویلد

Marfat.com

نے نبوت کا دعویٰ کیا، پھر وصالِ نبوی کے بعد بعض اور مدعیانِ نبوت پیدا ہوئے۔ اور ان سب کا استیصال عہد صدیقی میں کیا گیا۔

۲۔ حجۃ الوداع۔ ذی الحجہ ۱۰ھ۔ فروری ۶۳۲ء

۹ھ/۶۳۱ء میں اعلان برات اور کعبہ میں مشرکوں کے داخلہ کی ممانعت کے بعد دوسرے سال ۱۰ھ/۶۳۲ء میں اسلام کا پہلا خالص حج ادا ہونے والا تھا، جس کو ہر قسم کی مشرکانہ بدعتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف اور خالص ملت ابراہیمی کے مراسم کے مطابق انجام پانا تھا، اعلان برات کے بعد سورہ نصر کا نزول ہوا، جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوقات تسبیح و استغفار میں بسر فرمانے کا حکم بھی آیا تھا، جس سے یہ اشارہ سمجھا گیا کہ منصب نبوت کے فرائض کی تکمیل ہو چکی، اور اب چہرۂ جمال نبوی زیادہ دنوں مشتاق نگاہوں کے سامنے نہ رہ سکے گا اسلئے آپ نے ضرورت سمجھی کہ دنیا کے سامنے آپ اپنے آخری کلمات فرمادیں، اور آپ کے جاں نثار آپ کے چہرۂ پُرانوار کی آخری زیارت کی سعادت حاصل کرلیں، عام مسلمانوں سے آپ وداع ہوں اور عام مسلمانوں کو آپ وداع کہیں۔

اس لئے آپ نے حجۃ الوداع کے ادا فرمانے کا اعلان فرمایا جس کی خبر عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور مشتاقانِ دید کا ایک ہجوم اپنے اپنے مقام سے چل پڑا۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ/۶۳۲ء کو کوکبۂ نبوی مدینہ سے روانہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا کہ شرف ہم رکابی کے لئے گویا تمام عرب اُمنڈ آیا ہے۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر مقام ذوالحلیفہ میں آپ نے رات بسر کی، صبح کو احرام باندھ کر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر بلند آواز سے لبیک کہتے ہوئے کوچ فرمایا۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ "میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، آگے پیچھے، دائیں بائیں، جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا جب آپ لبیک کہتے تو اسی صدا کی غلغلہ انگیز بازگشت سے دشت و جبل گونج اُٹھتے تھے"۔

عمرہ و حج مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دنوں میں طے ہوا، ۴ ذی الحجہ یوم یکشنبہ کی صبح

Marfat.com

کو آپ مکہ میں داخل ہوئے، خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ نے فرطِ محبت میں اونٹ پر کسی کو آگے کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ کعبہ نظر آیا تو دعاء فرمائی، پھر اُتر کر کعبہ میں داخلہ سے پہلے غسل کرکے کعبہ جاکر طواف کیا۔ مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھی، پھر کوہِ صفا پر تشریف لے گئے، وہاں سے اُتر کر مروہ آئے اور صفا و مروہ کے درمیان سعیؔ[ا] فرمائی اور عمرہ تمام ہوگیا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ تھی۔ آپ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر حج کے مراسم ادا کرنے شروع کئے۔ عرفات میں مقام نمرہ میں کمبل کے خیمہ میں آپ نے قیام فرمایا۔

خطبۂ وداع دوپہر ڈھل گئی تو اپنے ناقہ قصواء پر سوار ہوکر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر سوار رہ کر آپ نے اپنا تاریخی فصیح و بلیغ معجزانہ خطبہ دیا، جو اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گیا، آپ نے یہ خطبے کئی دن دیئے، مختلف خطبوں میں مختلف باتیں فرمائیں، اور بعض باتوں کو جو پہلے خطبہ میں فرما چکے تھے، انداز بدل کر دوسرے پیرایہ میں بیان فرمایا، ان خطبوں میں جاہلیت کی رسومات و اخلاقِ ذمیمہ کے مٹانے پر خاص توجہ دی، جاہلیت کی خودی اور نسلی و خاندانی فخر و غرور اور برتری، تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ یہی امتیاز مراتب تھے، جن کو دنیا کی قوموں، مذہبوں اور ملکوں نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا، سلاطین، سایۂ یزدانی تھے، عبادت کرانے کا حق صرف برہمنوں اور پجاریوں کو تھا، مذہبی مسئلوں پر گفتگو کرنے کا حق صرف ائمہ مذاہب رکھتے تھے، شریف و رذیل کے تفرقے قائم تھے، غلام و آقا ہمسر نہیں ہو سکتے تھے، ان خطبوں میں یہ تمام تفرقے، امتیازات اور حد بندیاں تارِ عنکبوت کی طرح توڑ کر بکھیر دی گئیں، اسی طرح جاہلیت میں عورتیں

[ا] سعی دو پہاڑوں صفا و مروہ کے درمیان تیزی سے ایک مقرر تعداد میں یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں چلنے کی ایک رسم حج ہے۔

Marfat.com

جائیداد منقولہ سمجھی جاتی تھیں، قماربازی میں داؤں پر چڑھائی جا سکتی تھیں، قرآن مجید میں انھیں شرف سے نوازا گیا اور وراثت میں جاہلیت کے دستور کے خلاف حصّہ بھی دیا گیا۔ اس خطبہ کے موقع پر بھی آپ نے انھیں فراموش نہیں فرمایا۔ عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی، ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی، سارے عرب میں سودخواری کا عام رواج تھا، اس کو خاص طور پر مٹایا گیا، خون بہا کے نہ ختم ہونے کا سلسلہ بھی قائم تھا اس کو منقطع کیا گیا اور کعبہ کی حرمت یاد دلا کر ہمیشہ کے لئے اس کی حرمت برقرار فرمائی، نیز امت کو آپ نے چند آخری مسائل واحکام سنائے اور سب سے آخر میں اعمال صالحہ انجام دینے اور ان پر پابند رہنے کی تلقین کی، اور جب ابدی مذہب و شریعت کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے اپنے بعد کی زندگی کے لئے ہدایات ربانی کے صحیفہ کو اپنی اُمت کے سپرد فرمایا۔ آپ نے خطبہ میں سب سے پہلے حمد و ثناء کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر فرمائی، کہ غالباً یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال ہے، اس لئے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ گویا نبی آخرالزماں کی اپنی امت کو آخری وصیت ہے، چنانچہ پہلے آپ نے فرمایا:

"لوگو! سنو! کیوں کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ میں، اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں"

اس کے بعد آپ نے مجمع کی توجہ کو ہمہ تن گوش کرنے کے لئے لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کچھ معلوم ہے، آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کی "خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے" آپ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید اس دن کا کوئی اور نام آپ رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد آپ نے فرمایا "کیا آج یوم النحر یعنی قربانی کا دن نہیں ہے" لوگوں نے کہا "صحیح ہے" پھر ارشاد ہوا "کون سا مہینہ ہے؟" پھر خاموشی رہی، اس کے بعد آپ نے فرمایا "کیا یہ ذی الحجہ ماہ حرام نہیں؟" پھر پوچھا "یہ کون سا شہر ہے؟" پھر تھوڑی دیر خاموشی کے بعد آپ نے فرمایا "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں؟" لوگوں نے عرض کی "صحیح ہے" جب لوگوں کے دلوں

Marfat.com

میں اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہوگیا تو پھر آپ نے فرمایا ۔

"تو تمھارا خون، تمھارا مال، تمھاری آبرو تا قیامت اسی طرح محترم

ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔"

اس کے بعد خطبہ کا سلسلہ جاری ہوگیا جس کا جستہ جستہ متن حسب ذیل ہے۔ ارشاد بالا کے

بعد آپ نے فرمایا :

ہاں دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا، کہ خود ایک دوسرے کی گردن

مارنے لگو، تھیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمھارے

اعمال کی بازپرس کرے گا۔

سمجھ لو! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ماں باپ کے جرم کا

ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں آج جاہلیت

کے تمام خون (یعنی ثار انتقام، قتل یا دیت وخوں بہا وغیرہ) باطل

کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون جو ربیعہ[1] بن حارث

کے بیٹے کا خون ہے، باطل کرتا ہوں۔

ہاں! یاد رکھو، جاہلیت کے تمام دستور اور مراسم اب میرے دونوں

پاؤں کے نیچے ہیں۔

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں اپنے

خاندان کا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کے سود کو باطل کرتا ہوں[2]۔"

---

[1] ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ایاس کو ہذیل نے قتل کردیا تھا، بنو ہاشم ابھی تک،

اس کا انتقام نہ لے سکے تھے۔

[2] حضرت عباس جاہلیت میں سودی کاروبار کرتے تھے، ان کی بہت سی رقمیں لوگوں کے ذمہ

باقی تھیں۔

Marfat.com

دیکھو عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے، اور ہاں عورت کو بھی اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دینا جائز نہیں۔

اے لوگو! بلاشبہ تمہارا پروردگار ایک، تمہارا باپ ایک ہے۔ یاد رکھو! کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ (گورے) کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی کے تھے خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، اور تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

یاد رکھو، اگر کوئی نکٹا حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنایا جائے اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرو۔

ہاں! شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ معظمہ) میں اب اس کی پرستش قیامت تک نہیں ہو سکے گی البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں تم اسی کی پیروی کرو گے اور وہ خوش ہو گا۔

اپنے پروردگار کی عبادت کیا کرو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

خبردار! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچنا، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی ہیں۔

حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے

Marfat.com

حج کی نوبت نہ آئے۔

اور دیکھو، میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب قرآن مجید۔"

پھر آپ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا اور فرمایا:

"تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا، تم کیا جواب دوگے؟ کیا میں نے پیغام خداوندی پہنچا دیا؟"

صحابہ پکار اٹھے "ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کیا۔" آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا "اے خدا تو گواہ رہنا، اے خدا!! تو گواہ رہنا، اے خدا!!! تو گواہ رہنا۔" پھر آپ نے فرمایا:

"جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (خطبہ کی یہ باتیں) ان کو سنا دیں، جو موجود نہیں ہیں۔"

عین اس وقت جب آپ یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے، قرآن مجید کی سب سے آخری آیت اتری جس میں دین و شریعت کی تکمیل کی خوش خبری سنائی گئی، اور اسی آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید کے نزول کی تکمیل بھی عمل میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کیا)

خطبہ کے خاتمہ کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔

حج کے چند دیگر مناسک کی ادائیگی اور مراجعت خطبہ کے بعد آپ نے اذان دلوائی اور ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور دیر تک قبلہ رو

Marfat.com

دعا میں مصروف رہے، آفتاب ڈھلنے لگا، تو چلنے کی تیاری کی مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز باجماعت ادا کی، پھر جلد ہی عشاء پڑھ لی، اور صبح تک استراحت فرمایا۔ اس شب میں آپ نے تہجد کی نماز نہیں پڑھی، ۱۰ ار کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔ وادی محسّر کے راستہ سے جمرہ کے پاس آئے، کنکریاں چنوا کر منگوائیں اور رمی جمار[1] کیا، پھر منیٰ کے میدان میں واپس آکر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے حلق[2] کرایا، سر کے بال مُنڈنے کے بعد آپ نے فرطِ محبت سے چند موئے مبارک اپنے ہاتھ سے حضرت ابو طلحہ انصاری، ان کی زوجہ ام سلیم اور چند اور لوگ جو پاس بیٹھے تھے، ان کو عنایت کئے، پھر ابو طلحہ نے باقی ماندہ موئے مبارک ایک ایک دو دو کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے، جنھوں نے ان کو حرزِ جان بنایا، پھر مکّہ معظمہ واپس تشریف لائے، کعبہ کا طواف کیا، اس کے بعد چاہ زمزم کے پاس آئے، سقایہ یعنی پانی پلانے کی خدمت خاندان عبد المطلب کے ورثہ میں تھی، اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو دے رہے تھے، جب آپ یہاں پر تشریف لائے تو حضرت عباس نے ڈول میں پانی بھر کر پیش کیا، آپ نے قبلہ رُخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا اور فرمایا "اے بنی عبد المطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکالا کریں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔"

پھر آپ منیٰ واپس تشریف لے گئے اور ایام تشریق[3] یعنی ۱۳ ار ذی الحجہ تک یہاں قیام کیا

---

[1] رمی جمار حج کی ایک خاص رسم ہے جس میں ایک خاص مقام پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔
[2] حلق کے معنی سر کے بال منڈانے کے ہیں، یہ بھی ایک خاص رسم ہے جو قربانی کرنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔
[3] ایام تشریق ۹ ر سے ۱۳ ر تک پانچ دن ہیں۔ ان ایام میں ہر فرض نماز کے بعد ایک ماثور تکبیر پڑھی جاتی ہے جس کا سلسلہ ۹ ر کی نماز فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی نماز عصر تک رہتا ہے۔

۱۳ر کی شب میں یہاں سے نکل کر وادی محصب میں شب گذاری۔ آخر شب میں اُٹھ کر مکّہ معظمہ تشریف لے گئے، خانہ کعبہ کا آخری طواف کرکے صبح کی نماز وہیں ادا کی، حج کے جملہ مناسک ختم ہوگئے اور قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا، اور آپ نے بھی انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت کرنے کے لئے کوچ فرمایا۔

خطبۂ خم غدیر اثنائے راہ میں مقام خم غدیر[۱] پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں کسی نے یمن کے سلسلہ میں حضرت علی کی کوئی بیجا شکایت کی، حضرت علی حجۃ الوداع میں شرکت کیلئے یمن ہی سے آئے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شکایت سنی تو فرمایا "علی نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا، علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا" پھر اسی مقام خم غدیر میں آپ نے صحابہ کو جمع کیا، اور ایک مختصر خطبہ دیا، جس میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! میں بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور میں اس (یعنی وفات) کو قبول کرلوں۔ میں تمھارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک خدا کی کتاب، جس کے اندر رہنمائی اور روشنی ہے خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں"

آخری فقرہ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، پھر ارشاد فرمایا:

"جس کو میں محبوب ہوں، علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے۔ الٰہی! جو علی سے محبّت رکھے، اس سے تو بھی محبّت رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔"

---

[۱] خم مقام کا نام ہے، یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اس لئے یہ مقام خم غدیر یا غدیر خم کہا جاتا ہے۔

ورودِ مدینہ مدینہ کے قریب پہنچ کر مقام ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح کے وقت آفتاب نکلا تو آفتابِ رسالت کی کرنیں بھی مدینہ کے افق پر چمکیں، سوادِ مدینہ پر نظر پڑی تو اسلام کی نصرت و فتح و کامرانی کو یاد فرمایا، اور حمد و ثناء کے بعد یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ادا ہوئے :

"خدا بزرگ و برتر ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لئے مدح و ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، ہم واپس آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرماں برداری سے زمین پر پیشانی رکھ، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی"۔

۳۔ وفاتِ نبوی

وفاتِ نبوی کی پیشین گوئی
ربیع الاول ۱۱ھ۔ مئی ۶۳۲ء

حجۃ الوداع میں تکمیلِ شریعت، تزکیۂ نفوس اور انسان کے فوز و فلاح کے لئے اس کو دائمی لائحۂ عمل سمجھا دینے کے بعد روحِ قدسی کے عالمِ جسمانی میں قیام کی ضرورت داعی نہ تھی، سورہ نصر کے نازل ہونے کے بعد آپ زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر فرماتے، ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف[۱] فرماتے تھے، اس سال بیس[۲] دن اعتکاف فرمایا۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبان سے سنتے تھے، وفات کے سال دو دفعہ یہ موقع آیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سے زیادہ مرتبہ یہ فرمایا کہ شاید میں آئندہ سال تم سے نہ مل سکوں، اور مسلمانوں کو صحیح راہ پر رہنے اور کتاب اللہ کو سرچشمۂ ہدایت بنائے رکھنے اور مضبوطی سے اس کو پکڑے رہنے کی وصیت فرمائی، آپ نے مسلمانوں کو اپنے فیضِ دیدار سے مشرف فرمایا۔

---

[۱] اعتکاف رمضان میں مسجد کے اندر چند متعین دنوں تک عبادت و ریاضت کے لئے چند شرائط کے ساتھ مقیم ہو جانے اور اس سے باہر نہ نکلنے کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور سب کو الوداع کہا۔ شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی، آٹھ سال کے بعد آخری دفعہ ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کیا، ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان سے اس طرح وداع ہوئے "جیسے کوئی مرنے والا اپنے زندہ اعزہ سے رخصت ہوتا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے عام مسلمانوں سے ایک مختصر خطاب کیا، جس میں فرمایا۔

"میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی، مجھے خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ پڑ جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت و خون نہ کرو، اور پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ، جس طرح تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں۔"

اسامہ بن زید کی مہم علالت شروع ہونے سے ایک دن پہلے آپ نے ایک فوج ترتیب دی۔ حضرت اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا، تاکہ شام کے ان عیسائی عربوں سے انتقام لیا جائے جنھوں نے جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ وغیرہ کو شہید کیا تھا لیکن آپ کی علالت کی وجہ سے یہ فوج اس وقت روانہ نہ ہو سکی۔

آغازِ علالت اواخر ماہ صفر ۱۱ھ ۶۳۲ء میں آدھی رات کو آپ جنت البقیع جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے، وہاں سے دعائے مغفرت کے بعد واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز تھا، یہ چہارشنبہ کا دن تھا، اس طرح آپ کی علالت ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کے دن شروع ہوئی، آپ پانچ دن عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے ازواج کے حجروں میں باری باری چلتے رہے، پانچویں دن حضرت عائشہ کی باری آئی، تو علالت کے باعث ازواج اپنے حق سے خود دست بردار ہو گئیں، اور حضرت عائشہ کے حجرے میں آپ کے قیام کو انھوں نے پسند کیا۔ حضرت عباس و حضرت علی سہارا دیتے ہوئے تھام کر آپ کو اس حجرے میں لائے۔

حضرت ابوبکر کی امامت | جب تک آمد و رفت کی طاقت رہی، آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لے گئے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، سر میں سخت درد تھا، رومال باندھے تھے، عشاء کا وقت آیا تو دریافت کیا، نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی حضرت کا انتظار ہے، لگن میں پانی بھروا کر غسل کیا، اٹھنا چاہا، تو غشی آگئی۔ افاقہ کے بعد پھر پوچھا، وہی جواب ملا آپ نے پھر غسل کیا اور پھر غشی آگئی، جب تیسری مرتبہ بھی یہی کیفیت پیش آئی، تو آپ نے فرمایا، "ابوبکر نماز پڑھائیں" حضرت عائشہ نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا، لیکن آپ نے اصرار سے حضرت ابوبکر ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور ایام علالت میں کئی دن وہی نماز پڑھاتے رہے۔

واقعہ قرطاس | وفات سے چار دن پہلے واقعہ قرطاس پیش آیا۔ قرطاس عربی میں کاغذ کو کہتے ہیں، آپ نے دوات، قلم اور کاغذ لانے کا حکم دیا۔ کہ ایک تحریر لکھ دیں تاکہ صحابہ گمراہ نہ ہوں، اس وقت آپ پر شدت کی تکلیف کا غلبہ تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے، ہمارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے بعض صحابہ کی رائے ہوئی، کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ اختلاف اور شور و غل بڑھا تو رائے ہوئی کہ آپ ہی سے دریافت کر لیا جائے، یعنی دوبارہ حکم ہو تو تعمیل کی جائے۔ جب لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو"[1]

---

[1] واقعہ قرطاس پر مولانا شبلی علیہ الرحمۃ نے "الفاروق" میں مفصل بحث لکھی ہے اور ان اعتراضوں کا جواب دے کر حقیقت واضح کی ہے جو اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیے گئے ہیں، اس واقعہ کے بعد آپ نے مسجد میں ایک خطبہ بھی دیا، عجب نہیں وہ باتیں اس میں آگئی ہوں جن کو آپ منضبط تحریر میں لانا چاہتے تھے اس وقت مرض کی شدت کی وجہ سے خیال ہو کہ خطبہ کا موقع نہ مل سکے گا۔ جو بات امت کے لئے ضروری ہو سکتی تھی خطبہ کا موقع ہوتے ہوئے آپ اس کو کیونکر چھوڑ سکتے تھے۔

چند وصیّتیں اس کے بعد آپ نے چند وصیّتیں فرمائیں، جن میں ایک یہ تھی کہ اب کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، دوسرے یہ کہ سفراء کا احترام اسی طرح کیا جائے، جیسا آپ کے زمانہ میں دستور رہا ہے۔

نماز کی آخری امامت اور زندگی کا آخری خطبہ اسی دن ظہر کے وقت آپ کی طبیعت کچھ پرسکون ہوئی، آپ نے فرمایا، پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں، سمجھا یہ جاتا ہے کہ آپ کے جسم اطہر میں اس زہر کا اثر موجود تھا جس کو خیبر کی یہودیہ نے کھانے میں ملا کر دیا تھا اور آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا تھا، آپ غسل فرما چکے تو حضرت علی و حضرت عباس آپ کو تھام کر مسجد میں لائے، نماز کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر آہٹ پاکر پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر اور ان کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔

اس خطبہ میں پہلے آپ نے اپنے وفات پانے کا کنایہ کے ساتھ بلیغ انداز میں اشارہ کیا۔ عام صحابہ تو تہہ تک نہیں پہنچ سکے لیکن حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس پر بعض صحابہ کو تعجب بھی آیا۔ اپنے تشریف لے جانے کے تذکرہ کے بعد ایک خاص انداز میں خطبہ میں حضرت ابوبکر کا ذکر آیا جس سے ان کی خلافت کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس خطرہ سے ہشیار فرمایا کہ کہیں آپ کی قبر عبادت گاہ نہ بنائی جائے۔ انصار آپ کی علالت سے بے حد دل گرفتہ تھے، اور آپ کو اس کا علم تھا۔ آنے والے امیر کو آپ نے ان کے حقوق یاد دلائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی۔ ان ہی دنوں ایک وقتی مسئلہ اسامہ کی سرداری کا چھڑا ہوا تھا۔ حضرت اسامہ آزاد کردہ غلام حضرت زید کے صاحب زادے تھے، منافقین یہ تو نہ کہہ سکے کہ مولیٰ زادہ کو یہ منصب کیوں تفویض کیا گیا بلکہ بات یہ پھیلائی گئی کہ بڑے بوڑھوں کے رہتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب

کیوں عطا ہوا، آپ نے خطبہ میں اس مسئلہ کو بھی چھیڑا اور اصل حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا، پھر مسلمانوں میں کسی راہ سے شرک کا کوئی شائبہ نہ آنے پائے، آپ نے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ شریعت کے احکام سب کے سب خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہیں، پیغمبر کا کام صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے قول و عمل کے ذریعہ ان کو بندوں تک پہنچادے، سب سے آخر میں آپ نے یہ حقیقت واضح کی کہ انسان کی جزاء و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، کسی کی نسبت اور واسطہ سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ زندگی کے آخری خطبہ کا حصہ جستہ جستہ حسب ذیل ہے: آپ نے حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔

سب سے زیادہ میں جس کی دولت و صحبت کا ممنون ہوں، وہ ابوبکر ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ سوائے ابوبکر کے دریچہ کے باقی نہ رکھا جائے۔

ہاں! تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبر اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو، تم ایسا نہ کرنا، میں منع کرتا ہوں۔

اے لوگو! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرچکے، اب تمہیں اپنا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں، جو آئندہ تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو صاحب امر ہو آپ کا جانشین و خلیفہ ہو)

Marfat.com

اس کو چاہیئے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں، ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو اُن کو معاف کردے۔

اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے، تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے (حالاں کہ وہ نوجوانوں میں سے نہ تھے) خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے (اس منصب کے لئے) سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ (یعنی) اسامہ اس منصب کے لئے) سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔

اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہاں کے لئے کچھ کرلو، میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ حجرۂ عائشہ میں واپس تشریف لے گئے۔

ایک پیشین گوئی حضرت فاطمہ زہرا سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ اثنائے علالت میں انھیں بلا بھیجا، ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر کان میں کچھ کہا تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ نے بعد میں پوچھا تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ "پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ اس مرض میں آپ انتقال فرمائیں گے، تو میں رونے لگی، پھر دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آکر مجھ سے ملوگی، تو ہنسنے لگی۔" آگے چل کر یہ پیشین گوئی صحیح نکلی۔

شدتِ مرض میں قبر پرستی کی مذمت اور چند باقی ماندہ اشرفیوں کو صدقہ کرانا مرض کبھی شدت پکڑ جاتا کبھی اس میں تخفیف ہوتی۔ عین کرب کی شدت میں کبھی چادر منہ پر ڈال لیتے، کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے

اس بے چینی میں بھی یہ تصور بار بار آتا، کہ کہیں مسلمان آپ کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنا لیں اور آپ بے چین ہو ہو کر فرماتے "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

اس کرب و بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان سے پوچھا "وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟" پھر فرمایا "محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

صحابہ کا آخری دیدار | عین وفات کے دن جو روز دوشنبہ اور ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی، طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے، یہ دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں۔ فرطِ مسرت سے لوگ بے قابو ہو گئے، قریب تھا کہ نماز ٹوٹ جائے، حضرت ابوبکر نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آپ نے اشارہ سے روکا، اور حجرۂ مبارک کا پردہ گرا دیا، یہ صحابہ کے لئے جمالِ اقدس کے دیدار کا آخری موقع تھا، چہرۂ مبارک سپید ہو گیا تھا۔

عالمِ کرب | دوشنبہ کا دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا، آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، پھر ہوش آ جاتا تھا، حضرت فاطمہ کی زبان سے نکلا "واکرب اباہ" یعنی ہائے میرے باپ کی بے چینی، آپ نے فرمایا "تمھارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔" اس موقع پر خود آپ کی زبانِ مبارک پر قرآن مجید کی آیت مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی "ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا" تھی اور کبھی فرماتے اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ "خداوندا بڑا رفیق ہے۔"

آخری مسواک | وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ہاتھ میں مسواک لئے آئے۔ آپ حضرت عائشہ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، حضرت عائشہ نے

Marfat.com

اندازہ کیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔

زندگی کے آخر ترین لمحہ میں نماز اور غلاموں کی یاد اب قرب الٰہی کا وقت قریب آرہا تھا، سہ پہر تھی، سینہ میں سانس کی گھر گھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے میں لب ہلے تو یہ الفاظ سننے میں آئے "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" یعنی نماز اور تمہارے غلام"

روح پاک کا عالم قدس میں پہنچنا اس وقت پانی کی لگن پاس رکھی تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے کبھی ہٹا دیتے۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا "بل الرفیق الاعلیٰ" یعنی اب اور کوئی نہیں، بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے" یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گیا، آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی، اللھم صل علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ

وصال نبوی سے صحابہ کی وارفتگی اور حضرت ابوبکرؓ کا تدبر و استقلال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے صحابہؓ کو ایسی والہانہ عقیدت تھی کہ آپ کے وصال فرمانے کا کچھ لوگوں کو یقین نہ آیا حضرت عمرؓ جیسے قوی دل و عالی حوصلہ صحابی جوش وارفتگی میں مسجد میں ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ادھر سے ادھر بے تابانہ گھومتے اور کہتے کہ جو شخص یہ کہے گا، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دنیا سے گذر گئے اس کا سر قلم کر دوں گا، پھر کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے اور قسم کھا کھا کر آپ کے وصال فرمانے سے انکار کرتے رہے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی ذات گرامی تھی جو اسلام کے لئے سپر بن کر سامنے آئی۔ وہ اسی اثناء میں مسجد نبوی میں داخل ہوئے، مجمع کی طرف مخاطب ہوئے بغیر حجرۂ نبوی میں تشریف لے گئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرے سے چادر ہٹا کر پیشانی مبارک کو چوما اور فرمایا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، جو موت آپ کے لئے مقدر تھی وہ آپ پر طاری ہو چکی اب اس کے بعد آپ پر پھر کبھی موت نہ آئے گی" پھر چہرۂ مبارک پر چادر ڈال کر باہر تشریف

Marfat.com

لئے، حضرت عمر کو اس حالِ وارفتگی میں دیکھا تو ان سے کہا "عمر تم بیٹھ جاؤ"، مگر انھوں نے کوئی دھیان نہیں دیا تو حضرت ابوبکر نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔

"اگر تم محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو محمدؐ پر موت طاری ہو چکی ، اگر تم خدا کی عبادت کرتے تھے تو وہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت آنے والی نہیں خود خدائے برتر نے فرمایا ہے :۔

" محمد صرف رسول ہیں، جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے، کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں (جاہلیت کے دَور کی طرف) لوٹ جاؤ گے ؟ تو جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے گا، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ البتہ شکر گذاروں کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے گا۔" ؎۱

یہ تقریر ایسی دل نشیں تھی، کہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئی اور اس نا گزیر واقعہ کا یقین آیا۔ خصوصاً جو آیت انھوں نے تلاوت کی وہ ایسی با موقع تھی، کہ اسی وقت زبان زد عام و خاص ہو گئی۔ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت گویا ابھی نازل ہوئی ہے"۔ اس تقریر سے حضرت عمر کے دل و دماغ کا یہ عالم ہوا کہ تلوار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ خود لڑکھڑا کر زمین پر آ رہے۔

؎۱ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

(سورہ آلِ عمران، ع ۱۵، آیت ۱۴۴)

Marfat.com

تجہیز و تکفین | تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو انجام پا سکی۔ یہ خدمت آپ کے اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ حضرت علی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے غسل دیا، حضرت عباس بھی موجود رہے، انصار نے خدمت گزاری چاہی تو حضرت علی نے اوس بن خولی انصاری کو جو بدر میں شریک تھے، اندر بلا لیا، وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علی نے جسدِ مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے قسم اور فضل جسم اطہر کی کروٹیں بدلتے تھے، اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے، تین سوتی کپڑے کفن میں دیئے گئے۔

تکفین کے بعد سوال ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے، حضرت ابو بکر نے فرمایا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میدان اور کھلے قبرستان میں اس لئے بھی نہیں لے جایا گیا کہ آخر لحوں میں آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت میں آپ کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنالیں، جس کی دارو گیر وہاں مشکل ہوتی۔

قبر کنی کے لئے حضرت ابو طلحہ بلائے گئے، لاش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز پایا جہاں پر آپ نے وفات پائی تھی اور مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی قبر کھودی گئی، زمین نم تھی، اس لئے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی، وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

نمازِ جنازہ اور تدفین | جنازہ تیار ہو گیا، تو لوگ باری باری حجرے کے اندر آتے اور نماز پڑھتے، عورتیں اور بچّے بھی نمازیں آئے، کوئی امام نہ تھا، حجرہ میں وسعت زیادہ نہ تھی اس لئے نمازیں دیر لگی، سہ شنبہ کا دن گذار کر رات کو فراغت ملی، جسم اطہر کو حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف انصاری نے قبر میں اُتارا۔ اور تدفین عمل میں آئی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ حُلیہ و سراپا، معمولات و اخلاق

حُلیہ و سراپا و لباس | آپ میانہ قد، موزوں اندام تھے، رنگ سفید و سُرخ تھا۔

Marfat.com

پیشانی چوڑی، ابرو پیوستہ، بینی مبارک مائل بہ درازی، چہرہ ہلکا یعنی زیادہ بھرا نہ تھا، دہانہ کشادہ، دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا، سینہ کشادہ اور فراخ، سر کے بال نہ زیادہ گھونگھر والے نہ بالکل سیدھے، آنکھیں سیاہ و سرمگیں، پلکیں بڑی ہتھیلیاں بھری ہوئیں اور لمبی، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا ایسے خالی تھے کہ نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ چہرہ پر چمک اور رونق تھی، چہرہ پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے، پسینہ میں ایک طرح کی خوشبو تھی، جسم کی جلد نہایت نرم و نازک تھی۔

گفتگو نہایت شیریں اور دل آویز فرماتے، ٹھہر ٹھہر کر باتیں فرماتے تھے، کبھی ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ہاتھ سے اشارہ فرماتے تو پورا ہاتھ اُٹھاتے۔ جب آپ خطبہ دیتے اور مقام نہی و زجر آتا تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غضب کا اظہار ہوتا، لڑائی میں خطبہ دیتے تو کمان پر سہارا لیتے، عام حالات میں عصا ہاتھ میں ہوتا، اس پر ٹیک دیتے، آپ کم ہنستے، جب ہنسی آتی، تو منہ پر ہاتھ رکھ دیتے، اور مسکرا دیتے، یہی آپ کی ہنسی تھی، جب گفتگو فرماتے تو تبسم فرماتے نشست اور کھانا پینا زمین پر ہوتا، جب چلتے تو اِدھر اُدھر نہ دیکھتے، کسی طرف التفات فرماتے تو پوری التفات ہوتی، جب کسی امر میں اہتمام ہوتا تو اکثر داڑھی مس فرماتے، جب مزاح فرماتے تو آنکھیں نیچی کر لیتے، طبیعت بہت شرمیلی تھی سر اور داڑھی میں مشک لگاتے، بالوں کو سنوارتے، جو کان کی لو تک تھے، جب کوئی مصافحہ کرتا تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔ اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے، جوتے خود ٹانک لیتے، بچوں سے بہت پیار اور محبت سے ملتے اور ان کے ساتھ کھیلتے رہتے۔ عام لباس چادر، قمیص، تہمد تھا، سفید ٹوپی بھی پہنتے، عمامہ کے نیچے التزام سے ٹوپی پہنتے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، بعض اوقات عبا استعمال فرماتے، نعلین مبارک اِس طرز کے تھے جو آج کل چپل کہے جاتے ہیں، آپ فطری طور پر خوش لباس تھے، قیمتی سے قیمتی خوش نما لباس بھی آپ زیب تن فرماتے۔ کبھی جبہ میں آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف بھی ہوتی تھی۔ زرد رنگ آپ کو بہت

Marfat.com

پسند تھا، سفید رنگ کو فرماتے یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے، خوشبو آپ ضرور لگاتے، فرماتے مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیئے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے، مزاج میں نفاست پسندی تھی، اگر کوئی میلے کچیلے کپڑے پہن کر آتا تو آپ اس کو صاف ستھرا رہنے اور کپڑوں کو دھو لینے کی ہدایت فرماتے تھے۔

معمولات آپ کے اوقات تین حصے تھے، ایک عبادتِ الٰہی کے لئے، ایک عام خلق کیلئے اور ایک اپنی ذاتی ضروریات کے لئے، آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر وہیں پر تشریف رکھتے لوگ آکر اکٹھا بیٹھ جاتے اور آپ پند و نصائح فرماتے، دن چڑھ جاتا تو چاشت پڑھتے اور گھر تشریف لے آتے اور اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا فرماتے، پھر عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور شب وہاں بسر فرماتے جہاں گذارنے کی باری ہوتی تمام ازواج وہیں آجاتیں، عشاء تک رہتیں، عشاء کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے اور واپس آکر استراحت فرماتے تھے، سوتے وقت کوئی سورۃ تلاوت فرماتے، پھر آسودۂ خواب ہو جاتے تھے۔ آدھی رات یا پہر رات سے جاگ اٹھتے، مسواک کر کے وضو فرماتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے اور صبح کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے، سفر میں ازواج مطہرات میں سے کسی کو قرعہ ڈال کر ساتھ لیتے، بیماروں کی عیادت، جنازہ میں شرکت کا التزام رکھتے تھے، جو شخص شرف نیاز حاصل کرنے آتا، بغیر اجازت نہ آسکتا، اگر کوئی آجاتا اور سلام نہ کرتا تو فرماتے واپس جاؤ، پھر آؤ اور سلام کرو، یوں سلام اور مصافحہ کرنے میں آپ خود پہل فرماتے تھے، جب خود آپ کسی کے یہاں جاتے تو وہاں بھی بغیر حصولِ اجازت اندر داخل نہ ہوتے تھے۔ ہر کام کو آپ دائیں طرف سے شروع کرنا پسند کرتے تھے اور جب کسی کام کو شروع کرتے تو بسم اللہ کہہ لیتے۔ آپ شب کا زیادہ وقت عبادت میں گذارتے، جب گھر کے لوگ سو جاتے آپ بستر سے اٹھتے اور نماز، دعا، اور مناجات میں مصروف ہو جاتے تھے، کبھی کبھی صوم وصال رکھتے تھے، یعنی کئی کئی دن کا روزہ افطار کئے بغیر جاری رہتا تھا۔ صدقات و زکوٰۃ کا یہ عال تھا کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے

Marfat.com

نہیں دیتے تھے، مستحقین میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور اس کی نوبت ہی نہ آتی تھی، کہ کوئی مال سال بھر جمع رہے اور اس کی زکوٰۃ شرعی نکالی جائے۔ حج تو ایام جاہلیت میں بھی قریش کرتے تھے، آپ بھی حج فرمایا کرتے تھے، مدنی زندگی میں صرف چند عمرے اور ایک مرتبہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں اس فرض کو ادا فرمایا، اور یوں تو آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہ تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، آپ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے اور آپ پر ہر دم خشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا، اکثر آپ پر رقت طاری رہتی اور آنسو جاری ہو جاتے تھے، کبھی نصف شب میں قبرستان تشریف لے جاتے، متاثر ہوتے اور دعائے مغفرت فرماتے، محبت الٰہی میں ہمہ وقت مستغرق رہتے توکّل کا عالم یہ کہ اسباب وعلل ناموافق ہوں مگر غیر متزلزل یقین رکھتے، اور مشکل اوقات میں صبر کا دامن ہاتھ میں رکھتے تھے۔

اخلاقِ نبوی آپ اپنی تعلیم اخلاق کا آپ نمونہ تھے، انسانوں کے مجمع میں جو کچھ آپ فرماتے، گھر کے خلوت کدہ میں آپ اسی طرح نظر آتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "آپ کے اخلاق ہمہ تن قرآن کے اخلاق تھے، آپ کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، برائی کے بدلہ میں برائی کی بجائے درگذر فرماتے تھے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، آپ نے کبھی کسی مسلمان کا نام لے کر اس پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی کو یہاں تک کہ جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپ نے کبھی کسی کی درخواست رد نہیں کی، اِلّا یہ کہ وہ جائز نہ رہی ہو، جب گھر میں تشریف لاتے تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے، اور دوستوں کے درمیان پاؤں پھیلا کر کبھی نہیں بیٹھے۔"

حضرت علی فرماتے ہیں "آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، کوئی برا کلمہ زبان سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی بات ناپسند ہوتی، تو اغماض فرماتے، اس کے باوجود اگر کسی ایسی بات میں کسی کو کوئی امید ہوتی تو کھل کر انکار یا تردید نہ فرماتے، بلکہ خاموش رہتے تھے، مزاج شناس آپ کے تیور سے

Marfat.com

مقصد کو سمجھ جاتے تھے، آپ نہ کبھی کسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرتے، نہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا پسند کرتے، اور نہ جو بات مطلب کی نہ ہو، اس میں پڑتے تھے، دوسروں کے متعلق باتیں کرنے سے عموماً پرہیز کرتے اور کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہ رہتے تھے، جو باتیں فرماتے، کسی مفید نتیجہ کے لئے فرماتے تھے، کوئی دوسرا شخص بات کرتا تو چپ سنا کرتے، بات نہ کاٹتے، اگر کوئی باہر کا آدمی آکر بے باکی سے باتیں کرتا تو تحمل فرماتے تھے، طبعاً نہایت فیاض، راست گو، نرم دل اور خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن وہ رفتہ رفتہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔

آپ کے اخلاق حسنہ کے اتنے اوصاف حمیدہ ہیں، کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، آپ کے اخلاق حسنہ جو تھے، ان میں مداومت عمل اور پابندی، و استقامت کی خوبیاں پائی جاتی تھیں، جو بات ایک دفعہ آپ نے کرلی، اس کی پابندی فرمائی، آپ حسنِ خلق کے نمونہ تھے نرم مزاجی، خوش اخلاقی اور نکو سیرتی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی، تہذیب و شائستگی اور آداب مجلس کا آپ خود خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، رعایت اور مہمان نوازی پر زور دیتے، گداگری اور سوال سے لوگوں کو باز رکھتے، صدقات سے خود پرہیز کرتے، ہدایا اور تحفے قبول فرماتے، دوسروں کو ہدایا اور تحفوں سے نوازتے، احسان کے بار سے سبکدوش رہتے، تشدد اور سخت گیری سے اجتناب کرتے، تقشف و رہبانیت سے خود بچتے اور دوسروں کو بچاتے، عیب جوئی و مداحی کو ناپسند فرماتے، سادگی اور بے تکلفی کو پسند فرماتے، امارت پسندی سے اجتناب فرماتے، زندگی کی ہر منزل میں مساوات کا خاص خیال رکھتے، تواضع، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، عفو و حلم، اپنے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے کرنا اور دوسروں کا کام کر دینا، ناداروں اور غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، عورتوں کا پاس و لحاظ رکھنا، حیوانوں پر رحم کرنا، ازواج مطہرات کے ساتھ حسنِ معاشرت

Marfat.com

اسوہ و اقارب اور تمام مہاجرین و انصار سے والہانہ محبت، کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ کے ساتھ حسن اخلاق اور اولاد سے شفقت و محبت سے پیش آنا، اسی طرح مختلف اخلاق حمیدہ تواضع، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، عفو و حلم، رقت قلب، لطف طبع اور عیادت و تعزیت کے مکارم اخلاق کے آپ نمونہ کامل تھے، آپ کی سیرت کی کتابوں میں ان اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ کے الگ الگ عنوانوں کے تحت بیسیوں واقعات و احوال قلمبند کئے گئے ہیں، جن کا مراجعہ کتب سیرت میں کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ متروکات و ازواج مطہرات و اولاد امجاد

متروکات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں نہ درہم تھے نہ دینار حیات کے آخر لمحوں میں چند اشرفیاں تھیں، وہ بھی خیرات کرا دی تھیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے" اس لئے جو چند اراضی، اسلحہ اور جانور آپ کے تصرف میں تھے، وہ بھی آپ کی وفات کے بعد قومی ملکیت میں چلے گئے، آپ کے ورثاء کے حصہ میں کچھ بھی نہ آیا۔

ازواج مطہرات عہد جوانی میں پچیس برس کی عمر کے بعد آپ نے صرف ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون سے شادی کی، پچیس برس وہ زندہ رہیں، کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ پچاس برس کی عمر کے بعد مختلف مصالح سے مختلف خاتونیں حبالہ عقد میں آئیں جن کی تعداد گیارہ ہوئی۔ وفات کے وقت نو ازواج مطہرات بقید حیات تھیں۔

حضرت خدیجہؓ پہلی حرم محترم تھیں، ان کی شادی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ آپ کی کل اولاد سوائے ابراہیم کے ان ہی کے بطن سے تھی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ایک دوسری بیوہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا جنھوں نے عہد فاروقی میں وفات پائی تیسری حرم محترم حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر تھیں۔ ۱ سنہ نبوی میں ان سے عقد ہوا اور تین سال

Marfat.com

کے بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ یہ امہات المومنین میں بہت سے صاحب علم صحابہ سے علم میں ممتاز تھیں، بڑے بڑے صحابہ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں۔ ۵۷ھ / ۶۷۶ء میں ۶۶ برس کی عمر میں وفات پائی، چوتھی حرم محترم حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب تھیں، ان کی بیوگی کے بعد ان سے عقد فرمایا، ۴۵ھ / ۶۶۵ء میں انتقال ہوا پانچویں زوجہ محترمہ حضرت زینب تھیں، ان کے شوہر عبداللہ بن جحش نے اُحد میں شہادت پائی، ان کے بیوہ ہونے کے بعد آپ نے ان سے نکاح فرمایا، دو تین مہینے زندہ رہیں، تیس سال کی عمر میں وفات پائی، چھٹی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت سہیل تھیں، ان کے شوہر بھی اُحد میں زخمی ہوئے، زخم سے جانبر نہ ہوسکے۔ ۴ھ / ۶۲۵ء میں وفات پائی، ان کے انتقال کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں، ۶۱ھ / ۶۸۰ء میں ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ امہات المومنین میں حضرت عائشہ کے بعد انھیں علمی مرتبہ حاصل تھا۔ ساتویں حرم محترم آپ کی پھوپھیری بہن حضرت زینب ہیں، ان کی شادی کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ ۲۱ھ / ۶۴۱ء میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آٹھویں زوجہ محترمہ حضرت جویریہ تھیں، جو بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، ان کی شادی کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ نویں حرم محترم حضرت ام حبیبہ رملہ تھیں، ان کے پہلے شوہر ہجرت حبشہ کے بعد حبش ہی میں عیسائی ہوگئے تھے۔ ان دونوں میں تفریق ہوگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حال معلوم ہوا تو نجاشی کے توسط سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ نجاشی کی وکالت سے چار سو دینار پر عقد ہوا۔ نجاشی ہی نے مہر ادا کر دیا اور انھیں مدینہ بھیج دیا۔ انھوں نے ۴۴ھ / ۶۶۴ء میں وفات پائی۔ دسویں زوجہ محترم حضرت میمونہ بنت حارث تھیں، ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ آخری شوہر کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ گیارہویں زوجہ محترمہ حضرت صفیہ تھیں، ان کی شادی کا ذکر گذر چکا ہے۔ ان کے باپ بنو نضیر

کے رئیس تھے، ماں بنو قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا شوہر یہودی رئیس سلام بن مشکم تھا، پھر کنانہ بن ابی الحقیق کے عقد میں آئیں۔ شوہر، باپ اور بھائی جنگ خیبر میں مارے گئے۔ صحابہ کے مشورہ سے رئیس خاندان کی اس رئیسہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی کے لئے اپنے حبالۂ عقد میں لیا۔ ۵۰ھ ۶۷۰ء میں وفات پائی۔

اولادِ امجاد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اولادِ امجاد ہوئیں، اولاد ذکور میں قاسم، ابراہیم اور طیب و طاہر ہیں اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ زہرا، (رضی اللہ عنہم) قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، جو نبوت سے گیارہ سال پہلے پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ آپ نے اپنی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر رکھی تھی، ابراہیم سب سے آخری اولاد تھے، ۸ھ ۶۲۹ء میں پیدا ہوئے اور ڈیڑھ سال کی عمر میں قضا کر گئے۔ سورج گرہن کا واقعہ ان ہی کی وفات کے موقع پر پیش آیا تھا جس کا ذکر اوپر گذرا۔

صاحب زادیوں میں حضرت زینب سب سے بڑی تھیں جو قاسم کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ جنگ بدر میں ان کے شوہر ابوالعاص گرفتار ہوئے تھے، ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، ۸ھ ۶۲۹ء میں انھوں نے وفات پائی، علی و امامہ ان کی اولاد تھے۔ حضرت زینب سے چھوٹی حضرت رقیہ تھیں، جن کی شادی قبل اسلام، ابولہب کے لڑکے عتبہ سے ہوئی تھی، ابولہب نے دشمنی میں طلاق دلوادی تھی، طلاق کے بعد حضرت عثمان سے ان کی شادی ہوئی۔ ۲ھ ۶۲۳ء میں انھوں نے وفات پائی، تیسری صاحبزادی ام کلثوم تھیں، ان کی شادی بھی ابولہب کے ایک دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی، انھیں بھی اس نے طلاق دلوادی تھی، حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان سے ان کی بھی شادی ہوئی۔ ۹ھ ۶۳۱ء میں انھوں نے انتقال کیا۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا تھیں، جن کی شادی حضرت علی بن ابی طالب سے ہوئی، اور اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد ماہ شعبان ۱۱ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ ان کی پانچ اولادیں تھیں حسن، حسین، محسن، ام کلثوم اور زینب۔ محسن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔

۶۔ خصائصِ نبوی

ازواج کی تعداد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ چند خصائص وابستہ تھے، جن میں سے بعض امت کے کسی دوسرے فرد کے لئے نہیں تھے اور بعض ایسے تھے جو دوسرے انبیاء کو مرحمت نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً عام مسلمان چار بیویوں تک رکھ سکتے ہیں، لیکن آپ کی ازواج کی تعداد زیادہ تھی۔ صورت حال یہ ہوئی کہ جوانی کی عمر تک جس کو پچیس برس سے پچاس برس تک سمجھا جا سکتا ہے، آپ نے صرف ایک زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کے ساتھ زندگی بسر کی، ان کی وفات کے بعد آپ نے دو شادیاں کیں، ایک کبیر السن حضرت سودہ سے، دوسری صرف ۶ برس کی چھوٹی لڑکی حضرت عائشہ سے، پھر مختلف اسباب کی بناء پر مختلف خواتین آپ کے عقد نکاح میں آتی گئیں۔ اسلام کی فلاح و بہتری کے لئے بعض قبائل کے رؤساء اور بعض مقربینِ خاص کی صاحب زادیاں عقد نکاح میں آئیں، ان میں حضرت عائشہ بنت حضرت ابی بکر صدیق، حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق، حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان، حضرت جویریہ و حضرت صفیہ بنات رؤسائے بنی مصطلق و خیبر ہیں اور چند ایسی بیوائیں عقد نکاح میں آئیں جو غیر معمولی سن رسیدہ ہو چکی تھیں، کسی اور کے عقد نکاح میں مشکل سے جا سکتی تھیں، یہ حضرت سودہ، میمونہ و زینب ہیں۔

اسلام سے پہلے عرب میں ازواج کی تعداد مقرر نہ تھی۔ ۸ھ میں اسلام نے چار بیویوں کی تحدید کی۔ اس حکم کے نزول کے بعد آپ نے کوئی عقد نکاح نہیں فرمایا، مگر زائد ازواج کو حکم خداوندی کے بموجب آپ نے طلاق بھی نہیں دی اس لئے کہ یہ تمام ازواج

Marfat.com

مسلمانوں کی ماں ہوچکی تھیں، انھیں امہات المومنین کہا جاتا تھا، ان کا نکاح کسی دوسرے مسلمان سے روا نہ تھا، اس لئے موجودہ بیویوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت رہی اور طلاق کی رخصت آپ سے سلب کرلی گئی، لیکن اس کے ساتھ ان ازواج میں سے صرف چند کو قریب رکھنے اور بقیہ سے شرف زوجیت کو قائم رکھتے ہوئے علیحدہ رکھنے کا حکم (ارجاء) دیا گیا، اس لئے آپ نے صرف چار ازواج حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ وزینب کو قریب رکھا اور باقی ازواج حضرت سودہ، جویریہ، میمونہ، صفیہ اور ام حبیبہ سے ارجاء فرمالیا تھا، اسی لئے اس خصوصیت کے باوجود معنوی حیثیت سے ازواج کی تعداد آپ کے لئے بھی چار رہی۔

چند عبادتوں میں اختصاص اسی طرح آپ کو عبادتوں میں بھی چند خصوصیات حاصل تھیں، مثلاً عام امت کے لئے تہجد کی فرضیت کے سقوط کے بعد بھی اس کی فرضیت آپ کے لئے برقرار رہی، عصر کے بعد دو رکعتیں آپ پڑھتے تھے، بغیر افطار کئے آپ کئی کئی دن کے متصل روزے رکھتے تھے، دونوں باتیں عام مسلمانوں کے لئے روا نہیں، اسی طرح صدقہ وزکوٰۃ کا مال عام اہل حاجت کے لئے روا ہے لیکن آپ اور آپ کی اولاد کے لئے صدقہ وزکوٰۃ کا لینا اور رکھنا حرام قرار پایا۔

دیگر انبیاء کی چند خصوصیات اسی طرح دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کو جو خصوصیتیں حاصل ہوئیں، ان میں آپ کو رعب وہیبت ونصرت سے نوازا جانا ہے، پہلے انبیاء یا تو بظاہر کمزور بے یار ومددگار آئے، چند ایسے تھے جن کو ظاہری طاقت بھی عطا کی گئی، جیسے حضرت موسیٰ، داؤد وسلیمان علیہم السلام، لیکن آپ کی زندگی کا آغاز ایوبی بے چارگی ومسیحی غربت سے ہوا، اور انجام موسوی طاقت، داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا، لیکن جس فتح ونصرت ورعب وہیبت کی بخشش آپ کو ہوئی کسی کو عطا نہیں کی گئی، چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زرہ میں تلواریں چھپا چھپا کر آتے

Marfat.com

مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی تو کانپ کر رہ گئے اور جب لوگ آپ کے رعب و ہیبت سے سہم جاتے تو آپ تسلی دیتے، کہ "ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی"۔

اس طرح ہر مذہب کے ماننے والے اپنی عبادت کے لئے کسی گھری ہوئی چہاردیواری کے محتاج ہیں۔ یہود صومعوں اور قربان گاہوں کے باہر خدا کی عبادت نہیں کر سکتے عیسائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ یہاں تک کہ بت پرست بھی بت خانوں کی چہاردیواری کے محتاج ہیں، مگر آپ نے فرمایا میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، اسلام کا خدا آب و گل، سنگ و خشت کی چہاردیواری میں محدود نہیں، وہ کوہ ہو یا صحرا، خشکی ہو یا تری، مسجد ہو یا کنشت، ہر جگہ پکارا جا سکتا ہے اور ہر جگہ کی پاک زمین اس کی عبادت گاہ بننے کے لائق ہے۔

پیرووں کی کثرت | دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے لیکن حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے ایک تو بھی رہے ہوں، بعض پیغمبر ایسے بھی گذرے جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا، حضرت موسیٰ کی امت بنی اسرائیل کی تعداد چند ہزار نفوس تھی، حضرت عیسیٰ کے معجزانہ کارناموں پر ایمان لانے والوں کی تعداد ایک سو تک بھی نہ پہنچ سکی لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں تن تنہا صدائے توحید دی تو تھوڑے ہی دنوں میں لبیک کہنے والوں کی تعداد سو سے تجاوز کر گئی اور پھر ۲۳ سال نہ گذرنے پائے تھے، کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے پُرشور ہو گیا اور اسی مکہ کی سرزمین میں حجۃ الوداع کے موقع پر کم و بیش ایک لاکھ جان نثار و فدا کار آپ کے داہنے بائیں کھڑے تھے۔

تکمیل دین و دعوت عام | پیرووں کی کثرت کا خاص سبب ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی دعوت صرف ایک قوم اور ملک کے لئے نہیں تھی جیسے کہ پہلے کے انبیاء کسی خاص قوم یا

Marfat.com

قبیلہ کی طرف بھیجے گئے تھے، آپ روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک و تاتار اور چینی ہندی سب کو دعوتِ حق دینے کے لئے تشریف لائے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کیلئے بھیجا ہے"

اسلام کا صحیفہ قرآن، توراۃ، زبور، انجیل کا جامع اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، اس لئے کہ اسی کے ذریعے دین اسلام کو کامل کیا گیا۔ یہ تمام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق و مواعظ اور مسلم کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے اس میں کامل ہدایات و تعلیمات موجود ہیں اور حجۃ الوداع میں قرآن مجید کی آیت سے دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا۔

اسلام، دراصل قرآن مجید کی تصریح کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا، اور دنیا کی عمر کے ساتھ دنیا کے مختلف حصوں میں آنے والے پیغمبروں سے تکمیل کی منزل کی طرف بڑھتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا، اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سلسلۂ ذہب کی آخری کڑی تھے جنھوں نے رہتی دنیا کے لئے نظام اسلامی کی تاسیس کی، اسلامی تمدن و حضارت کی داغ بیل ڈالی پہلے عرب کو ایک کلمہ پر جمع کیا، انھیں اسلام کے رشتہ سے باہم پیوست کیا۔ خون، قرابت اور نسل کے تار پود بکھیر دیئے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی برقی رَو سارے عرب میں دوڑ گئی، اب پورا عرب ایک ملک اور متحد قوم تھا، اور جب صلح حدیبیہ کے بعد یکسوئی حاصل ہوئی تھی آپ نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف ملکوں میں اپنے تبلیغی وفود بھیجے، جن کے ذریعہ آپ نے انسانوں کو عقیدۂ توحید، اخوت و مساوات اور امن و سلامتی کا پیغام پہنچایا اور سارے تفرقے مٹانے، عالمگیر انسانی برادری قائم کرنے اور بکھری ہوئی انسانیت کو ایک شیرازہ میں منسلک ہو جانے کی دعوت دی۔

ختم نبوت | اس طرح جو دین تمام انبیاء کے ہاتھوں اُترتا رہا، اس کی تکمیل نبیٔ

Marfat.com

آخر الزّماں کے ہاتھوں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، خدا کے پیغمبر، اور انبیاء کے خاتم ہیں " سلہ

اس کی تشریح میں آپ نے فرمایا " اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " میں نبیوں کا خاتم ہوں اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہ ہوگا۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں، کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ خاتم کی دو قراتیں ہیں۔ خاتِم یعنی بند کرنے والا اور خاتَم یعنی وہ جس کے ذریعہ کوئی چیز بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے، اس طرح آپ کا وجود گرامی پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور اس پر مہر لگانے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہوسکے۔ آپ نے فرمایا " خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا اور وہ رویائے صادقہ یعنی سچے خواب ہیں اور نبوت کے چھیالیس ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء رویائے صادقہ ہے جو مومن کو عطا کیا گیا اور چونکہ آپ ہی کے وجود گرامی پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہوا اور دین اسلام کی تکمیل عمل میں آئی، اسی لئے آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت و تقدم حاصل ہوا اور آپ افضل البشر فرمائے گئے۔

شفاعت اوّلیں | آپ کی آخری فضیلت یہ ہے کہ حشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب تمازت پر ہوگا اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا اس وقت یہ گنہگار مختلف انبیاء کے پاس پہنچیں گے، لیکن کسی کو جلالِ الٰہی کے سامنے جانے کی جرأت نہ ہوگی گنہگار، ہر در سے واپس ہو کر رحمت عالم کے سامنے آئیں گے اور سید اولاد آدم خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرق مبارک پر

سلہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط

Marfat.com

تاجِ شفاعت رکھ کر گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے اور اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے، اِذن طلب کریں گے، اِذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے، آواز آئے گی "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ خدا گنہگاروں کی قسموں کو معاف کرتا چلا جائے گا اور آپ بار بار سجدہ میں گر کر کچھ اور طلب کرتے جائیں گے۔ آخر میں خدا فرمائے گا "اپنی عظمت و جبروت کی قسم! میں دوزخ سے ہر اُس شخص کو نکال لوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا۔"

غرض یہ رعب و نصرت، پیروؤں کی کثرت، سجدہ گاہی عام، صحیفۂ اسلام کا اعجاز دوام، روئے زمین کے چپہ چپہ کے لئے دعوتِ عمومی، تکمیلِ دین، ختم رسالت اور اعزازِ شفاعت ایسے مقامِ محمود ہیں، جہاں انبیائے سابقین نہیں پہنچ سکے یہ آپ کے خصائصِ نبوی ہیں، جن سے دیگر انبیائے کرام پر آپ کو فضیلتِ دوام حاصل ہوئی[۱]۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حجۃ الوداع میں تکمیلِ شریعت، تزکیۂ نفوس اور انسان کے فوز و فلاح کے لئے اس کو دائمی لائحۂ عمل سمجھا دینے کے بعد روحِ قدسی کے عالمِ جسمانی میں قیام کی ضرورت داعی نہ تھی چنانچہ آخر صفر ۱۱ھ میں علالت شروع ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول کو روحِ پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی، اللھم صل علیہ وعلی آلہ وصحبہ صلوۃ کثیرا کثیرا۔

آپ کے صفات و احوال بھی قلمبند کئے گئے ہیں، جب آپ خطبہ دیتے اور مقامِ نہی و

---

[۱] ماخذ: صحیح بخاری، تفسیر سورہ نصر، ابواب الوقوف بعرضہ، بعث علی الی الیمن، باب الاعتکاف، باب تالیف القرآن، الخطبہ بایام منیٰ وکتاب الحج (مختلف ابواب)، کتاب الجنائز، کتاب الوصایا وکتاب الصلوٰۃ، (مختلف ابواب) کتاب المناقب، مناقب ابی بکرؓ، علیؓ، زید بن حارثہؓ، اسامہ وغیرہ ج ۱ ص ۳۰، ج ۲ ص ۶۸، صحیح مسلم و ابوداؤد، ترمذی، سنن ابن ماجہ، نسائی کتاب الحج وکتاب الجنائز وکتاب الوصایا (مختلف ابواب)، نسائی ج ۱ ص ۲۲۱، ج ۳ ص ۶۲، ج ۸ ص ۲۰۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۹۔ طبری ج ۴ ص ۱۷۷۱۔ طبقات ابن سعد جزو الوفات ص ۱۲۷، ۳۲، ۶۳، فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۹ سیرۃ النبی مولانا شبلی،

Marfat.com

زجر آتا تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غضب کا اظہار ہوتا، لڑائی میں خطبہ دیتے تو کمان پر سہارا لیتے، عام حالات میں عصا ہاتھ میں ہوتا، اس پر ٹیک دیتے۔ آپ کم ہنستے، جب ہنسی آتی، تو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے، جب گفتگو فرماتے تو تبسم فرماتے۔ نشست اور کھانا پینا فرش زمین پر ہوتا، غلاموں کی دعوت ضرور قبول کرتے اور ان کی جَو کی روٹیاں بھی خوشی سے کھاتے، جب چلتے تو اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے، کسی طرف التفات فرماتے تو پوری التفات ہوتی، جب کسی امر میں اہتمام ہوتا تو اکثر داڑھی مس فرماتے، جب مزاح فرماتے تو آنکھیں نیچی کر لیتے، طبیعت بہت شرمیلی تھی، سر، ہاتھ، قدم نہ چھوٹے تھے نہ بڑے، آنکھیں سیاہ تھیں، گالوں پر سرخی تھی، سر اور داڑھی میں مشک لگاتے، بالوں کو سنوارتے جو کان کی لو تک تھے، سفید ٹوپی پہنتے، جب کوئی مصافحہ کرتا، تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے، جب تک وہ خود نہ چھوڑتا، اپنے کپڑے خود سی لیتے، جوتے خود ٹانک لیتے، بچوں سے بڑے پیار اور محبت سے ملتے اور ان کے ساتھ کھیلتے رہتے۔

نبی آخر الزماں کی زندگی کا یہی سراپا ہے، پھر طلوع صبح رسالت سے آفتاب رسالت کے چھپ جانے تک کے زمانہ پر نظر ڈالی جائے تو ۲۳ برس میں انسانی فوز و فلاح کے لئے جو اہم کارنامے انجام پائے، مختلف مقاصد کے لئے جو مختلف نظام قائم ہوئے اور اس دور میں جیسی صالح مدنیت کی نشو و نما ہوئی، تاریخ عالم اس کی مثال سے قاصر ہے۔

عرب ایک واحد قوم واحد ملک تھا، لیکن تاریخ نے کبھی اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان نہیں دیا، اور نہ کبھی یہاں کوئی ایک پرچم لہرایا، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کے رشتے سے باہم پیوست کیا، خون قرابت اور نسل کے تار پود بکھیر دیئے، اور کلمۂ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی برقی رَو عرب کے چپہ چپہ میں دوڑ گئی، اب پورا عرب ایک ملک اور متحد قوم تھا۔ نکتہ چیں مورخ مارگولیتھ نے بھی اعتراف کیا کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام

غیر مکمل نہیں رہ گیا، آپ ایک سلطنت کی، جس کا ایک سیاسی و مذہبی داراالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے آپ نے عرب کے بیشتر قبائل کو ایک قوم بنا دیا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔"

اس طرح صرف ۲۳ برس کی مدت میں آپ ایک متحدہ قومیت، متحدہ سلطنت، متحدہ اخلاقی نظام ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور ایک بلند ترین نمونۂ اخلاق کی عملی جماعت تیار کر چکے تھے۔

ایک دوسرے عیسائی اہل قلم نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے ایک مختصر مدت میں ایک نئے مذہب، نئے فلسفہ، نئی شریعت، نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا، ایک نئی قوم پیدا کی، اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، اور ان تمام کارناموں کے باوجود وہ خود اُمّی اور ناخواندہ تھا۔"

کارلائل نے لکھا:

"قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی پیشواؤں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔"

اس طرح جو دین مختلف انبیاء کے ہاتھوں آتا رہا، اس کی تکمیل نبیٔ آخر الزماں کے ہاتھوں ہوئی۔ تمام انبیاء کو معجزات عطا ہوئے، مگر وہ وقتی تھے۔ اب دنیا میں عصائے موسیٰ، لحن داؤد، تعبیر یوسف، ناقۂ یہود اور نفس عیسیٰ کا پتہ نہیں، لیکن جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا وہ کامل ہے، اور قیامت تک کے لئے آیا ہے، اس لئے آپ کو زندہ و قائم مستقل معجزہ عطا ہوا، اور وہ خود صحیفۂ اسلام قرآن مجید ہے،

Marfat.com

اور جس طرح قرآن کی تکمیل کا مژدہ حجۃ الوداع میں سنایا گیا، اسی طرح یہ بھی ارشاد ہوا کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (محمدؐ تم مردوں میں سے

کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں)

اور اس کی تشریح آپ کی زبانِ مبارک سے یوں ادا ہوئی اَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ

وَلَا نَبِيَّ بَعْدِیْ (میں نبیوں کا خاتم ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔)

پس درود و سلام ہو اس نبی آخر پر جس کے بعد کوئی بھی نبی آنے والا نہیں۔

Marfat.com

عہدِ رسالت پر ایک اجمالی نگاہ
اور
ایک دینی و صالح مدنیت کا نظارہ

(منصب نبوت، معجزات، تبلیغ و اشاعت، تکمیلِ دین، تاسیس شریعت و تاسیس حکومتِ الٰہیہ)

طلوعِ صبحِ سعادت سے آفتابِ رسالت کے چھپ جانے تک کے زمانہ پر ایک اجمالی نگاہ ڈالی جائے، تو پہلے مکہ کی پُر آشوب زندگی آتی ہے، جو صبر و تحمل، استقامت اور ادائے فرض کی خدمت پر استواری میں ایک عدیم المثال تھی، ہجرت کے بعد مدنی زندگی کے آغاز میں مدینہ میں دینِ ابراہیمی کی سنت اور ایک دینی و صالح مدنیت اور تہذیب و تمدن کے پودے کی آبیاری کی گئی، پھر مدنی زندگی کے دورِ اوّل میں عرب قبائل نے اپنی پوری متحدہ عسکری طاقت سے اسلام کا ہر ممکن مقابلہ اور اس کے مٹانے کی ناکام کوششیں کیں، یہودیوں نے اپنی فتنہ سامانیوں سے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنا چاہا، اور منافقین کا ایک گروہ الگ مارِ آستین بن گیا، صلح حدیبیہ میں عربوں کے سرتاج قبیلہ قریش نے اپنی تلوار نیام میں کی اور یہودیوں کی طاقت کو بھی کچل دیا گیا۔ اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بھی کچھ سرد پڑیں، پھر مدنی زندگی کے دوسرے دَور سے امن و امان کے زمانہ کا آغاز ہوا امن و امان کے قیام اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام وغیرہ کی خدمتیں انجام پائیں، پھر اسی زمانہ میں یہود اور بعض قبائل عرب کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ خیبر اور اس کے اطراف میں ہوا اس کے بعد شام پر حملہ آوری کی ضرورت ہوئی اور موتہ میں مسلمانوں کو کچھ زخم پہنچے یہاں تک کہ فتح سے مکہ کی پچھلی پُر آشوب مکی زندگی کے زخم مندمل ہو گئے، پھر فتح مکہ کے

Marfat.com

رد عمل میں حنین، اوطاس و طائف کے غزوے ہوئے اور عرب کی طاقت کا کلیتاً استیصال ہوگیا۔ اس کے بعد غزوۂ تبوک میں موتہ کی شکست کا بدلہ لے لیا گیا اور کچھ شامی علاقے مسلمانوں کے زیر اثر آگئے، یہاں تک کہ ۹ ہجری میں مکہ میں حج کے موسم میں برأت کا اعلان مشرکوں کو سنا دیا گیا اور گوہرِ مقصود ہاتھ آگیا۔ حرم کے حدود میں سنتِ ابراہیمی کا احیاء ہوا اور عین حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت قرآن مجید کی آخری آیت نازل ہوئی، جس میں اسلام کی تکمیل کا اعلان کیا گیا، حکومتِ الٰہی کی تاسیس عمل میں آگئی اور منصبِ نبوت کے تمام فرائض و داعیات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے اور آپ اس کرۂ خاکی کے بسنے والوں کو الوداع کہہ کر عالمِ قدس میں تشریف لے گئے۔

منصبِ نبوّت اس منصبِ نبوت کی حقیقت، اس کے فرائض و داعیات کو بھی جس کی تکمیل آپ کے ہاتھوں سے ہوئی، ذہن میں تازہ کر لینا ضروری ہے۔ پچھلے صفحوں میں آپ کی سیرتِ پاک کے بیان میں غزوات دسرایا کا ذکر نمایاں نظر آیا مگر وہ دراصل مقصود بالذات نہ تھے، چونکہ اسلام کی دعوت کو بزورِ شمشیر روکنے کی کوشش کی گئی، اس لئے مدافعانہ مقابلہ کیا گیا اور اعجازِ نبوت، حسنِ تدبیر، لطفِ اخلاق اور عسکری طاقت سے تمام معرکے سر کئے گئے اور پُرامن نظام قائم کیا گیا اور پیغمبرانہ کارناموں کے انجام پانے کا موقع آیا، پہلے عرب میں سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا ہوا، پھر ترانۂ توحید دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا اور ایک ابدی شریعت کی تاسیس، مذاہبِ عالم کی اصلاح، اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانونِ الٰہی کا اعلان اور بوقتِ ضرورت حکومتِ الٰہی کی تاسیس عمل میں آئی، اور یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت کے مظاہر تھے۔

عام مصلحین و حکماء کے ہاتھوں بھی یہ کام انجام پاتے ہیں، لیکن دونوں میں نمایاں امتیاز ہے۔ نبوت، انسانیت کے رتبہ سے جامۂ انسانیت میں ہونے کے باوجود بالاتر ہے،

Marfat.com

جیسے انسانیت، حیوانیت کے جامہ میں رہ کر حیوانیت سے بالاتر ہوتی ہے۔ نبوت دراصل عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے، سعی و محنت و کسب سے نہیں ملتی۔ قدرت خود انبیاء میں ریاضت و عبادت اور عمل صالح کا ذوق پیدا کر کے ان میں قبولِ وحی کی استعداد پیدا کرتی ہے (معارج القدس امام غزالی) حضرت موسیٰ توراۃ کے ملنے سے پہلے چالیس روز تک کوہ طور پر، حضرت عیسیٰ انجیل کے اترنے سے چالیس روز پہلے سنسان جنگل میں، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول سے پہلے مہینوں غار حرا میں عزلت گزیں رہے، انبیاء کی برتری تمام انسانوں پر ان کے نفوس قدسیہ و پیغمبرانہ قوت سے ہوتی ہے، وہ دوسروں کو راہِ راست دکھلاتے ہیں اور خود راہِ راست پر رہتے ہیں۔ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، ان کا علم و قلم غلطیوں سے پاک ہوتا ہے، ان کے نفوس قدسیہ میں ایک وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا جاتا تھا جس کا عمل ہمیشہ صحیح، احساس ہمیشہ درست اور فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا تھا، ان کی صداقت، سچائی اور راست بازی سے ان میں شانِ محبوبیت پیدا ہو جاتی تھی اور ان کے ماننے والے ان کی محبت میں سرشار اپنی جان و مال و اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے تھے۔

اس لئے انبیاء کے علم کا مبداء و منبع تعلیم ربّانی، شرح صدر، وحی و الہام ہوتا ہے، وہ کسی گذشتہ تجربہ، استنباط اور قیاس پر مبنی نہیں ہوتا، ان کے اصول و قواعد دعوت و اقوال کی عمارت مصلحتوں، حکمتوں اور اسباب و علل کے ستونوں پر قائم نہیں رہتی، ان کی دعوت خالق کی اطاعت، محبت، رضا جوئی پر ہوتی ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں ان کے خود زندہ عملی پیکر ہوتے ہیں، وہ اپنے زورِ بازو سے دنیا کے طبقے نہیں اُلٹتے۔ کوئی بڑے سے بڑا کشور کشا اپنے دائرۂ سلطنت کے باہر اپنا حکم نہیں منوا سکتا، مگر پردۂ عالم کے کتنے گوشے ہیں جہاں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی تلوار کبھی نہیں چمکی، مگر ان مذہبوں کے ماننے والے جاں نثار دنیا کے ان مختلف گوشوں میں آج بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

خالقِ کائنات نے دنیا کے مختلف گوشوں میں جہاں ضرورت سمجھی، پیغمبروں کو بھیجا، ان کی معرفت پیغام حق و احکام الٰہی تدریجی طور پر آتے رہے، انسانوں کی استعداد و صلاحیت کے مطابق عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی رہی، وہ سب اپنے اپنے وقت میں برحق مذہب اسلام ہی کی شریعت کے احکام تھے جو تدریجاً آتے رہے اور مذہب اسلام تکمیل کی منزل کی طرف بڑھتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تکمیل پر وہ اپنے معراج کمال پر پہنچ کر تمام ہو گیا اور نبوت کے سلسلۂ ذہب کی آخری کڑی کے ذریعہ رہتی دنیا تک کے لئے نظام اسلامی کی تاسیس عمل میں آگئی۔ اور منصب نبوت کے فرائض و داعیات ہمیشہ کے لئے پورے ہو گئے۔

طلوعِ اسلام کے وقت دنیا کا مذہبی و اخلاقی نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اسلام کی دعوت کا اعلان کیا، دنیا کا گوشہ گوشہ صحیح عقیدہ سے خالی ہو چکا تھا مصر، یونان، روم اور دنیا کے مختلف حصوں میں سورج، چاند، ستاروں، پتھر، مٹی کے دیوی دیوتاؤں اور درختوں اور جانوروں کی پرستش جاری تھی حضرت موسیٰ کا چراغ طور گل ہو چکا تھا، مہاتما بودھ کے پہاڑوں اور غاروں میں امن و شانتی کی پناہ گاہیں درندوں کا بھٹ بن چکی تھیں، دنیا حضرت مسیح کے تزکیۂ نفس کے درس کو بھول چکی تھی، عیسائیت و بودھ مت تجرد و رہبانیت کے نشان بن چکے تھے، زردشت کی جلائی ہوئی آگ بھی انسانی خون کی چھینٹوں سے سرد پڑ چکی تھی، بیسیوں فلسفیانہ مذہبی فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ مانی و مزدک کی فرقہ کی بہیمانہ تعلیم سے ایران کی اخلاقی روح موت سے ہمکنار ہو چکی تھی، اس طرح مصر، یونان، بابل، روم کی عظمتیں داستانِ پارینہ بن چکی تھیں۔ یونانیوں کے جانشین رومی دو حصوں میں بٹ کر عیش پرستی میں خود مبتلا تھے اور دنیا کو مبتلا کئے ہوئے تھے اور جیسا کہ اوپر گذرا ہندوستان میں وید اور گوتم کی تعلیمات کی بجائے پرانوں کی تلقین پر عمل تھا اور یہ ہندوستان کا

Marfat.com

سیاہ ترین زمانہ تھا، شرک و بت پرستی عروج پر پہنچ گئی تھی، ذات پات کی تفریق سے معاشرہ بگڑ گیا تھا، عورتیں منقولہ جائیداد بن گئیں۔ راجاؤں اور بڑی ذاتوں کے لئے چھوٹی ذاتوں کی عورتیں وقف عام سمجھی گئیں، شراب خواری، جوئے بازی اور اوہام و خرافات پرستی، معاشرہ کا شیوہ بن گیا تھا، یہودی جہاں آباد تھے، وہ حرص و طمع کے پتلے تھے، خدا کی نافرمانی، انبیاء کی تکذیب، مذہبی بربریت و سفاکی، آسمانی کتابوں میں تحریف اور عیسائیوں کی تقلید میں حضرت عزیر کو ابن اللہ کہنے کا عقیدہ ان کا قومی شعار تھا، یہی حال عرب کا تھا، جہاں موحد اعظم حضرت ابراہیم نے خدا کا گھر بنایا اور توحید کے نغمے گونجے، یہاں کفر و شرک کی ایسی ظلمتیں چھائیں، کہ کعبہ دنیا کا عظیم بت خانہ بن گیا، تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت اس میں نصب ہو گئے، لیکن اس کے باوجود بہرحال ایک معبدِ اعظم رہا، اسی طرح نیک و بد شگون و فال لینے اور طرح طرح کے اوہام و خرافات کے عقیدوں میں مبتلا تھے، ان مذہبی توہمات کے ساتھ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا ان کی اخلاقی زندگی بڑی داغ دار تھی اور درندہ صفت انسان بن گئے تھے۔ جنگ جوئی، سفاکی، سنگدلی و خون خواری میں اپنی آپ مثال تھے۔ زنا، فواحش، سود خواری و قمار بازی معاشرہ کا جزء تھا۔ بے ستری، بے شرمی و بے حیائی عام تھی، کھانے پینے کا ذوق یہ تھا کہ خون جما کر قاشیں تراش کر کھاتے، ہر قسم کے کیڑے مکوڑے بلکہ چھپکلی تک کو کھا جاتے تھے۔

نبوت کی آخری شمع سرزمین عرب میں کیونکر روشن کی گئی

لیکن عرب کے اس مذہبی و اخلاقی تنزل کے باوجود نبوت کی آخری شمع سرزمین عرب میں کیوں روشن کی گئی؟ وہ در اصل جیسا کہ اوپر اجمالاً گذر چکا ہے، ان کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو ان کو دوسری قوموں اور ملکوں سے ممتاز کرتی ہیں، جن کی وجہ سے ان میں ان کے خیر الامم بننے کی فطری صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ایسی صحیح النسب قوم تھی، جس نے اپنے نسب کو محفوظ رکھا، اور پشتہا پشت اس کو برزبان رکھا، شمالی عرب کے تمام قبیلے جیسا کہ اوپر گذرا،

Marfat.com

حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے، نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، لیکن حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کی ہدایت اور بیت اللہ کی پاسبانی کرنے کے لئے دعا کی تھی، ضروری تھا کہ ان کے خاندان کا نسب محفوظ رہے اور دعائے ابراہیمی کے مستجاب ہونے کا معجزہ ظاہر ہو، عرب تمام بیرونی اثرات سے محفوظ تھے، کسی دوسرے مذہب میں داخل نہیں ہوئے، الا ماشاء اللہ، بت پرستی کے دور میں بھی کعبہ کی حرمت اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی عزت برقرار رکھی، وہ اگرچہ اس زمانہ میں بتکدۂ اعظم بنا رہا، لیکن جیسا کہ اوپر گذرا، وہ ایک خدائے بزرگ و برتر کو اللہ کے نام سے بھی مانتے رہے، دیوی دیوتاؤں کو نذر و قربانی پیش کر کے وہ اس کو خوش کرنا چاہتے تھے فرشتوں کو بھی مانتے تھے، مگر خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور جنات کو خدا کا عزیز قریب سمجھتے تھے، کعبہ کا حج بھی کرتے تھے، شہر حرام کے بھی چند مہینے تھے، مگر سب مشرکانہ اعمال سے ملوث تھے، نبی آخر اسی خاندان میں پیدا ہوئے اور ان کا بنیادی مقصد دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید قرار پایا، پھر عرب خصوصاً حجاز و نجد وغیرہ کبھی کسی غیر قوم کے محکوم نہیں رہے تھے۔ ان کے دل و دماغ کی استعداد برباد نہ ہو سکی تھی، ان کی آزادی کی روح برقرار رہی، تاکہ یہ مخفی خزانہ، خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقا میں کام آسکے۔ وہ ہر قسم کے کتابی علم سے بھی تقریباً نا آشنا تھے اس لئے ایک امی معلم کی زبانی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے، پھر عرب، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسط میں واقع ہے، اس مرکز سے اسلام کی تعلیم و دعوت کو دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچنے میں آسانی تھی، ان کی فطرت میں ہر قسم کی بداخلاقیوں اور بدکاریوں کے باوجود ان میں اخلاق حمیدہ کے چند ایسے جوہر مثلاً شجاعت، بہادری، خطرات سے بے خوفی، ارادوں کی پختگی اور عزم و ثبات وغیرہ موجود تھے، کہ وہ تنہا بے خوف ہو کر عظیم سلطنتوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے تھے اور قیصر و کسریٰ جیسے شہنشاہوں کو زیر کر سکتے تھے، وہ حق گو تھے، جو بات دل میں ہوتی وہ زبان پر ہوتی تھی، وہ جس بات کے قائل ہو گئے وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا سکتے تھے، وہ عقل و دانش سے بہرہ مند تھے، ہزاروں صحابہ نے علم، مذہب، اخلاق و سیاست میں جو نکتہ سنجیاں

Marfat.com

کیں اور روم و ایران کی متمدن قوموں سے اپنی ناخواندگی کے باوجود جس طرح معاملات کئے، وہ ان کے عقل و دانش کی نشانی ہے، وہ ذہن و حافظہ کے تیز تھے، طبعاً فیاض، سیر چشم، مہماں نواز، خود دار، مساوات پسند اور عملی و عملیت پسند تھے، یہ فطری و طبعی اوصاف و اخلاق دوسری قوموں میں نظر نہیں آتے، اس لئے آخری دین کی اشاعت و حفاظت اور دین ابراہیمی کی تکمیل کے لئے نبوت کی آخری شمع سرزمین عرب میں روشن کی گئی تاکہ ان اوصاف سے ایک یگانہ قوم تربیت پا کر اصلاح عالم کے لئے تیار ہو جائے۔ نبی آخر نے پہلے ان کی مذہبی و اخلاقی بدعقیدگی و بدکرداری کو دور کر کے ان کے عقیدے درست کئے، اخلاق سنوارے، اسلام کی جلا اور چمک دمک سے ان کے اخلاق حمیدہ کی فطری صلاحیتیں اچھی طرح ابھر آئیں اور اسلام کی دعوت کو قبول کر کے وہ ایک صالح امت کی شکل میں بدل گئے اور جو کچھ خود انھوں نے سمجھا اور جس پر خود عمل کیا، دوسری قوموں کو سمجھاتے اور عمل کرانے کے لئے نکلے اور دیکھتے دیکھتے دنیا کے معاشرہ میں انقلاب آگیا اور دنیا کے ایک وسیع حصہ میں جہاں ضرورت ہوئی شمشیر بہ کف اور جہاں ضرورت ہوئی وعظ و تذکیر کے وفود کے ساتھ یہ نئی صالح امت پھیل گئی جس سے خود خدا پرستی سیکھی، دوسروں کو سکھائی، خود اچھے اخلاق سے آراستہ ہوئی، دوسروں کو آراستہ کیا، اور خود صالح حکومت کی بنیاد ڈالی اور دوسرے ملکوں اور قوموں کو اس نظام حکومت کا خوگر بنایا۔

معجزات

انبیاء کی ایک سنّت — معجزات | منصب نبوت پر سرفراز ہونے والے انبیاء کو معجزات بھی عطا ہوتے آئے تھے۔ انبیاء کی یہ سنّت نبی آخر کے وقت میں بھی تازہ ہوئی۔ مکہ میں اسلام کا طریق تبلیغ افہام تفہیم اور انذار تھا۔ معاندین کے درمیان انبیائے سابقین کے معجزات شہرت عام رکھتے تھے، انھوں نے آپ سے بھی معجزات طلب کئے، جو آپ کو عطا کئے گئے، جن کا ظہور آپ کی مکی و مدنی دونوں زندگیوں میں ہوتا رہا۔

معجزات کی حقیقت | معجزات کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہمارے مادی عالم اور اس

Marfat.com

کے قوانین کے حدود سے باہر ہے، جس طرح ہماری روح ہمارے جسم پر حکمراں ہے اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذنِ الٰہی سے سارے نظامِ جسمانی و مادی پر حکمران ہوتی ہے، وہ چشم زدن میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر ان کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند ان کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، جس طرح یہ معلوم نہیں کہ پھول میں خوشبو کیوں ہے، وہ سرخ کیوں ہے؟ شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ ویسے ہی یہ نہیں بتایا جا سکتا، کہ یہ مافوق العادہ باتیں کیسے سرزد ہو جاتی ہیں، یوں تو انبیاء کا اصل معجزہ خود ان کا سراپا وجود ہے، کامل پیرو انہی سے معجزہ طلب نہیں کرتے اور معاندین معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں، حضرت ہارون، خدیجہ، علی، ابوبکر، عمر نے صرف دعوتِ حق اور پیام اخلاص ہی کا معجزہ دیکھا اور ایمان کی دولت پائی، اور نمرود، فرعون، ابوجہل، ابولہب، آتشِ خلیل، طوفانِ نیل، قحطِ مکہ اور شق قمر کے طالب ہوئے اور دیکھنے کے بعد بھی ایمان کی دولت سے محروم رہے لیکن کچھ صالح طبیعتیں ضرور ایمان لے آتی ہیں، فرعون کے ساحر عصائے موسیٰ کو دیکھ کر اور قریش کے چند نیک دل فتح روم کی پیشین گوئی کی سچائی سے ایمان لے آئے۔

قرآن مجید میں معجزات کا ذکر باربار آیا ہے۔ اکثر انبیائے سابقین کے معجزات بیان کیے گئے ہیں اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بھی ذکر آیا ہے۔ معجزات دو قسم کے ہوتے تھے، ایک معجزۂ ہدایت، دوسرا معجزۂ ہلاکت۔ معجزۂ ہدایت کا ظہور پہلے ہوتا ہے، کچھ لوگ ایمان لاتے ہیں اور کچھ معاندین رہ جاتے ہیں، معجزۂ ہلاکت آخر میں آتا ہے، جو ایسے معاندین کو ختم کر دیتا ہے جن کا وجود خود ان کی ذات کے لئے نہیں بلکہ پورے معاشرہ کے لیے تباہ کن ہوتا ہے اور دعوتِ حق کی راہ میں ان کے حائل ہونے کی وجہ سے ان کو علیحدہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، چنانچہ جب معاندین کا معجزہ دیکھنے کے لئے آپ سے اصرار بڑھا تو ان کو یہ حقیقت بھی بتادی گئی تھی۔ مکی زندگی کے جن معجزانہ واقعات کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

Marfat.com

غلبۂ روم کی پیشین گوئی ایرانی ۶۱۳ء سے ۶۱۶ء تک کی جنگ میں رومیوں کو اللہ کے مشرقی مقبوضات شام و فلسطین و مصر سے بے دخل کرکے ایشیائے کوچک کو زیر کرتے ساحل باسفورس تک پہنچ کر قسطنطنیہ کے سامنے خیمے جما چکے تھے اور ہر جگہ کلیسائے مسیحی کی بجائے زردشتی آتشکدے قائم ہو گئے تھے، افریقہ و یورپ کے اور دوسرے علاقوں سے بھی رومی سلطنت کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ شہنشاہ روم نے کسریٰ سے مصالحت چاہی تو خسرو نے مغرورانہ جواب دیا کہ "ہرقل کو زنجیروں میں بندھا میرے تخت کے نیچے آنا ہے سوائے اس کے کہ وہ مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر جھکائے" لیکن عین اسی زمانہ میں عرب کی بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے سروش غیب کا یہ نغمۂ قدس گویا ہوا:

> "رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے، لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہوں گے"[۱]

یہ پیشین گوئی اس قدر مستبعد اور ناقابلِ یقین تھی کہ کفار نے تمسخر سے اس کے صحیح ہونے پر شرطیں ہارنے کا عہد کیا اور دوسری طرف مسلمانوں کو اس کے پورا ہونے کا یقینِ کامل تھا تاریخ "زوالِ روما" کا مصنف گبن کہتا ہے:

> "مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں (روم و ایران) کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ..... عین اس وقت جب ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں ہو رہی تھیں اس (نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی، جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی، کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کی بارہ سال (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک)

---

[۱] الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ (الآیہ)

Marfat.com

کی حکومت نے اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ

جلد بکھر جائے گا۔ (تاریخ زوال روما ج ۲ ص ۳۰۳)

پھر اس پیشین گوئی کی صداقت کے ظہور کے لئے خدا کی مشیت سامنے آتی رہی، وہی ہرقل جو اپنے ابتدائی دور سلطنت میں سستی عیاشی اور اوہام پرستی میں مبتلا تھا، اس کی طبیعت میں انقلاب آیا، وہ مرد میدان بن کر نکل آیا، چند سال کے بعد ۶۲۲ء سے بازیافت کی لڑائیاں شروع ہوئیں۔ ۶۲۳ء میں کامیابی کا آغاز ہوا اور ۶۲۵ء میں فتح کی تکمیل ہو گئی۔ اس پیشین گوئی کے حرف حرف کی صداقت کا عالم یہ ہے کہ قرآن میں جو مدت بیان کی گئی تھی اس کے لئے "بضع سنین" یعنی چند سال کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی میں "بضع" یعنی "چند" کا اطلاق نو تک کے عدد کے لئے ہوتا ہے اگر رومیوں کے آغاز شکست (۶۱۴ء) کو لیا جائے تو آغاز فتح (۶۲۳ء) تک نو سال ہوتے ہیں اور انجام شکست (۶۱۶ء) سے لیا جائے تو اختتام فتح ۶۲۵ء تک نو سال پورے ہوتے ہیں یعنی ان ہی چند یعنی نو سال کے اندر یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی اور بہت سے نیک طبائع کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر قدرت کا یہ کرشمہ بھی دیکھنے کے لائق ہے، کہ ادھر فتح مکہ کی تکمیل ہوئی، ادھر ہرقل کی طبیعت میں دوبارہ انقلاب آیا، وہ اپنے ابتدائی دور کی زندگی فسق فجور، عیاشی اور سستی میں مبتلا ہو گیا جو در اصل اس کی تمہید تھی کہ قبلہ اول یعنی بیت المقدس کی تولیت اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں آنے والی ہے۔

قحط مکہ کفار تمسخر سے عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے، اس لئے اسی زمانہ میں مکہ میں شدت کا قحط پڑا، لیکن اگر مکہ کے کفار میں ابولہب و ابوجہل جیسے معاندین تھے تو بعض ایسے مشرک بھی تھے جو آپ کے حسن خلق اور مستجاب الدعوات ہونے کے قائل تھے، چنانچہ ابوسفیان اسی زمانہ میں آپ کی خدمت میں آیا کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں

اپنے پروردگار سے قحط کے دور ہونے کی دعا کریں۔ آپ نے اس مشرک رئیس مکہ کے کہنے سے دعاء فرمائی اور قحط فوراً دور ہو گیا۔

شقّ قمر معجزہ شق قمر کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے، احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں:

"اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا، کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آپ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے دکھا دیئے۔ ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اُس طرف۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے:۔

"ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف چلا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "گواہ رہو"۔"

معاندین نے کہا، محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے، بعض دوسرے لوگوں نے کہا، وہ تمام دُنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے ہیں، مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، جب اِدھر اُدھر سے مسافر آئے تو انھوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنکھوں میں یہ تصرف کر دیا گیا ہوگا کہ چاند دو ٹکڑے نظر آیا، مگر خدا جس طرح آنکھوں میں تصرف کر سکتا تھا، وہ چاند میں بھی تو تصرف کرنے پر قادر تھا۔ اس زمانہ میں لوگ چند کہربائی طاقت کے ذریعہ چاند پر اُترنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور پورے کرۂ قمر کی تصویریں لائے ہیں جن میں ایک وہ تصویر بھی ہے جس میں پورے چاند کے وسط میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پورے شگاف کی ایک لمبی لکیر دکھائی دیتی تھی۔ سائنس کے ماہرین اس لکیر کی کوئی سائنٹیفک توجیہہ کرنے سے قاصر ہونے کا اعلان کر چکے ہیں لیکن معجزۂ شق قمر کے ماننے والے چاند کی سطح پر اس قائم لکیر کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

بہت سے معاندین شق قمر کے واضح معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائے، لیکن کچھ صالح اور نیک دل لوگ متاثر ہو کر ایمان لے آئے تھے۔

معجزۂ ہلاکت | شق قمر، معجزۂ ہدایت کی آخری نشانی تھی، اس کے بعد انبیاء کی سنت کے مطابق قوم کے صالح افراد فاسد افراد سے جدا کر لئے گئے اور بدر کے میدان میں معجزۂ ہلاکت پیش آیا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

معجزۂ قرآن | اسلام کا سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے، اور خود قرآن مجید میں اس کے اعجاز کو انبیاء کے دیگر معجزات کے مقابلہ میں سب سے بڑا معجزہ قرار دیا گیا ہے، دوسرے نبیوں کے دین محدود زمانوں کے لئے تھے، اس لئے ان کے معجزے بھی عارضی و وقتی تھے، اسلام رہتی دنیا تک کے لئے آیا ہے، اس لئے اس کا صحیفہ معجزہ قرار پایا کہ خدا نے اس کے ہمیشہ باقی رہنے اور حفاظت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی اور وہ تحریف و تغیر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا گیا۔ آج تمام الہامی کتابوں میں بجز قرآن مجید کے کوئی کتاب اپنی اصل زبان میں موجود نہیں، توراۃ کا اصل عبرانی زبان کا نسخہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہو گیا۔ آرامی و سریانی زبان میں منتقل ہوئی تھی، جو حضرت موسیٰ کی زبان نہ تھی، پھر اس کے صدیوں بعد حضرت عزیر نے اس کو عبرانی میں منتقل کیا، انجیل کا قدیم ترین نسخہ یونانی زبان میں ہے جو ظاہر ہے کہ نہ حضرت عیسیٰ کی زبان تھی، نہ ارض فلسطین کی، جہاں کے حضرت عیسیٰ رہنے والے تھے۔ یہ قرآن مجید ہی کا اعجاز ہے کہ وہ اصل نازل ہونے والے کلمات و عبارات میں آج تک محفوظ ہے، اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا، کہ اگر خدانخواستہ سب نسخے ضائع ہو جائیں، تو بھی یہ لاکھوں سینوں میں محفوظ رہے گا، اس کی ایک ایک آیت میں اعجاز رکھا گیا ہے، بار بار کی تحدی کے باوجود بڑے بڑے زبان آور فصیح و بلیغ معاندین عرب اس کی کسی سورہ کیا کسی ایک آیت کی مثال لانے سے قاصر رہے، پھر قرآن مجید کا یہ اعجاز مختلف حیثیتوں، نظم کلام اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت، آیات کا باہم ربط، سورتوں کی تقدیم

تاثیر میں تناسب، کلام کے موضوع کی بلندی و گہرائی، تعلیم وہدایات وتاثیر قلوب، دلوں کے اسرار کا فاش کرنا، پیشین گوئیاں کرنا اور ان کا پورا ہونا اور کلام کی شیرینی وحلاوت وغیرہ ان میں سے ہر ایک، وجہ اعجاز ہے۔

پھر دوسری الہامی کتابوں سے اس کا موازنہ کیا جائے تو توراۃ قانون شریعت ہے۔ انجیل اخلاق وموعظت اور خطاب، اور زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، لیکن توراۃ نہ اخلاق وموعظت ہے نہ انجیل قانون وشریعت، اور نہ زبور ان میں سے کسی وصف سے متصف کی جا سکتی ہے، دیگر صحائف بھی پیشین گوئیوں سے معمور ہیں، مگر دقائق حکمت واسرار ایمان وعمل سے خالی ہیں، دنیا میں صرف ایک ہی کتاب قرآن مجید ہے جو قانون وشریعت بھی ہے اور اخلاق وموعظت بھی، دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور خطابت، استدلال فکر ونظر ودقائق حکمت واسرار ایمان وعمل سے لبریز اور براہ راست قلب پر اثر ڈالنے والی ہے، کفار اپنے عناد کے باوجود ان حقائق کا انکار نہ کر سکے اور مکہ میں وہ چاہتے رہے کہ قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے نہ کی جائے۔ حضرت ابو بکر صحن مکان میں نماز پڑھیں، انھیں کوئی اعتراض نہیں مگر بلند آواز میں قرآن نہ پڑھیں، ورنہ ان کے نوجوان لڑکے اور عورتیں سن کر متاثر ہوتے ہیں اور اسلام لے آتے ہیں۔

معراج انبیائے کرام کے ساتھ یہ بھی ایک سنت جاریہ رہی ہے کہ ان کی زندگی کی کسی ساعت میں انھیں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا رہا کہ مادی قوانین کے تمام پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے گئے، زمان ومکاں کے قیود وحدود ختم ہو گئے، اور آسمان وزمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کی نگاہوں کے سامنے آگئے اور وہ نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے جلو میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہوئے اور اپنے رتبہ کے مناسب مقام پر پہنچ کر فیض ربانی سے بہرہ اور انوار الٰہی کی تجلیوں سے پرنور ہوئے۔ حضرت ابراہیم، یعقوب وموسیٰ ودیگر انبیائے بنی اسرائیل کے سیر ملکوت وجلوۂ طور وغیرہ مشاہدات کا ذکر الہامی کتابوں

میں آیا ہے اور پیروانِ بودھ بھی نخلِ حکمت کے سایہ میں دہاتما بودھ کے مشاہدۂ حق کا قصہ بیان کرتے ہیں، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ انبیاء تھے، اس لئے بارگاہِ لامکاں میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک قدم اب تک کسی کے نہیں پہنچ سکے تھے، اور وہ مشاہدہ کیا جو مقربانِ بارگاہ کی حدِ نظر سے اب تک باہر تھا۔

اس واقعہ کو عرفِ عام میں معراج کہا جاتا ہے۔ معراج "عروج" سے نکلا ہے، جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ آپ نے فرمایا "عُرِجَ بِیْ" یعنی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا، اس کو "اسراء" بھی کہتے ہیں، جس کے معنی رات کو لے جانے اور چلانے کے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر اسی لفظ سے آیا ہے۔[۵]

معراج کا یہ واقعہ ہجرت سے سترہ اٹھارہ مہینے پہلے ستائیس رجب کو پیش آیا۔ آپ اس شب میں کعبہ کے حصۂ حطیم میں استراحت فرما رہے تھے، بیداری و خواب کی ایک درمیانی حالت تھی، کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی، حضرت جبریل چند فرشتوں کے ساتھ آپ کے پاس آئے، آپ کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، قلب اطہر کو دھویا اور ایمان و حکمت کے خزانوں سے سینۂ مبارک کو معمور کیا، پھر براق لایا گیا جن کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ جس کی ہر پرواز وہاں تک دکھائی دیتی جہاں تک حدِ نگاہ ہوتی۔ آپ اس براق پر بیت المقدس آئے، یہاں مسجد میں آپ نے دو رکعتیں نماز پڑھی، پھر حضرت جبریل آپ کو لے کر آسمان کی سمت روانہ ہوئے، آسمان کا دروازہ کھلا، نگہبان فرشتہ نے مرحبا و خوش آمدید کہا پہلے آسمان پر حضرت آدم نظر آئے، جن کے دائیں اور بائیں جنتی و دوزخی ارواح کی پرچھائیاں

---

[۵] سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الآیہ (سورہ اسراء پہلی آیت) یعنی پاک ہے وہ خدا جو رات کو اپنے بندہ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کو لے گیا۔

تھیں، انھوں نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "مرحبا اے نبی صالح و فرزند صالح" اس آسمان پر چند نہروں کی سوتیں اور لولوء و زبرجد کے محل نظر آئے اور اس کی زمین مشک از فرکی تھی معلوم ہوا یہی حوض کوثر ہے جو آپ کو عطا کیا گیا ہے اور آپ ہی قیامت میں ساقی حوض کوثر ہوں گے۔ اسی طرح آپ مختلف آسمانوں پر چڑھتے گئے اور مختلف آسمانوں میں مختلف انبیاء حضرت یحییٰ، یوسف، عیسیٰ، ادریس، ہارون، موسیٰ، ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوتی گئیں، اور ہر ایک نے "اے پیغمبر صالح و برادر صالح" کہہ کر خوش آمدید کہا، صرف حضرت ابراہیم نے حضرت آدم کی طرح "برادر" کی بجائے "فرزند صالح" کہہ کر خطاب کیا، پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی، جس کے گنبد موتی کے اور زمین مشک کی تھی۔ پھر وہ مقام آیا جہاں آپ کو قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ آگے بڑھ کر آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، جو انتہا کی بیری کا درخت تھا، جس پر شان ربانی کا پرتو تھا اور ایسا حسن چھایا ہوا تھا کہ اس کی کیفیت کو کوئی انسانی زبان ادا نہیں کر سکتی، اس پر رنگ برنگ کے انوار کی تجلیاں تھیں، پھر یہیں سے شاہد مستور ازل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کا جامہ نہیں پہن سکتی یعنی "خدا نے اپنے بندہ کو پیام دیا جو کچھ کہ پیام دیا" پھر خدا نے فرمایا ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لئے کرائی، کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں" یہ "نشانیاں" کیا تھیں، ان کو دیکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

اس وقت خاص میں بارگاہ الٰہی سے تین عطیے خاص طور پر مرحمت ہوئے اول سورہ بقرہ کی آخری آیتیں، جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل، مختصر اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کی تلقین اور دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، دوسرے یہ مژدہ رحمت عالم کو سنایا گیا کہ امت محمدی میں ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوگا، کرم و مغفرت سے نوازا جائے گا۔ تیسرا عطیہ نمازوں کی فرضیت کی شکل میں حاصل ہوا، جو پہلے پچاس وقتوں کی

Marfat.com

فرض کی گئی، لیکن حضرت موسیٰ کے مشورہ سے آپ نے بار بار کمی کی درخواست کی اور پانچ وقت رہ گئی اور بارگاہ ربانی کے فیصلہ سے یہ پانچ وقت کی نمازیں پچاس وقت کی نمازوں کے بمنزلہ قرار دی گئیں۔

آپ آسمان سے اتر کر پھر بیت المقدس واپس آئے، یہاں انبیائے کرام علیہم السلام کا مجمع تھا، سب نے نمازیں پڑھیں اور سردار انبیاء علیہ السلام نے منصب امامت کے فرائض ادا کئے، ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام (کعبہ) میں واپس لائے گئے۔

صحیح حدیث کی کتابوں میں معراج کے واقعات کی غیر معمولی تفصیلات ہیں، آپ نے صبح کے وقت ان مناظر و مشاہدات کو مختلف مجمعوں میں بیان فرمایا، سب سے پہلی صبح کو کعبہ کے مقام حطیم میں کفار جمع تھے، انھیں آسمانی سیر کے احوال سنائے، انھوں نے تکذیب کی اور مختلف سوالات کئے، اس مجمع میں شام کے کچھ تاجر بھی تھے، انھوں نے بیت المقدس کے نقشہ اور ہیئت کو پوچھا، آپ کے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ محفوظ نہ تھا، بے قراری ہوئی، ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی، آپ نے جزوی سے جزوی سوالوں کے تشفی بخش جوابات دیے، جوابوں سے لوگ حیرت بہ جبیں ہوئے، مگر کفر، ضلالت اور عناد کا کوئی جواب نہ تھا۔ دوسری طرف مومنین صادقین کی جماعت تھی، جس کے لئے ان احوال و مشاہدات کی روداد ازدیاد ایمان کا باعث بنی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعلق مافوق الفطرت واقعات

پھر آپ کی زندگی کے مختلف احوال مافوق الفطرت حالات سے لبریز ہیں، ہجرت کے موقع پر آپ کا کفار کے گھیرے سے نکل آنا، اور انھیں خبر تک کا نہ ہونا، ان کا تعاقب میں جانا، غار ثور کے دہانہ تک پہنچنا، حضرت ابوبکر کا بشریت سے گھبرا جانا اور آپ کا تسلی دینا اور کفار کا بے نیل مرام واپس جانا اور سراقہ کا پیچھا کر کے قریب پہنچ جانا اور اس کے گھوڑے کا ٹھوکریں کھانا خود اپنی جگہ معجزہ سے کم نہیں، پھر آپ نے اپنے خلاف تمام فتنوں، سازشوں اور ہنگاموں

کے باوجود مکی و مدنی دونوں زندگی میں اپنے فرائض انجام دیئے، آپ کے قتل کی بار بار کوششیں ہوئیں، لوگ اس ارادہ سے آپ تک پہنچ گئے، آپ تن تنہا تھے، تاہم دشمن اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوئے، پہلے صحابہ آپ کے خیمہ اور مکان کے گرد پہرہ دیتے تھے، جب آپ کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے اپنے اوپر لے لی، کہ "اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"[1] تو آپ نے پہرے ہٹا دیئے، کہ خدا خود آپ کا محافظ ہے، اور جب بنو نضیر نے درپردہ انتظام کر کے چھت کے اوپر سے آپ پر پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کرنا چاہا، تو خدا ہی نے غیب سے اطلاع کرائی اور آپ لوٹ آئے۔

پھر اسی طرح غزوات کے موقعوں پر غیب سے مدد آئی، اور یہ سب مافوق الواقعات تھے، مثلاً بدر کے موقع پر پانی کا برسنا جس سے کفار کو نقصان اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا، یا بدر کے میدان میں پہنچنے سے پہلے بشارت کا ملنا، کہ خواہ قافلہ کفار ہاتھ آئے یا قریش کو شکست ہو، اور عین معرکۂ بدر میں فتح کی خوش خبری کہ کفار پیٹھ پھیر لیں گے، یا غزوۂ احزاب میں طوفانی آندھی کا آنا اور کفار کے خیمہ و خرگاہ کا اکھڑ جانا، اور محاصرہ اٹھا کر واپس جانا، یا یہ قرآنی اعلان کہ ہجرت کے بعد کفار کو مہلت نہیں ملے گی، قریش کی شکست اور بربادی کی قرآنی پیشین گوئی، فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت، فتح خیبر و حنین کی پیشین گوئیاں حرف بہ حرف عہد رسالت میں پوری ہوگئیں، اسی طرح غزوۂ موتہ کے میدان کارزار کے نقشہ کو منبر پر کھڑے ہو کر اس طرح بیان کرنا جیسے اس زمانہ میں ریڈیو پر کسی واقعہ کے چشم دید حالات کا بیان (کمنٹری) عین موقع پر جاری رہتا ہے، یا کسریٰ کے مارے جانے کا اسی دن تذکرہ کرنا، جس دن وہ واقعہ پیش آیا، یا نجاشی کی موت کی اسی دن اطلاع دینا اور نماز جنازہ پڑھنا ایسے واقعات ہیں، جن کی تاریخوں کی تصدیق غیر قوموں کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے، اور کسریٰ کی موت کی اسی دن اطلاع دینے کے واقعہ ہی پر یمن کا گورنر باذان اسلام لایا تھا۔

---

[1] واللہ یعصمک من الناس (الآیہ)

Marfat.com

مابعد زمانہ کے متعلق مختلف پیشینگوئیاں زبانِ مبارک سے

پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے بعد کے زمانہ کے متعلق مختلف پیشین گوئیاں نکلیں اور ان کی صداقت، سپیدۂ صبح کی مانند سامنے آئی۔ مثلاً آپ نے خلفائے راشدین کے زمانہ کے معرکوں کا تذکرہ کیا، قیصر و کسریٰ کے تخت کے الٹنے کی اطلاع دی، مسلمانوں میں ساز و سامان اور تمدن کے تموّل کی کثرت اور ملک میں امن و امان کے قیام کی بشارت یمن، شام، خورستان کرمان اور مصر کی فتوحات کا تذکرہ، غزوۂ ہند کی خبر اور بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرانے کا ذکر، خلافت راشدہ کی مدت کی تیس ۳۰ سال کی تعیین، حضرت عمر کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور اور حضرت عثمان کی شہادت، جنگ جمل و صفین کا تذکرہ اور حضرت علی کی مشکلات اور شہادت کا ذکر، حضرت حسن کی مصالحانہ خدمت کا تذکرہ اور ۶۰ھ کے بعد نوجوان قریشی لڑکوں (یزید بن معاویہ) کی حکومت سے اسلام پر دورِ ابتلاء کا دور، حضرت امام حسین کی شہادت اور ایسے ہی بہت سے واقعات کی پیشین گوئی زبان مبارک سے کی گئی اور زمانہ نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اسی طرح قرآن مجید نے اس زمانہ میں جب مسلمان بے خانماں گروہ تھے، مسلمانوں کو دین و دنیا کی شہنشاہی کی بشارت دی، کسی ضعیف، مظلوم اور بے کس گروہ کے متعلق اس قسم کی پیشین گوئیاں کرنا کس قدر حیرت کی بات تھی لیکن اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی، کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا، اور اس سے بڑھ کر کسی پیشین گوئی کی صداقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

چند دیگر معجزات اور نکتہ کی ایک بات

ان معجزات اور پیشین گوئیوں اور ان صداقتوں کے علاوہ آپ کی زندگی میں بہت سے ایسے معجزات صادر ہوتے رہے جن کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، مثلاً تھوڑی سی کسی مقدار میں برکت کا پیدا ہونا، یعنی اس چیز کو خرچ کرتے جانا اور اس کی مقدار کا جوں کا توں رہنا، جیسے چند آدمیوں کا کھانا

Marfat.com

اس کو سینکڑوں آدمیوں نے سیر ہو کر کھا لیا، یا تھوڑا سا پانی ہے، آپ نے اس میں انگلیاں ڈال دیں تو گویا چشمہ ابل پڑا، لوگ پیتے جاتے ہیں، وضو کرتے جاتے ہیں، غسل کر رہے ہیں، جانوروں کو پلا رہے ہیں، اور پانی جوں کا توں موجود ہے، یا آپ نے مس کیا، مرض سے شفا ہو گئی آپ نے کسی بات کے لئے دعا کی، وہ فوراً قبول ہو گئی۔[1]

لیکن یہ جو کچھ معجزات صادر ہوتے رہے، ان میں ایک التزام نظر آتا ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ معجزات کے سلسلہ میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ مثلاً غیب سے کوئی خوانِ نعمت اتر آیا، بلکہ جب کبھی آپ کے فیض و برکت کے اثر سے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کے سلسلہ میں کسی معجزہ کا ظہور ہوا تو یہی نظر آیا کہ ان کی طاقت، مقدار اور تعداد میں اضافہ ہوا اور مافوق العادت واقعات و اثرات رونما ہوئے، جیسے کھانا یا کھانے کی کوئی چیز بھی موجود ہے، تو اس میں آپ کے فیض سے ایسی برکت آ گئی کہ چند آدمیوں کے کھانے کو سینکڑوں آدمیوں نے سیر ہو کر کھا لیا، تھوڑے سے پانی میں اگر آپ نے انگلیاں ڈال دیں، تو گویا چشمہ پھوٹ پڑا اور سینکڑوں آدمیوں نے سیراب ہو کر پانی پی لیا۔ اگر غذا کے لئے کوئی چیز موجود نہیں ہے، تو دودھ نہ دینے والی بکری کے تھن میں بھی اگر آپ نے ہاتھ لگا دیا تو تھن دودھ سے بھر گیا، اور جتنی ضرورت غذا کے لئے ہوتی وہ پوری ہو گئی، کسی برتن یا تھیلے میں کوئی غلہ، کھجور یا گھی وغیرہ ہے تو آپ کے مس کر دینے یا دعا فرما دینے کے بعد ہاتھ ڈال کر اس میں سے چیزیں نکالی جاتی رہیں، اور نکلتی رہیں، لیکن اگر اس تھیلے یا برتن کو، جو چیز اس میں تھی، اس کو الٹ کر خالی کر لیا گیا تو اس برکت کا سرچشمہ بھی سوکھ گیا، اور اگر خشک چشموں اور سوکھے ہوئے کنوؤں میں پانی لانے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اپنے دہنِ مبارک سے چند

---

[1] حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کی سیرۃ النبی جلد سوم میں ان معجزات کے بیسیوں واقعات یکجا کئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

Marfat.com

کلیوں کا پانی اس چشمہ یا کنوئیں میں ڈال دیا اور کلی کا وہی پانی چشمہ کا منبع اور کنوئیں کا سوتا بن گیا، یہاں تک کہ معراج میں بھی آپ نے جس سواری کے ذریعہ بلندی پر عروج کیا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے اس کا نام براق ہے جو برق سے نکلا ہے، جس کے معنی بجلی اور کہربائی طاقت کے ہیں، اور آج اس چودھویں صدی میں اسی برقی و کہربائی طاقت کے راکٹوں اور سواری گاڑیوں کے ذریعہ انسان چاند کی سطح پر اترنے میں کامیاب ہو چکا ہے اور اب مریخ تک پہنچنے کے لئے پر پرواز تول رہا ہے پھر انبیاء و رسل کی روحانی پرواز کا اس سے کیا موازنہ ہو سکتا ہے۔

تبلیغ و اشاعت

تبلیغ و اشاعت مختلف اَدوار میں منصبِ نبوت کا اصل فرض تبلیغ و اشاعتِ اسلام تھا مکی زندگی میں یہ تبلیغ و دعوت کئی دَور سے گزری۔ پہلے گھر کے لوگوں کو مخفی دعوت دی گئی، پھر دعوت کا عام اعلان ہوا، اس کے بعد قرابت مندوں کو مدعو کیا گیا، پھر حج و عمرہ کے موقع پر قبائل کے سامنے پیش کیا گیا اور پھر قبائل کے درمیان دورے کئے گئے، جب بات پھیلی تو یمن جیسے دور دراز حصۂ ملک سے لوگ آئے اور اسلام لائے، اس طرح مختلف قبائل کے نیکو کار و صالح اسلام کی طرف رجوع ہوئے اور ان کے اثر سے مختلف قبائل ازد، غفار، اسلم وغیرہ کے بیشتر لوگ اسلام لے آئے، پھر یثرب کے قبائل اوس و خزرج کے کچھ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے، بات ان کے دلوں میں اُتری، اسلام لے آئے، بیعتِ عقبہ ہوئی، اس اثنا میں اسلام کے لئے مکہ کی زمین تنگ ہو چکی تھی اور انسانوں کے صالح عناصر کو فاسد عناصر سے جدا کرنا بھی مقصود تھا، کچھ لوگ حبش کو ہجرت کر گئے اور جب یثرب کی پناہ گاہ مل گئی، تو مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے یہاں آگئے اور آپ بھی ہجرت فرما کر یہیں تشریف لے آئے، اور اب یہی مقام اسلام کی تبلیغ و دعوت کا مرکز قرار پایا، اب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام تھا۔ قبیلہ غفار اسی کے قریب رہتا تھا

Marfat.com

اس میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے، وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

پھر بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کے سلسلہ میں قریش کی آمد و رفت مدینہ میں شروع ہوئی، قرآن مجید کے اعجاز اور مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر کچھ لوگ ایمان لے آئے، حضرت جبیر بن مطعم وغیرہ کا اسلام اسی زمانہ کا ہے، پھر فتح روم کی پیشین گوئی کی صداقت کے ظاہر ہونے سے بہت سے لوگ اسلام لائے، پھر جنگ احزاب میں متحدہ قبائل عرب کی شکست سے لوگ بے خوف ہو گئے، جو اب تک قریش وغیرہ کے خوف سے اسلام کا اقرار نہ کر سکے تھے، انھوں نے وفود بھیج کر اسلام قبول کیا۔ قبائل مزنیہ، اشجع، جہینہ وغیرہ ان ہی میں ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد جیسا کہ گذرا مشرکین و مومنین کو باہم ملنے جلنے کا موقع ملا اور ایک وسیع خلقت اسلام لے آئی، جن میں خالد بن ولید و عمرو بن العاص جیسے اکابر قریش بھی تھے، اس روز افزوں ترقی کا یہ عالم تھا، کہ ادائے عمرہ کے لئے جب آپ مکہ جا رہے تھے تو صرف چودہ سو مسلمان ساتھ تھے، صلح حدیبیہ کے بعد جب فتح مکہ کے لئے آپ روانہ ہوئے تو اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔

فتح مکہ کے بعد جب قریش کی مزاحمت ختم ہو گئی تو عرب جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہونے لگے، پھر آپ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ملک کے مختلف اطراف میں وفود و مبلّغین بھیجے اور اسلام کی اشاعت ملک کے گوشہ گوشہ میں ہوتی گئی پھر مختلف رؤسائے قبائل وفود بنا کر آتے گئے۔ دوس، ثقیف و بنو سعد وغیرہ اسلام لائے اور صحرائے نجد میں بھی اسلام کی دعوت پھیلی اور یہاں کا بھی ذرہ ذرہ اسلام کی درخشانی سے چمک اٹھا اور جب حجۃ الوداع کا موقع آیا، تو ایک لاکھ مسلمان اس میں شریک ہوئے۔

قبول اسلام کے لئے وفود عرب کی آمد

اس زمانہ میں عرب قبائل کے وفود کا مدینہ میں تانتا بندھ گیا، یوں تو ان کی آمد کا سلسلہ ۵ھ سے شروع ہو گیا تھا

Marfat.com

لیکن یہ زیادہ تر ۵ھ / ۶۲۹ء سے ۱۰ھ / ۶۳۱ء تک مدینہ میں آئے۔ ارباب سیرت نے ان کی مجموعی تعداد ایک سو چار لکھی ہے، قبیلہ مزینہ کا وفد چار سو اشخاص پر مشتمل ۵ھ / ۶۲۶ء میں مدینہ آیا اور اسلام لایا، پھر بنو تمیم آئے جو اپنے شاعر و خطیب ساتھ لائے، اسلام کے شاعر و خطیب سے ان کا مناظرہ ہوا، اور وہ اسلام لائے۔ ۸ھ / ۶۲۹ء میں سنتر اشعریین یمن سے آکر اسلام لائے۔ قبیلہ دوس کا وفد بھی اسی سال آیا تھا، پھر ۹ھ / ۶۳۰ء میں قبیلہ طے کے لوگ مشہور حاتم طائی کے لڑکے عدی کی سرکردگی میں آکر اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے، پھر اسی سال اسی طرح بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، بنو فزارہ وغیرہ بہت سے قبائل آتے گئے اور اسلام لاتے گئے۔ طائف کے لوگ عقیدہ شرک میں ڈوبے ہوئے تھے، ان کے ایک رئیس عروہ بن مسعود آکر اسلام لائے اور واپس جاکر اپنے مکان کی چھت سے اذان پکاری۔ لوگ تیر لئے دوڑے اور وہ تیروں کی بارش سے شہید ہو گئے۔ وصیت کے مطابق شہدائے طائف کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ جب طائف ایک محاصرہ کے بعد زیر ہوا تو وہاں کے لوگ اسلام لائے بنو ثقیف کا وفد بھی اس سال ۹ھ / ۶۳۰ء میں مدینہ آیا اور اسلام لانے کے وقت یہ درخواست کی کہ وہ اپنے یہاں کے بت لات کو خود مسمار نہیں کریں گے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیانؓ مغیرہ بن شعبہ کو بھیج کر لات کے صنم خانہ کو ڈھہوایا، پھر اسی سال نجران سے بنو حرث کا ایک وفد آیا اور یہ لوگ اپنے قبیلہ کی طرف سے اسلام لائے، لیکن نجران کی آبادی میں زیادہ تعداد عیسائیوں کی تھی، ان لوگوں کا جداگانہ وفد آیا اور عیسائیت پر قائم رہنے اور جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی، آپ نے ان کی مذہبی آزادی برقرار رکھی اور جزیہ کی رقم متعین فرمادی، اس کے ساتھ یہ شرط کی کہ وہ اب نجران میں سودی کاروبار نہ کرسکیں گے ورنہ معاہدہ منسوخ ہو جائے گا، اس لئے کہ حکومت الٰہیہ قائم ہو چکی ہے، اس کی حدود میں اسلامی قانون نافذ رہے گا۔

وفود کے سلسلہ میں ایک وفد غداری کے ساتھ آیا تھا، یہ بنو عامر کا وفد عامر بن طفیل

کی سرکردگی میں تھا۔ ان میں ایک شخص اربد نامی بھی تھا، اس سے عامر بن طفیل نے سازباز کی کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باتوں میں لگائے گا، وہ موقع پاکر آپ کو قتل کر ڈالے پھر سب ہی لوگ فرار ہو جائیں گے، چنانچہ عامر نے باتیں شروع کیں، مگر اربد کے دل پر جلالِ نبوت کا رعب ایسا چھایا، کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا، وفد اپنے ناپاک منصوبہ کو پورا نہ کر سکا اور رخصت ہو گیا، لیکن ابھی یہ لوگ اثنائے راہ میں تھے، کہ عامر بن طفیل طاعون میں مبتلا ہوا اور راستہ ہی میں انتقال کر گیا، اس واقعہ کے بعد اس قبیلہ کے لوگ بھی پھر مدینہ منورہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

عہد نبوی میں جنوبی عرب اور عراق وشام میں اشاعت اسلام

جنوبی عرب کی حیثیت، عرب کے عام خطوں سے علیحدہ تھی، اوپر گذر چکا ہے کہ یمن وغیرہ ایرانیوں کے تسلط میں تھے، ایران وعرب کے تعلقات قدیم تھے، قبیلہ طی کے لوگ یہاں تجارت کے توسط سے آیا کرتے تھے، اس لئے فارسی میں طی کا بگڑا ہوا تلفظ "تازی" تھا۔ عرب یہاں اسی نام سے موسوم تھے۔ عرب تارکان وطن نے، جیسا اوپر گذرا، عہد نبوی سے صدیوں پہلے عراق کے شہر حیرہ (کوفہ) میں اپنی سلطنت قائم کی تھی، جو آگے چل کر ایرانیوں کی باج گذار بن گئی تھی۔ ایرانیوں کو عربی مدنیت کا ماحول ایسا پسند آیا، کہ وہ اپنے شہزادوں کو پرورش اور تربیت کے لئے مدائن کی بجائے حیرہ میں بھیجتے تھے، پھر ایرانیوں نے حبشیوں کو نکال کر یمن پر قبضہ کر لیا اور حیرہ و یمن کے علاوہ مشرقی وجنوب مشرقی عرب کے ساحلی علاقے عمان، الحساد، بحرین، ہجر وغیرہ میں بھی ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے تھے۔

آگے چل کر حیرہ کے عربوں اور ایرانیوں کے تعلقات اچھے نہیں رہے۔ ایرانی و عربی عصبیت پیدا ہو گئی اور ایرانیوں نے عربوں پر ستم رانی شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مدنی دور شروع ہو چکا تھا اور جیسا کہ اوپر گذرا، آپ نے ایرانی شہنشاہ کو جو مکتوب بھیجا تھا، اس کے جواب میں اس نے یمن کے گورنر باذان

Marfat.com

کو تحکمانہ حکم بھیجا، اور اس نے دو قاصد مدینہ منورہ روانہ کئے، جس کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا "پچھلی رات کو ہمارے رب نے تمہارے رب کو مار ڈالا"۔ کسریٰ کے مارے جانے کی یہ تاریخ صحیح نکلی۔ اس سے متاثر ہو کر باذان نے اسلام قبول کر لیا، اور اس کے اثر سے کچھ اور لوگ اسلام لائے۔ حیرہ میں عربی و عجمی عصبیت جو پیدا ہوئی تھی، اس کے زیر اثر عرب، مظالم کے شکار تھے، وہ اپنی عربی عصبیت کے سبب اسلام کی طرف مائل ہوئے اور کچھ عربوں نے اسلام قبول کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ خلافت صدیقی کے آغاز میں ایرانی سرحد کے ستم رسیدہ مثنیٰ شیبانی کے زیر قیادت مدینہ میں آئے اور ایران پر حملہ کے لئے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں جو ایران کی عرب کش سیاست کا ردعمل تھا۔

عہد رسالت میں جنوبی عرب اور جنوب مشرقی عرب میں مختلف عرب قبائل کے سردار جیفر، عبد، ہوذہ، باذان، منذر بن ساویٰ وغیرہ ایرانی سیادت کے زیر نگرانی مختلف مقاموں پر گورنر تھے، ۶ھ ۶۲۷ء میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کو پہلا دعوتی مکتوب بھیجا تھا، پھر آپ نے مسلسل خطوط ارسال فرمائے، جن میں سے نَو، دس خطوں کی اصل آج تک محفوظ ہے، اور جن میں اس زمانہ کے بحرین کی پوری سیاست کی تاریخ موجود ہے، ان تمام مقاموں میں عربی قومیت و وطنیت کی تحریک اٹھ چکی تھی، اور غیر ملکی ایرانی تسلط سے لوگ آزادی چاہتے تھے، ایران کی مرکزی حکومت اپنے داخلی فتنوں اور تخت نشینی کے جھگڑوں سے کمزور ہو رہی تھی، اس لئے وہ ان مقاموں کو اپنی مضبوط گرفت میں نہیں رکھ سکتے تھے، اس لئے عہد رسالت میں یہ ممکن ہو سکا کہ کشت و خون کے بغیر محض تبلیغ و ارشاد و دعوت کے ذریعہ اسلام کو پھیلایا جا سکے، چنانچہ ایران کے زیر اثر ان مقامات میں تلوار کی مدد کے بغیر صلح و امن اور افہام و تفہیم کے سایہ میں اسلام کی صدا بلند کی گئی اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائے بازگشت آئی۔

ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغ اسلام کے لئے جو صحابہ بھیجے گئے تھے ان میں

Marfat.com

سے حضرت خالد بن ولید کا تقرر یمن کے لئے کیا گیا تھا۔ یمن میں ایک بڑا با اثر ممتاز قبیلہ ہمدان تھا، حضرت خالد چھ مہینے تک اس قبیلہ میں کام کرتے رہے اور انھیں اسلام لانے کی ترغیب دیتے رہے، لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ؁ ۶۲۹ء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششیں بار آور کیں اور ان کے ہاتھ پر پورا قبیلہ ہمدان ایمان لے آیا۔ بارگاہِ رسالت میں یہ خوش خبری پہنچی تو آپ نے سجدۂ شکر کیا، پھر سر اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا "السلام علیٰ ہمدان" پھر حضرت علی کے ہاتھ پر یہاں کا دوسرا با اثر قبیلہ مذحج ۱۰ھ؁ ۶۳۱ء میں اسلام لایا اور یمن میں فارس کے جو نو مسلم کے شاہزادے قیام پذیر تھے، اور جو ابناء (صاحبزادے) کہے جاتے تھے، ۱۰ھ؁ ۶۳۱ء میں ان میں کے چند معززین بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، پھر یہاں اسلام کی مزید اشاعت و استحکام کے لئے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری مامور ہوئے، اور اب پورے یمن کا دین اسلام ہی تھا، یہ صحابہ گویا یمن کے والی و محصل و قاضی بھی تھے۔

بحرین میں قبیلہ عبد القیس آباد تھا، اس کے رئیس منقذ بن حبان مدینہ آئے، اور اسلام قبول کر کے واپس گئے، ان کے اثر سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا، تیرہ آدمیوں کا ایک دوسرا وفد ۸ھ؁ ۶۲۹ء میں بحرین سے مدینہ آیا، اسلامی تعلیمات حاصل کیں اور قبیلہ میں تعلیمات کو پھیلایا، ۸ھ؁ ۶۲۹ء میں آپ نے علاء حضرمی کو یہاں بھیجا اور ان کی ترغیب سے یہاں کا ایرانی گورنر منذر بن ساویٰ نے اسلام قبول کیا۔ منذر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکاتبت مسلسل قائم رہی۔ منذر کے اسلام لانے کے اثر سے بحرین کے تمام عرب و عجم ایمان لے آئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان ہی عجمیوں میں ہندوستانی قبیلہ جاٹ کے جس کو عرب زط کہتے تھے کچھ لوگ بھی اسلام لائے۔

عمان میں قبیلہ ازد بھی آباد تھا، وہ اسلام لا چکا تھا۔ ۸ھ؁ ۶۲۹ء میں آپ نے یہاں کے دو رئیسوں جیفر اور عبید کو اسلام کی دعوت کے خطوط ابو زید انصاری کی معرفت بھیجے تھے،

Marfat.com

یہ دونوں اسلام لے آئے اور پورا عمان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

حضرموت میں کندی خاندان کی حکومت تھی، اس زمانہ میں اشعث بن قیس یہاں کا حاکم تھا، سنہ ۱۰ھ ۶۳۱ء میں اسی آدمیوں کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے مدینہ حاضر ہوا۔ بارگاہِ نبوت میں نذرِ عقیدت پیش کی اور پوری جماعت کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ یہ لوگ اس سفر میں حیرہ کی قیمتی چادر کاندھوں پر ڈالے تھے جس کے سنجاف حریر کے تھے۔ مردوں کیلئے ریشمی کپڑے پہننا ناجائز ہو چکا تھا، ان لوگوں کو معلوم ہوا تو اسی وقت اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر زمین پر پھینک دیں۔

اسی طرح سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں مختلف مقاموں پر قائم کرلی تھیں، ان لوگوں نے بھی اپنی اپنی سفارت بھیج کر اسلام قبول کیا۔

لیکن رومیوں کے زیر اثر علاقہ شام کے حالات عہد نبوی میں جداگانہ رہے باایں ہمہ اسلام کی آواز یہاں بھی پہنچی، تو علاقہ معان کا گورنر منزوہ بن عمرو اسلام لے آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبولِ اسلام کی اطلاع کے ساتھ ہدایا بھیجے، رومی عیسائیوں کو معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا، اس وقت ایک شعر ان کی زبان پر تھا کہ "مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو، کہ میرا جسم اور میری عزت سب کچھ اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے۔"

مسلمان سرداروں نے یہ پیام سنا اور شام کا چپہ چپہ کچھ دنوں کے بعد اسلامی پرچم کے زیر نگیں آیا۔

تکمیلِ دین و تاسیسِ شریعت

اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس برس کی مدت میں تبلیغ و اشاعت سے دنیا کے سامنے صحیح عقائد نکھر کر سامنے آگئے۔ تعلیمات پھیلیں اور ایک کامل قانون، مکمل شریعت، ابدی مذہب اور ایک عملی جماعت جو خدا پرستی، اخلاق و ایثار،

تدین و تقویٰ، ایمان داری اور سچائی کا سرچشمہ بن کر متحدہ قومیت، متحدہ سلطنت اور متحدہ اخلاقی نظام کا ایک ایسا عہد آیا، کہ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہوگیا اور خود آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا "ہاں! اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آگیا جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا" اور پھر اسی وداعی تقریر کے آخر میں فرمایا "میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ عالم ہے کہ اس کی رات بھی دن کی مانند ہے"۔ اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری سنائی، کہ "آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی"۔

اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات اور ان کے اثرات

آپ کی ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے اور انہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ عقیدہ، عبادات، معاملات و اخلاق ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں عقائد کا نام ایمان اور عبادات و معاملات اور اخلاق کے مجموعہ کو اعمال صالحہ کہتے ہیں۔ اور ایمان و عمل صالح کے مجموعہ کا نام اسلام کامل ہے۔ ایمان کامل کے تین اجزا ہیں، دل سے یقین کرنا، زبان سے اقرار کرنا، جوارح اور قلب سے عمل کرنا، جس کے دل میں یقین نہیں ہے اور زبان سے اقرار اسلام کرتا ہے وہ دراصل منافق ہے، مگر اس کے نفاق کا حال اللہ کو معلوم ہوتا ہے، اس کے اقرار اسلام پر اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا، کسی کو مسلمان کہنے کے لئے خود اس کا اپنے آپکو مسلمان کہنا بھی ضروری ہے، اگر اس کے دل میں ایمان ہے اور زبان سے اقرار نہیں کرتا تو در اصل وہ مومن تو ہو سکتا ہے مگر اس کو مسلم نہیں کہہ سکتے اور اصطلاح میں اس کو مومن بھی نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ دل کا حال بجز خدا کے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا، اور جس میں اعمال صالحہ نہ ہوں گے، وہ مومن و مسلم تو ہوگا مگر فاسق و فاجر ہوگا، اور جس درجہ اعمال صالحہ میں کمی بیشی ہوگی اور گناہ کبائر و صغائر و اخلاقِ ذمیمہ سے اس کا دامن جس درجہ داغدار ہوگا اسی درجہ پر اس کے فسق و فجور کی منزل ہوگی، اور جس میں یہ دونوں اجزا یعنی ایمان و عمل صالح بہ درجہ

Marfat.com

تمام موجود ہیں، وہ مومن کامل ہے اور اسلام نے بتایا ہے کہ مومن کامل کے لئے دخول نار حرام اور صرف مومن کے لئے خلود نار حرام ہے، یعنی اگر کوئی صاحب ایمان ہے اور فسق و فجور سے اسکی زندگی ملوث ہے، وہ اپنی غفلتوں سے کبھی اپنے معاصی سے تائب بھی نہ ہوا اور خدا کی رحمت و مغفرت کے دروازے ابتدائے روز قیامت میں نہ کھل سکے تو اپنے اعمال کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جائے گا، یہاں تک کہ وہ وقت آجائے کہ خدا دوزخ سے ہر اس فرد بشر کو نکال لے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، یعنی کوئی صاحب ایمان ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہ سکتا، شفاعتِ محمدی اور رحمتِ یزدانی سے وہ ایک نہ ایک دن وہاں سے نکل کر جنت میں داخل کیا جائے گا، لیکن جس مومن کا دامن گناہوں کی آلائشوں سے داغدار نہیں، اسلام کی تعلیمات، عقائد و اعمال صالحہ کے مطابق وہ اپنی زندگی گذار کر وہ اس عالم میں پہنچا ہے جنت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں، وہ پرتپاک خیر مقدموں کے ساتھ وہاں داخل کر لیا جائے گا۔ ایسے نفوسِ قدسیہ کے لئے دوزخ کی آگ حرام ہو چکی ہے۔

اسلام کے بنیادی اصول و قواعد | اسلام کے فرائض اور دین میں عقائد توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر، جزا و سزا وغیرہ ہیں، مکہ کے قیام کے زمانہ میں شرکت و بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کا ہولناک سماں، جنت و دوزخ کا پُر اثر بیان اور رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل بیان کئے گئے، مدینہ میں آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصولوں کی مجموعی تعلیم دی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نوع انسان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور یہ تصریح کی گئی کہ کہ وہ خود بھی خدا اور اس کے حکموں پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی اتباع کریں، آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو ..... اور اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان

Marfat.com

کے روزے گھوڑ۔ ان عقائد کے ساتھ قضا و قدر پر بھی ایمان لانا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

عبادات اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید و رسالت کے اقرار کے بعد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی عبادتوں کو ادا کرنا ہے۔ اسلام کی عمارت انہی پانچ ستونوں پر قائم ہے۔

نماز شب و روز میں پانچ وقت فرض ہے، جس میں انسان اپنے دل، زبان اور اعضائے سے اپنے خالق کے سامنے اپنی بندگی و عبودیت کا اظہار کرتا ہے، یہ گویا انسان کے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے، جس میں حسن ازل کی حمد و ثنا، اس کے احسانات کا شکریہ اور اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار کیا جاتا ہے، یہ خالق و مخلوق کے درمیان وابستگی کا ایک شیرازہ ہے جس سے خدا اور بندے کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑا جاتا ہے۔

نماز کے لئے صرف ایک پاک، ستر پوش لباس، پاک جسم اور پاک دل کی ضرورت ہے۔

نماز کے لئے سب سے ضروری شرط طہارت ہے جو بہ ضرورت غسل، ورنہ اس کا حصول صرف وضو کی شکل میں رکھا گیا ہے، اور اگر پانی نہ مل سکے، یا اس کے استعمال سے مضرت کا اندیشہ ہو، تو تیمم کافی ہے، نماز کے فائدہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسان کے دل میں خدا کی کبریائی اور اپنی بے چارگی کا نقش پیدا کرتی ہے، خدا کی یاد سے قریب کرتی ہے اور انسانوں کو برائیوں سے بچاتی ہے، اور اس سے رزق میں وسعت آتی ہے۔

زکوٰۃ کا تعلق انسانوں کے درمیان باہمی ہمدردی اور معاونت سے ہے، نماز اگر حقوق الٰہی ہیں، تو زکوٰۃ حقوق عباد ہیں، اور ایک مسلم کے دل میں یہ حقیقت راسخ ہوتی ہے کہ مال و دولت اس کی ملکیت نہیں، اس کا اصل مالک خداوند تعالیٰ ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں، زکوٰۃ دینے والا گناہ اور دوسری روحانی و اخلاقی برائیوں سے پاک ہوتا ہے اور امیروں کی دولت سے غریبوں کی حاجت روائی ہوتی ہے۔

روزہ کو عربی میں صوم کہتے ہیں جس کے معنی رکنے اور چپ رہنے کے ہیں۔ انسانی

Marfat.com

خواہشوں اور حرص و ہوا کے تین مظہر کھانا پینا اور جنسی تعلقات کا ہوتا ہے۔ انہی تینوں سے ایک معین وقت تک رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ جذبات کے تلاطم میں اپنے کو بچا لینے سے ملکوتی خصائص جلوہ گر ہوتے ہیں، قرآن مجید کا نزول ماہ رمضان میں پہلی مرتبہ ہوا۔ اس تاریخی واقعہ کی یاد میں اسی ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تاکہ اللہ کا شکر ادا ہو کہ اس کو نازل کر کے ایک عظیم نعمت سے اس نے انسانوں کو نوازا۔

حج کا مقصد خدا کی برکتوں اور رحمتوں والی اس پاک سرزمین پر حاضر ہونا جہاں حضرت ابراہیم نے خدا کا پہلا گھر بنایا اور اسلام کی دعوت کا علم بلند کیا۔ احرام باندھتے ہی انسان معمول کی زندگی سے نکل کر دنیاوی عیش و عشرت کو حرام کر لیتا ہے اور یکسوئی، پاکیزگی اور امن و سلامتی کی تصویر بن کر اس سرزمین پاک کی رحمتوں اور سعادتوں سے فیضیاب ہوتا ہے اور اس کے انوار کی تجلیوں سے اپنے دل کو روشن کرتا ہے۔ حج، حج کرنے والے کی پہلی اور آئندہ زندگی کا حد فاصل ہے، اگر خلوص کے ساتھ اس کا حج ادا ہوا تو گویا اس دنیا میں وہ نئے سرے سے معصوم بن کر ماں کی گود میں آیا ہے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور عالمگیر اخوت کے رشتہ کو پیدا کرتا ہے، اس کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ سے لوگ اس پاک سرزمین میں ایک وقت میں ایک لباس اور ایک حال میں یکجا ہوتے ہیں اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہونے کے رشتہ کی یاد کو تازہ اور استوار کرتے ہیں۔

اسلام کے ان چاروں ارکان کے علاوہ ایک جہاد بھی رکن عظم ہے جو امام کے حکم سے جب فرض کفایہ ہوتا ہے، فرض ہوتا ہے اور حق کی بلندی، اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کو گوارا کرنا اور اپنی جان و مال کو اس راہ میں لگا دینا ایک مسلم کا فرض ہو جاتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور انعاموں سے نوازا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ ظاہری عبادتوں کے ساتھ پانچ روحانی

Marfat.com

عبادتوں کی بھی تعیین کی ہے، وہ تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر ہیں۔ اسلام جسد و روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، ظاہری عبادتیں ان پاکیزہ روحانی عبادتوں کے بغیر جسد بے روح ہیں اور اگر صرف یہ پاکیزہ روحانیت اختیار کر لی جائے تو روح اپنے مستقر کالبد خاکی میں آنے کے لئے بے چین رہے گی اس لئے ایک سچے مسلمان کے لئے ان ظاہری اور باطنی دونوں عبادتوں کا یکجا ہونا ضروری ہے۔

تقویٰ: انسانی ضمیر میں خیر و شر کی تمیز کے لئے جو خلش موجود رہتی ہے دل کی اسی کھٹک کا نام تقویٰ ہے، جس سے انسان اچھائیوں کی طرف مائل ہوتا اور برائیوں سے دامن سمیٹتا ہے، اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے، اس راہ میں کبھی عزت، شہرت، جاہ و منصب اور سیم و زر سے محرومی ہوتی ہے، لیکن اسلام نے بتایا ہے کہ "آخری انجام تقویٰ والوں ہی کے لئے ہے، اور اللہ تقویٰ والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اخلاص یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے وہ کسی دنیاوی غرض، نمود و نمائش، جلب منفعت، اور طلب شہرت یا طلب معاوضہ کے لئے نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی مقصود ہو۔ آپ نے فرمایا "فساد قلب کے ساتھ زاہد شب زندہ دار کی عبادتیں بے سود ہیں۔ خدا تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھے گا۔ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھے گا..... بس تمام کاموں کا دارومدار نیتوں ہی پر موقوف ہے۔" آپ نے فرمایا "انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا، ہاں! وہ ٹکڑا دل ہے۔"

توکل کے معنی خدا پر بھروسہ کرنے کے ہیں، کسی کام کو پورے ارادہ، عزم اور سعی کوشش سے اس یقین کے ساتھ انجام دینا کہ اگر بھلائی ہوگی تو خدا ضرور کامیاب کرے گا۔ توکل ترک عمل، اسباب و تدبیر سے بے پروائی نہیں، بلکہ ہر کام کو انجام دے کر صرف خدا کی نصرت پر بھروسہ رکھنا ہے۔

صبر کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر کامیابی کے انتظار میں اپنے مقصد پر

Marfat.com

جمے رہنا، اور نتیجہ مناسب حال نہ ہو تو دل کو مضبوط رکھنا اور اس کو خدا کی مصلحت سمجھ کر جھیل لینا ہے، لیکن یہ استقامت، صبر و برداشت کسی کمزوری یا مخاصمت، خوف یا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ صرف خدا اور اس کی خوشنودی کی طلب و جستجو کے لئے ہو۔

شکر یہ ہے کہ اگر کامرانی کی نعمت ملے تو مغرور نہ ہو، خدا کا فضل و کرم اور عطیہ سمجھ کر سپاس گذار ہو، اسلام نے انسانی زندگی میں ان اصولوں کو مشعلِ راہ بنائے رکھنے کی تلقین کی ہے۔

معاملات عبادات کا تعلق عبد و معبود کے درمیان ہے، معاملات کا تعلق بندہ کا بندہ کے درمیان ہے، یعنی انسانی معاشرہ میں ایسے احکام کا نفاذ جس سے سب کے حقوق ادا ہو سکیں، اس سلسلہ میں وراثت، وصیت، وقف، نکاح، طلاق، حدود و تعزیرات کے قوانین ہیں۔ یہ احکام و قوانین ۳ھ ۶۲۴ء سے ۱۱ھ ۶۳۲ء تک نازل اور نافذ ہوتے رہے ان کا اجمالی تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔

محاسنِ اخلاق کی تکمیل انسان کا تعلق دنیا کی ہر شئے سے کچھ نہ کچھ پیدا ہوتا ہے، اس تعلق کے فرض کو بہ حسن و خوبی انجام دینا اخلاق ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دنیا نے اخلاقی تعلیمات کا مکمل صحیفہ حاصل کیا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق خدا اس وقت تک اپنا حق بندوں سے طلب نہیں کرتا ہے جب تک وہ بندوں کے حقوق سے عہدہ برآ نہ ہو لے، جب تک اہل و عیال کے نفقہ کے مصارف پورے نہیں ہوں، نہ زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور نہ حج کیا جا سکتا ہے اور ایسی نماز بھی انسان کو خدا سے دور کر دیتی ہے جو اس کی بدی اور برائی کو، جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، نہ روکے۔ ایمان دل کے اندر کی بات ہے، اس کی پہچان اور ظاہری علامتیں اس کے اخلاق حسنہ قرار پائے ہیں، آپ نے فرمایا "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں" مومن نہ کسی پر طعن کرتا ہے، نہ کسی کو بد دعا دیتا ہے اور نہ گالی دیتا ہے، نہ بدزبان

ہوتا ہے... مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔"

اخلاق حسنہ، صفات الٰہی کا ظل اور سایہ ہیں، اسی کے صفات کی ہلکی کرنیں اخلاق حسنہ کے پرتو میں ہیں، اچھے اخلاق وہی ہیں جو صفات ربانی کا عکس ہیں اور خدا کی صفات کے جو منافی ہیں وہ برے اخلاق ہیں، البتہ بعض صفات خدا کے لیے خاص ہیں، جیسے کبریائی اور بڑائی۔ اسلام نے ان مخصوص صفات کا پرتو بندوں کے لیے ان کے مقابل اخلاق، تواضع، خاکساری اور فروتنی کو رکھا، اس لیے انسانی اخلاق، صفات الٰہی کے انوار کے کسب وفیض کا سبب ہیں، انسان اس کسب وفیض میں جس قدر سبقت کرے گا، اس کی روحانی ترقی کے مدارج بلند ہوں گے۔

اسلام نے اخلاق کی تین قسمیں کیں، حقوق، فضائل و آداب، اسلامی صحیفہ اخلاق کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ انسان پر دوسرے انسانوں، بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کے کچھ حقوق ہیں، انھیں صحیح طور پر انجام دینا اسلام کی پہلی قسم کے اخلاق یعنی حقوق کی صحیح ادائی سمجھی جاتی ہے، یہ حقوق اللہ کے بندوں پر، بندوں کے باہمی حقوق ایک دوسرے پر ہیں۔ اسلام نے انسانوں کے باہمی رشتوں کو کھول کر بیان کیا۔ ماں، بیٹے، بھائی، بہن قرابت مند اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق و فرائض ایک دوسرے سے وابستہ متعین کئے اسی طرح جانوروں کے حق کی ادائی یہ قرار دی کہ انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے، ان سے وہ مصرف لیا جائے جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا "بیل کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان پر سواری نہ کرو...... پیاسے کتے کو پانی پلاؤ... بھوکی بلی کو کھانے کو دو...... اگر تم نے ایک چیونٹی کو بھی بلا سبب نقصان پہنچایا تو تمھیں مجرم کے کٹہرے میں آنا پڑے گا۔" نباتات و جمادات کے متعلق کہا گیا کہ انھیں بے موقع نہ صرف کیا جائے، ان کی نشوونما اور تربیت کی جائے، آپ نے تصریح سے منع فرمایا کہ "پھل دار درختوں کو نہ کاٹو" اخلاق کی دوسری قسم فضائل وہ اصل انسان کے ذاتی کردار اور چال چلن کی بلندی کا سرچشمہ۔

Marfat.com

ان فضائل کے برعکس کا نام رذائل ہے، جو اخلاق ذمیمہ کہے جاتے ہیں۔ تیسری چیز آداب، یہ ہیں کہ انسان اپنے کاموں، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، بولنے چالنے اور آنے جانے کے طور طریق، اچھے ڈھنگ اور عمدہ طریقہ سے بجا لائے اور ایک مہذب معاشرہ کا مہذب فرد بنا رہے۔

معلمینِ اخلاق دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے۔ معلمین اخلاق دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کی تعلیمات کا سرچشمہ کوئی الہامی کتاب ہے، دوسرے وہ جنہوں نے اپنے فلسفۂ حکمت اور عقل و دانائی پر اپنے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد رکھی، آخری معلم اخلاق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام خداوندی، عقلی دقیقہ رسی، فرمانِ الٰہی، اخلاقی نکتہ دری یعنی کتاب و حکمت دونوں کی آمیزش سے اپنا صحیفہ اخلاق مرتب فرمایا، جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہوا کہ ان کے قدم سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہ پائیں، اور خود ان کا ضمیر ان کے فرض کو یاد دلاتا رہے اور اپنی فطری صلاحیتوں سے اپنے اخلاق کو سنوارتے رہیں۔

آخری معلم اخلاق کی کتابِ زندگی انبیاء، حکماء میں یہ امتیاز ہے کہ انبیاء کے ساتھ ان کی معصوم زندگی، مقدس کارنامے اور پاک نقوش و اثرات ہوتے ہیں، پھر انبیاء میں یہ فرق مراتب ہے کہ دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے بے نقاب ہو۔ تمام معلمین اخلاق میں حضرت مسیح اور مہاتما گوتم بدھ کا درجہ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، لیکن ہندوستان کے اس مصلح اعظم علمی و اخلاقی زندگی کے کتنے جزئیات ہمارے سامنے ہیں۔ کوہ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کے واعظ حضرت مسیح دنیا کو اخلاق کا وعظ سنا گئے، لیکن کیا اُن کی زندگی کا ایک واقعہ بھی ان کے مقولوں کی تائید میں موجود ہے، لیکن کوہ فاران کے متمم اخلاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکار کر فرماتے ہیں" جو کچھ کہتے ہو"

Marfat.com

اس کو کرتے کیوں نہیں؟" یہ آپ ہی کا امتیاز ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا سب سے پہلے اس کو کر کے دکھایا، اس کے ساتھ یہ سرزنش سنائی کہ دوسروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟ آپ ایسے معلم اخلاق تھے کہ آپ کی کتاب زندگی کا ہر ورق کھلا ہوا تھا اور وہ آج بھی پڑھا جاتا ہے، اور قول و عمل کی ہم آہنگی سطر سطر میں نظر آتی ہے۔

حسنِ اخلاق و عمل کے چند پیکر اس صحیفۂ پاک کی دعوت سے حسنِ اخلاق و عمل کے ایسے پیکر تیار ہوئے، جنھوں نے خدا پرستی سیکھی اور دوسروں کو سکھائی، حسنِ اخلاق کے نمونے بنے اور دوسروں کو زیورِ اخلاق سے سنوارا، خود صداقت، اخلاص، ایثار، ہمدردی، مروت، زہد و تقویٰ کے کمال، ایمان و عملِ صالح کے ساتھ نمونہ بنے اور اپنی سیرت و کردار کے اثرات سے ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کیا اور انہی کے ہاتھوں دنیا نے ایک نئے تمدن کا جلوہ دیکھا، نئے علوم و فنون اور فلسفہ کی موشگافیاں سیکھیں اور اس نئی تہذیب و تمدن، علوم و فنون، فلسفہ، حکمت، اور اخلاق کے زریں اصولوں کے انمول جواہر سے ان کے دامن بھرے ہوئے تھے۔ اس تازہ دم قوم نے یقینِ محکم اور اخلاق کے زریں اصولوں سے آراستہ و پیراستہ جس سمت بھی رخ کیا، دنیا نے اس کے قدم چومے اور اسلام کا پرچم عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچا اور ملک کے مختلف خطوں کے آسمان کے نیچے لہرانے لگا۔[1]

---

[1] حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کی تصنیف سیرۃ النبی جلد چہارم میں اسلام کے عقائد، اور جلد پنجم میں عبادات کے تفصیلی بیان و مباحث ہیں، ان تفصیلات کے لئے سیرۃ کی ان دونوں جلدوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

Marfat.com

تاسیسِ حکومتِ الٰہیہ

انسانی فوز و فلاح کے یہ تمام اہم کارنامے صرف تئیس ۲۳ برس کی مختصر مدت میں پیغمبرانہ فرائض کی ادائی کے ثمرہ میں حاصل ہوئے ایک صالح مدنیت کی نشو و نما ہوئی، جس کی ایک اہم کڑی حکومتِ الٰہیہ کی تاسیس بھی ہے۔

وحدت کا حصول | عرب ایک واحد قوم کا واحد ملک تھا، لیکن تاریخ نے کبھی اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان نہیں دیا، اور نہ کبھی یہاں کوئی ایک پرچم لہرایا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، قبیلہ قبیلہ کا بھی ناخدا رئیس تھا، جیسا کہ گذرا جنوبی عرب میں حمیری اور دوسری ریاستیں قائم تھیں مگر وہ اپنی آزادی کھو چکی تھیں، ایران کی باجگذار تھیں، ایرانیوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی، تو ہر شہر کا والی وہاں کا خود مختار حکمراں تھا اور شمالی عرب میں تو ریاست کا تصور ہی کبھی قائم نہیں ہوا۔ قصیٰ نے قریش کو ایک اجتماعی وحدت کے سانچہ میں ڈھالا مگر اس اجتماعیت کا مرکز مکہ تھا جس کو شہری مملکت کہہ سکتے ہیں، اس کے اثرات شمالی عرب کے کسی بڑے خطے میں نہیں پھیل سکے تھے، پھر اس میں بھی اضمحلال آگیا تھا اور خانہ جنگیاں عرب کے چپہ چپہ میں پھیل گئی تھیں، کندہ و حضرموت، بکر و تغلب، اوس و خزرج کے معرکوں کی یاد تازہ تھی، پھر حرم میں قیس و قریش کی خون آشامیوں کی چھینٹیں ابھی خشک نہیں ہوئی تھیں، کہ آفتابِ رسالت بطحا کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا اور یہاں کی نمناک زمین تابناک ہو گئی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو اسلام کے رشتہ سے باہم پیوست کیا، خون، قرابت اور نسل کے تار و پود بکھیر دیئے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی برقی لہر عرب کے چپہ چپہ میں دوڑ گئی اور اب نہ صرف پورا عرب ایک ملک اور متحد قوم تھا بلکہ شام و عراق کے وہ عرب جو مجوسیت و نصرانیت کے گمراہ میں پہنچ گئے تھے، توحید کے نغموں کی لوریاں سن کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی دعوتِ اسلام کو قبول کر کے پرچمِ اسلامی کے زیرِ سایہ آنے کے لئے عہدِ رسالت ہی میں بے قرار ہو گئے۔ نکتہ چیں مورخ مارگولیتھ نے بھی اعتراف کیا کہ :

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا، آپ ایک سلطنت کی (جس کا سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا) بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ آپ نے ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔"

عربوں کے اتحاد کے ساتھ یہودی داخلی خطرات کو بھی آپ نے دور کیا۔ خیبر کی فتح کے بعد یہود کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ مدینہ پر رومیوں کے دستک دینے کے ارادوں کا جنگ تبوک کے ذریعہ استیصال کیا اور ۱۴۱ھ میں داعیانِ اسلام کے پہنچنے کے بعد یمن، عمان اور بحرین وغیرہ میں ایران کی قبائے سلطنت تار تار ہو گئی۔ غرض دس سال کی پیہم کوششوں سے قریش و یہود کی سیاسی طاقت اور سازش کا طلسم ٹوٹ گیا، قبائل کی خانہ جنگیاں ختم ہو گئیں، بیرونی خطرات کا انسداد ہوا، عرب میں کامل وحدت پیدا ہوئی اور ایک قلب اور ایک قوم عرب نے اسلام کے پرچم کو سنبھال لیا، جو حکومتِ الٰہیہ کے عزو شان کا نشان تھا۔

قیامِ امن و اماں | اس کے ساتھ تمام ملک میں کامل امن و اماں کا دار دورہ ہو گیا وہ ملک جو قتل و غارت گری، رہزنی، خونریزی، ڈاکہ اور رہزنی کا خوگر اور تار انتقام اور دیت کا پیاسا تھا، ایسا شائستہ اور پرامن شہریوں کا ملک ہو گیا کہ آپ نے بشارت سنائی کہ "وہ زمانہ آنے والا ہے جب صنعاء سے حیرہ تک ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی" اور چند ہی سال میں قوم کی اخلاقی برتری کا یہ نقشہ نظر آیا کہ حاتم طائی کے جوان صاحبزادے حضرت عدی نے شہادت دی کہ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق لوگ صنعاء سے حجاز تک تنہا سفر کرتے اور خشیت الٰہی کے سوا کوئی خوف راستہ میں نہ ہوتا۔"

امن کا یہ قیام اور اس کی محافظت کسی فوج اور پولیس کے ذریعہ نہیں بلکہ ان بلند محاسن و اخلاق سے [illegible] تھی جن کے پرتو سے عرب کے دل روشن ہو چکے تھے۔ اب وہ ایک پورا ملک [illegible] لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اپنے سینہ سے لگایا اور روئے زمین کے چپہ چپہ تک اس دعوت کو پہنچایا اور دنیا کے لئے پیام امن کے داعی بنے۔

قیام حکومت دین و مذہب کی نگاہ میں بعثت محمدی کا اصل مقصد توحید کی دعوت، اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کی تلقین، نفوس کا تزکیہ اور معاشرہ کی اصلاح تھا سلطنت و حکومت، نبوت کے لوازم میں نہیں، بلکہ تاسیس حکومت کی حیثیت دین و مذہب کی نگاہ میں ایک ضمنی و ثانوی درجہ رکھتی ہے، اگر وقت اور ضرورت داعی ہوئی تو حکومت کی زمام بھی صاحب نبوت نے لے لی۔ اور اگر ضرورت نہیں رہی تو انبیاء کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر حضرت موسیٰ، داؤد و سلیمان علیہم السلام صاحب حکومت تھے تو حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔

حکومت الٰہیہ کی ابتدائی داغ بیل لیکن عرب میں جب بعثت محمدی کے ملک و قوم کی وحدت پیدا ہو گئی اور سب ایک ہی مذہب کے ماننے والے بھی بن گئے تو ضرورت داعی ہوئی کہ ملکی انتظامات کی زمام بھی نظم و ترتیب کے ساتھ ہاتھ میں لے لی جائے۔ اس کی پہلی ضرورت ۸ھ / ۶۲۹ء میں فتح مکہ کے بعد مسلم قبیلوں سے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں کے تقرر کے سلسلہ میں پیش آئی، پھر رفتہ رفتہ دو برس کے اندر ۱۰ھ / ۶۳۱ء تک حکومت کے مختلف شعبے قائم ہوتے گئے، انتظام کے لئے کارکن منتخب کئے گئے اور مختلف قسم کے جو مذہبی، اصلاحی، معاشرتی و تعلیمی کام پہلے سے جاری تھے، ان کو بھی ایک نظم و ترتیب میں لے آیا گیا، مدینہ اس حکومت کا پایہ تخت قرار پایا، قرآن مجید و احادیث نبوی اس حکومت کے قانون و ضابطہ ٹھہرے۔

Marfat.com

مختلف علاقوں کے لئے عمال و نائبین و قضاۃ مقرر ہوئے۔ اب عرب جس طرح ایک قوم، ایک ملک اور ایک خدا کو ماننے والے تھے، اسی طرح صرف ایک حکومت کے ماتحت بھی تھے، جس کو اصطلاح میں حکومتِ الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا۔

حکومتِ الٰہیہ کا وعدۂ خداوندی اور اس کی غرض و غایت

اس حکومتِ الٰہیہ کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیا تھا، جس کو اس نے پورا کیا، پھر اسی طرح اس حکومت کی غرض و غایت بھی خود خداوند تعالیٰ نے اپنے لفظوں میں بیان فرما دی ہے، پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"خدا نے تم میں سے ایمان والوں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بلاشبہ ان کو زمین میں اپنی خلافت عطا کرے گا، جس طرح اس نے (بعض) پچھلی امتوں کو اپنی خلافت عطا کی تھی اور ان کے مذہب کو جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا، تاکہ وہ میرے پرستار رہیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔"[1]

فتح مکہ کے بعد تشکیلِ حکومت اور ملک میں امن و امان کے قیام سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اس کے ساتھ اس حکومت کی غرض و غایت ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے:

"مسلمان جن سے بلا سبب جنگ کی جاتی ہے ان کو جنگ کی اجازت دی گئی (کیوں) کہ وہ مظلوم ہیں، اور خدا ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے، ... اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کر دی جائیں... مسلمان وہ ہیں جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو

---

[1] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ الآية (سورۂ نور)

Marfat.com

عبادتِ الٰہی کریں، مستحقین کی مالی اعانت کریں، لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برائیوں سے روکیں، انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔"[۱]

"وہ لوگ جن کو اگر زمین میں ہم طاقت دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔"

ان آیاتِ بالا سے یہ استنباط ہوا کہ حکومتِ الٰہیہ کے حسب ذیل اغراض و مقاصد قرار پائے:

۱۔ اقامت دین مع جملہ معتقدات دین و لوازم و واجبات۔

۲۔ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ وغیرہ فرائض دین کی ادائی اور نگرانی۔

۳۔ غریبوں اور مستحقوں کی اقتصادی و مالی امداد و اعانت۔

۴۔ مقدس مقامات خانقاہوں، کلیسائوں، عبادت گاہوں اور مسجدوں کی حمایت و حفاظت۔

۵۔ نیکیوں کے لئے احکام کا نفاذ۔

۶۔ برائیوں کا انسداد اور ان پر احتساب۔

ان مقاصد کی یہ تفصیلات صرف ایک فقرہ "اقامتِ دین اور اس کے واجبات کی تعمیل اور اسلامی قوانین کے نفاذ" میں سمٹ سکتی ہیں، اور اگر ان کی تشریح کی جائے تو صفحوں کے صفحوں میں بیان کی جا سکتی ہے۔

خلیفۃ اللہ[۲] اس مملکت کی سربراہی تکلیم پیش پیغمبر خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں میں تھی، جو منصب نبوت کے ساتھ خلیفۃ اللہ کے منصب پر سرفراز فرمائے گئے، تاکہ قیام مملکت سے وہ اغراض و مقاصد پورے ہوں، جن کا ذکر اوپر گذرا۔ اس طرح اس ذاتِ گرامی کو دین و دنیا کی بادشاہی عطا ہوئی، جس کے کاشانہ میں نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ لطیف غذائیں، نہ جسمِ اطہر پر خلعتِ شاہانہ تھا، نہ جیب و آستین میں درہم و دینار۔ اگرچہ بڑے بڑے خزانے

---

[۱] اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ الآیہ (سورہ الحج)

[۲] خلیفہ و خلافت کے سلسلے میں آگے کے باب میں کسی قدر وضاحت سے بیان آئے گا۔

ان کے قدموں پر آ گرتا اور ڈھیلے کے ڈھیلے سونے لاکر رکھے جاتے، مگر وہ سب کو غریبوں اور مستحقوں میں تقسیم کرکے خود دامن جھاڑ کر اٹھ چلتا، اور سادہ حجرہ میں آ کر رات بسر کرتا جس میں حسرت و ناداری کے سبب رات کو چراغ تک نہ جلایا جاتا تھا، اور غذا کے لئے کسی گوشہ میں مٹھی بھر جو رکھی ہوتی تھی۔

حکومت کے مختلف شعبے اس خدائی حکومت کے نظام کے لئے جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی اس کے شعبے تشکیل پاتے گئے، اور مختلف وظائف و خدمات بھی ایک منظم شکل میں اس نظام کے تحت آ گئے جو فتح مکہ سے پہلے انجام پاتے تھے اس طرح حکومتِ الٰہیہ کے کام مختلف شعبوں مجلسِ شوریٰ، شعبۂ کشوری و عسکری، مالیات، قضا، احتساب، معیشت، نظام تعلیم وغیرہ کے تحت انجام پانے لگے۔

مجلس شوریٰ مجلسِ شوریٰ حکومتِ الٰہیہ کا ایک بنیادی ستون ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خداوندی فرمان "باہم مشورہ کیا کرو" کے مطابق تمام اہم اور وقتی مسائل میں مہاجرین و انصار صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ ممتاز صحابہ کرام قریب کے مشیر کار تھے اور جو روزمرہ کے مسائل ہوتے تھے۔ ان سے مشورہ کے لئے مہاجرین و انصار کا عام اجتماع فرماتے تھے اور جو بات مشورہ سے طے پاتی اس پر عمل فرماتے تھے۔ ان عام اجتماعات کے واقعات کا ذکر غزوات بدر، احد، احزاب اور خیبر وغیرہ میں گذر چکا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کے معاملات طے کرنے، یہودی رؤسا کعب بن اشرف، ابو رافع سلام اور بدر کے قریش قیدیوں اور فتح مکہ سے پہلے حاطب بن ابی بلتعہ اور ابو سفیان بن حرب کے متعلق بھی مشوروں کا ذکر گذر چکا ہے اسی طرح آپ مختلف ملکی و سیاسی معاملات اور عام نظم و نسق میں بھی مشورہ فرمایا کرتے تھے، اس طرح اسلام کی مجلسِ شوریٰ کی گویا دو جماعتیں خاص و عام تھیں۔ اس خاص جماعت کے ارکان چند ہی ممتاز صحابہ تھے جنہیں اصطلاح میں مشیر کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی مجلسِ شوریٰ کے نظام میں فیصلے رایوں کی کثرت و قلت کی بنیاد پر نہیں

Marfat.com

ہوتے تھے، بلکہ امام کی رائے آخری ہوتی تھی، اہل مجلس کی رائیں سننے اور مشورے لینے کے بعد اس کو حق ہوتا ہے، کہ کتاب و سنت کے مطابق جس رائے یا مشورہ کو اپنی صواب دید سے زیادہ بہتر سمجھے اس پر عمل کرے۔ صلح حدیبیہ کے وقت یہ موقع بھی آیا کہ تقریباً تمام موجود صحابہ کی رایوں کے خلاف آپ نے صلح کی شرطیں اپنی خاص رائے سے منظور کیں، اور نتیجہ کے اعتبار سے یہی فیصلہ زیادہ صحیح نکلا اور خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔

شعبہ کشوری ـــ ولایات: آپ نے ملکی نظم و نسق کے لئے عرب کو چند ولایتوں یعنی صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر ولایت کے لئے علیحدہ علیحدہ والی یا امیر یعنی گورنر مقرر کیا۔ مدینہ اور اس کے اطراف کے لئے جداگانہ کسی والی یا امیر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ آپ خود یہاں تشریف فرما تھے۔ جب آپ مدینہ سے کسی موقع پر زیادہ دنوں کے لئے باہر تشریف لے گئے تو کسی حاکم مدینہ کے منصب پر مامور فرمایا، غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز کئے گئے۔

ولاۃ: عہد رسالت میں حکومت الٰہیہ کے حدود مملکت کا رقبہ دس لاکھ مربع میل تھا۔ ان صوبوں میں آپ نے مختلف صحابہ کو والی بنا کر بھیجا، جن کے فرائض میں تبلیغ و اشاعت، قیام امن و امان، اقامت دین، اقامت عدل و انصاف، زکوٰۃ و عشر و جزیہ کی تحصیل، اور جہاں مستقل قضاۃ نہیں بھیجے گئے، فصل مقدمات اور ملکی نظم و نسق کی نگرانی داخل تھی، ان کا تقرر، ان کے علمی تبحر، وسعت نظر اور اجتہاد اور صحیح فیصلوں پر پہنچنے کی صلاحیت کی آزمائش کے بعد کیا جاتا تھا اور ہر مہاجر والی کے ساتھ کسی انصاری کو اس کا مشیر بنایا جاتا تھا، اور اگر انصار میں سے کوئی والی ہوا تو کسی مہاجر کو اس کا مشیر بنا کر بھیجا گیا، انھیں تبلیغ و اشاعت و رشد و ہدایت کے طور طریق سکھائے جاتے تھے۔ انھیں اپنے فرائض ادا کرنے کے سلسلہ میں جو بنام تلقین کی جاتی تھی، وہ ان الفاظ میں تھی:

"آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا کرنا، لوگوں کو بشارت دینا، وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا، اختلاف نہ کرنا اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔"

عہد رسالت میں جو مختلف صحابہ مختلف صوبوں میں اس منصب کے لئے نامزد ہوئے، ان کے اسمائے گرامی ان کے مقاموں کی تصریح کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب۔ یمن ۲۔ حضرت باذان[1] بن ساسان۔ یمن

۳۔ حضرت شہریار[2] بن باذان۔ صنعا (یمن) ۴۔ حضرت خالد[3] بن سعید بن العاص۔ صنعا (یمن)

۵۔ حضرت عتاب بن اسید۔ مکہ ۶۔ حضرت معاذ بن جبل۔ جند

۷۔ حضرت عمرو بن العاص۔ عمان ۸۔ حضرت علاء بن الحضرمی بحرین

۹۔ حضرت یزید بن ابی سفیان تیماء ۱۰۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری زبید وعدن

۱۱۔ حضرت زیاد بن لبید انصاری حضرموت ۱۲۔ حضرت عمرو بن حزم نجران

۱۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ذوالکلاع ۱۴۔ حضرت مہاجر[4] بن ابی امیہ مخزومی کندہ

توقیعات و فرامین کا دفتر توقیعات و فرامین کے لئے ایک مستقل دفتر آپ نے قائم فرمایا۔ حضرت زید بن ثابت اور آخر میں حضرت معاویہ اس شعبہ کے سربراہ تھے، ملوک و سلاطین کے نام خطوط، غیر قوموں سے معاہدے، قبائل و عمال و محصلین کے نام فرامین، فوج کے رجسٹر وغیرہ اسی دفتر سے وابستہ تھے۔

---

[1] حضرت باذان بہرام گور کے خاندان سے تھے۔ سلاطین عجم کے خاندان میں سب سے پہلے یہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

[2] حضرت شہریار اپنے والد کے بعد ولایت کے منصب پر مامور رہے۔

[3] حضرت خالد حضرت شہریار کے مارے جانے کے بعد اس منصب پر آئے۔

[4] حضرت مہاجر اپنے اس تقرر کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے وفات پا گئے۔

Marfat.com

عہدۂ انشاء و کتابت۔ عہدۂ انشاء و کتابت عہد آغاز سے قائم ہوا۔ اس عہدہ پر مختلف صحابہ مقرر کئے گئے، یہ کتاب یعنی سکریٹریز کہلاتے تھے۔ شرجیل بن حسنہ کندی سب سے پہلے کاتب تھے، جنہوں نے مکہ میں وحی کی کتابت کی، پھر عبداللہ بن ابی ہوئے، پھر مدینہ میں حضرت اُبی بن ابی کعب کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ پھر حضرت ابوبکر، عمر، علی، عثمان، زبیر، عامر بن فہیرہ، عمرو بن العاص، عبداللہ بن ارقم، ثابت بن قیس، حنظلہ بن ربیع، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن رواحہ، خالد بن ولید، سعید بن العاص، علا ابن حضرمی، حذیفہ بن یمان، معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ صلحنامہ حدیبیہ کی کتابت حضرت علی نے کی، امراء و سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ نے لکھے تھے، اسی طرح اور مختلف فرامین، خطوط و اعلانات کے متعلق مختلف صحابہ کے کتابت کرنے کا ذکر آیا ہے۔

شعبۂ عسکری۔ عرب جنگجو تھے، اسلام میں داخل ہوئے تو شجاعت کا جوہر اپنے ساتھ لائے۔ جہاد کی فضیلتوں سے ان میں لڑائیوں میں شرکت کا مزید ذوق و شوق پیدا ہوا، دوران کے جوہر شجاعت میں جلا آئی۔ ہر بالغ مسلمان جس میں لڑ سکنے کی صلاحیت تھی، اسلامی لشکر کا مجاہد تھا، اسلام نے ان کے ذوق و شوق جہاد پر اعتماد رکھا۔ فوج میں شرکت کو قانونی طور پر لازمی قرار نہیں دیا، ورنہ مختلف موقعوں پر منافقین کے شریک جنگ نہ ہونے پر ان سے بازپرس ہوتی، لیکن جن کو کسی مہم میں شرکت ملے پا گئی، اور موقع پر کسی سبب سے وہ شریک نہ ہو سکے تو نظم و ضبط کے تحت ان سے ضرور بازپرس کی گئی، اور اگر جرم سنگین ثابت ہوا تو سزا بھی دی گئی، مگر وہ کوئی کورٹ مارشل نہ ہوتا بلکہ معاشرتی مقاطعہ یعنی سوشل بائیکاٹ کی سزا دی گئی، جو اس قدر شدید ہوتا کہ کوئی فرد واحد بھی ان سے سلام و کلام نہ کرتا، اور جب اپنے کئے پر ندامت و انفعال

Marfat.com

کا پورا جذبہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتا تو وہ معاف کئے جاتے، اور انھیں ایسا محسوس ہوتا کہ انھوں نے کوئی نئی زندگی پائی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اور اس کے طریقوں اور رسموں میں بھی عرب کی وحشیانہ رسموں کو جن کا ذکر قدیم عرب کی سرگذشت میں گذر چکا مٹانے کے لئے غیر معمولی جنگی اصلاحات کیں۔ آپ نے عورتوں، بوڑھوں، کم سنوں، بچوں، نوکروں اور خادموں کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ قتل صرف انہی کا جائز رکھا، جو جمع ہو کر مقاتلہ کے لئے میدان میں آتے تھے۔ ایک آدھ موقع پر کسی عورت کی لاش نظر آئی تو آپ سخت برہم ہوئے۔ مُثلہ کرنے کو منع کیا، آگ میں زندہ جلانے کو روکا۔ قید کو کسی چیز سے باندھ کر تیر یا تلوار سے نشانہ بنانے کی ممانعت کی۔ معاہدہ کا احترام کرنا آئینی قرار دیا۔ مال و متاع کی حرمت قائم کی، کسی غیر کے مال کو پکڑ لینا اور قبضہ کر لینا ممنوع ٹھہرا۔ ایک مرتبہ فوج کے چند سپاہیوں نے کسی کی چند بکریاں پکڑ لیں، ذبح کر کے پکنے کے لئے چڑھا دیا، آپ کو معلوم ہوا تو تشریف لائے اور دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا "لوٹ کا مال حرام ہے"۔ لڑائی آہستہ آہستہ اس قدر منزہ ہوئی کہ جہاد کہلائی اور جہاد عبادت بن گیا، جس کا مقصد مظلوموں کو ظلم سے بچانا، جابر اور ظالم کو کمزوروں پر دست درازی کرنے سے باز رکھنا، فساد کو مٹانا اور امن قائم کرنا قرار پایا اور یہ کہ انسانوں کے بے زبان طبقہ کو تحفظی فکری آزادی دلانا کہ وہ کسی دین و مذہب پر بجبر قائم نہ رکھے جائیں، خود غور و فکر کر کے خواہ اپنے سابق دین پر برقرار رہیں یا اسلام کی دعوت کو قبول کریں۔

عہدِ رسالت میں جتنی لڑائیاں ہوئیں، سب مدافعانہ تھیں۔ جب لوگ چڑھ چڑھ کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو آپ نے بھی مدافعت کا سامان کیا اور غزوات و سرایا کا سلسلہ قائم ہوا۔ یوں تو عہدِ رسالت میں سرایا کی ایک طویل فہرست ملتی ہے لیکن

Marfat.com

جیساکہ اوپر گذرا جب کبھی کسی ضرورت سے کوئی مسلح دستہ بھیجا گیا وہ سریہ کہلایا اور ظاہر بیں نگاہوں نے ان میں سے ہر مہم کو ایک جارحانہ حملہ کہا لیکن اہل تحقیق نے ہر واقعہ کی چھان بین کرکے ہر ایک کا مقصد متعین کر دیا ہے اور اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے، حقیقت میں یہ مہمیں ذیل کی چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کی ہوتی تھیں۔

۱۔ محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کے نقل و حرکت کی خبر رسانی۔

۲۔ قریش کی راہ تجارت میں رکاوٹ ڈالنا کہ وہ حج و عمرہ کی اجازت دے سکیں۔

۳۔ قیام امن کے لئے تعزیری فوجوں کا جانا۔

۴۔ اشاعت اسلام کے لئے معلمین کا بھیجا جانا اور حفاظتی دستہ کا اس تصریحی حکم کے ساتھ رہنا کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

۵۔ دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمیاں کرنا۔

اس آخری قسم کی دو صورتیں دو حالتوں میں پیش آئیں:

الف۔ دشمنوں نے دارالاسلام مدینہ پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔ جیسے غزوات بدر، اُحد، احزاب وغیرہ۔

ب۔ دشمنوں کے حملہ آور ہونے کی تیاری کی اطلاع ملی اور پیش قدمی کی گئی، جیسے غزوۂ خیبر، حُنین وغیرہ۔

شعبۂ عسکری کے سارے اختیارات آپ نے اپنے ہاتھ میں رکھے تھے، فوجوں کی آراستگی اور ان کی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام خود فرماتے تھے اور مختلف ضرورتوں کے لئے مختلف مہم میں کسی کو امیر سریہ بنا کر بھیجا کرتے تھے اور جب ضرورت ہوتی خود اپنی قیادت میں لشکر لے کر تشریف لے جاتے تھے۔

لہ تفصیل کے لئے علامہ شبلی علیہ الرحمۃ کی سیرۃ النبی جلد اول کی طرف رجوع کیا جائے۔

Marfat.com

شعبۂ مالیات | مالیات کے لئے جداگانہ نظم قائم کیا گیا۔ حکومت کی آمدنی کی چند قسمیں غنیمت، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج تھیں۔

محاصل | غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا، غنیمت کو خدا نے اپنی ملک قرار دیا اور اس کا پانچواں حصہ (خمس) خدا اور رسول کے نام پر قومی مصالح و اغراض کے لئے مخصوص کیا گیا۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ علیحدہ رکھ کر باقی ماندہ سوار اور پیادہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دُہرا یا تہرا حصہ۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی، جو چار مدوں نقد روپیہ، پھل، پیداوار، مویشی (بجز گھوڑے) اور سامانِ تجارت سے وصول ہوتی تھی، دو سو درہم چاندی، بیس مثقال سونا اور پانچ اونٹ سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی، پھر مختلف جنس کی مختلف تعداد و مقدار پر مختلف زکوٰۃ واجب تھی۔ پیداوار میں جس کی سیرابی بارش یا بہتے پانی سے ہوتی اس میں دسواں حصہ اور جو آب پاشی کے ذریعہ ہوتی تھی اس میں بیسواں حصہ تھا۔ سبزی پر بھی کوئی زکوٰۃ نہیں تھی۔ زکوٰۃ کی آمدنی فقراء، مساکین، نومسلموں، مقروضوں، مسافروں اور زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والوں پر خرچ کی جاتی تھی۔

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، عہدِ رسالت میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کیا گیا۔ عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے۔

خراج وہ آمدنی تھی، جو غیر مسلم کاشتکاروں سے حقِ مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا وہ حصہ ہوتا تھا جو باہمی مصالحت و معاہدہ سے طے پاتا تھا۔ فصل اور پھلوں کی تیاری کے وقت سرکاری محصل انھیں وصول کرتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سے فوجی مصارف پورے کیے جاتے تھے اور تمام صحابہ فوج کے سپاہی تھے، اس لئے اس آمدنی کے وصول ہوتے ہی وہ صحابہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

Marfat.com

ایک رجسٹر میں لوگوں کے نام درج تھے، اسی سے نام پکارے جاتے اور رقمیں دی جاتی تھیں، کنوارے لا مجرد کو ایک حصہ اور صاحب اہل و عیال کو دو حصے دیئے جاتے تھے۔ اس طرح آپ اصناف محاصل و مخارج کو نظم و ترتیب میں لائے اور صنف آمدنی سے اس کے مصارف کی تعیین فرمائی۔

عمّال ان محاصل میں زکوٰۃ ایک دینی فریضہ ہے۔ عرب اپنے اخلاص اور جوش ایمانی سے خود زکوٰۃ لے کر خدمت اقدس میں آتے اور فرض کو ادا کرکے سبکدوش ہوتے تھے لیکن آپ نے آسانی پیدا کرنے کے لئے محصلین کا تقرر کیا اور یکم محرم سنہ ۹ھ سے محصلین کے ذریعہ زکوٰۃ وصول کی جانے لگی۔ آپ نے آسانی پیدا کرنے کے لئے زیادہ تر ہر قبیلہ کے سردار کو محصل بنا دیا تھا۔ ان محصلین کے لئے ایک تحریری نظام عمل تیار کرکے ہر ایک کے حوالہ کیا جاتا تھا، جس میں مختلف قسم کے مال پر زکوٰۃ کی مقدار و تعداد درج تھی، اور جس میں چھانٹ کر مال لینے، حق سے زیادہ لینے اور وصولی میں سختی کرنے کی سخت ممانعت تھی، اور اسی نوعیت کی مختلف دوسری ہدایتیں درج تھیں جن پر محصلین پابندی سے عمل کرتے تھے۔ محصلین کو معاوضہ بقدر کفایت ملتا تھا۔ عہد رسالت کے چند محصلین کے ناموں کے ساتھ مقام تقرر اور قبیلہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ عدی بن حاتم (طی و بنی اسد)
۲۔ صفوان بن صفوان (بنی عمرو)
۳۔ مالک بن نویرہ (بنو حنظلہ)
۴۔ بریدہ بن حصیب اسلمی (غفار و اسلم)
۵۔ عباد بن بشر اشہلی (سلیم و مزینہ)
۶۔ رافع بن مکیث (جہینہ)
۷۔ زبرقان بن بدر و قیس بن عاصم (بنو اسد)
۸۔ عمرو بن عاص (بنو فزارہ)
۹۔ ضحاک بن سفیان کلاں (بنو کلاب)
۱۰۔ بسر بن سفیان کعبی (بنو کعب)
۱۱۔ عبداللہ بن اللتبیہ (بنو ذبیان)
۱۲۔ ابو جہم بن حذیفہ (بنو لیث)
۱۳۔ حضرت عمر بن خطاب (مدینہ)
۱۴۔ عبیدہ بن جراح (نجران)
۱۵۔ عبداللہ بن رواحہ (خیبر)
۱۶۔ عیینہ بن حصن (بنو فزارہ)

Marfat.com

یہ عمال، محصلین، تحصیل وصول کرکے ساری رقمیں اور اجناس اپنے اپنے صوبہ کے والیوں کے سپرد کرتے تھے اور وہ ولاۃ اس آمدنی کو مدینہ منورہ بھیج دیتے تھے۔

شعبۂ قضاء مدینہ میں فصل مقدمات کے کام زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے، آپ کے علاوہ دیگر ممتاز صحابہ کو بھی یہ خدمت آپ نے سپرد فرمائی تھی، جن میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم تھے۔ ولاۃ عمال اپنے اپنے صوبہ میں شعبۂ قضا کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے تھے اور بعض مقامات پر قضاۃ علیحدہ سے بھیجے گئے تھے۔

اس سلسلہ میں دربار رسالت میں کوئی روک ٹوک اور کوئی پابندی نہ تھی، دروازہ پر کوئی دربان نہیں رہتا تھا۔ عورتوں کے مقدمات عموماً گھر کے اندر ہی طے فرماتے تھے، ولاۃ کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ ہدایات دیتے تھے اور عقل وفراست کی آزمائش بھی فرماتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کروگے، انھوں نے کہا قرآن مجید سے، آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے، انھوں نے کہا، احادیث سے، پھر آپ نے کہا، اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق آزمائش بھی فرماتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا کس چیز سے شکر ہے، جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی، جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے" اسلام میں فصل مقدمات کا یہی سادہ ضابطہ دستور تھا۔

محکمۂ احتساب اسلامی مملکت کا ایک اہم شعبہ محکمۂ احتساب بھی ہے جس کے تحت لوگوں کی شخصی، واجتماعی ومعاشرتی ومعاشی زندگی میں ان کے مذہبی اعمال واخلاق وکردار پر نظر رکھی جاتی ہے، اور لوگوں کو ایسی باتوں سے جن سے خاص طور پر مذہب و اخلاق کے لحاظ سے انسانی معاشرہ پر برا اثر پڑے، روکا جاتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے تو تادیب وسرزنش کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اس دورِ صحابہ میں اس کی ضرورت تو نہیں پیش آسکتی تھی کہ کون نماز پڑھتا ہے اور کون اس سے غافل رہتا ہے۔ بہ ایں ہمہ ایسی ضرورتیں تھیں کہ مملکت کی طرف سے احتساب کا نظم قائم رکھا جائے۔ آپ خود قوم کے اخلاق و عادات بیع و شرا اور معاملات داد و ستد کی نگرانی فرماتے تھے اور تاجر لوگوں کو خصوصاً تمام معاملات میں دیانت و امانت پر قائم رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ عہدِ جاہلیت میں تجارتی کاروبار میں جو معلوم خامیاں اور خرابیاں تھیں، آپ نے ان کی اصلاح فرمائی۔ اس غرض سے کبھی آپ بازار بھی تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ غلہ کے ایک ڈھیر کے سامنے آپ بازار میں بھی تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ تم کو معلوم ہوا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا، اس کو اوپر رکھو کہ لوگ دیکھیں، جو لوگ فریب دیتے ہیں، وہ ہم میں سے نہیں۔"

نظامِ معیشت | عرب میں قدرتی ذخائر تھے، مگر عہدِ قدیم سے جیسا کہ اوپر گذرا، ان سے زیادہ کام نہیں لیا گیا، عربوں کی معیشت کا سارا سہارا زیادہ تر اونٹ اور بکریاں تھیں، جن کی تجارت اندرون و بیرون ملک میں جاری تھی انہی سے حاصل کئے ہوئے کچے مال، چمڑے وغیرہ کو وہ باہر لے جاتے تھے۔ عربوں کی یہ تجارتی زندگی عہدِ رسالت میں صحابہ کرام سے بھی جاری رہی۔ پھر شمالی و جنوبی عرب میں موخرالذکر مصنوعات کے لئے مشہور تھا، اس لئے کچے مال اور مصنوعات کے تبادلے کی تجارت اس دور میں بھی ہوتی رہی۔

اس کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام سے عربوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچا، غنیمت، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج کی آمدنی سے ان میں فارغ البالی آئی اور غیر معمولی حسنِ ترتیب سے آپ نے آمدنی کی مختلف صنفوں کو ان کے مختلف مصرفوں کے لئے متعین فرمایا۔

اس کے ساتھ آپ نے عرب کے قدرتی ذخائر میں سے زمین کی صلاحیتِ کاشت سے بھی فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی، اور شمالی عرب میں کاشتکاری کے پیشے سے جو عدم توجہی جاری تھی، اس کی اصلاح کی، اور ایسی راہیں اختیار فرمائیں کہ زمین کی صلاحیت سے پورا فائدہ

Marfat.com

اٹھایا جاسکے۔

جاگیروں اور افتادہ زمینوں کا انتظام | چنانچہ آپ نے ہزاروں ایکڑ افتادہ زمینوں کی آبادی پر خاص توجہ دی اور ان قبائل کو جو بالکل ہی خانہ بدوش تھے، یہ افتادہ زمینیں جاگیر کے طور پر عطا کر کے ان میں انھیں آباد کیا۔ اس طرح مدینہ کے اطراف میں بھی بہت سے قبائل جو مارے مارے پھرتے تھے، اپنی اپنی جگہ آباد ہو کر کھیتی باڑی اور باغبانی میں لگ گئے۔ آپ نے افتادہ زمینوں کے متعلق قانون نافذ فرمایا کہ "جو شخص کسی افتادہ زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہوگی"۔

اس قانون کے نفاذ کے بعد جس زمین پر کاشت ہو سکتی تھی اس کے حصول کے لیے درخواستیں آنے لگیں، اور وہ منظور کی جانے لگیں۔ اس سلسلے میں اس درجہ فیاضی برتی گئی کہ ہر قبیلہ اور ہر انفرادی شخص اپنے لیے اپنی صلاحیت کار کی استعداد کے مطابق زمین کا انتخاب اور اس کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا، چنانچہ وہ اپنی اپنی درخواست کے جواب میں تحریری فرامین (حکمنامہ) حاصل کرتے گئے، اور پوری دلچسپی سے کاشتکاری میں لگ گئے۔

اس طرح کاشتکاری سے عام بے روزگاری دور ہوئی۔ لوگوں نے دور دور سے آکر جاگیر کے فرمان حاصل کیے اور چند ہی دنوں میں خانہ بدوش عرب ملک کے مختلف خطوں میں آباد ہو گئے۔ سرسبزی و زرخیزی بڑھی اور غارت گری اور لوٹ مار کی عادتیں ختم ہونے سے، آمدنی میں جو کمی آگئی تھی، کاشتکاری و باغبانی کے ذریعہ اس کی تلافی ہوئی، پورا ملک زرخیز و خودکفیل ہو گیا۔ ملک کی ساری ضرورتیں اسی ملک سے پوری ہونے لگیں۔ معاشی تنگ حالی کا دور چلا گیا فراغبالی اور خوشحالی کا زمانہ آیا، اور پھر تجارت، جو ان کی معیشت کا پہلے واحد جائز ذریعہ تھا، اس کو بھی پہلے سے زیادہ غیر معمولی فروغ حاصل ہو گیا۔

نظام تعلیم | اسلام میں تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت میں علم و تعلیم، قلم اور پڑھنے کا ذکر آیا، پھر ہجرت سے پہلے جو آیتیں اترتی رہیں،

Marfat.com

ان میں بار بار قلم، دوات، تحریر، تعلیم، کتابت اور علم کا ذکر آتا رہا۔ ہجرت سے پہلے وحی کی کتابت کے لئے کاتب مقرر کئے گئے۔ قرآن مجید کی آیتیں بہت ہی آغاز میں نقل ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچیں، حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب قرآن مجید کے اجزاء پڑھ رہی تھیں، اور بھائی کو دیکھ کر، جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے، ان اجزاء کو چھپا لیا تھا۔ تعلیم و تربیت کے لئے اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ مکہ ہی میں بہت آغاز اسلام میں حضرت ارقم مخزومی کے مکان میں قائم ہوئی، جہاں آپ خود تشریف لے جا کر تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے ملحق درسگاہ صفہ قائم ہوئی، جہاں درس و تدریس کا مستقل سلسلہ جاری رہتا تھا، اس میں طلبہ کی اقامت کا انتظام تھا، جو عموماً ستر کی تعداد میں رہتے تھے۔ مدینہ کے لوگ بھی یہاں اپنے گھروں سے آکر درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے حضرت عبادہ بن صامت کو خاص طور پر درسگاہ صفہ میں تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا تھا، وہ صحابہ کو لکھنے پڑھنے اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی نگرانی فرماتے تھے۔ مدینہ میں صفہ کے علاوہ نو مسجدیں بھی تھیں، ان میں بھی حلقہ درس قائم تھا، ان مدرسوں کی آپ خود نگرانی فرماتے تھے۔

اس طرح مدینہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے آپ نے حضرت سعید بن العاص کا تقرر کیا، جو اہل مدینہ کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ بدر کے پڑھے لکھے قیدیوں نے دس دس کو لکھنا پڑھنا سکھایا اور اس کے معاوضہ میں آزادی حاصل کی، دور دراز کے قبائل کے لوگ بھی مدینہ آتے اور تعلیم حاصل کر کے واپس جاتے، جو تعلیم و تربیت یافتہ صحابہ کو آپ قبائل میں تعلیم و تربیت دینے کے لئے بھیجتے تھے نیز باہم ایک دوسرے خاص طور پر ہمسایوں سے تعلیم حاصل کرنے اور [illegible] ناخواندوں کو تعلیم دینے کا آپ نے حکم فرمایا۔ رفتہ رفتہ علم و تعلیم کا مدینہ میں عام چرچا ہوا اور لوگوں نے تعلیم حاصل کر کے اپنی ناخواندگی دور کی۔ اور اپنی تعلیم

Marfat.com

سے مذہب، معیشت اور تجارت میں فائدہ اٹھایا۔

اس طرح مختلف صوبوں میں بھی آپ نے تعلیم گاہوں کا انتظام فرمایا اور یمن کی تعلیم گاہوں کے لیے آپ نے خاص طور پر ایک ناظر تعلیمات مقرر فرمایا۔ اس طرح عہد نبوی کے نظام تعلیم سے چند سال میں "اقراندہ عرب" خواندہ بن گیا، اور زندگی کے مختلف شعبوں اور کاروبار میں تعلیم سے فائدہ اٹھایا جانے لگا۔

نظم مساجد اسلام جیسے جیسے پھیلا گیا، مسجدوں کی تعمیر کی ضرورت پڑتی گئی، مدینہ کی آبادی رفتہ رفتہ بہت پھیل چکی تھی۔ عہد رسالت ہی میں مدینہ کے مختلف محلوں اور قبیلوں کی جائے قیام میں نو مسجدیں تعمیر ہو چکی تھیں، اور مدینہ کے آس پاس کی مسجدوں کو ملا کر ان کی تعداد اکتیس ۳۱ تھی، تاریخ میں ان کے نام محفوظ ہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب کوئی مسجد تعمیر ہوئی تو وہاں جا کر آپ نے اس کا افتتاح کیا اور اس میں افتتاحی نماز پڑھی۔ پھر ملک کے مختلف حصوں میں جہاں جیسے جیسے اسلام کے قدم پہنچتے گئے، یا جو قبیلے اسلام لاتے گئے ان کی مسجدیں بھی تعمیر ہوتی گئیں۔ اس طرح عرب کے مختلف شہروں، قریوں اور آبادیوں میں بے شمار مسجدیں تعمیر ہو گئیں، جن میں ہر پانچ وقت خدائے واحد کی پرستش ہوتی رہی۔ مسجدیں دراصل صرف نماز پڑھنے کے کام نہیں آتی تھیں، بلکہ اس میں مسلمانوں کے اجتماعات بھی ہوتے تھے۔ نماز باجماعت کا اس لیے بھی التزام رکھا جاتا تھا کہ ان کی اوقات میں گاؤں، محلہ اور مختلف آبادیوں کے لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں پانچ وقت جمع ہوتے، ان میں یگانگت پیدا ہوتی، اتفاق و اتحاد کی راہیں نکلتیں، اور باہم اجتماعی معاملات طے پاتے تھے، لیکن مدینہ اور اس کے اطراف کے تمام مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے مسجد نبوی ہی میں جمع ہوتے تھے۔ مسجدوں کی تعمیر میں عہد رسالت ہی میں منقش پتھر بھی لگائے جانے لگے تھے، ان میں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ میں ان مساجد کی مرمت و تجدید اہل مدینہ سے خاص طور پر تحقیق کر کے کرائی تھی کہ ان میں آپ نماز ادا فرما چکے ہیں۔

Marfat.com

ائمۂ نماز کا تقرر آپ خود فرماتے تھے، جو قبیلہ اسلام لاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کیا جاتا تھا۔ اس شرف کو عطا فرمانے میں آپ نے چھوٹے بڑے، غلام و آقا سب کو برابر رکھا۔ مہاجرین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود مدینہ سے پہلے آ چکے تھے ان کی امامت کے لیے آپ نے حضرت ابوحذیفہ کے غلام حضرت سالم کو مقرر فرمایا تھا۔ قبیلہ جرم کے اسلام لانے کے بعد ان میں ایک نہایت نوعمر عمرو بن سلمہ جرمی کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا وہی امام مقرر کیے گئے۔ امامت کے انتخاب کے لیے آپ نے چند اصول مقرر فرمائے اور ان ہی پر عمل فرماتے تھے، اور انہی کی روشنی میں اسلامی قانون نے امامت کے ضوابط و شرائط مقرر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

"جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا ہو،
اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو،
اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، اور
اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو"

مختلف مقامات اور قبائل میں جو عمال مقرر ہوتے تھے وہی امامت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے کیونکہ ان اصولوں پر بھی عموماً وہی مستحق رہتے تھے، یہ عمال جہاں جاتے تھے وہ ان قبیلوں کے لوگوں کے مقابلے میں قرآن کے زیادہ حافظ ہوتے تھے اس لئے کہ عمال عموماً پہلے اسلام لانے والوں میں سے اور قبیلے عموماً نئے اسلام لانے والوں میں سے ہوتے تھے کہیں کہیں آپ نے عمال سے امامت کے منصب کو علیحدہ رکھا اور اس خدمت کے لئے کسی دوسرے کو نامزد فرمایا۔ عہد نبوی کے چند ائمۂ نماز کے حسب ذیل اسماء معلوم ہو سکے ہیں:۔

۱۔ مصعب بن عمیر[۱]	مدینہ منورہ	۲۔ سالم مولی ابی حذیفہ[۲]	مدینہ منورہ
۳۔ ابن ام کلثوم[۳]	مدینہ منورہ	۴۔ ابوبکر صدیق[۴]	مدینہ منورہ

---

[۱] یہ ہجرت سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے [۲] ہجرت نبوی سے پہلے مہاجرین کے امام تھے [۳] حضرت

۵۔ ایک انصاری صحابی — مسجد قبا — ۶۔ عتاب بن اسید — مکہ معظمہ

۷۔ عثمان بن ابی العاص — طائف — ۸۔ ابو زید انصاری — عمان

ان کے علاوہ چند صحابہ اپنے اپنے قبیلہ کے امام تھے، مثلاً:

۹۔ حضرت معاذ بن جبل (بنو سلمہ) — ۱۰۔ عتبان بن مالک (بنو سالم)

۱۱۔ عمرو بن سلمہ (بنو جرم) — ۱۲۔ انس بن مالک (بنو نجار) وغیرہ رضی اللہ عنہم

مؤذنین کا باضابطہ تقرر نہیں ہوتا تھا۔ ہر ایک کو حق حاصل تھا۔ جو بھی چاہتا اذان دیتا تھا۔ صرف تین مساجد، مسجد نبوی مدینہ منورہ، مسجد قبا، مسجد حرام مکہ معظمہ میں آپ نے مؤذن مقرر فرمائے تھے اور وہی اذانیں دیا کرتے تھے۔ ان میں سے مسجد نبوی کے لئے دو مؤذن حضرت بلال بن رباح و عمرو بن ام مکتوم قرشی تھے اور مسجد حرام کے لئے ابو محذورہ جمحی قرشی اور مسجد قبا کے لئے حضرت سعد القرظ کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی۔

مختلف شعبوں کے اہم امور کی انجام دہی کا دست نبوی میں رہنا آپ نے مختلف شعبوں کے اہم امور کی خواہ وہ کشوری ہوں یا لشکری، مالی ہوں یا عدلیہ، انجام دہی کو کلیتہً اپنے ہاتھوں میں رکھا تھا۔ چنانچہ ولاۃ و عمال کا تقرر، محصلین کی نامزدگی، فوجوں کی آراستگی، ان کے لئے مالی انتظامات اور مختلف اشیاء کی فراہمی قبائل میں زمین و املاک کی تقسیم، غیر قوموں سے مصالحت، اہم مقدمات کے فیصلے، اجرائے فرامین، ارسال مکاتیب، حدود و تعزیرات وغیرہ کے اختیارات تنہا آپ ہی کے ہاتھ میں تھے۔ ان کا انتظام و انصرام خود فرماتے، اور جیسا کہ آپ کے معمولات کے بیان سے اندازہ ہوگا کہ

ابن کلثوم نابینا تھے، مدینہ سے باہر نہیں نکلتے اسلئے غزوات کے موقع پر جب آپ اور ممتاز صحابہ مدینہ سے باہر جاتے تھے تو مسجد نبوی کی امامت مستقل طور پر انہی کے سپرد رہتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ کے زمانہ میں کسی موقع یا سبب سے جب آپ مسجد میں تشریف نہ لاتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ امامت کرتے تھے۔

Marfat.com

خود آپ کا نظام اوقات ایسا تھا کہ یہ سارے کام آپ کے ہاتھوں سے بہ آسانی انجام پا جاتے تھے۔

دُنیا کا سب سے بڑا انسان | اس طرح آپ نے کی مدنی زندگی کو ملا کر کل تیئیس ۲۳ برس کی مدت میں وحی قرآنی کے ذریعہ نازل کئے ہوئے واضح اور روشن عقائد کو دلوں میں راسخ کیا اسلام کی تکمیل عمل میں آئی اور آپ کے ہاتھوں ایک کامل قانون، مکمل شریعت، ایک الٰہی مذہب، ایک متحدہ قومیت، متحدہ سلطنت، مساوات و رحم و شفقت اور عدل و انصاف پر مبنی اخلاقی نظام کی بنیادیں استوار ہوئیں اور عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کے بلند ترین نمونہ سے آراستہ ایک عملی جماعت تیار کر چکے تھے جس کی روحانیت کا ایک نظارہ دنیا کی سطروں میں نظر آیا اور جس کا اعتراف غیر مسلم عیسائی اہل قلم نے بھی دل کھول کر کیا ہے۔ چنانچہ ایک ممتاز عیسائی اہل قلم نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے ایک مختصر مدت میں ایک نئے مذہب، نئے فلسفے، نئی شریعت، نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا، ایک نئی قوم پیدا کی اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی اور ان تمام کارناموں کے باوجود وہ خود امی اور ناخواندہ تھا۔"

اسی طرح مسٹر ہیوپ ممدوح کا قول ہے کہ:

"قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقا کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیوں اور مذہبی پیشواؤں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؕ

سید ریاست علی ندوی
یکم رجب ۱۳۹۰ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۶۹ء

ماخذ: صحیح بخاری کتب الایمان والصلوٰۃ والحج والصوم والصدقات والبیوع و... والنکاح والحدود والجہاد والاذان والتفسیر وباب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسرار،

Marfat.com

باب المعراج، تفسیر سورہ قمر والنجم، صفۃ النبی ﷺ رفع البصر الی السماء، تحریم الخمر، بعث ابی موسیٰ
الوفود، قدوم الاشعریین واہل الیمن وبعث معاذ الی الیمن۔ صحیح مسلم کتب الایمان والحج و
الزکوٰۃ والاذان والصیام والبیوع والباب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق وذکر خیبر
تیما وفدک والمعراج وغیرہ۔ ج ۱ ص ۵۳، ج ۲ ص ۱۰۹، ۱۱۲، ۲۲۳، ۳۲۳ وغیرہ۔ زرقانی ج ۲
ص ۲۵۳۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ والخراج والامارہ، کتاب المساجد ابواب کسب العلم و
فی الصلوٰۃ اللیل باب المعراج والعمل فی الصلوٰۃ وارزاق العمال واخذ الجزیہ ورد السلام فی الصلوٰۃ
مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷، ۲۳۲، ج ۵ ص ۱۸۹۔ ج ۴ ص ۲۱۸۔ ج ۶ ص ۵۳، ۲۲۲
فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۳۔ ج ۷ ص ۵۵۔ ج ۱۲ ص ۶۱۔ طبری ۱۶۷۳، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۹۱،
۳۱۵۱، ۱۸۱، ۱۲۲۲، ۱۶، مختصر جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۱۴، ۱۵، ۱۹۷، استیعاب ص ۲۹۳،
ذکر معاذ بن جبل، نسائی ۲۸۰، ۲۹۰، ۳۹۳۔ زاد المعاد ج ۱ فصل جزیہ، فتوح البلدان ص ۱۱
ذکر بحرین۔ عینی ج ۲ ص ۱۶۸، ۸۲۹، ابن سعد ص ۱۷، مغازی ص ۱۱۵۔ کتاب الفہرست
ابن ندیم ذکر مانی۔ کتاب البدء والتاریخ مقدسی ذکر فرقہ مانویہ، تاریخ غرر اخبار الفرس
ثعالبی ص ۷۲، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۹۸۔ احسن التقاسیم مقدسی ۴۸۲، آثار البلاد قزوینی ص ۱۸
سفرنامہ ابو زید سیرافی ص ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۰، ترغیب و ترہیب ج ۱ ص ۲۵۹، ابن ہشام باب
عرض الاسلام علی القبائل وذکر وفود۔ ہندوستان قدیم اسلامی درسگاہیں ج ۲ ص ۱۸۲، ۲۸۲،
۳۰۷، ۳۲۳، ۳۴۲، ۳۲۳، ۶۹، ۴۴، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون
قرآن ج ۵ ص ۸۹۸۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی و مولانا سید سلیمان ندوی از جلد اول
تا چہارم۔ معارف نومبر ۱۹۴۱ء مقالہ عہد نبوی میں نظام تعلیم۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ

اور

اسلام میں خلافت کا نظام

نوع انسانی کی اشرف المخلوقاتی نوعِ انسان اپنی عقل و فراست کے لحاظ سے تمام انواعِ حیات میں ممتاز ہے۔ عقل و ادراک کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے وابستہ ہے۔ انسان اسی عقل کے ذرہ ذرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسان کی ترقی کا راز یہی ہے کہ وہ کائنات کو اپنے لیے زیادہ سے زیادہ مفید و نافع بنائے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا"[1]

یہ تسخیر کائنات کا صحیح طریقہ کیا ہے، یہ کسی قانون و اصول کے تحت معلوم ہو سکتا ہے۔ عالم میں طبعی و تکوینی قانون موجود ہیں۔ تمام موجوداتِ عالم زمین، آفتاب، ماہتاب، سمندر، پہاڑ، اشجار و احجار سب ہی تکوینی قوانین کے پابند ہیں لیکن نوع انسان ان کی پابند نہیں۔ ہر انسان اپنے اضطراری و اختیاری افعال میں مختار ہے، وہ نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قوتِ ارادی سے تکوینی قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ بھوک کا لگنا ایک قانونِ طبعی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک انسان اس پہ قادر ہے کہ وہ اپنی قوتِ ارادی سے فاقہ کرتا رہے، غذا لینے کی طبعی ضرورت کو پورا نہ کرے، اور اپنی جان کو ہلاک کر ڈالے اس طرح فطرت نے انسان کو قوت ارادی اور طاقت عطا کی

---

[1] وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا سورہ جاثیہ ۴۵، ع ۲، آیت ۱۳

ہے، جس کے ذریعہ وہ طبعی و تکوینی قوانین کو بھی اپنے تابع کر لیتا ہے، اس لئے وہ تمام مخلوقات عالم میں اشرف و ممتاز ہے۔

نوعِ انساں میں فطری جذبۂ عبدیت | لیکن خود انسان کی فطرت و سرشت کیا ہے؟ دراصل اس میں عبدیت کا سراپا جوہر پنہاں ہے، وہ اپنے تمام اعمال و افعال کو کسی نظام کے تابع کرتا ہے، جو اس کے افکار کا محور و مرکز ہوتا ہے اور اسی سے ہر انسان کے دل میں ایک ما فوق الادراک ہستی کا تصور پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنا سب کچھ اسی کے تابع کر دیتا ہے۔ اس ما فوق الادراک ہستی کے تصور کی تعبیر مختلف انسانی گروہ مختلف صورتوں سے کرتا ہے اور تسکین پاتا ہے، دراصل یہی انسان کی فطری عبدیت ہے۔ ان تعبیرات میں غلطیاں ہو سکتی ہیں، شکلیں بدل سکتی ہیں، ثانوی تصورات اصل ما فوق الادراک ہستی کی جگہ لے سکتے ہیں لیکن ہر حال میں اس کے اندر جذبۂ عبدیت پنہاں رہتا ہے، اور جو تمام انسانوں میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

"میں نے تمام جن و انس کو صرف عبدیت یعنی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا۔"[1]

اس طرح اگر ایک طرف انسان کی تمام مخلوقاتِ عالم پر برتری ہوتی ہے، تو دوسری طرف ما فوق الادراک ہستی کے تصور کے سامنے اس کی بے چارگی، درماندگی اور بے بسی رہتی ہے، جو دراصل اتباع و اطاعت کا ایک جذبہ ہے، اور یہی انسان کی ایک فطری عبدیت ہے، اس لئے انسان کائنات کے استعمال کا صحیح طریق کسی ذریعہ اسی ما فوق الادراک ہستی سے معلوم کر سکتا ہے جس نے پوری کائنات کو اس کی خاطر پیدا کیا، اور اس کے تابع فرمان بنایا اور وہی اپنے پیغامات کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

کلمۂ فطرت ــــ توحید و رسالت | اس لئے اس ما فوق الادراک ہستی نے اپنے توحید اور

---

[1] وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورہ الذّٰریٰت ۵۱، ع ۳، آیۃ ۵۶)

Marfat.com

برگزیدہ بندوں کے توسط سے نوع انسان سے اپنا رابطہ پیدا کیا، جنھوں نے انسانوں تک اس کے پیغاموں کو پہنچایا، اور پیغمبر، رسول اور نبی کہے گئے۔ ان انبیائے کرام کے توسط سے کائنات کے استعمال کے صحیح طریق کی تعیین و تشریح کی گئی، اور وہی قوانین الٰہی کہے گئے، جو انسانوں کے علم میں آئے اور انسان اپنے فطری جذبۂ عبدیت سے مجبور رہا کہ وہ ان کی اتباع کرے، اور ان کے آگے اپنا سر اطاعت جھکائے، اس طرح عبد و معبود کا باہمی رشتہ قائم ہوا اور انسان کی فطری عبدیت سے اس کے ذہن میں ایک مرکز و محور قائم ہوا، اور یہ محور فطرۃً ہر انسان میں ودیعت کیا گیا اور اسی کو "فطرۃ اللہ" کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا"[1]

اور یہی فطرت، ہر نومولود میں پائی جاتی ہے، ارشاد نبوی ہے "ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا کچھ اور بنا دیتے ہیں"[2] یہ کلمۂ فطرت۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے، اس طرح توحید کا عقیدہ انسان کا ایک مرکزی عقیدہ قرار پایا، اس عقیدہ کی تلقین کے لئے خدا نے جس کو منتخب کیا، وہ نبی و رسول ہیں، جنھوں نے انسانوں کو عقیدۂ توحید کے ساتھ اپنی رسالت اور حیات بعد موت یعنی قیامت کی تعلیم و تلقین کی۔

خلیفۃ اللہ فی الارض اور نفاذ قوانین الٰہیہ

یہی انبیاء خدا کے خلیفہ و نائب ہیں، جنھوں نے قوانین الٰہیہ کو نافذ کیا، اور انسانوں کو ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہونے کی تلقین کی۔ انبیائے کرام کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، اب دین ابراہیمی اسلام کا پیام نوع انسانی کے پاس لے کر آئے، اور اسلام نے اعلان کیا کہ بنی نوع انسان میں سے جو ایمان و عمل صالح

---

[1] فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا (سورۃ الروم ۳۰، ع ۴، آیۃ ۳۰)

[2] کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ۔

Marfat.com

سے آراستہ ہوگیا۔ اور جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوگئیں، وہ "خلیفۃ اللہ فی الارض" کے نظام کا ایک رکن اور اس کی مدنیت کا ایک شہری بن گیا، اس نظام خلافت کا ایک خاص مقصد ہے، اور اس نظام میں داخل ہونے والے ہر فرد کا وہی مقصد وحید ہوتا ہے، اور یہ نظام ملک، قوم، نسل، ماحول اور ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہے۔

اسلام کے ظہور سے پہلے تک انبیا کی جانشینی انبیاء ہی کرتے تھے، جو ہر نبی کے بعد اپنے زمانہ میں نبوت کے منصب کے فرائض ادا کرتے تھے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے، نبوت کا دروازہ بند ہوچکا تھا، اس لئے آپ کی جانشینی کے فرائض کی ادائیگی امت مسلمہ میں سے صالحین کی طرف منتقل ہوگئی اور امت کے لئے یہ فرض قرار پایا کہ وہ اس خدمت کے لیے کسی صالح شخصیت کا انتخاب کرلیا کرے، جو نیابت کے فرائض ادا کیا کرے، پھر وہی شخصیت مسلمانوں کی پیشوا اور امام بھی ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد امت اسلامی کے سامنے سب سے اہم اور مقدم معاملہ اسی جانشینی کا آیا، جس کو آپ کے دفن فرمائے جانے سے پہلے حل کرلیا گیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

خلافت یعنی جانشینی کے معنی کسی کے بعد اس کی جگہ بیٹھنے کے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے منصب حکمرانی کے فرائض اس کے بعد اس کے قائم مقام کی حیثیت سے ادا کئے جائیں۔ اسلام میں خلافت کا تصور قرآن مجید کی اس آیت سے پیدا ہوا، جس میں خداوند تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ارادہ کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ:

"میں زمین میں اپنا خلیفہ یعنی نائب بنانا چاہتا ہوں"۔[1]

اس طرح انسان کی تخلیق اس لیے عمل میں آئی کہ وہ نیابت الٰہی کے فرائض

---

[1] اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورہ بقرہ ۲، ع ۴، آیت ۳۰)

Marfat.com

ادا کرے، اس لئے وہ خدا کا خلیفہ یعنی نائب ہوا۔ اور پھر نوعِ انساں میں سے وہ لوگ اس منصب کے اہل قرار پائے، جو منصب نبوت پر سرفراز کیے گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ لوگ اہل قرار پائے، جو صالحینِ امت میں سے ہوں اور جنھیں امتِ اسلامی اس منصب کے لئے منتخب کرے، اس طریق سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے خلیفہ یعنی نائب، اور آپ کے بعد جس نے آپ کی جانشینی کی وہ آپ کا خلیفہ یعنی نائب قرار پایا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کو بھی خلیفہ کے لقب سے یاد کیا گیا۔

اس لئے اسلام میں خلیفہ کی دو جہتیں سمجھی گئیں، ایک طرف وہ اللہ کے نائب کا جانشین ہے، دوسرے یہ کہ وہ اسلامی مملکت کا انتظام پوری امت کے نائب کے طور پر کرتا ہے، اس حیثیت سے وہ اُمتِ مسلمہ کا قائم مقام بہ معنی نمائندہ ہوتا ہے (مبسوط سرخسی ج ۹ ص ۲۰۳) اور اس لحاظ سے اس کو "امام" اور "امیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور خلیفہ و امام کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ حکومتِ الٰہیہ قائم کرے اور دین کی سربراہی و پیشوائی کے حقوق ادا کرے۔

حکومتِ الٰہیہ میں اقتدارِ اعلیٰ | حکومتِ الٰہیہ میں اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کے ماخذ ربانی ہوتے ہیں، یعنی اقتدارِ اعلیٰ خود خداوند خلاق کی ذات کبریائی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، اور حکمرانی اور تنفیذی طاقت شریعت کو حاصل ہوتی ہے، جس کا سربراہ خلیفہ و امام ہوتا ہے اور اس کا انتخاب بھی خدا کے ہاتھوں سے ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے[۱]" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہے[۲]" اور "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی[۳]" اس طرح قرآن و حدیث

---

۱ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (سورہ الفتح ۴۸، ع ۱، آیۃ ۱۰) ۲ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

۳ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔

کے مصداق کے مطابق خلیفہ کا انتخاب اصحاب حل و عقد کے انتخاب و بیعت کے ذریعہ ہوتا ہے اور ان اصحاب حل و عقد کی بیعت پوری اُمت کی بیعت قرار پاتی ہے اور چونکہ یہ جماعت کی بیعت ہوتی ہے، اس لئے اس میں اُمت کی گمراہی کا شبہ نہیں رہتا اور جماعت کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اس لئے یہ انتخاب و بیعت بھی گویا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھوں سے ہوتا ہے۔

حکومت اقامتِ دین کا لازمی جزء نہیں اور اسلام میں مذہب و سیاست کی علیحدگی

لیکن حکومت، اقامتِ دین کا لازمی جزء نہیں، بہت سے ایسے انبیاء گزرے جنھیں حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ چنانچہ جب ضرورت پیش آئی، تو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ کوئی بادشاہ مامور کیا جائے، ان کی خواہش پر طالوت کو بادشاہت سے نوازا گیا۔ اس وقت نبوت اور حکومت کی ذمہ داری دو علیحدہ بندوں کے سپرد رہی یعنی دین و دنیا۔ یا مذہب و سیاست ایک دوسرے سے الگ رہے۔ طالوت کی جانشینی حضرت داؤد اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان نے کی، ان دونوں کی ذات میں نبوت و حکومت کی یکجائی ہوئی، پھر حضرت عیسیٰ نے فرمایا "قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو، کلیسا کی کلیسا کو" اس طرح بدھ متیوں اور ہندوؤں کے یہاں بھی ترکِ دنیا ہی انسانیت کا کمال سمجھا گیا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے مذہب و حکومت علیحدہ رہے، رومیوں نے دنیاوی اور مذہبی قانون الگ الگ نافذ کئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اقامتِ دین کے بعد حکومتِ الٰہیہ کی تاسیس فرمائی اور دین و دنیا اور مذہب و سیاست شیر و شکر بن گئے اور قرآن مجید ان سب کا سرچشمہ قرار پایا، اس کے ساتھ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی بنیادی شرط یہ قرار پائی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اجراء کی قوت موجود ہو، اس کا انحصار کسی ملک کے باشندوں کی تعداد پر نہیں، بلکہ قوت و غلبہ پر ہے، اگر کسی ملک میں خدا کے قانون کے جاری کرنے کی قوت مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں،

Marfat.com

تو وہاں ان کے دین و دنیا اور مذہب و سیاست کے یکجا رہنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اسی لحاظ سے پچھلی صدیوں میں فقہا، اور مسلمان قانون سازوں نے دنیا کے ممالک کو مجموعی طور پر تین قسموں دارالاسلام، دارالحرب اور دارالامن میں تقسیم کیا ہے، اور ہر جگہ کے مسلم باشندوں کے لئے علیحدہ علیحدہ معاشرتی زندگی کی تفصیلات طے کی ہیں۔

حکومت الٰہیہ یا اسلامی حکومت کے تین بنیادی اجزاء حکومت الٰہیہ یا اسلامی حکومت کے تین اہم بنیادی اجزاء ہیں۔ قوانین الٰہیہ، مجلس شوریٰ اور خلیفہ یا امام۔

قوانین الٰہیہ اسلام نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کے سیاسی نظام میں اصل طاقت قانون دوسرے لفظوں میں قرآن مجید کو حاصل ہے، حکومت ہی اس سے طاقت حاصل کرتی ہے، نہ کہ حکومت کے اختیار میں قانون کا وضع کرنا ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے سیاسی نظاموں میں حکومت قانون وضع کرتی ہے، اور ضرورت و تجربہ کے مطابق اس میں رد و بدل کرتی ہے، لیکن اسلام میں قانون کو بالادستی حاصل ہے اور وہی حکومت کو وجود میں لاتا ہے۔ اسلامی و غیر اسلامی قانون میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی قانون، انسانی فطرت کی مناسبت سے ازل سے ابد تک کے لئے وضع کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ انسانی فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس میں رد و بدل کی ضرورت داعی نہیں، اور غیر اسلامی قانون انسانی فطرت کی جائے انسانی جذبات و احوال و طبائع کا پابند ہوتا ہے اور خود انسانی طبیعت آزادی پسند ہے، کسی قانون کی پابندی پسند نہیں کرتی، اور موقع پا کر خلاف قانون کام کرنے اور قانون کی زد سے بچ کر نکل جانے کی کوششوں میں رہتی ہے اور اس کے انسداد کے لئے واضعین قانون کو قوانین میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، لیکن اسلامی قانون، فطرت انسانی کا ترجمان ہے اور اس کے دائرۂ اثر میں انسان کی مخفی زندگی کی ہر جنبش و حرکت بھی آجاتی ہے، اس لئے وہ اپنے فطری تقاضے سے پابند قانون رہ کر پاکباز اور ایک نیکوکار شہری کی زندگی گذارنے پر خوش دلی سے آمادہ و کاربند رہتا ہے۔

Marfat.com

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے اصول و قوانین موجود ہیں۔ اسلامی قانون کی بنیادی تقسیم قانونِ عبادات و قانونِ معاملات میں کی گئی ہے، پھر قانونِ معاملات کے ذیلی شعبے قانونِ معاشرت، سیاست، معاش، تمدن وغیرہ ہیں، پھر انہی قوانین معاملات میں ذاتی کردار و باہمی تعلقات کی کڑیاں آتی ہیں جن کے لئے ضوابطِ اخلاق مقرر ہیں، جن میں مختلف حقوق، فرائض و آداب کی تعیین کی گئی ہے۔ اور قوانین کے یہ مجموعی ضوابط انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور انسان کی ہر نقل و حرکت سے وابستہ ہو جاتے ہیں، اور یہی اسلام کا قانون اور اسلام کا نظامِ حیات ہے اور اسلامی حکومت کے سربراہ کے ہاتھ میں تنفیذی طاقت ہوتی ہے اور وہی ان کے نفاذ اور ان کے مطابق اسلامی معاشرہ کو قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

اسلامی قانون کے مآخذ | اسلامی قانون، اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون کا نام ہے اس کے مآخذ کیا ہیں؟ یعنی انسان کن ذرائع سے قانونِ الٰہی کا علم حاصل کر سکتا ہے: جیسا کہ اوپر گذرا، اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان سے، انبیاء کے توسط سے رابطہ پیدا کیا ہے، اس لئے ان قوانین کے معلوم ہونے کا واحد ذریعہ نبی کی ذات ستودہ صفات ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسی چیزیں بتائیں جو کو خدا نے براہ راست آپ کو وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا، اور کچھ ایسی چیزیں آپ نے ارشاد فرمائیں جن کا ذکر وحی میں تصریح سے نہیں آیا، مگر وہ خدا کی مرضی کے مطابق آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئیں۔ اس طرح وحی الٰہی و ارشاد نبوی دو اہم مآخذ ہیں۔ وحی، قانون کو علمی درجہ دیتی ہے اور نبی اس کی عملی تفسیر کرتا ہے، اس طرح ہمیں اسلامی قانون کی علمی و عملی حیثیت کی آگاہی قرآن مجید، احادیث نبوی اور سیرت پاک میں اسوۂ و اعمال نبوی سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو اصطلاح میں کتاب اور احادیث و سیرۃ اقوال و افعال نبوی کو سنت کہتے ہیں۔ ان دونوں میں کتاب کا درجہ سنت سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ

اس کا علم وحیِ الٰہی قطعی و یقینی ذریعہ سے ہوا ہے کسی شک و شبہہ کے امکان کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں۔ یہی ہے پھر سنت میں سے جو چیزیں تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں، یا عملی تواتر کے ذریعہ سے ہم تک نقل ہو کر پہنچی ہے، وہ بھی یقین اور قطعیت کا درجہ رکھتی ہیں، پھر صحیح روایتوں کے ذریعہ جو سنن معلوم ہوئے ہیں، انھیں بھی یک گونہ قطعیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ معلوم ہے کہ احکام دین کی تشریح و توضیح میں انبیائے کرام کی عصمت کے باعث غلطیوں کا امکان نہیں ہے، اس لئے تمام سنن کو درجہ بدرجہ قطعیت اور حتمی قانون کا درجہ حاصل ہے۔

اس کے بعد مسلم ارباب علم و دانش کا یہ کام ہوتا ہے، اور ان کے ہاتھوں یہ خدمت انجام پاتی ہے کہ وہ کتاب و سنت کی تصریح و تشریح کی روشنی میں باب بہ باب دفعہ بہ دفعہ قوانین اسلام کو مرتب کریں اور یہ خدمت علم فقہ میں بر حسن و خوبی انجام پائی ہے، قرآن مجید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اسوہ اور قانون کی حیثیت دی ہے، جس سے فقہا یعنی مرتبین قانون کا کام آسان ہو گیا۔ جس امر کا نشان قرآن مجید میں نہ مل سکا، رسول کے اقوال و افعال میں ڈھونڈا گیا، پھر ان ہی احادیث نبوی میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر قرآن و حدیث میں تم کسی چیز کو نہ پاسکو تو انہی سرچشموں کو سامنے رکھ کر اپنے قیاس و استنباط سے کام لو۔ یہ تصریح حضرت معاذ بن جبل کے والی یمن بنائے جانے کے تقرر نامہ میں موجود ہے، پھر قیاس و استنباط میں بشریت کی خطا کا امکان بھی تھا تاہم مجتہد کو اس کے اجتہاد سے نہیں روکا گیا۔ آپ نے فرمایا "اجتہاد کرنے والا خطا بھی کر سکتا ہے اور صواب بھی، صحیح فیصلہ کی صورت میں دو ثواب ملیں گے، اور خطا کی صورت میں ایک ثواب" اس طرح اجتہاد کا دروازہ اُمت کے اہل دانش کے لئے کھلا رکھا گیا اور وقت کے حالات و مسائل پر اُمت کے ارباب علم و دانش قوانین کی ترتیب کی خدمت انجام دیتے رہے اور تاقیامت انجام دینے کا حق رکھتے ہیں، اس طرح ائمہ اسلام کو کتاب و سنت

Marfat.com

میں اپنی بصیرت کے مطابق اجتہاد کا حق دیا گیا ہے، اور وہ بھی قانون اسلامی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام کے تعامل کو بھی اسلام میں قانون کا درجہ حاصل ہے، اس لئے کہ ان کے اقوال و افعال کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔

اس طرح اسلامی قانون کے ماخذ کتاب و سنت ہیں، ان دونوں کی واضح تصریحات اور ان دونوں پر مبنی صحابہ کے تعامل اور ائمہ دین کے اجتہادات داخل ہیں۔ اجتہاد و تعامل صحابہ کے ذریعہ، کتاب و سنت کے علاوہ اسلامی قانون کے دو اور ماخذ قرار پائے وہ اجماع وقیاس ہیں، اجماع کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک زمانہ کے تمام مجتہدین اسلام کسی مسئلہ میں کسی ایک رائے پر اتفاق عام کریں، تو رائے کو استناد اور قانون کا درجہ حاصل ہوگا، اجماع میں صحابہ کرام اور خصوصاً اہل مدینہ کے اجماع کو اہمیت حاصل ہے، اور دراصل اسی اجماع کو قانونی حیثیت سے معتبر قرار دیا گیا ہے، جس میں گویا ایک طرح تعامل صحابہ کی شکل بھی موجود ہے۔ پھر مجتہدانہ استنباط کو قیاس سے موسوم کیا گیا ہے، جس کا مرتبہ کتاب و سنت و اجماع کے بعد آتا ہے۔ قیاس سے جو مسائل مستنبط و مرتب ہوتے ہیں، ان کے متعلق ظن غالب قائم کیا جاتا ہے نہ کہ حکم یقینی تصور ہوتا ہے، تاہم احکام کی تعیین میں ان سے مدد ملتی ہے۔

ان مذکورہ بالا چاروں ماخذ کتاب و سنت، اجماع وقیاس میں دراصل صرف ذوہی اول الذکر ماخذ کتاب و سنت ہیں اور باقی اجماع وقیاس ان ہی دونوں کے تابع اور ان کی فرع ہیں اور وہی دونوں ان کے اصل منبع و سرچشمہ ہیں۔

اسلامی قوانین کا اطلاق اسلامی قوانین کے سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلامی حکومت میں ان کا اطلاق صرف مسلمان باشندوں پر کیا جاتا ہے یعنی صرف ان لوگوں پر جو نظام خلافت کے رکن بن کر اس کی مدنیت کے شہری بن چکے ہیں، غیر مسلموں پر ان قوانین کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا کے لئے قوانین عہد رسالت و خلافت راشدہ کے دور

Marfat.com

کے نظائر سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے، کہ حکومت کی غیر مسلم رعایا کو عدالتی خود مختاری حاصل ہے، ان کے ساتھ ان کے شخصی و مذہبی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں گے لیکن اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے گی، تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے گا۔

قانون بین الممالک و دیگر امور کے متعلق اسلامی ضوابط اسی طرح قانون بین الممالک کے اصول اور اس کے مختلف امور انتقامی جنگ، معاہدوں کی تعمیل مدافعت، ہمدردانہ جنگ، فریق سے معاہدہ شکنی کا خطرہ اور اس کے لئے پیش بندیاں، مذہبی رواداری، غیر مسلم رعایا سے برتاؤ، قیدیوں سے سلوک، پناہ جویوں کو امن دینا، مفتوحہ اراضی کا انتظام، صلح وغیرہ جانبداری کی تفصیلات میں ضوابط مقرر اور ہدایات نافذ ہیں۔

مالیات کے متعلق حکومت الٰہیہ کا نقطۂ نظر اسی طرح مالیات کے سلسلہ میں حکومت الٰہیہ کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ دولت صرف مالداروں میں گردش نہ کرتی رہے۔ ملک کے ہر طبقہ میں تقسیم ہو، معیار سے زائد دولت پر لازمی محصول ہو، اسی طرح قانون وراثت و وصیت کا اجراء، سودی کاروبار کی مخالفت اور تجارتی کاروبار میں سہولت پیدا کرنا اس کا مطمح نظر ہے۔

مجلس شوریٰ اسلامی حکومت کا دوسرا اہم جزو، مجلس شوریٰ ہے۔ خلیفہ کے لئے ارباب حل وعقد و اصحاب بصیرت سے مشورہ کرنا ضروری ہے، وہ ارباب دانش میں سے جس کو چاہے مجلس شوریٰ کا رکن بنا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں تشریح آئی ہے کہ

"مسلمانوں کا طریق، اہم امور میں باہم مشورہ کرنا ہے۔"[۱]

"اہم کاموں میں مسلمانوں سے مشورہ کیا کرو۔"[۲]

۱؎ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (سورۃ الشوریٰ ۴۲، ع ۴، آیت ۳۸) ۲؎ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورہ آل عمران ۳، ع ۱۷، آیت ۱۵۹)

Marfat.com

اس حکم خداوندی کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، اور خلفائے راشدین کا بھی یہی طریق رہا، اس لئے خلفا کے لئے ضروری قرار پایا کہ وہ اپنی مجلس شوریٰ قائم کریں اور اہم امور میں مشورہ کیا کریں، جس کے لئے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا وجود ہمیشہ ضروری ہے جو مسلمانوں کو جن میں خود خلیفہ بھی شامل ہے، خیر و صلاح کی طرف بلاتی رہے، اس مجلس کو موجودہ زمانہ کی پارلیمنٹ سے زیادہ اختیارات حاصل تھے۔ اس کے ہاتھ میں خود خلیفہ کے عزل و نصب کی طاقت بھی تھی۔ مجلس شوریٰ کا اصل کام خلیفہ کو مشورہ دینا ہے، انتظامی امور سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا ہے، لیکن مجلس شوریٰ میں جو رائے قرار پا جائے، اس کی تعمیل اگرچہ عموماً ضروری ہے، مگر اس کی آخری ذمہ داری خود خلیفہ کو سونپی گئی ہے اور اس مشورہ کے متعلق اس کو حق تنسیخ بھی دیا گیا ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ وہ مجلس کے متفقہ فیصلہ کو بھی رد کر دے اور متفقہ رائے کے خلاف اپنی رائے پر جو بہر حال اس کے نزدیک کتاب و سنت کے مطابق ہوگی، عمل کرے۔ اس طرح اسلام میں حق فیصلہ رعایا کی کثرت رائے پر نہیں، ارباب حل و عقد کی رایوں کے اجتماع پر ہے، اور پھر ان کی بھی رایوں کی قلت و کثرت پر نہیں، بلکہ تمام تر امام و خلیفہ کی صوابدید پر منحصر ہے۔

خلیفہ و امام | اسلامی حکومت کا سب سے اہم تیسرا جزو خلیفہ و امام ہے۔ خلیفہ کے لغوی معنی جیسا کہ اوپر گذرا نائب کے ہیں۔ اصطلاح میں خلیفہ اس سربراہ کو کہتے ہیں جو نائب رسول ہونے کی حیثیت سے اسلامی ذرائع سے اسلامی نظام حیات کو رائج و قائم کرے، ہر قسم کے اسلامی قوانین کا نفاذ کرے اور اقامت دین و نفاذ قوانین میں جو موانع حائل ہوں ان کو دور کرے اور اگر اس سلسلہ میں طاقت و قوت استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس پر قادر ہو اور استعمال کر سکے۔

منصب خلافت پر سرفرازی کے شرائط | خلافت کے استحقاق کے لئے ضروری ہے کہ امیدوار مرد، مسلم، آزاد، عاقل، بالغ اور ایسے امراض جسمانی سے محفوظ ہو جو فرائض خلافت کی

Marfat.com

انجام دہی میں ملازم ہو سکتے ہیں، نیز وہ صاحب فراست مدبّر، صائب الرائے، تجربہ کار اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں چست اور مستعد رہ سکے، اور وقت کے موجودہ مسائل کا ماہر اور سیاسی معاملات میں اصابت رائے کا حامل ہو، وہ خود دیندار ہو، مبتدع، فاسق و فاجر نہ ہو اخلاق اسلامی سے متصف ہو، علوم دینیہ خصوصاً کتاب و سنّت کا ماہر اور زبان عربی سے واقف ہو اور حکومت کے انتظام و انصرام کی اعلیٰ صلاحیت رکھتا ہو۔

جیسا کہ اوپر گذرا، پچھلی امتوں میں یہ دستور الٰہی رہا تھا کہ جب کوئی پیغمبر اس دنیا سے اٹھایا جاتا تھا، تو خدا کی طرف سے اس کی قائم مقامی کے لئے کوئی دوسرا پیغمبر مامور کیا جاتا تھا، لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ پیغمبری اب ختم ہو چکی، تم میں خلفاء یعنی جانشین ہوں گے۔" نیز آپ نے فرمایا" ہماری امت کے اہل علم و دانش بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہوں گے۔" اور یہ کہ" اہل علم نبیوں کے وارث ہیں۔" ان ارشادات سے جو کچھ واضح ہوا اس کی بنا پر یہ اصول قرار پایا کہ خلفاء و جانشین کا انتخاب" اہل علم و دانش میں سے ہوگا۔" اور وہی اصحاب علم و دانش اس کو منتخب کریں گے اور وہی اس منتخب خلیفہ کے اصحاب حل و عقد و شوریٰ ہوں گے۔

اس طرح خلافت پیغمبری کی نیابت و قائم مقامی قرار پائی اور منتخب سربراہ اپنے پیش رو کے نائب و قائم مقام ہونے کی حیثیت سے" خلیفہ" اور اپنے پس رو یعنی متبعین کے پیشوا ہونے کے لحاظ سے امام کہا گیا جس کو اقامت دین کرنا ہے، کتاب و سنّت کے مطابق فیصلے کرنا ہے، جن معاملات میں کتاب و سنت کی کوئی واضح تصریح موجود نہیں ہو، ان میں اصحاب علم و دانش و ارباب حل و عقد کے قیاس و اجماع سے فیصلے کرنا ہے، اسی طرح نماز میں پیش امام ہونا، مختلف مسجدوں کے لئے امام مقرر کرنا، زکوٰۃ کا نظم کرنا، سرحدوں کی حفاظت کرنا، سیاسی نظم و نسق، قضاۃ، ولاۃ و عمال کا تقرر اور امور تنفیذی میں حسب ضرورت ارباب مشورہ سے صلاح و مشورہ اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے، اس لئے اس کو خود بھی ذہنی، روحانی

Marfat.com

علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کا جامع اور سیاست، معیشت، عدل و فصل مقدمات، قیام امن و امان و انعقاد صلح و جنگ و معاہدہ کے رموز و نکات کا ماہر ہونا چاہیئے۔ نیز ضروری ہوگا کہ اس کی عملی زندگی اور کردار اس لائق ہو کر وہ مرجع خلائق بن سکے اور ارباب حل و عقد و اہل علم و دانش کی نگاہ میں اس کی شخصیت ایسی جامع ہو کہ اس کے انتخاب پر اتفاق عام ہو سکے۔ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں خلیفہ و امام کو انہی اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے۔

منصب خلافت کے لئے کسی قبیلہ یا خاندان کی تخصیص

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے واضح ہے کہ خلافت و امامت کے لئے ذاتی اوصاف کی ضرورت ہے کسی خاص قبیلہ یا خاندان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ آپ نے تصریح سے فرمایا کہ "اگر ملک کٹا حبشی غلام بھی سربراہ بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرو" لیکن عجب اتفاق ہے کہ ایسی واضح تصریح کے باوجود منصب خلافت کے لئے قبیلہ و خاندان کی تخصیص کی بحثیں عہد اول میں پیدا ہو گئیں، اور یہ بات زبان زد عام ہو گئی کہ "الائمۃ من قریش" یعنی امام قریش میں سے ہوں گے۔ اس طرح عملاً بھی خلافت کو خاص قبیلہ قریش کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا، حالاں کہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جماعت انصار میں خلافت و امامت کی بحث چھڑی ہوئی تھی، اس وقت حضرت ابوبکر نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ قریش کو جن کا بڑا طبقہ تو مسلم تھا، عرب میں قدیم سیاسی برتری حاصل ہے، وہ کسی اور کی امامت پر مشکل سے متفق ہو سکیں گے، اس لئے امام کو قریش ہی میں سے ہونا چاہیئے تاکہ امت کی شیرازہ نہ ٹوٹنے پائے۔ یہ کہہ کر انھوں نے حضرت عمر کا نام پیش کیا، مگر حضرت عمر نے بڑھ کر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مہاجر و انصار صحابہ نے اس انتخاب پر اپنی رضامندی ظاہر کی، اس لئے خلیفہ کا قبیلۂ قریش میں سے ہونا ایک وقتی مصلحت کا تقاضا تو ہو سکتا ہے لیکن قرشیت خلافت کے لئے کوئی بنیادی شرط نہیں قرار پا سکتی۔

بہ ایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے صدرِ اول میں ایک مدت تک یہ مسئلہ مابہ النزاع رہا کہ خلیفہ کا کسی خاندان سے ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ صحابہ کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا تھا، کہ خلافت کسی قبیلہ سے مخصوص نہیں، دوسرا گروہ اس کو قریشیوں سے مخصوص سمجھتا تھا، پھر ان میں دو رائیں ہو گئی تھیں، ایک گروہ کے نزدیک محض قریشی ہونا کافی تھا، دوسرے گروہ کے نزدیک اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت رکھنا ضروری یا کم سے کم لائقِ ترجیح تھا۔ اور آگے چل کر مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی میں قرشیت کو لازمی شرط قرار دے دیا گیا، لیکن جب باس کی خلافت کے خاتمہ کے بعد جب ترکوں میں خلافت چلی گئی تو یہ شرط آپ سے آپ کالعدم ہو گئی اور قرشیت کی شرط کی ساری بحثیں کتابوں کے اوراق کی علمی بحثیں بن کر رہ گئیں۔

خلیفہ کے فرائض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے امت کی ہر قسم کی سربراہی کے فرائض وابستہ تھے۔ آپ اپنے منصبِ رسالت کے لحاظ سے دینِ الٰہی کی تاسیس و تبلیغ فرماتے، کلمۂ حق بلند کرتے، احکامِ الٰہی نشر فرماتے اور محاسنِ اخلاق سکھاتے تھے۔ اس دینی پیشوائی کے ساتھ آپ امت کے سربراہ و امام تھے۔ نظامِ ملت کی شیرازہ بندی، امت کے تنازعات کا فیصلہ، امن و امان کا قیام، صلح و جنگ کا انعقاد، تعلیم و تعلم اور معیشت کا نظم امام و پیشوا کی حیثیت سے انجام دیتے تھے، اس لئے اسلام میں خلیفہ کے فرائض بھی اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ دین و دنیا کے تمام مستحسن مقاصد کی تکمیل اس کے تحت آ گئی ہے۔ اس کا یہ فرض قرار پایا کہ وہ پیغمبر کے کاموں کو قائم، باقی اور ہر قسم کی خارجی آمیزش سے پاک و صاف رکھے، امت میں اقامتِ دین کے صحیح جذبہ کو قائم رکھنے کی سعی کرے، ارکانِ اسلام کی اقامت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی اچھائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کا داعی ہو، جہاد کا اعلان کرنا، قاضیوں اور والیوں کو مقرر کرنا، حدود و تعزیرات کو نافذ رکھنا اس کے فرائض میں داخل ہے اور اس کو ان ساری باتوں کو زیرِ عمل اور نفاذ

میں اللہ ہے" جن کا ذکر "مسند خلافت پر سرفرازی کے شرائط" کے سلسلہ میں ابھی اوپر گذر چکا ہے۔

خلیفہ کے انتخاب کے مختلف طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ کو تمام تر امت کے ارباب حل وعقد کی رائے پر چھوڑ دیا تھا، اس لئے اسلام کی تاریخ میں خلیفہ کے انتخاب میں امت اسلامیہ کے مختلف راہ اختیار کرنے کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں، اور جس زمانہ میں جو شکل اختیار کی گئی، امت کے ایک گروہ نے اس کو قبول کیا، اور جس گروہ کو اس طریقۂ انتخاب سے اختلاف رہا، اگر وہ کسی بنیادی مسئلہ پر ہوا تو دو جماعتیں پیدا ہو گئیں اور کبھی بہ یک وقت دو مختلف حلقۂ اثر کے ملکوں میں دو علیحدہ علیحدہ خلافتیں قائم ہو گئیں، اس طرح اسلام کی تاریخ میں خلیفہ کے انتخاب کے حسب ذیل طریقے نظر آتے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول کے انتخاب کے موقع پر یہ سامنے آیا کہ رؤسائے امت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ زیر بحث مسئلہ صرف یہ تھا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے۔ بحثوں اور تقریروں کے بعد پہلی رائے کو غلبہ حاصل ہوا اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر جو مہاجرین میں سے تھے، بیعت کر لی گئی۔

اس موقع پر امت کے وہ اکابر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت کو وجہِ ترجیح سمجھتے تھے، وہ اپنی قریبی قرابت رکھنے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے اہتمام میں تھے، ان کی رایوں کے اظہار کا موقع سرے سے نہ آسکا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن ابی طالب اور چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تھے۔ اول الذکر اسلام کے سابقین اولین میں سے نہ تھے اور نہ مسلمانوں کی رائے عامہ ان کے ساتھ ہو سکتی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے، وہ امیدوار ہو سکتے تھے، اور حضرت عباس ان کے معاون بن سکتے تھے، اور ایک واقع پر ایک گفتگو میں حضرت عباس نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا،

بہ ایں ہمہ اس انتخاب کے بعد جو اُن کی عدم موجودگی میں ہوا تھا، انھوں نے سکوت اختیار کیا، امت کی رائے سے اختلاف نہیں کیا، لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بات دل کی دل میں دبی رہ گئی۔

لیکن اسلامی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس انتخاب پر حرف نہیں لا سکتے، صحابہ کے سامنے ان کی سراپا زندگی تھی۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں منصبِ امامت کے ایک اہم فرض امامت نماز کے لیے بہ اصرار انہی کو نامزد کیا۔ زندگی کے آخری لمحے کے آخری خطبہ میں ان کا ذکر ایک خاص انداز سے کیا، ایسے ہی چند اور اشارے موجود ہیں، جن سے سمجھا جاتا ہے کہ آپ انھیں اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے کوئی قطعی حکم دینے یا فیصلہ کرنے کی بجائے اس کو اُمت کے ارباب حل وعقد کی رائے پر چھوڑ دیا، اور حضرت علی کے سلسلہ میں تو یہ چیز زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ ۹ھ میں آپ نے حضرت ابوبکر کو امیر حج کے منصب پر سرفراز فرمایا جو ایک طرح کی جانشینی تھی، اور اسی موقع پر حضرت علی کو نقیبِ اسلام کا منصب عطا فرمایا۔ اس طرح حضرت علی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زیرِ سیادت و امارت "نقیبِ اسلام" کے منصب کی خدمت انجام دے چکے تھے، یہ واضح نشان ہے کہ ان دونوں میں حضرت ابوبکر ہی مستحق تھے کہ خلافت کا انھیں تفویض کیا جائے، تاکہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور خواہش کے بھی مطابق ہو۔

۲۔ انتخاب کا دوسرا طریقہ حضرت ابوبکر نے اختیار کیا۔ انھوں نے اپنے مرضِ وفات میں مختلف صحابہ سے حضرت عمر کے متعلق استصواب کیا، پھر انھیں اپنا جانشین نامزد کر کے عہد نامہ لکھوا کر مجمع عام میں سنوایا، اس لیے کہ وہ ان کے نزدیک اس منصب کے لئے سب سے زیادہ اہل تھے۔

اس طریقِ عمل سے خلیفۂ وقت کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں جس کو

سب سے زیادہ اہل و صاحبِ صلاحیت سمجھے، اس کو خلافت کے لیے نامزد کر دے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک حضرت عمرؓ اس منصب کے لئے سب سے زیادہ اہل تھے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو سب سے زیادہ اہل سمجھنے کے باوجود ان کو نامزد نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ طرزِ عمل وقتی مصلحت اور فتنہ کے سدِّباب کی خاطر اختیار فرمایا، لیکن ایک بات نظر انداز کرنے کے لائق نہیں۔ اس مسئلہ میں انھوں نے جن صحابہ سے پہلے مشورہ کیا، ان میں حضرت علی کا اسم گرامی موجود نہیں، غالباً اس کا سبب یہ ہو کہ حضرت ابوبکرؓ منصبِ خلافت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت کی شرط یا وجہِ ترجیح کو موزوں نہیں سمجھتے تھے، اور جب انھوں نے حضرت عمرؓ کی نامزدگی کا اعلان کیا تو مجمع عام کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ "اپنے کسی قرابت دار کو نہیں تجویز کیا ہے، بلکہ عمرؓ کو اپنا جانشین بناتا ہوں ..... اس لئے کہ وہ میرے نزدیک اس کے سب زیادہ اہل ہیں۔"

لیکن یہ حقیقت فراموش نہیں کی جا سکتی کہ حضرت ابوبکرؓ کے صالح نقطۂ نظر اور فی الحقیقت حضرت عمرؓ کے سب سے زیادہ اہل ہونے کے باوجود اس طریق نامزدگی کے جاری ہونے کی وجہ سے آگے چل کر حضرت امیر معاویہ کو موقع ملا کہ انھوں نے مثال کو سامنے رکھ کر یزید کو اپنا جانشین بنایا، اس لئے کہ وہ ان کے استدلال کے مطابق ان کے نزدیک اپنی عقل، فہم، دوراندیشی و سیاست میں امور مملکت کی سربراہی کے لئے زیادہ اہل تھا، اگر عہد صدیقی میں ولی عہد کی نامزدگی کی وہ مثال قائم نہ ہوتی، تو حضرت امیر معاویہ کو صحابہ کی موجودگی میں اس اقدام کی مشکل سے جرأت ہوتی۔

۳۔ انتخاب کے تیسرے طریقہ کو حضرت عمر فاروقؓ نے اختیار کیا۔ انھوں نے اپنا ولی عہد یا جانشین بنانے کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لی، بلکہ ان کے خیال میں خلافت کیلئے جو امیدوار ہو سکتے تھے، یا امت کی نگاہ جن شخصیتوں پر پڑ سکتی تھی، ان کے نام یکجا کر دیئے اور اپنے صاحبزادے اور بعض دوسرے لوگوں کو مامور کیا کہ ان کی وفات کے بعد ان سب کو

Marfat.com

یکجا کیا جائے اور یہ باہم مشورہ سے اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے جانشین بنالیں یہ طریق دوسرے طریق سے نسبتہً زیادہ جمہوری تھا، اور اس کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ امت میں نزاع نہ پیدا ہونے پائے، اور جو بھی منتخب ہو، اتفاق عام سے ہو، اور مخالفت میں کھڑے ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے۔

۴۔ چوتھا طریق انتخاب اگرچہ شکل کے اعتبار سے زیادہ جمہوری تھا، لیکن انتخاب میں روحِ اسلامی کے بعض اہم پہلو ظاہر نظر میں اس میں ملحوظ نہ رہ سکے۔ اب تک جتنے انتخابات ہوئے، ان میں جن اربابِ حل و عقد کے مشورے ہو سکے، وہ سب دار الخلافت مدینہ کے تھے یعنی اعیانِ مدینہ کو ان انتخابات میں دخل رہا، جو زیادہ تر اکابر صحابہ تھے، لیکن حضرت علیؓ کے انتخاب کے موقع پر مدینہ کے اکثر اکابر مدینہ سے باہر تھے۔ دار الخلافت شورش پسندوں کے نرغہ میں تھا، اور حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینہ پر قاتلوں کے اسی گروہ کا استیلا ہو گیا اور ان لوگوں نے حضرت علی کے بار بار انکار کے باوجود انھیں مجبور کیا کہ وہ ان کی بیعت لے لیں، بیعت کے بعد چند اکابر مدینہ جن میں سے بعض کے نام بھی خلافت کے لئے پہلے لئے جا چکے تھے، مثلاً حضرت طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عمر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کی رائیں اس انتخاب کے حق میں حاصل ہو چکی تھیں اور بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ اس انتخاب کو استحکام بخشنے اور اتفاق عام حاصل کرنے کی ضرورت تھی لیکن شورش پسندوں کے استیلا کے باعث حضرت علی کو اس کا موقع حاصل نہ ہو سکا۔ ان چند اکابر مدینہ کے انتخاب کو منظور کر لینے کو استقرارِ خلافت کے لئے کافی سمجھا گیا، اگر یہ تصور نہ ہوتا تو پہلے بیعت کو تمام ممالک محروسہ سے منظور کرانے کی ضرورت تھی، اس لئے کہ شورش و فتنہ کا دور شروع ہو چکا تھا، لیکن خود حضرت علی نے اس کی ضرورت نہ سمجھی اور پچھلی مثالوں کو سامنے رکھ کر ان کے ہاتھ پر جو بیعت ہو چکی تھی، اس کو کافی سمجھ کر استحکام خلافت اور معاملات کے یکسو ہونے سے پہلے ہی مختلف ولاۃ کے عزل و نصب کے فرمان جاری کر دیئے جن میں والیٔ شام حضرت

Marfat.com

امیر معاویہ بھی تھے، جو حضرت عثمان سے قریب کی نسبی قرابت رکھتے تھے۔ انھوں نے پروانہ عزل کی پرواہ نہ کی اور آگے چل کر قصاص عثمان کی آڑ لے کر خود خلافت کے مدعی بنے۔ جن لوگوں نے قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کیا، انھوں نے بیعت کرنے کی یہ شرط رکھی کہ حضرت علی پہلے ان سے قصاص لے لیں، اس کے بعد وہ بیعت کریں گے، حالاں کہ بیعت سے پہلے قصاص لینے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ان کے بیعت کر لینے کے بعد انھیں اس کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہو سکتا تھا، اور اگر مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ انھیں معزول کر سکتے تھے، بہر حال اب ایک ہی وقت میں دو خلافتیں قائم ہو گئیں، حضرت علی کا دارالخلافہ عراق کا شہر کوفہ بنا اور حضرت امیر معاویہ کا شام کا شہر دمشق۔ اور اب مدینۃ النبی صوبہ حجاز کے ایک مقدس شہر کی حیثیت سے رہ گیا۔ اس کے بعد اگرچہ ممتاز صحابہ نے حضرت علی کی موجودگی میں، امیر معاویہ کی خلافت کے معاملہ میں یا تو مخالفت کی، یا سکوت اختیار کر لیا۔ صرف بعض صحابہ امیر معاویہ کی خلافت کا ساتھ دے سکے، تاہم حضرت امیر معاویہ کی حکومت شام میں پہلے سے مستحکم تھی، وہ اپنی جگہ برقرار رہے۔

۵۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو حضرت علی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قریبی قرابت کی وجہ سے آپ کا جانشین سمجھتے تھے، اسی طرح اعیانِ مدینہ اور صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت بھی امیر معاویہ کے مقابلہ میں انھیں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی، لیکن خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہ تھے کہ منصب خلافت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت بھی کوئی شرط ہے، اس لئے انھوں نے امت کو اختلاف کے فتنوں سے بچانے اور اسلام کی شیرازہ بندی کو قائم رکھنے کے لئے اپنے فاضل یعنی زیادہ اہل و زیادہ صاحبِ فضیلت ہونے کے باوجود اپنے سے کم اہلیت رکھنے والی شخصیت کے حق میں خود منصبِ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ کی خلافت

Marfat.com

کو قبول کرلیا۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام، دونوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس کے بعد وہ اتفاق عام سے منصب خلافت پر مامور ہو گئے، اور حضرت امام حسن کی ذات گرامی پر خلافتِ راشدہ کا دور (سنہ۔ سنہ) ختم ہو گیا۔

انتخاب وبیعت کی جداگانہ حیثیتیں خلافتِ راشدہ کے دور میں منصب خلافت کے انتخاب کے لئے جو طریقے اختیار رہے، ان سے اصولی طور پر اخذ کیا گیا کہ اسلام میں کسی کے خلیفہ بننے کے لئے دو باتوں کا پورا ہونا ضروری ہے، پہلے منصب خلافت کے لئے کسی کا انتخاب کیا جائے یعنی اس منصب کے لئے اس کو دوسروں پر ترجیح دے دی جائے، مگر محض اس انتخاب سے وہ خلیفہ نہیں بن جاتا، بلکہ خلیفہ کا تقرر بیعت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور وہ انتخاب اس کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس کو عملی شکل میں لانے کے لئے بیعت کا منعقد کرنا ضروری ہے، انعقاد بیعت کے بعد وہ منصب خلافت پر مامور ہو جاتا ہے۔

بیعت کا مفہوم اور اس کی شرعی حیثیت یہ بیعت ایک معاہدہ معاشرتی ہوتا ہے جس کا ایک فریق وہ ہوتا ہے، جو اس عہدے کو قبول کرتا ہے، دوسرا فریق امت مسلمہ ہوتی ہے، جس کی طرف سے امت کے اربابِ حل وعقد واصحاب علم ودانش معاہدہ کرنے کے لئے بیعت کرتے ہیں، اور بیعت کے بعد یہی اربابِ حل وعقد حکمرانی کی حکمرانی میں مرجع کا کام دیتے ہیں، اور ضرورت ہو تو اس کو معزول بھی کرسکتے ہیں (بدائع الصنائع کاشانی ج ۷ ص ۱۶)

یہ طریق انعقاد خلافت، اجماع صحابہ سے ثابت ہے، اس بیعت میں امیر عہد کرتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام کا اجراء کرے گا، اور رعایا عہد کرتی ہے کہ جب تک وہ احکام الٰہی کا اجراء کرتا رہے گا، وہ اس کی مطیع رہے گی، انعقاد خلافت کے لئے مسلمان اہل علم وارباب حل وعقد کی ایک معتدبہ اور صاحب امتیاز جماعت کا بیعت کرنا کافی سمجھا گیا ہے، یہ ارباب حل وعقد عام مسلمانوں کے مختلف گروہ کے قدرتی طور پر سربراہ ہوتے ہیں، اس لئے

Marfat.com

ان کی بیعت عامہ مسلمین کی بیعت سمجھی جاتی ہے، اگر ارباب حل وعقد نے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، تو وہ شخص اپنی خلافت کے دعویٰ کے باوجود محض کسی خاص مقام کے عوام الناس کی بیعت سے خلیفہ نہیں قرار پا سکتا۔ اور اگر خلیفہ کسی کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کرتا ہے، تو اس کی خلافت اسی وقت برپا ہوتی ہے، جب ارباب حل وعقد اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں، جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنایا، اور ان کی جانشینی کا مجمع عام میں انھوں نے اعلان کیا، مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی، تو حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کو پہلے ارباب حل وعقد کے ہاتھ میں دے دیا اور خطبہ میں فرمایا:

"اے لوگو! بے شک میں تم سے زیادہ اپنے نفس سے واقف ہوں، میں عمرؓ ہوں اور تم پر حکومت کرنے کی کبھی خواہش نہیں کی لیکن متوفی (حضرت ابوبکر صدیق رضی) نے مجھ کو اس کی (یعنی امر خلافت کے سنبھالنے کی) وصیت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی، لیکن میں اپنی امانت (یعنی امر خلافت جس کو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے سپرد کیا ہے) کسی ایسے شخص کو نہ دوں گا جو اس کا اہل نہ ہو، لیکن میں اس (امانت یعنی بار خلافت) کو اس شخص کو دینے کے لئے تیار ہوں، جس میں مسلمانوں کی عزت و توقیر بڑھانے کی رغبت موجود ہو، ایسے ہی اشخاص (خلافت کے) دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں۔"

اس خطبہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اس منصب پر فائز رہنے کے لئے ارباب حل وعقد کی رائے دریافت کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس مجمع میں اکابر صحابہ موجود تھے اور ان ہی کے ہاتھ میں ان کا حقیقی فیصلہ تھا، لیکن ان اکابر صحابہ نے سکوت اختیار کیا اور ان کے عدم اختلاف سے

Marfat.com

ان کی رضامندی حاصل ہوگئی، اور حضرت علی نے بیعت کے بعد خلافت ہاتھ میں لے لی۔

اس لئے انتخاب خواہ شخصی نامزدگی کے ذریعہ ہوا ہو، یا ارباب حل و عقد کی جماعت نے کیا ہو، انتخاب کے بعد بیعت کا کیا جانا ضروری ہے، اور حضرت عمر کے اس خطبہ کے بعد اکابر صحابہ کی رضامندی، بیعت ہی کے مترادف تھی، اور آگے چل کر اموریوں کے دور میں جابر سے جابر خلفاء نے بھی بیعت کے، لئے جانے کی اہمیت کو سامنے رکھا، اور اپنی خلافت کے جواز و پائیداری کے لئے بیعت حاصل کرنے کے لئے جبر و ظلم سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اسلامی بادشاہت خلافت کے لباس میں | خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی تاریخ میں خلافت کے نام پر سلطنتوں کا دور آیا۔ حضرت امیر معاویہ کی قائم کی ہوئی اموی سلطنت (۴۱ھ سے ۱۳۲ھ) میں یکے بعد دیگرے ۱۴ خلفاء ہوئے۔ بنو امیہ اپنے قریشی ہونے کو وجہ ترجیح قرار دے کر اپنی طاقت سے حکومت کرتے رہے، اور رفتہ رفتہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ رائج ہوگیا کہ خلافت کے لئے قریشیت شرط ہے، اس تصور سے اس مکتب خیال کے لوگوں کے عقائد کو بھی فروغ ہوا جو خلافت کے لئے رسالت سے قرابت قریبہ کی شرط کو لازمی سمجھتے تھے۔

خلافت سے جداگانہ سلسلۂ امامت کا آغاز | چنانچہ امویوں کے دور میں علویین کی تحریک جڑ پکڑنے لگی، اگرچہ خلافت جو اب سلطنت اور عسکری طاقت کا نشان بن گئی تھی، ان کے ہاتھوں میں نہیں رہی، مگر اس کے بالمقابل امامت کا دور شروع ہوا، اور اس گروہ کی مذہبی و روحانی پیشوائی و سیادت ائمہ کے ہاتھ میں آگئی۔ علویین، بنو امیہ کے خلاف خروج کرتے رہے اور روز بروز بڑھتی گئی، یہ ائمہ یکے بعد دیگرے اپنا جانشیں بناتے اور ان کے ہمنواؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی، یہ ائمہ یکے بعد دیگرے اپنا جانشین بناتے جاتے تھے، لیکن اتفاق کی بات امام ابوہاشم بن محمد بن علی نے وفات پائی تو کسی کو جانشین نہیں چھوڑا۔ اس وقت تک بنو عباس اور علویین دونوں ایک ساتھ بنو امیہ کے خلاف سرگرم تھے۔ امام ابوہاشم کی رحلت کے بعد بنو عباس نے کہا کہ وہ محمد بن علی بن عبداللہ بن

Marfat.com

عباس کو جانشین بنا گئے ہیں، اور شیعوں کے ایک فرقہ کیسانیہ نے ان کا ساتھ دے دیا۔ رفتہ رفتہ بنو عباس کو غلبہ حاصل ہوا اور یہ آواز اٹھنے لگی کہ حضرت عباس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، اور حضرت علیؓ ان کے چچا کے بیٹے تھے، چچا کی موجودگی میں چچا کا بیٹا وارث نہیں ہو سکتا، اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و جانشینی کا حق دراصل حضرت عباس اور ان کے بعد ان کی اولاد کو تھا، اس طرح جب بنو امیہ کی سلطنت کا تختہ اُلٹ گیا تو علویین کی تیار کی ہوئی کھیتی عباسیوں کے قبضہ میں آگئی اور عباسی دورِ خلافت کا آغاز ہوا۔

عباسیوں کا دورِ خلافت اور مختلف خانوادوں میں خلافتیں

بنو عباس کی خلافت نما سلطنت (۷۴۹ء ؍ ۱۳۲ھ، ۱۲۵۸ء ؍ ۶۵۶ھ) میں ۳۷ خلفاء گذرے۔ عباسیوں کے دور میں علویین پر امویوں کے زمانہ سے زیادہ مصیبتیں آئیں، نہ صرف آل و اولاد علیؓ ظلم و ستم کا نشانہ بنے، بلکہ جس کسی پر اہل بیت سے میلانِ طبع رکھنے کی تہمت بھی آگئی، وہ جور و ظلم کا نشانہ بن گیا لیکن تمام مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے اس خیال کو نہ ہٹا سکے کہ عباسی خلفاء ظالم و غاصب ہیں اور خلافت کے حقدار صرف ائمہ اہل بیت ہی ہیں۔ اس گروہ کو جب مشرق میں دشواریاں نظر آئیں تو یہ لوگ افریقہ و مغرب کی سمت نکل گئے، جہاں انھوں نے علوی و ہاشمی سلطنت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی، چنانچہ ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مراکش میں دولت ادریسیہ (۷۸۹ء ؍ ۱۷۴ھ، ۹۸۵ء ؍ ۳۷۵ھ) قائم کی، جس کے حکمراں خلافت و امامت کے دعویدار رہے، اسی طرح عبید اللہ المہدی الاسماعیلی نے افریقہ کی دولت فاطمیہ (۹۰۹ء ؍ ۲۹۶ھ، ۵۶۷ھ) کی بنا ڈالی، جس کا پایۂ تخت پہلے تیونس، پھر مصر فتح ہونے کے بعد قاہرہ رہا۔ اس طرح مصر شمالی افریقہ، صقلیہ وغیرہ ممالک عباسی خلافت کے اثر و اقتدار سے نکل گئے۔ دوسری طرف ایک اموی شاہزادے عبدالرحمٰن الداخل بن معاویہ بن ہشام نے اندلس کی راہ لی اور وہاں اموی سلطنت (۷۵۶ء ؍ ۱۳۸ھ، ۱۰۳۱ء ؍ ۴۲۲ھ) قائم کی، جہاں آگے چل کر اموی خلافت کی بھی تجدید ہو گئی اس طرح اسلامی ممالک میں تین خلافتیں بہ یک وقت قائم ہو گئیں۔ خلافتِ عباسیہ بغداد،

Marfat.com

مشرقی ممالک میں، خلافت فاطمیہ مصر، افریقہ و مغربی ممالک میں، اور خلافت امویہ اندلس، اسلام کے بیشتر یورپی مقبوضات میں، ان اسلامی ملکوں میں الگ الگ ان تینوں خاندانوں کی حیثیت، مذہبی و روحانی پیشوا کی قائم رہی، اسی طرح بعض اور ملکوں میں بھی بعض حکمرانوں نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور ان کے نام کے خطبے پڑھے گئے، ان تمام سلطنتوں میں آئین سلطنت کے مطابق حکمراں اپنے مختلف دستور کے مطابق ولی عہد نامزد کرتے رہے۔

خلفا، صرف مذہبی پیشوا کی حیثیت سے آگے چل کر خلافت عباسیہ بغداد و امویہ اندلس کے خلفا کی حکمرانی کی طاقت بھی سلب ہوتی گئی اور وہ صاحب سیف سپہ سالاروں اور عجمی غلاموں کے گروہوں کے ہاتھوں ایسے بے بس ہوگئے کہ خود ان کا عزل و نصب ان لوگوں کے اختیار میں آگیا، یہ جس کو چاہتے خلافت کی مسند پر بٹھاتے اور جس کو چاہتے ولی عہدی کے لئے نامزد کرتے تھے۔ اب خلفاء کی ضرورت صرف اس لئے باقی رہ گئی کہ ان کے انتساب و اجازت سے کوئی بھی حکومت جائز اسلامی سلطنت قرار پا سکے۔ ان کے نام کا خطبہ جاری رہا اور ان کی جانب سے مختلف سلاطین کو حکمرانی کے پروانے اور فرامین ملتے رہے۔ ان ترکان عجمی غلاموں نے جو موالی کہے جاتے تھے اپنی جتھہ بندی کرلی تھی۔ ان میں صاحب سیف سپہ سالاروں کی مجلس شوریٰ قائم تھی، جو اپنے مفاد کا خیال رکھ کر اپنی پسند کے خلفا کا عزل و نصب کرتے رہے۔ حکمرانی کی طاقت، اب ان ہی کے ہاتھ میں تھی صرف خلفاء کا نام اور خاندان بنو عباسیہ و امویہ کی نسبت باقی رکھ کر ان کو صرف مذہبی و روحانی پیشوا، اور خلافت کے عز و شان کا نشان سمجھ کر قائم رکھا گیا، اور پھر جب بغداد پر ہلاکو خاں کا استیلاء ہوگیا اور ـــــہ میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی برائے نام عباسی خلافت بھی باقی نہ رہی تو ایک عباسی شاہزادہ بھاگ کر مصر آیا، جہاں سے خلافت فاطمیہ مٹ چکی تھی اور سلطان مصر الظاہر بائبرس بندقداری (ـــــہ ـــــہ) حکمراں تھا۔ اس نے مصر میں مسند خلافت بچھائی اور اسی عباسی شاہزادے کو اس پر بٹھا دیا اور اس کے ہاتھ سے مصر کی

Marfat.com

فرماں روائی کا فرمان لیا۔ مصر کی یہ عباسی خلافت ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء تک قائم رہی اور مصر کے فرمانروا حسبِ ضرورت ان کا عزل و نصب کرتے رہے۔

خلافتِ عثمانیہ قسطنطنیہ یہاں تک کہ اسی سال ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں ترکی حکمراں سلطان سلیم (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ) نے مصر پر حملہ کر کے وہاں کی حکومت و خلافت دونوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح خلافت اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک غیر قریشی خاندان آلِ عثمان کے ہاتھ میں آئی۔ جس میں عثمانی خاندان کے شاہزادے، خاندان کے دستور کے مطابق ولی عہد ہوتے گئے۔ اور صاحبِ اقتدار خلیفہ کا دارو دورہ شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ عالمِ اسلامی کے اس تصور میں بھی تبدیلی آگئی کہ خلافت کے لئے قرشیت ضروری ہے، عالمِ اسلام نے عقیدت و محبت کے ساتھ ترکی خلفاء کے آگے سرِ اطاعت جھکایا اور "خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین" کی حیثیت سے انھیں اپنے دلوں میں عزت و احترام سے جگہ دی۔

الغائے خلافت یہاں تک کہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں دورِ حاضر کی سب سے پہلی جنگ عظیم میں اسلامی دارالخلافت قسطنطنیہ عارضی طور پر اتحادیوں یعنی انگلستان، فرانس، اٹلی، یونان وغیرہ کے زیرِ اقتدار آگیا اور آخری خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید بے بس ہو کر معنوی طور پر اتحادیوں کے زیرِ حراست آگئے۔ دوسری طرف نوجوان ترک سپہ سالار مصطفےٰ کمال نے اناطولیہ میں ترکوں کی بکھری ہوئی جمعیت اکٹھا کی اور طاقت فراہم کر کے یونانیوں کے قبضہ سے بعض شہروں کو واپس لیا اور ترکوں کی آزاد موجودہ جمہوری حکومت کی بناء ڈالی اور ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں خلیفۃ المسلمین کو دشمنوں کے زیرِ اثر ہونے اور جنگ کے موقع پر شریف حسین مکہ کے علمِ بغاوت بلند کرنے اور اتحادیوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے جزیرہ نمائے عرب، شام و عراق کے ترکوں کے قبضہ سے نکل جانے اور منصبِ خلافت کی وجہ سے ترکوں پر بار بار کی مصیبتیں آنے کے وجہ کے باعث مصطفےٰ کمال نے قسطنطنیہ کی برائے نام ترکی حکومت کو باطل قرار دینے کے ساتھ اچانک الغائے خلافت یعنی نظامِ خلافت کو سرے سے توڑ دینے کا اعلان کر دیا۔

جس سے وقتی طور پر عالم اسلام میں ایک کہرام مچ گیا کہ جو ذرہ سو برسوں سے ملت اسلامی کی جو برائے نام شیرازہ بندی رہ گئی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔

اس کے بعد عالم اسلام میں کبھی کبھی تجدید و احیائے خلافت کی تحریک اٹھتی رہی مگر آج ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۸ء تک کسی اسلامی مؤتمر یا مجلس شوریٰ یا کسی مسلمان حکمراں کو حوصلہ نہ ہو سکا کہ اس کی تجدید عمل میں آتی، اس کے برخلاف اسلامی ملکوں میں ایک طرف اسلامیت، دوسری طرف قومیت و وطنیت کی جداگانہ لہریں دوڑ گئیں، خصوصاً ان دونوں ترکی و عربی قومیت کو فروغ حاصل رہا اور اسلامی ملکوں میں ایک طرف نسلی، وطنی و قومی اور دوسری طرف اسلامی تحریکوں میں کشمکش جاری رہی، یہاں تک کہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس کے سقوط اور ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں آتش زدگی کے حادثے پیش آئے اور عالم اسلامی میں اسلامیت کی لہر دوڑ گئی اور اسلامی جذبات نئے سرے سے ابھرے اور مطابق ماہ ستمبر ۱۹۶۹ء رجب ۱۳۸۹ھ میں رباط (مراکش) میں تاریخی اسلامی کانفرنس ان دونوں حادثوں پر غور کرنے اور آئندہ کے لئے راہ عمل تیار کرنے کے لئے منعقد ہوئی جس میں چھبیس اسلامی ملکوں کے سربراہ ایک زمانۂ دراز کے بعد پہلی مرتبہ سر جوڑ کر اکٹھے ہوئے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

خلافت راشدہ کے تیس سال اس طرح درحقیقت اسلام میں خلافت کا کامیاب نظام وہی رہا جو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے، اور جس کی مدت صرف تیس برس رہی۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے عین مطابق تھی کہ:

"میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی۔"[1]

---

[1] الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ثم ملک بعد ذلک۔

Marfat.com

عہدِ صدیقی

۱۱ھ - ۱۳ھ
۶۳۲ء - ۶۳۴ء

حضرت خلیفۂ رسول اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۵۱ ق ھ - ۱۳ھ
۵۷۳ء - ۶۳۴ء

نام ونسب وخاندان | ابوبکر کنیّت، عہد جاہلیت کا نام عبدالکعبہ۔ اسلام لانے کے بعد عبداللہ اور صدیق لقب تھا، والد کا نام عثمان، ان کی کنیت ابوقحافہ اور دادا کا نام عامر بن عمرو تھا، والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی اور نانا کا نام صخر ابن عامر تھا۔ حضرت ابوبکر قبیلۂ تیم سے تھے۔ ان کے دادہالی و نانہالی دونوں سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں منصب خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد "خلیفۂ رسول اللہ" کے لقب سے پکارے گئے۔

حضرت ابوبکر کے والدین | حضرت ابوبکر ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابوقحافہ ابتداءً اسلام کی دعوت کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کو گذرتے دیکھا تو کہا "ان ہی بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا ہے" فتح مکہ کے بعد اپنے فرزند سعید کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے ضعف پیری کے سبب فرمایا "انھیں آنے کی کیوں زحمت دی، میں خود ان کے پاس جاتا۔" پھر انھیں مشرف بہ اسلام کیا۔ حضرت ابوقحافہ نے ۹۷ برس کی طویل عمر پائی اور عہد فاروقی میں ۱۴ھ/۶۳۵ء میں وفات پائی۔

حضرت ام الخیر بنت صخر آغازِ اسلام ہی کے دور میں اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئیں جب صرف اُنتالیس اصحاب نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ابوبکر کو ایک دن اعلائے کلمۂ حق کی پاداش میں مشرکین نے زدوکوب کیا تھا، حضرت ابوبکر درد و کرب کے اسی عالم میں والدین کو اسلام کی تلقین کرتے رہے، صبح ہوئی تو ماں اپنے لڑکے کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں آئی اور دولتِ اسلام سے مالامال ہوئی۔ حضرت ام الخیر نے عہد صدیقی میں وفات پائی۔

قبلِ اسلام کی زندگی حضرت ابوبکرؓ نے قریش کے دولتمند ترین خاندان میں پرورش پائی اور ایک متمول تاجر کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔ دیانت، راست بازی اور امانت میں شہرت حاصل کی۔ خوں بہا کے مال کے یہ امین ہوتے تھے۔ علم انساب و سیاست کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ عرب انھیں "عالم قریش" کی صفت سے یاد کرتے تھے۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، مگر انھوں نے جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی۔ حلم، بردباری، وقار و سنجیدگی سے متصف تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی زمانہ میں اخلاص و محبت رکھتے تھے اور آپ کے حلقۂ احباب میں داخل تھے، تجارت کے سفروں میں بھی ہمری رہتی تھی۔

اسلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت پر سرفراز ہوتے ہی اپنے مخلصین اور محرمانِ راز کے سامنے یہ دعوت پیش کی تو حضرت خدیجہ کے بعد مردوں میں حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور دینِ حنیف کی نشر و اشاعت شروع کردی۔ حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبداللہ اور ابو عبیدہ وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ، حضرت ابوبکر ہی کی دعوت پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسلام کے بعد مکہ کی زندگی مکہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح و شام پہنچتے اور مجلسِ راز میں شریک رہتے۔ قبائلِ عرب اور عام مجمعوں میں آپ تبلیغ کے لئے جاتے، تو یہ بھی ہمرکاب رہتے۔ اسلام لانے والوں میں غلاموں اور لونڈیوں

کی بڑی تعداد تھی، وہ اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم و ستم میں تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان بلاکشان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفاکار مالکوں سے خرید خرید کر آزاد کیا۔ حضرت بلال و عامر ابن فہیرہ وغیرہ نے صدیقی جود و کرم کے سبب سے مصیبتوں سے نجات حاصل کی۔ کفار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دستِ تعدی دراز کرتے، تو حضرت ابوبکر سینہ سپر ہو کر سامنے آجاتے۔ ایک سے زیادہ نازک موقعوں پر حضرت صدیق اکبر نے اپنی جاں نثاری دکھائی۔ اگرچہ حضرت ابوبکر مشرکین کے حلقہ میں غیر معمولی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے لیکن بالآخر وہ ان کو بھی برداشت نہ کر سکے، جب ایک دن انھوں نے علانیہ دین کی تبلیغ کی تو ان پر بھی سختی سے حملہ آور ہوئے۔ قبیلہ تیم کے ایک شخص نے ان کو کفار کے نرغہ سے نکال کر ان کے گھر پہنچایا۔ جب اسی طرح انھیں ایک مرتبہ اور باندھ کر پیٹا گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ رختِ سفر باندھ کر روانہ ہوئے۔ کچھ دور گئے تھے کہ راہ میں قارہ کے رئیس ابن الدغنہ ملے اور لوٹا کر مکہ واپس لائے اور مشرکین سے کہا "آج سے ابوبکر میری اماں میں ہیں۔ ایک ایسے شخص پر مکہ کی زمین کو تنگ نہ کرنا چاہیئے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، مہمان نواز ہے۔ مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔" قریش نے اس شرط کے ساتھ امان منظور کی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے گھر میں نماز پڑھیں، تلاوت کریں، مگر گھر کے باہر انھیں نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔" ابن الدغنہ نے یہ شرط منظور کرلی اور حضرت ابوبکر سے بھی آکر کہہ دی۔ مگر چند دنوں کے بعد انھوں نے اپنے مکان کے سامنے میدان میں مسجد تعمیر کرلی اور اس میں نماز پڑھنے لگے، مشرکین کے لڑکے اور عورتیں اس راہ سے گذرتے اور ان کی رقت آمیز تلاوت سے متاثر ہوتے اور بعض اسلام لے آتے۔ یہ دیکھ کر مشرکین میں بے چینی پھیلی۔ ابن الدغنہ نے شکایت کی، وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا۔ انھوں نے فرمایا "تم اپنی امان اٹھالو۔ میں خدا کی امان میں ہوں۔" ابن الدغنہ ان کی امان سے بری الذمہ ہو گیا، اس کے باوجود وہ باہر نماز پڑھتے،

Marfat.com

اور تلاوت کرتے رہے، اللہ نے ان کو اپنے امان میں رکھا۔

ہجرت سے امارتِ حج تک اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا موقع آیا اور جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق سفر رہے، اور ثانی اثنین اذہما فی الغار[1] کا لقب پایا۔ مدینہ میں مہاجرین و انصار کی مواخات میں حضرت ابوبکر کا برادرانہ رشتہ، معاشرتی ہمرنگی کا لحاظ رکھ کر ایک خوش حال انصاری حضرت خارجہ بن زبیرؓ کے ساتھ قائم کیا گیا۔ اس کے بعد جب تعمیر مسجد کے لئے زمین کی خریداری کی ضرورت ہوئی، تو آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت ابوبکر نے اس کی قیمت ادا کی۔ اس کے بعد جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابوبکر اہم غزوات بدر، احد، حنین، خیبر وغیرہ اور اہم مواقع صلح حدیبیہ، بیعت رضوان وغیرہ میں شریک رہے۔ داد شجاعت دی، اہم مشورں اور رایوں میں شریک رہے، اور بیشتر موقعوں پر معاملات ان ہی کی رائے اور صواب دید کے مطابق طے کئے گئے۔

پھر فتح مکہ کے بعد ۹ھ ۶۳۰ء میں امارت حج کے لئے آپ نے اپنی بجائے حضرت ابوبکر ہی کو امیر حج بنایا، جو گویا اس کا نشان تھا کہ اسی ذات گرامی کو آپ کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کے فرض کو انجام دینا ہے۔

وصالِ نبوی کے بعد حضرت ابوبکر کا تدبر و استقلال پھر وصال نبوی سے صحابہ میں جو وارفتگی پھیلی تھی اس کو حضرت ابوبکر ہی نے سنبھالا اور جیسا کہ تفصیل سے گذرا، ان کے خطبہ سے لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔ اس کے بعد جب وفات کی خبر مشہور ہوئی، تو منافقین کی سازش سے ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اور

---

[1] وَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (سورۃ التوبہ ۹ ع ۶، آیت ۴۰)

Marfat.com

اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کی رہنمائی سے اسلام ایک عظیم خطرے سے دوچار ہونے سے بال بال بچ گیا۔

واقعہ سقیفۂ بنی ساعدہ | چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی، کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو نشست گاہ کا ایک سائبان تھا، انصار اکٹھے ہوگئے اور خلافت کی بحث چھڑ گئی، مہاجرین کو معلوم ہوا تو وہ بھی آپہنچے، اور قریب تھا کہ مہاجرین و انصار میں باہم تلواریں کھنچ جائیں، اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو پیشوائی کے لیے عقل و فراست عطا کی، وہ حضرت عمر و ابوعبیدہ کو ساتھ لے کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں آگئے اور ہمت، استقلال، صبر و تحمل اور وقار و سنجیدگی سے اس نزاعی مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ سب مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے۔

انصار، رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہ کی امارت کے اعلان کا منصوبہ تیار کر رہے تھے، اور گرمجوشی سے بحث جاری تھی۔ آخر میں حضرت حباب بن منذر انصاری نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک امیر مہاجرین میں سے، دوسرا انصار میں سے ہو، حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی اور گفتگو کچھ تیز ہو گئی۔ اس اثنا میں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو روکا، پھر یہ نکتہ سمجھایا، کہ سارے عرب قریش کی سیادت پر جمع ہو سکتے ہیں، لیکن خود قریش کے بیشتر افراد نئے نئے اسلام لائے ہیں، وہ کسی غیر قریشی کی سیادت پر راضی نہ ہوں گے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے انصار کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے معشر انصار! سب سے پہلے دین کی نصرت تم نے کی ہے اب اس کی تخریب میں تمہیں سبقت نہ کرنی چاہیے۔"

یہ سن کر بشیر بن سعد انصاری نے کھڑے ہو کر کہا:

"اے انصار! ہم نے جو مشرکین سے جہاد کرنے کی فضیلت اور دین میں جو سبقت حاصل کی ہے، وہ نبی کی اطاعت اور خدا کی رضامندی کے لئے تھی یہ مناسب نہیں کہ اس وجہ سے لوگوں پر ہم اپنا حق جتائیں اور متاعِ دنیا

Marfat.com

کے خواہاں ہوں ہم کو ان کا اجر دینے والا خداوند تعالیٰ ہے۔ دیکھو!
محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے، ان کی جانشینی کے زیادہ مستحق وہ ہو سکتے
ہیں، اس لئے تم اللہ کا خوف کرو اور مخالفت سے باز آجاؤ۔"

پھر حضرت ابوبکرؓ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

"صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم نہیں کر سکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور عمر بن الخطابؓ موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔"

حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمرؓ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے بولے۔

"آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں، غار میں رسول اللہ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام ہے، اور نماز دین میں سب پر فضیلت رکھتی ہے، ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔"

بیعت خلافت

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت | اب بات دلوں میں اتر چکی تھی۔ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے پیش دستی کی اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا۔

"ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ ہمارے پیشوا ہیں۔ ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔"

پھر ابوعبیدہؓ اور بشیر بن سعد انصاری نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ اس کے بعد پورا مجمع بیعت

Marfat.com

کے لئے ٹوٹ پڑا اور ایک اُٹھتا ہوا طوفان دفعتہً تھم گیا اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ حضرت علی اس وقت حجرۂ نبوی میں غسل و تکفین میں مصروف ان حالات سے بے خبر تھے۔ دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی۔ اس موقع پر بھی حضرت علی تشریف نہ لا سکے۔

سب سے پہلا خطبۂ خلافت حضرت ابوبکر نے دوسرے دن مجمع عام میں بیعتِ عام کے بعد اپنا پہلا خطبۂ خلافت منبر نبوی پر بیٹھ کر دیا، جس میں اس منصب کے قبول کرنے اور آئندہ راہِ عمل اختیار کرنے کی وضاحت ذیل کے الفاظ میں فرمائی :

"لوگو! قسم ہے اللہ پاک کی، کہ نہ میں امامت کا کبھی خواہاں تھا، نہ اس کی طرف مجھے کوئی رغبت تھی، اور نہ کبھی پنہاں یا آشکارا، اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ اس لئے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا ــــ ورنہ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کی برداشت کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا، اور نصرت خداوندی کے بغیر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ کاش! آج میری بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کو اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔

مجھے تم نے امیر بنایا ہے حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو، اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو راہِ راست پر لاؤ۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ انشاء اللہ تم میں کا کمزور شخص میرے نزدیک قوی رہے گا، یہاں تک کہ میں اس کا حق اس کو واپس دلا دوں اور ان شاء اللہ تمہارا قوی فرد میرے نزدیک کمزور رہے گا، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دوسروں کو دلوا دوں۔ جس قوم

Marfat.com

میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم بھی میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں ہے۔ اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے۔"

حضرت علی کا بیعت کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ تک بیعت کرنے کا موقع نہ مل سکا اور خانہ نشین رہے، اس اثناء میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وفات پائی حضرت علی، اس مکتبہ خیال کے لوگوں کے نزدیک منصب خلافت کے مستحق تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ کو خلافت کے لئے وجہ ترجیح سمجھتے تھے اس لئے حضرت ابوبکر نے بات صاف کرنی چاہی اور خود ان سے استصواب کیا کہ "میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے؟" حضرت علی نے جواب میں کہلایا "میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں، نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔" اس کے بعد حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو اپنے گھر پر بلایا، ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا اور فرمایا:

> "خدا نے آپ کو جو درجہ عطا کیا، ہم اس پر حسد نہیں کرتے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور رشتہ داری کی بناء پر ہم اس میں بلا شبہ اپنا حق سمجھتے تھے۔"

حضرت علی نے یہ گفتگو اس انداز سے کی کہ خلیفۂ اول کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، پھر جواب میں فرمایا:

> "قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو زیادہ

Marfat.com

عزیز رکھتا ہوں۔ رہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائیداد کا معاملہ یعنی اس کا ورثاء کے درمیان وراثت کے طور پر تقسیم ہونے کی بجائے سب کا قومی ملکیت قرار دیا جانا) تو اس میں میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے سرِ مو انحراف نہیں کیا۔" یعنی آپ ہی کے ارشاد کی تعمیل کی ہے[1])

اس گلہ شکوہ اور صفائی کی گفتگو کے بعد حضرت ابوبکر نے نماز ظہر کے بعد حضرت علی کی جانب سے تاخیرِ بیعت پر عذر خواہی کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پُراثر لہجہ اور شاندار لفظوں میں حضرت ابوبکر کے فضل و شرف کا اعتراف کیا اور مجمعِ عام میں بیعت کی رسم انجام پائی۔

دورِ فتن اور اس کا خاتمہ

فتنوں کی گھنگھور گھٹائیں | عہدِ صدیقی کے آغاز کے ساتھ ہی فتنوں کی گھنگھور گھٹائیں اٹھیں اور مختلف فتنوں نے ایسا سر اٹھایا کہ عہدِ نبوی کی ۲۳ سالہ پیہم سعی و عمل رشد و ہدایت کی درخشاں کارناموں پر ان گھٹاؤں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ پرستارانِ توحید کا حلقہ اثر ایک چھوٹے سے محدود دائرہ میں سمٹ کر آ گیا اور خطرہ پیدا ہوا کہ عجب نہیں کہ مدینہ کے افق پر جھوٹے مدعیانِ نبوت و مرتدینِ اسلام مختلف سمتوں سے یلغاریں کرتے ہوئے آجائیں اور مانعین زکوٰۃ، اپنی زکوٰتیں روک کر اسلام کے اجتماعی شیرازہ کو بکھیر دیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اس نازک موقع پر اپنے حسنِ تدبیر، پختگی عزم و ہمت و استقلال کا ثبوت دیا اور ایک سال کے اندر ان تمام فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت اسامہ کی مہم کے متعلق صحابہ سے مشورہ | چنانچہ زمامِ خلافت سنبھالتے ہی یہ فتنے

---

[1] اس جواب میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ جب نبی کی متروکہ جائیداد میں وراثت کا قانون ارشاد نبوی کے مطابق نافذ نہیں بلکہ ساری چیزیں عوامی ملکیت میں منتقل ہوں گی تو پھر منصبِ خلافت بھی موروثی نہیں ہو سکتا، اس کا حق بھی عوام کے ہاتھوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

شروع ہو گئے تھے اور اسی نازک گھڑی میں حضرت اسامہ بن زید کی مہم شام کا معاملہ بھی سامنے تھا جس لشکر کو جیسا کہ اوپر گذرا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمایا تھا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا تھا، اور مرض وفات میں بار بار آپ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا تھا، لیکن وفات کے اچانک حادثہ کے پیش آجانے کی وجہ سے لشکر روانہ نہ ہو سکا تھا اب ایسے موقع پر ایک چیدہ لشکر کو مدینہ سے باہر بھیج دینا ایک بڑی ذمہ داری کی بات تھی۔ حضرت ابوبکر نے اس معاملہ کو صحابہ کے سامنے رکھا، ان لوگوں نے اس کو تدبر و سیاست اور مآل اندیشی کے خلاف سمجھا اور بہ یک زبان اس مہم کی روانگی کو ملتوی کر دینے کی رائے دی لیکن عزم و ثبات کے کوہ پیکر حضرت ابوبکر نے اپنی نکتہ بیں نگاہ سے دیکھا کہ اگر یہ مہم رک دی گئی تو حکم رسول کو پس پشت ڈالنے کا پہلا تخم پڑ جاتا ہے، اس لئے جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کی اجتماعی رائے کے خلاف اس کے شرائط منظور فرمائے اور آگے چل کر یہ صلح کامیابیوں کا پیش خیمہ بنی، اسی طرح حضرت ابوبکر نے اس مہم کی روانگی کو ملتوی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مہم اسامہ سے بھی آئندہ کامرانیوں کی راہ نکلی چنانچہ حضرت ابوبکر نے صحابہ کی رائیں سن کر پُر زور و حتمی الفاظ میں فرمایا:

> "قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے آکر مجھ کو پھاڑ کھائیں گے، تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا، خواہ آبادی میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہ جائے، پھر بھی اس کو روانہ کئے بغیر نہیں رہوں گا۔"

اس مہم کے لئے حضرت اسامہ کے امیر بنائے جانے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں منافقین کو اعتراض ہو چکا تھا اور جیسا کہ اوپر گذرا، آپ نے اس فتنہ انگیزی کی سدباب کے لئے اپنی زندگی کے آخری لمحہ کے خطبہ میں اس کا تذکرہ فرمایا تھا، بہ ایں ہمہ اس نازک موقع پر منافقین کے شر سے بچنے کے لئے حضرت عمر کی اصابت رائے کے باوجود جب ان کی زبان سے نکلا کہ "اگر لشکر

بھیجنے ہی میں تو کسی شریف النسل سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر کیا جائے" تو حضرت ابوبکر یہ سنتے ہی غصے سے بےتاب ہو گئے، اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے، اور میں ان کو برطرف کر دوں؟"

جمہوری طرزِ فکر کی ایک درخشاں مثال اس کے بعد حضرت ابوبکر نے اس پر نظر رکھی کہ اس مہم میں شرکت کے لئے جس کا انتخاب ہو چکا ہے، ان میں سے کوئی بھی اس میں شریک ہونے سے نہ رہ جائے۔ اس فوج میں حضرت عمر کا نام بھی شامل تھا، اس وقت مدینہ میں خلیفہ کو صلاح و مشورہ دیتے رہنے کے لئے حضرت عمر کا مدینہ میں قیام ضروری تھا لیکن حضرت ابوبکر نے انھیں خود سے روک لینے کی بجائے حضرت اسامہ سے کہا کہ "اگر مناسب سمجھو تو عمر کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔" حضرت اسامہ نے یہ تجویز منظور کی، اور حضرت عمر مدینہ میں رہ گئے۔ حضرت ابوبکر کا حضرت اسامہ سے اجازت حاصل کرنا اسلام کے دورِ اوّل میں جمہوری طرزِ فکر اور طریقِ عمل کی ایک درخشاں مثال ہے۔

مہم کی روانگی جب مدینہ سے مہم روانہ ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیق فوج کو رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے اس حال میں باہر نکلے کہ سالارِ لشکر گھوڑے پر تھے اور وہ ان کی رکاب میں پیدل چل رہے تھے۔ اسامہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے کہا "امیر المومنین۔ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں، یا مجھے بھی اترنے کی اجازت دیں۔" انھوں نے فرمایا "نہ میں خود سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔ میں تھوڑی دیر تو راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں۔"

مجاہدین کے لئے ایک دستور العمل کی وصیت پھر وداع کرتے وقت حسبِ ذیل وصیت فرمائی:

"لوگو! ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں، ان کو یاد رکھنا، ان کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ دیکھو خیانت نہ کرنا، مالِ غنیمت نہ چھپانا، بیوفائی سے بچنا، کسی کے اعضا نہ کاٹنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور پھل لانے والے

Marfat.com

درختوں کو نہ کاٹنا، بجز کھانے کے اور کسی غرض سے جانوروں کو نہ مار ڈالنا۔
تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا کو چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لئے بیٹھے ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، ایسے لوگوں پر بھی تمہارا گذر ہوگا جو مختلف برتنوں میں قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے لائیں گے، تم جب اس میں کھانا، تو اللہ کا نام لے کر کھانا، ہاں ایک جماعت ایسی ملے گی جن کے سروں پر شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے، یہ لوگ جب سامنے آئیں تو تلواروں سے انھیں کاٹ ڈالنا۔

بس جاؤ، اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ دعا ہے کہ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے محفوظ رکھے۔"[1]

مہم کی واپسی | یہ لشکر پہلی ربیع الآخر سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء کو مدینہ سے روانہ ہوا تھا، شام کے متصل بلاد قضاعہ کو تاخت و تاراج کیا۔ اور حضرت زید کی شہادت کا انتقام لے کر چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ واپس آیا اور حضرت ابوبکر نے صحابہ کی جماعت کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

اس فوج کی روانگی، سیاسی مصالح کے لحاظ سے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اسلام کے دشمنوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو غسانیوں کے مقابلہ کے لئے ایسے وقت میں فوج مدینہ سے باہر نہ بھیجی جاتی۔ اس کی وجہ سے وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے، اور ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

مانعین زکوٰۃ کا فتنہ | مانعین زکوٰۃ کا فتنہ وصال نبوی کے بعد ہی کھڑا ہوا۔ ایک گروہ نے بارگاہ خلافت میں آکر عرض کی، کہ وہ اسلام پر قائم ہے، تمام اسلامی عبادتوں کو ادا کرنے

---

[1] حضرت ابوبکر کی یہی وصیت اسلامی جہاد میں مجاہدین کے لئے ہمیشہ کے لئے دستور العمل بن گئی۔

Marfat.com

کا اقرار کرتا ہے لیکن وہ زکوٰۃ دینے سے معذور ہے۔ حضرت ابوبکر نے اس مسئلہ کو صحابہ کی مجلس میں رکھا، لوگوں نے نرمی برتنے کا مشورہ دیا، حضرت ابوبکر اس رائے سے متفق نہیں ہوئے تو حضرت عمر جیسے صاحب بصیرت نے فرمایا کہ ایک ایسی جماعت سے جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے، عبادات پر عامل رہنے کا عہد کرتی ہے، اس سے جنگ کیونکر کی جا سکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا، انھوں نے حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا:

"اے عمر! جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے، یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر تم خوار ہو گئے، وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا، دین کامل ہو گیا، میری زندگی میں اس میں کمی نہیں کی جا سکتی، خدا کی قسم! اگر بکری کا ایک بچہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا، اور کوئی اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا"

اس کے حضرت عمر نے بھی ان کی اصابت رائے کا اقرار کیا اور کہا "یہ کلام سن کر میرے اوپر منکشف ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے دل کو جہاد کے لئے کھول دیا ہے" چنانچہ قبائل کے جو قاصد آئے تھے، وہ ناکام واپس گئے۔ پھر ہلکی فوج کشی اور تھوڑی سی تنبیہ کے بعد مانعین زکوٰۃ خود اپنی زکوٰتیں لے کر دربار خلافت میں آئے اور یہ فتنہ فرو ہوا۔

مرتدین و مدعیان نبوت کا استیصال جیسا کہ اوپر گذرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دو مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے، جن میں سے ایک کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور دوسرے مسیلمہ کذاب کی آواز بھی آپ کی زندگی میں زیادہ ابھر نہیں سکی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد چند اور دعویدار نبوت پیدا ہوئے، یہاں تک کہ بعض عورتوں نے بھی اپنی نبوت کے دعوے کا اعلان کیا اور شورش پسند قبائل ان کے گرد اگرد جمع ہونے لگے اور مرتدین کی ایک بڑی جماعت عرب کے مختلف خطوں میں پیدا ہو گئی۔

حضرت ابوبکر نے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت اسامہ کو اپنا قائم مقام

Marfat.com

بناکر ان کے لشکر کو مدینہ میں رکھا اور خود صحابہ کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ پہلا پڑاؤ مقام ابرق میں ڈالا۔ یہاں بنی عبس شکست کھا کر فرار ہوئے پھر بنو ذبیان کو مغلوب کیا اور مدینہ واپس آئے۔ پھر اسامہ کے لشکر کو جو تازہ دم ہو چکا تھا، ساتھ لے کر نکلے۔ بارہ میل کے فاصلہ پر مقام ذوالقصہ میں قیام کیا، یہاں فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستہ پر ایک امیر مقرر کر کے ایک علم اس کے ہاتھ میں دیا۔ ہر ایک کی سمت مقرر کی اور ایک اعلان عام مرتب کر کے ہر دستہ کے امیر کے سپرد کیا کہ کسی قبیلہ، جماعت یا آبادی پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ وہ اعلان عام حسب ذیل تھا:

"مجھے تم میں سے ان لوگوں کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لا چکے تھے، مگر انھوں نے اس دین کو چھوڑ دیا ہے، ان لوگوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا، شیطان کے فریب میں آگئے۔ میں تمہارے پاس .... (فلاں) شخص کو مہاجرین و انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے گا، جو بات مان لے گا اور نیک کام کرے گا تو وہ نہ اس کو قتل کرے گا، نہ اس سے لڑے گا، اور جو باز نہ آئے گا اس کے اوپر تلوار اٹھائے گا اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا ..... میں نے یہ حکم دے دیا ہے کہ میرے اس نوشتہ کو تمہارے مجمع عام میں سنایا جائے، اور یہ نشانی مقرر کی ہے کہ جس آبادی کے لوگ اذان پکاریں اس سے ہاتھ روک لیا جائے۔"

مدعیانِ نبوت میں طلیحہ بن خویلد، سجاح بنت حارث، مسیلمہ کذاب اور مرتدین میں مختلف سردار عینیہ بن فزاری، مالک بن نویرہ، قیس بن عبد یغوث، عمرو بن معدی کرب، النعمان بن منذر اور لقیط بن مالک وغیرہ تھے، اور مختلف قبائل و مقام ان کے زیر اثر آگئے تھے ان میں سے ہر ایک کے مقابلہ اور اس کے استیصال کے لئے الگ الگ فوج اس اعلانِ عام کو ساتھ لے کر

روانہ ہو گئی۔

طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنو اسد کا سردار تھا۔ قبیلہ بنو غطفان اس کا مددگار تھا جس کا عیینہ بن فزاری سردار تھا اور جس کے حلیف بنو تمیم تھے، اس طرح بنو اسد، غطفان، طے اور تمیم پر مشتمل اس نے اپنا عظیم لشکر تیار کر کے سرزمین نجد میں چشمہ بزاخہ پر پڑاؤ ڈال لیا تھا، اس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ وہ مقام ذوالقصہ سے سرزمین نجد کی سمت روانہ ہوئے۔ مشہور حاتم طائی کے صاحبزادے حضرت عدی ان دنوں مدینہ میں مقیم تھے۔ وہ حضرت ابوبکر سے اجازت لے کر اپنے قبیلہ طے کو راہِ راست پر لانے کے لئے حضرت خالد سے آکر ملے اور بزاخہ کی سمت حضرت خالد کے کوچ کو ملتوی کر کے خود بزاخہ گئے اور حسن تدبیر سے قبیلہ طے کے پانسو جوانوں کو اس کی فوج سے نکال کر حضرت خالد کے پاس لے آئے پھر حضرت عدی قبیلہ جدیلہ میں پہنچے یہ لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے، حضرت عدی کی مساعی سے طے کی طرح جدیلہ کے لوگ بھی اسلام میں واپس آئے اور ان کے ایک ہزار چیدہ جوان حضرت خالد کی فوج میں آگئے۔ اس کے بعد حضرت خالد نے پیش قدمی کی، لڑائی میں طلیحہ کو شکست ہوئی اس کی جماعت منتشر ہو گئی اور وہ خود شام کی جانب فرار ہو گیا[1] اور ارتداد و ادعائے نبوت کے یہ فتنے حضرت عدی کے حسن تدبیر اور حضرت خالد کی تلوار آبدار سے فرو ہو گئے۔

سجاح بنت حارث تمیمی قبیلہ یربوع کی شاخ بنو تغلب سے تھی۔ بنو تمیم کے

---

[1] اس کے بعد طلیحہ شام میں ذلت و خواری کے ساتھ مارا مارا پھرا، پھر حضرت ابوبکر کو اشعار میں توبہ، ندامت اور اعتذار لکھ کر بھیجا اور مدینہ کی واپسی کی اجازت چاہی، انھوں نے اجازت عطا کر دی لیکن وہ ان کے وصال کے بعد مدینہ پہنچ سکا، حضرت عمر نے اس کو دیکھ کر فرمایا "اے کاذب! تیرا ہی دعویٰ تھا کہ مجھ پر وحی آتی ہے؟" طلیحہ نے کہا "امیر المومنین! یہ سب کفر کے فتنے تھے جن کو میرے اسلام نے مٹا دیا، اب آپ مجھ پر سخت گیری نہ فرمائیں۔"

Marfat.com

ایک رئیس مالک بن نویرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ اس نے ادعائے نبوت کے بعد طاقت فراہم کر کے مدینہ پر حملہ آوری کا قصد کیا لیکن مالک نے کہا کہ پہلے تمیم کے مختلف قبیلوں کو ہمنوا بنالیا جائے، چنانچہ ایک دوسرا سردار وکیع بن مالک بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ تمیم کے کچھ قبیلے اسلام پر قائم تھے۔ سجاح نے پہلے ان سے جنگ شروع کی، مگر کامیاب نہ ہو سکی پھر مسیلمہ کذاب سے لڑنے چلی گئی کہ ایک وقت میں دو نبی نہیں رہ سکتے، لیکن ان دونوں میں صلح ہو گئی اور سجاح نے مسیلمہ سے شادی کر لی۔ اس اثنا میں حضرت خالد اپنی فوج لے کر پہنچے، اور سجاح کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ چند قبائل تمیم پھر سے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنا مالِ زکوٰۃ حضرت خالد کے پاس بھیج دیا۔ سجاح مسیلمہ کے زوال کے بعد بصرہ چلی گئی جہاں وہ اپنی موت آپ مری۔

لیکن سردارانِ بنی تمیم میں سے مالک بن نویرہ نے اسلام قبول نہیں کیا اور اپنے قبیلہ کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا، جب حضرت خالد مقام بطاح پہنچے تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ فوج کی ٹکڑیاں تلاش میں دوڑائی گئیں، ایک جمعیت مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لائی، حضرت خالد نے پہلے ان لوگوں کو قید کیا، پھر قتل کرا دیا۔

اسلامی لشکر میں مشہور صحابی حضرت ابو قتادہ بھی موجود تھے، انھیں اس واقعۂ قتل پر سخت اعتراض ہوا، انھوں نے اذان کی آواز خود سنی تھی، اس لئے ان کے اذان پکار دینے کے بعد انھیں قتل کیا جانا، خلیفۂ اول کی ہدایت کے صریح منافی تھا، حضرت خالد نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذان پکاری تھی، حضرت ابو قتادہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، اور مدینہ آ کر بارگاہِ خلافت میں صورتِ حال پیش کی، صحابہ میں اس مسئلہ پر اختلافِ رائے ہوا، حضرت عمرؓ خالد کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، اور عدول حکمی کے جرم میں ان کی گرفتاری پر اصرار کیا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے یہ رائے قبول نہیں کی اور فرمایا خالد سے تاویل کی ایک غلطی ہو گئی اور قومی سرمایہ سے خوں بہا ادا کرنے کا حکم دیا، دوسری طرف حضرت

ابوقتادہ کی جلالتِ شان کے باوجود، فوج سے ان کے بلا اجازت نکل آنے پر ان کی سرزنش کی اور انھیں دوبارہ حضرت خالد کی فوج میں واپس بھیج دیا۔

مسیلمہ کذّاب کے حامی یمامہ کے بنو حنیفہ تھے۔ حضرت ابوبکر نے عکرمہ بن ابی جہل اور شرجیل بن حسنہ کو الگ الگ فوج دے کر دو سمتوں میں روانہ کیا تھا، کہ اپنے علاقوں کو سر کرتے ہوئے جب دونوں فوجیں باہم مل جائیں تو مل کر بنو حنیفہ پر حملہ آور ہوں۔ عکرمہ پہلے پہنچ گئے اور ہدایت کے خلاف تنہا اپنی فوج سے حملہ آور ہو گئے اور شکست کھائی حضرت ابوبکر یہ سن کر برہم ہوئے اور عکرمہ و شرجیل دونوں کو دوسری طرف جانے کا حکم دیا اور حضرت خالد کو جو بنو تمیم کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے، بنو حنیفہ کی طرف روانہ کر دیا۔

مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کے قریب فوج اکٹھا ہو گئی تھی، حضرت خالد اس پر حملہ آور ہوئے اور سخت خوں ریز جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہو گئی جن میں بہت سے حفاظِ قرآن بھی تھے۔ قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ لیکن چند باہمت پرجوش صحابہ نے سنبھالا دیا اور مسلمان ایسی پامردی سے لڑے کہ اس کی فوج میں بھی کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ قلب لشکر میں مسیلمہ موجود تھا، حضرت وحشی جن کے نام کے ساتھ حضرت حمزہ کی شہادت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور ایک ابو دجانہ انصاری صحابی مسیلمہ تک پہنچ گئے، اور اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے مارے جاتے ہی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، اور بنو حنیفہ اپنے قلعوں میں جا کر پناہ گیر ہو گئے۔

حضرت خالد سے اس مرتبہ بھی مصالحت ہوئی، اور خلیفہ کے پیغام عام کی اس ہدایت کے خلاف، کہ بجز اسلام کے اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی، انھوں نے چند شرطوں پر ان سے صلح کر کے ان کو امان دے دی، خلیفہ اول کے لیے یہ بڑی ہی برہمی کی بات تھی لیکن انھوں نے امیر لشکر کے اقدام کا احترام کیا اور صلح کی شرطوں کو نافذ رہنے دیا۔ اس اثنا میں بنو حنیفہ نے پھر اسلام قبول کر لیا اور حضرت خالد نے بنو حنیفہ کے قبول اسلام کی خوش خبری کے ساتھ اس قبیلہ کے چند ممتاز اشخاص کو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا۔

اسود عنسی جو یمن میں مدعی نبوت تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جیسا کہ اوپر گذرا، قتل کیا جا چکا تھا آپ کی وفات کے بعد اس کے حامیوں نے پھر ارتداد اختیار کر کے سر اٹھا لیا تھا اور ان گیارہ دستوں میں سے ایک دستہ مہاجر بن ابی امیہ کی سرکردگی میں یمن آیا تھا، انھوں نے بڑھ کر صنعا پر قبضہ کر لیا اور شورش پسندوں کے سردار قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب گرفتار کر لئے گئے۔

اس کے بعد مہاجر نے بنو کندہ کی طرف رخ کیا، عکرمہ کی فوج بھی یہاں آ کر مل گئی تھی۔ بنو کندہ کا سردار اشعث بن قیس پکڑا گیا۔ اسی طرح بحرین میں نعمان بن منذر نے مرتد ہو کر سر اٹھایا تھا، لقیط بن مالک نے مرتد ہو کر عمان میں بغاوت کی تھی۔ اسی طرح کندہ میں چند اور سردار مرتد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ علاء بن حضرمی نے نعمان کا قلع قمع کیا، حذیفہ بن محصن کی تلوار سے لقیط مارا گیا اور زیاد بن لبید کے ذریعہ کندہ کے امرا کی سرکوبی عمل میں آئی۔

اس طرح حضرت ابوبکر نے ایک سال کی مدت میں ان گیارہ فوجی دستوں کے ذریعہ مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کا خاتمہ کیا، اسلام کے خلاف ملک میں ارتداد کے جو تیز و تند جھونکے اٹھے تھے، ختم ہو گئے اور داخلی شورش کے خاتمہ کے ساتھ ملک میں امن و اماں بحال ہوا اور حضرت ابوبکر کے عزم راسخ، حسن تدبر اور ثبات قدم سے اسلام کو ایک نئی زندگی عطا ہوئی اور اس کو پھولنے پھلنے اور فروغ پانے کا موقع حاصل ہوا اور عہد صدیقی کے آغاز کے ساتھ جو دور فتن شروع ہوا تھا وہ ایک سال کے اندر ہی ختم ہو گیا۔

تدوین قرآن کی بنیادی خدمت

جمع و تدوین قرآن مجید | عہد رسالت میں جب قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں، وہ کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لی جاتی تھیں اور وہ انھی متفرق اجزا پر مکتوب تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد سب سے پہلے علی کرم اللہ وجہ کو جمع و تدوین قرآن کا خیال آیا، اور جیسا کہ اوپر گذرا وہ خانہ نشیں

ہو کر اس خدمت میں مصروف رہے۔ اس سلسلے میں سب سے لائق اطمینان بات یہ تھی کہ قرآن مجید صحابہ کرام کے سینوں میں اسی ترتیب و تدوین سے محفوظ تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مدون ہوا تھا۔ مسیلمہ کذاب سے جنگ یمامہ کے موقع پر بہت حفاظ شہید ہو گئے اس لئے سب سے پہلے حضرت عمر نے رائے دی کہ متفرق اجزا کو کتابی شکل میں منتقل کر لیا جائے چونکہ عہد رسالت میں یہ کام نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت ابوبکر کو پہلے تامل ہوا، پھر انھوں نے اصابت رائے کو سمجھا اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت سے قرآن مجید کا نسخہ مدون کرایا جس میں دیگر کبار صحابہ بھی شریک رہے، جس میں کہا جاتا ہے کہ چالیس حفاظ تھے۔ اب جس کو قرآن مجید کی نقل لینی ہوتی، یا اپنے نسخہ کی تصحیح کرنی ہوتی وہ اس مدون نسخہ سے مقابلہ کرتا، پھر حضرت عثمان نے اس نسخہ سے متعدد نسخے تیار کرا کر عالم اسلام میں بھجوائے جو آج تک ہمارے درمیان کتابی شکل اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے۔

فتوحات

عراق و شام کی مہمیں عہد رسالت کے بیان میں اجمالاً گذر چکا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کی سرحد پر دنیا کی دو عظیم سلطنتوں روم و ایران کی سرحدیں شام و عراق میں ملی ہوئی تھیں اور جنوبی عرب کے بعض مقامات بحرین و یمن وغیرہ بھی ان کے زیر اقتدار تھے اور اس کی وجہ سے ایرانی مجوسی پورے جزیرہ نمائے عرب کو معنوی طور پر اپنا باجگذار سمجھتے تھے، یہاں تک کہ کسریٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گرفتار کرنے کا بھی فرمان جاری کر دیا تھا یہ دونوں سلطنتیں اپنی عظمت، سطوت اور تہذیب و تمدن میں اس زمانہ میں دنیا کی دو عظیم طاقتیں تھیں، جو اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کی دشمن تھیں، لیکن اسلام دشمنی میں یہ دونوں متحد تھیں۔ بحرین و یمن میں اسلام کی اشاعت و ترقی اور ان مقبوضات کے ایرانی سطوت سے آزاد ہو جانے کی وجہ سے ایرانی اسلام کے دشمن تھے، اور غزوۂ تبوک کے موقع پر رومی عہد حکومت میں کئی مقاموں، ایلہ، جربا، اذرح اور دومۃ الجندل کے حکام جزیہ کی ادائیگی کی شرط

پر اطاعت قبول کر چکے تھے اور اسلام کی دعوت بعض رومی گورنروں نے بھی قبول کرلی تھی جس کو عیسائی برداشت نہ کر سکے اور اس کو سولی پر چڑھا دیا تھا، اس لئے رومی بھی اسلام سے خار کھائے بیٹھے تھے اور ہرقل کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے ارادہ کی اطلاع عہد رسالت میں پہنچ ہی چکی تھی اور اسی کی پیش بندی کے سلسلہ میں آپ تبوک تک تشریف لے جا چکے تھے، اس لئے ان دونوں کی طرف سے یہ ہر وقت خطرہ موجود تھا کہ معلوم نہیں وہ کب، کس وقت اور کس سمت سے جزیرہ نمائے عرب پر حملہ آور ہوں، اور اسی سلسلہ میں آپ نے مرض وفات میں اسامہ کی مہم ترتیب دی تھی، اس لئے حضرت ابوبکر نے داخلی انتشار و اندرونی تنازعات سے فرصت پاتے ہی ان بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ فرمائی۔ اور دونوں ملکوں کے لئے جداگانہ مہموں کا اہتمام پہلے عراق پھر شام کے لئے کیا اور اسلام کے وسیع فتوحات کے سلسلہ کا آغاز ہو گیا۔

شاہانِ ایران ان دنوں مداین کے تخت کے لئے جو شاہانِ عجم کا پایۂ تخت تھا، بادشاہت کے امیدواروں میں کش مکش رہی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک نوشیرواں کے پوتے خسرو پرویز کے ہاتھ میں ملا تھا، جس کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا، لیکن خود اس کی زندگی نے بھی چند ماہ سے زیادہ وفا نہ کی، اس کے بعد اس کا کمسن بچہ اردشیر تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کی خبر سن کر ایرانی سپہ سالار شہر براز پایۂ تخت میں آیا اور بچہ کو قتل کر کے خود اپنے سر پر اس نے تاج رکھ لیا۔ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا اس لئے امرائے سلطنت نے اس کو بھی مار ڈالا اور خسرو پرویز کی لڑکی اور شیرویہ کی بہن پوراں دخت کو تخت پر بٹھایا۔ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا آخر زمانہ تھا۔ پوراں دخت نے سولہ مہینے حکمرانی کی، پھر جواں شیر نے سر پر تاج رکھا، لیکہ وہ بھی جلد ہی قضا کر گیا تو خسرو پرویز کی دوسری لڑکی آزرمی دخت تخت پر بٹھا دی گئی اور ساتھ ہی جب اُدھر عہد فاروقی شروع ہو چکا تھا، شاہ یزدگرد پسر شہریار بادشاہ بنایا گیا اور کیانی سلطنت کا یہی آخری تاجدار ثابت ہوا۔

کیانی سلطنت کے خلاف بعض عرب قبائل کا خروج اور مثنیٰ شیبانی کو حملہ آوری کی اجازت!

کیانی سلطنت کی مرکزی حکومت میں ان آئے دن کے انقلابوں سے ممالک محروسہ پر مرکزی گرفت ڈھیلی ہوگئی، اور عراق کے بعض عرب قبائل کو جو مذہباً عیسائی تھے اور اسلام سے روشناس ہو چکے تھے سر اٹھانے کا موقع ملا، چنانچہ قبیلہ وائل کے سرداروں نے جابجا غارت گری شروع کردی، پھر ان میں سے ایک رئیس مثنیٰ شیبانی جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، ایک وفد کے ساتھ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے، اور کیانی حکومت کے خلاف ضابطہ کی فوج کشی کی اجازت کے خواستگار ہوئے، جنھیں حضرت خلیفہ اول نے اجازت مرحمت فرمائی اور اسلامی لشکر سے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا۔ حضرت مثنیٰ شیبانی نے مدینہ سے واپس جاکر پہلے اپنے پورے عیسائی قبیلہ وائل کو دائرہ اسلام میں داخل کیا، پھر مقام حیرہ و ابلہ کے نواح پر ٹوٹ پڑے اور کامرانی ان کے قدم چومتی گئی۔

عراق پر فوج کشی

اس اثناء میں حضرت ابوبکر نے عراق پر کئی سمتوں سے حملہ کا انتظام کیا۔ حضرت مثنیٰ شیبانی حیرہ و ابلہ کے نواح میں بڑھتے رہے۔ عراق کے ایک حصہ کی مہم عیاض بن غنم کے سپرد کی گئی اور دوسرے حصہ کے لئے جو ان دنوں دراصل مجوسیوں کا اصل مرکز تھا، حضرت خالد بن ولید کو متعین کیا گیا۔ حضرت خالدؓ مسیلمہ کے خاتمہ کے بعد فتنۂ ارتداد کا کلیتہً استیصال کرکے یمامہ میں مقیم تھے، دربار خلافت سے فرمان آیا کہ وہ کیانی حکومت کا قلع قمع کرنے کے لئے عراق کی مہم پر روانہ ہو جائیں، لیکن اسلامی لشکر صرف ان ہی پر مشتمل ہو، جو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہے ہوں۔

ہرمز کے نام خالد کا مکتوب

حضرت خالد اسلامی لشکر لے کر عراق روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر نیم خودمختار مجوسی حکمراں ہرمز کو انھوں نے پہلے ایک مکتوب لکھا، کہ:

"تم اسلام لاؤ، محفوظ رہوگے، یا اپنی قوم کی طرف سے جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ پھر سوائے اپنے آپ کے کسی کو ملامت نہ کرنا، کیونکہ میں

Marfat.com

ایک ایسی قوم کو تمہارے مقابلہ پر لا رہا ہوں جو موت کی اسی قدر خواہاں ہے
جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو۔"

فتح کواظم، نداز، دلجہ وغیرہ ۔ ہرمز نے اس مکتوب کو شہنشاہ ایران کے پاس بھیج دیا اور خود فوج لے کر کواظم کی طرف بڑھا، جہاں حضرت خالد اپنا لشکر لئے آ رہے تھے، دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، حضرت خالد نے میدان میں ہرمز کو پکارا، وہ رعونت کے ساتھ آگے بڑھا، اور مارا گیا، اس کے قتل ہوتے ہی ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے، اور میدان چھوڑ کر فرار ہوئے۔ اور جب حضرت ابوبکر مژدۂ فتح ملا تو بہت خوش ہوئے اور خالد کی خدمات کی قدردانی میں ہرمز کا تاج انھیں بخش دیا، جو ایک لاکھ درہم کا تھا۔

اس کے بعد خالد نے پیش قدمی کی، کسریٰ نے ہرمز کی مدد کے لئے ایک لشکر قارن کی سرکردگی میں بھیجا تھا، اس نے ہرمز کی شکست کی خبر سن کر مقام نداد میں خیمے نصب کر لئے۔ حضرت خالد نے اسی سمت رخ کیا، اس جنگ میں ایرانی فوج کا سپہ سالار قارن مارا گیا اور میدان خالد کے ہاتھ رہا۔ تیس ہزار ایرانی مارے گئے، اور پسپا ہو کر ندی کے اس پار چلے گئے۔

اس کے بعد کسریٰ نے ایک دوسرا لشکر اندرزگر کی سرکردگی میں بھیجا اور تیسری کمک بہمن جادویہ کی سالاری میں بھیجا، ادھر کسکر کے عرب عیسائی بھی ایرانیوں کے زیر علم آ گئے۔ مقام دلجہ میں مقابلہ ہوا، حضرت خالد نے اپنی فوج تین حصے کئے اور تینوں سمتوں سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، ایرانی گھبرا کر فرار ہوئے، اندرزگر نے بھی راہ فرار اختیار کی، اور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا۔ مقام کسکر پر اسلامی علم لہرانے لگا اور یہاں کے عرب عیسائی قبیلہ بکر کے لوگ الیس کی طرف فرار ہو کر اکٹھا ہوئے، جہاں بہمن جادویہ اپنا لشکر لئے پڑا تھا۔ خالد نے اس آبادی کا رخ کیا۔ یہاں بھی ایرانیوں اور عیسائی عربوں کو شکست ہوئی اور جو عرب عیسائی گرفتار ہوئے انھیں قتل کرا دیا، پھر مقام امغیشیا پہنچے، یہ شہر خالی ہو چکا تھا، قبضہ میں آ گیا۔

Marfat.com

اس کے بعد خالد نے فرات کے راستہ سے حیرہ کا رُخ کیا۔ آگے بڑھ کر دریا میں بند ھ لا۔ مسلمان کشتی سے اتر پڑے، حاکم حیرہ کا لڑکا فوج لئے موجود تھا، اس نے شکست کھائی۔ پھر اسلامی لشکر حیرہ پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ باشندگانِ حیرہ نے تاب مقاومت نہ دیکھی صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ کی شرط پر صلح ہوئی۔ اہلِ شہر نے بہت وافر تحفے اور ہدیئے بھی پیش کئے، خالد نے صورت حال سے بارگاہ خلافت کو مطلع کیا وہاں سے فرمان آیا، کہ تمام تحائف وہدایا کو جزیہ کی رقم میں شمار کر کے حساب کر لیا جائے۔ حضرت خالد نے اس پر عمل کیا۔ عراق میں جزیہ کی ادائیگی کا پہلا عہد نامہ حسب ذیل الفاظ میں مرتب ہوا،

"یہ وہ عہد ہے جس کو خالد بن ولید نے عدی وعمر پسرانِ عدی، عمرو بن عبد المسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال کے ساتھ کیا، جو حیرہ کے باشندوں کے قائم مقام اور وہاں کے رؤسا ہیں۔ قرارداد یہ ہے کہ وہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ ہمارے ذمّہ ان کی حفاظت رہے گی، اگر ہم ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو کوئی رقم ان کے ذمّہ واجب الادا نہیں رہے گی، اور اگر یہ لوگ قولاً یا عملاً بدعہدی کریں گے، تو ہم ان سے بری الذمہ ہوں گے۔"

عراق میں اسلامی حکومت کا پہلا نظم و نسق

اہل حیرہ سے صلح ہونے کا خاطر خواہ اثر پہنچا چنانچہ مختلف مقاموں کے رؤسا حضرت خالد کی خدمت میں آتے گئے، اور شرائطِ عہد مرتب ہوتے گئے، اس طرح بیس[20] لاکھ سے زیادہ سالانہ جزیہ کی رقم متعین ہو گئی حضرت خالد نے خراج وجزیہ کی تحصیل، ملکی انتظامات اور امن وامان کے قیام کے لئے مختلف حکام وعمال مقرر کئے اور عراق میں اسلامی حکومت کا نظم ونسق جاری ہو گیا جس کا صدر مقام اس علاقہ میں حیرہ قرار پایا۔

شہنشاہ ایران کے نام مکتوب

اس کے بعد حضرت خالد نے خود شہنشاہ کو مکتوب بھیج کر

Marfat.com

اس کو مخاطب کیا۔ مکتوب کا متن حسب ذیل ہے:

" ازطرف خالد بن ولید بنام فرماں روائے ایران!

خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہارے نظام کو مختل اور تمہاری تدبیروں کو بیکار کر کے تم کو ابتر کر دیا، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یہ تمہارے حق میں اور زیادہ بُرا ہوتا، تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، ہم تم کو اور تمہاری سرزمین کو چھوڑ دیں گے، ورنہ بالآخر تم کو یہی کرنا پڑے گا، میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کے اسی قدر شیدائی ہیں، جس قدر تم زندگی کے شیدائی ہو۔"

فتح انبار، عین التمر و دومۃ الجندل وغیرہ حضرت خالد نے جنوبی عراق کی مہم سے فارغ ہو کر عیاض بن غنم کے لشکر سے ملنا چاہا، جو اُن دنوں دومۃ الجندل کی جانب تھے، حیرہ سے دومۃ الجندل جاتے ہوئے جو شہر ملے یا جہاں ایرانیوں کے فوجی اجتماع کی خبر ملی وہاں پہنچے اور معرکے سر کیے، ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے انبار و فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، حضرت خالد نے جنوبی عراق کے اسلامی دارالحکومت حیرہ میں قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام بنایا اور سب سے پہلے فوج لے کر انبار پہنچے، ایرانی قلعہ بند ہو گئے تھے اور خندق کھود لی تھی۔ شہر سے وہ تیر اندازی کرتے رہے، خالد نے بھی تیر اندازی سے جواب دیا۔ وہ گھبرا کر قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے خندق پٹوا کر اس کو عبور کر لیا، تو اہلِ شہر نے جان کی امان طلب کی کہ صرف گھوڑوں پر چڑھ کر نکل جانے دیا جائے، خالد نے شرط منظور کی اور شہر مع مال و متاع مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

اس فتح و کامرانی کے بعد آس پاس کے رئیس آ آ کر جزیہ کی شرط پر امان طلب کرتے گئے اور یہ پورا علاقہ زیر نگیں آ گیا۔ خالد نے زبرقان بن بدر کو یہاں کا حاکم مقرر کیا، اور خود عین التمر کی سمت روانہ ہوئے۔

Marfat.com

عین التمر میں بہرام چوبیں کا لڑکا مہران تازہ دم ایرانی لشکر لئے موجود تھا۔ عرب قبائل تغلب، ایاد اور نمر اس کے ساتھ تھے۔ خالد نے صف آرائی کی۔ عرب سردار عقبہ بن ابی الہلال النمری نے مہران سے کہا کہ وہ عرب ہے، خالد کے طریق جنگ سے واقف ہے، اسے لڑنے کا موقع دیا جائے۔ مہران نے اس کو سپہ سالار بنایا، فوجوں کا سامنا ہوا تو عقبہ خالد کے ہاتھ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا، مہران جنگ کا یہ نتیجہ دیکھ کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میدانِ جنگ کی شکست خوردہ عرب فوج جب واپس گئی، تو قلعہ خالی پڑا تھا۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، خالد نے قلعہ کو فتح کر کے ایک ایک سپاہی کو قتل کر ڈالا۔ اسی قلعہ میں چالیس لڑکے انجیل پڑھا کرتے تھے، وہ مجاہدین میں تقسیم کر لئے گئے۔ اندلس کے فاتح موسیٰ کے باپ نصیر اور امام وقت محمد بن سیرین کے باپ انہی لڑکوں میں سے تھے۔

اس اثناء میں عیاض بن غنم کا مکتوب جو دومۃ الجندل کا محاصرہ کئے بیٹھے تھے، خالد کی طلبی میں آگیا، خالد نے جواب دیا، کہ "میں تمہارے ہی پاس آرہا ہوں" پھر دومۃ الجندل پہنچ گئے، اور دو طرف سے اس کا محاصرہ جاری ہو گیا۔ دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بنِ عبد الملک عہدِ رسالت میں جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر امان حاصل کر چکا تھا، حالات کے بدلنے سے وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا، لیکن جانتا تھا کہ اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں، اس نے اہلِ قلعہ کو اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن شہر کے عیسائیوں نے اس کی بات نہیں مانی، وہ ناراض ہو کر شہر سے نکل گیا، لیکن اتفاقاً مارا گیا۔ شہر کے ایک دوسرے رئیس جودی نے کمان سنبھال لی، اس نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ خالد نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر کے تمیمی سردار عاصم بن عمرو نے بنو کلب کو امان دے دی، باقی قبائل قتل کر دیئے گئے۔

ان دنوں عراق میں اصل مقابلہ عیسائی و بت پرست عرب قبائل ہی سے تھا، ان کی قومی حمیت پر مذہبی حمیت غالب آگئی تھی، وہ عراق کو اسلام کے زیرنگین دیکھنا

Marfat.com

نہ چاہتے تھے، انھوں نے اپنی مدد کا وعدہ کر کے ایرانی پایہ تخت سے پھر کمک بلائی اور زرمہر اور روزبہ کی سرکردگی میں ایران کی تازہ دم فوج آگئی، عرب قبیلے ان کے ساتھ ہو کر مقام حصید و خنافس کی طرف بڑھے، خالد دومۃ الجندل کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ ادھر حیرہ سے قعقاع اور ابولیلیٰ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر آیا، ادھر خالد اپنی فوج لے کر آپہنچے۔ عین التمر میں سب کا اجتماع ہوا۔ خالد نے قعقاع کو حصید، ابولیلیٰ کو خنافس بھیجا۔ قعقاع نے معرکہ آرائی کے بعد زرمہر کو قتل کر ڈالا، خنافس کا ایرانی لشکر ابولیلیٰ کو دیکھ کر مصیخ کی طرف ہٹ گیا، خالد خود پیش قدمی کر کے آئے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کے لشکر کو ساتھ لے کر مصیخ میں ایرانیوں پر شب خون مارا، انھیں فاش شکست ہوئی۔ مثنیٰ اور بشر دو مقاموں میں دو عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل بن عمران بنو تغلب وغیرہ قبیلوں کے ساتھ مقابلہ پر تھے، خالد نے مصیخ سے یہاں پہنچ کر ان کا قلع قمع کیا۔ ربیعہ اور ہذیل دونوں مارے گئے، اس کے بعد خالد نے فراض کا رخ کیا، جہاں ایرانی اپنی قوت جمع کر رہے تھے۔

فراض اہم مقام تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں اس لئے اس کی مدافعت میں رومی بھی شریک ہوئے۔ اب روم، ایران اور عراق کے عرب قبائل کی متحدہ طاقت نے صف آرائی کا تہیہ کیا، اس لئے خالد نے بھی کچھ نئی تدبیریں اختیار کیں اور فوج کو نئے سرے سے مرتب کیا۔ دشمن اپنی تعداد کی کثرت اور طاقت کے گھمنڈ میں دریائے فرات کو پار کر کے اس سمت چلے آئے، جدھر اسلامی لشکر پڑاؤ ڈالے تھا، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رومی، ایرانی اور عرب لشکر نے شکست کھائی، سامنے دشمن تھے اور پیچھے دریا، اس لئے یہ متحدہ لشکر قریب قریب پوری طرح برباد ہو گیا۔ یہ واقعہ ۵ ذی قعدہ ۱۲ھ کو پیش آیا تھا، خالد نے دس دن فراض میں قیام کیا، پھر عاصم بن عمرو تمیمی کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر اسلامی صدر مقام حیرہ کی سمت واپسی کے لئے کوچ کریں، وہ خود فوج کے حصہ ساقہ میں رہیں گے۔ عاصم نے ۲۵ ذی قعدہ کو حیرہ کی سمت کوچ کیا، اور

خالد اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تیز رفتار اونٹنی پر حج کے لئے مکہ معظمہ چلے گئے، اور ۱۰ ذی الحجہ کو حج ادا کر کے واپس ہوئے اور فوج کے حصہ ساقہ سے آملے، کسی کو خبر نہ ہوئی کہ وہ حج کر کے آ رہے ہیں، فوج کا حصہ ساقہ ان کی واپسی کے بعد حیرہ پہنچا۔ حضرت ابوبکر کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے ناراضگی ظاہر کی، کہ فوج کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا۔

حضرت خالد کی شام کو روانگی اور مثنیٰؓ شیبانی ولایت عراق پر

اس کے بعد خالد کو فرمانِ خلافت ملا کہ وہ عراق کو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کے سپرد کر کے شام کی مہم پر چلے جائیں۔ اب عراق کا پورا مفتوحہ علاقہ مثنیٰؓ کے زیر ولایت آگیا، جو وفد لے کر بارگاہِ خلافت میں آئے تھے اور عراق پر حملہ آور ہونے کی تجویز پہلی مرتبہ پیش کی تھی، چنانچہ انھوں نے پورے مفتوحہ عراق کی زمام حکومت سنبھال لی۔

حضرت خالد چودہ[۱۴] مہینے عراق میں رہے۔ ان کے ساتھ دس[۱۰] ہزار فوج تھی، مثنیٰؓ اور عیاض کی مجموعی فوج بھی دس[۱۰] ہزار تھی۔ یہ حضرت خالد ہی کا کارنامہ تھا کہ کُل بیس[۲۰] ہزار فوج سے عراق میں کیانی سلطنت کی جڑ ہلا دی اور ابلہ سے فراض تک کا ایک وسیع علاقہ ان کے ہاتھوں سے چھین کر اسلامی حکومت قائم کر دی، جس کے حدود میں خطۂ بانقیا، کسکر اور حیرہ وغیرہ داخل تھے، حضرت خالد کے طرز حکومت سے مفتوحہ علاقہ کی غیر مسلم رعایا میں سکون و اطمینان پیدا ہوا۔ اور وہ ایرانی حکومت کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کو ترجیح دینے لگے، جس سے آگے چل کر عراق کے باقی ماندہ علاقوں کے مفتوح ہونے میں بڑی مدد ملی۔

ایرانیوں کی چڑھائی اور مثنیٰؓ کی کامیاب مدافعت

حضرت خالد کے عراق سے نصف فوج کو لے کر چلے جانے سے یہاں مسلمانوں کی عسکری طاقت نصف ہو کر رہ گئی تھی، ایرانیوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ بہمن جادویہ نے فوج لے کر چڑھائی کیلئے کوچ کیا، مثنیٰؓ نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور بابل کے قریب خونریز جنگ ہوئی۔ بہمن جادویہ شکست

کھا کر فرار ہوا، مثنیٰؓ تعاقب کرتے کسریٰ کے پایہ تخت مدائن کی سرحد تک چلے گئے، پھر حیرہ واپس آ گئے۔

ایرانیوں کی عظیم تیاریاں اور مثنیٰؓ کا ورود مدینہ

اس کے بعد مثنیٰؓ کو معلوم ہوا کہ ایرانی عظیم تیاریوں کے ساتھ حملہ آوری کا انتظام کر رہے ہیں، اس لئے مثنیٰؓ، عراق میں بشیر بن خصاصہ کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں وارد ہوئے، کہ حضرت ابوبکر کو حالات سے مطلع کر کے ان سے ان قبائل کے شریک جنگ ہونے کی اجازت حاصل کریں جو مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام لائے تھے اور جن کو حضرت ابوبکر نے شریک جہاد ہونے سے روک دیا تھا، لیکن مثنیٰ مدینہ منورہ اس دن پہنچے، جب خلیفۂ اول کی زندگی کی آخری سانسیں چل رہی تھیں، بہرحال انھوں نے بستر مرگ ہی پر لیٹے لیٹے عراق کے حالات سُنے اور حضرت عمر کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ مثنیٰؓ کی رائے کے مطابق فوج کو اکٹھا کر کے عراق پر فوج کشی کے لئے لشکر روانہ کر دیں، اور حضرت عمر نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس پر عمل فرمایا۔

شام کی مہمیں اور فتوحات

حضرت ابوبکر نے ۱۳ھ میں شام کی مہم کے لئے چار لشکر تیار کئے اور ان کو چار سمتوں میں روانہ کر دیا، چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح حمص، یزید بن ابی سفیان دمشق، شرجیل بن حسنہ اردن اور عمرو بن العاص فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ فوج کی تعداد ستائیس ہزار تھی۔

قیصر روم ہرقل اس زمانہ میں حمص میں موجود تھا، اس نے اسلامی لشکروں کا حال سنا تو دوگنی تگنی تعداد میں ہر ایک کے مقابلہ میں لشکر بھیج دیا اور کوشش کی کہ اسلامی لشکر باہم اکٹھا نہ ہونے پائیں، جب اسلامی لشکروں نے شام کی سرزمین پر قدم رکھا تو انھیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا مقابلہ ہوا، ہرقل کے بھائی تذارق نے نوّے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کی راہ روکی، جرجہ اور دافقص سپہ سالار، یزید بن ابی سفیان اور شرجیل کے مقابلہ میں اسی تعداد میں فوج لے کر آئے اور سپہ سالار قیقار ساٹھ ہزار فوج

کے ساتھ ابو عبیدہ بن الجراح کے سامنے آیا۔

مسلمانوں نے صورتِ حال سے دربارِ خلافت کو مطلع کر کے مزید کمک مانگی، حضرت ابوبکر نے اسی بناء پر حضرت خالد کو شام آنے کا حکم بھیجا اور وہ راہ میں حدر داؤ سوی، قصم اور مرج رہط میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام میں پہنچ گئے۔ یہ مسلمانوں کا پانچواں لشکر تھا، حضرت خالد نے سب سے پہلے بصریٰ پر فوج کشی کی۔ ہرقل کی فوج کا جنگل دوسری طرف تھا، حضرت خالد نے بصری کے بطریق حاکم کو شکست دی۔ اہل شہر نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی، یہ عہدِ صدیقی میں شام میں ہرقل کی پہلی شکست تھی، پھر حضرت خالد عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہ اس وقت اجنادین میں تھے، رومیوں کو شکست ہوئی، اور ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ ۶۳۴ء میں اجنادین قبضہ میں آگیا اس کے بعد حضرت خالد نے شام کے صدر مقام دمشق کا رُخ کیا، یہاں ابو عبیدہ محاصرہ کئے تھے، خالد نے بھی دوسری سمت سے شہر کا محاصرہ کر لیا، اور دمشق کے محاصرہ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

چند اور فوج کشیاں عہدِ صدیقی میں عراق و شام کے علاوہ چند دوسرے مقاموں پر بعض اور مہمیں بھی بھیجی گئیں، چنانچہ عثمان بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا۔ جنھوں نے توج، مکران اور اس کے آس پاس کے علاقہ کو زیرنگیں کیا، علاء بن حضرمی زارہ بھیجے گئے، انھوں نے اس شہر اور اس کے اطراف پر قبضہ کیا اور اس قدر مالِ غنیمت مدینہ بھیجا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ کے ہر خاص و عام مرد، عورت، آزاد، غلام، سب کو ایک ایک دینار تقسیم کیا۔

وفات

حضرت ابوبکر کی علالت اور استخلاف حضرت ابوبکر کی خلافت پر صرف سوا دو برس گذرے تھے کہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ ۶۳۴ء میں ایک دن خنک موسم

Marfat.com

میں غسل کیا، غسل کے بعد بخار آگیا، پندرہ دن تک بخار نہ اترا، علالت نے نڈھال کر دیا اور نشست و برخاست سے معذور ہو گئے، تو حضرت عمرؓ کو امامت کا حکم دیا۔ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ سے آئندہ جانشین کے لئے مشورہ کیا اور خود حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "وہ سخت مزاج اور متشدد ہیں"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "عمر کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے"۔ حضرت طلحہ نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتیٔ مزاج اور تشدد کی شکایت کی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو خود نرم ہو جائیں گے"۔ ایک صحابی نے کہا "آپ عمرؓ کی درشتیٔ مزاج کو جانتے ہیں، خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا تھا، جو سب سے اچھا تھا"۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلوا کر عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے، کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام بڑھا دیا۔ ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی۔ حضرت عمرؓ کا نام سن کر زبان سے بے اختیار "اللہ اکبر" نکل گیا اور فرمایا "خدا تم کو جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی"۔ عہد نامہ مرتب ہو گیا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنادے، پھر خود بالاخانہ پر تشریف لائے اور مجمع کو خطاب کر کے کہا "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا ہے، بلکہ اس شخص کو بنایا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے"۔ سب نے اس حسن انتخاب کی تائید کی، پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر چند مفید نصیحتیں کیں۔

آخری وصیتیں اور وفات پھر اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو بلا کر چند آخری وصیتیں کیں، فرمایا "میرے پاس مسلمانوں کے بیت المال میں سے ایک غلام، ایک لونڈی، اور دو اونٹنیوں اور اس پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں ہے، میرے بعد ان کو عمرؓ کے پاس بھجوا دینا، پھر دیکھ لینا، کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی، اگر ہو تو اس کو بھی بھیج دینا"۔ مگر اور کوئی دوسری چیز نہیں نکلی۔ پھر وفات کے وقت خیال آیا کہ مسلمانوں کے بیت المال کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کیا ہوا باقی نہ رکھیں، اس لئے یہ بھی وصیت کی کہ ان کا فلاں باغ بیچ کر بیت المال

کی وہ سب رقم جو وظیفہ کے طور پر انھوں نے لی ہے، بیت المال کو لوٹا دی جائے، وُرثا نے اس کے مطابق عمل کیا۔ نیز اپنی متروکہ جائیداد میں سے پانچواں حصہ فقرا و مساکین کو دینے کی وصیت کی۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ "جو کپڑے بدن پر ہیں، ان ہی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا"۔ حضرت عائشہ نے عرض کی "یہ تو پرانے کپڑے ہیں" فرمایا "زندہ مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں۔ میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے"۔ پھر پوچھا "آج کون دن ہے" معلوم ہوا دوشنبہ۔ پھر پوچھا "رسول اللہ کا انتقال کس دن ہوا تھا"۔ عرض کیا گیا "اسی دن"۔ فرمایا "میری بھی یہی آرزو ہے"۔ یہ آرزو پوری ہوئی۔ دوشنبہ کا دن گذار کر رات کو ۲۱ جمادی الاول ۱۳ھ ۶۳۴ء کو تریسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور یہی عمر وفات کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تھی، رضی اللہ عنہ۔

تجہیز، تکفین و تدفین وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عمر، عثمان، طلحہ اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے قبر میں اتارا اور ساری عمر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گذاری تھی تو وفات کے بعد بھی حجرۂ عائشہ میں آپ ہی کے پہلو میں آسودہ خواب ہوئے۔

فضائل و مناقب، علم و فضل، اخلاق و عادات و ازواج و اولاد

فضائل و مناقب اور علم و فضل حضرت ابوبکر صدیق، تمام صحابہ میں سب سے زیادہ محرم اسرار نبوت و دانائے راز تھے۔ صبح و شام بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے، آپ بھی ان سے رات رات بھر صلاح و مشورہ فرماتے رہتے اور نازک سے نازک موقع پر انھیں اپنی رفاقت میں لیتے۔ ایک مرتبہ عمرو بن العاص نے آپ سے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا "ابوبکر" صحابہ اگر کسی موقع پر برہمی کے آثار آپ میں دیکھتے تو ان ہی کے توسط سے عفو و درگذر چاہتے۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے ایک کام

Marfat.com

کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے سُنا تو وہ آپ کی مرضی کے خلاف ثابت ہوا حضرت علی بارگاہِ رسالت میں آئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار دیکھے، خاموشی سے واپس چلے گئے اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر دوبارہ آئے تو چہرۂ مبارک بشاش ہوگیا، ان کی اصابت رائے اور معاملہ فہمی پر بھی آپ کو اعتماد تھا، ایسی کوئی مثال موجود نہیں کہ حضرت ابوبکر نے کوئی رائے دی ہو اور وہ قبول نہ کی گئی ہو۔

حضرت ابوبکر اپنے زمانہ میں علم و فضل کے بھی مہرِ درخشاں تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور اسلامی علوم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، خلوت و جلوت کی رفاقت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات کی تفسیر پوچھا کرتے تھے، ہر ایک کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی معنی و مفہوم پر عبور حاصل تھا، صحابہ آیات کی تفسیر کے مشکل موقعوں پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے، احادیث کی روایت کا موقع کم ملا، مگر چند ایسی حدیثیں روایت کیں، جو کم لوگوں کے علم میں تھیں، اور بعض صحابہ نے ان کی تصدیق کی، تعبیرِ خواب میں ملکہ حاصل تھا صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کو سب سے بڑا معبر سمجھتے تھے۔ بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خواب کی تعبیر ان سے پوچھی اور انھوں نے جو جواب دیا اس کی تصدیق فرشتۂ آسمانی نے کی۔ علمِ انساب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جبیر بن مطعم طبقۂ صحابہ میں سب سے بڑے نسّاب گذرے ہیں، وہ کہتے ہیں اس فن کو انھوں نے حضرت ابوبکر سے سیکھا جو علم انساب میں تمام عرب میں ممتاز تھے۔ شاعری کا بھی ذوق تھا، لیکن اسلام کے بعد ترک کر دی تھی ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے بعض اشعار نقل کئے ہیں، فصاحت و بلاغت میں صاحب کمال تھے، تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ تھا۔ برجستگی، زورِ کلام، اختصار اور زود اثری ان کی خطابت کے جوہر تھے، وفاتِ نبوی کے موقع پر مسجدِ نبوی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں اپنی تاریخی تقریریں فرمائی تھیں جن سے مجمع کا رُخ پلٹ گیا، جس طرح اسلام میں الوہیت و نبوت کو ایک دوسرے سے الگ کیا گیا۔ اسی طرح انھوں نے امامت و خلافت اور نبوت کے فرق کو اپنے

عمل سے واضح کیا اور اسلامی مسائل کے لئے قرآن، حدیث، اجماع و قیاس کی درجہ بدرجہ تعیین ان ہی نے کی اور اس کو اسلامی فقہ کے لئے ایک اصول قرار دیا اور اسی کے مطابق اپنے فیصلے صادر کر کے دوسروں کے لئے مشعلِ راہ تیار کی۔

اخلاق و عادات حضرت ابوبکر کی زندگی سراپا دین کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی خشوع و خضوع کا عالم یہ تھا، کہ نماز میں لکڑی کی مانند بے حس و حرکت نظر آتے۔ شب عبادت میں اور دن بیشتر روزہ میں گذرتا، تلاوت کرتے تو روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ طبعاً نہایت نرم دل، رقیق قلب تھے، جاہلیت میں بھی اخلاقِ حمیدہ سے متصف اور رذائل سے مجتنب رہے درشت و ناملائم الفاظ کبھی زبان پر نہ آتے، صرف ایک مرتبہ کوئی بات حضرت عمر سے درشت کلامی سے کہہ دی، فوراً ندامت ہوئی حضرت عمر سے عفو خواہ ہوئے، انھیں بھی سخت ملال گذرا تھا انھوں نے معاف نہیں کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی، پریشان خاطر آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طمانیت دی اور تین مرتبہ اس بشارت سے نوازا کہ "ابوبکر! خدا تمھیں بخش دے گا"۔ اس اثناء میں حضرت عمر کو بھی اپنے انکار کرنے پر ندامت ہوئی وہ حضرت ابوبکر کے مکان پر پہنچے، وہاں نہ ملے تو دربارِ نبوت میں آئے۔ انھیں دیکھتے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ غیظ و غضب میں حضرت عمر سے فرمایا "میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا لیکن ابوبکر نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غم خواری کی، کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دوگے"؟ اُدھر حضرت ابوبکر نے یہ تیور دیکھے تو دو زانو بیٹھ کر التجا شروع کی کہ "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی"۔ اسی طرح طبیعت میں فطری زہد و قناعت تھی، امارت، دنیا طلبی و جاہ پسندی سے دور رہتے، خلافت کا بارِ گراں بھی امت کو تفریق و اختلاف سے بچانے کے لئے اٹھا لیا تھا۔ انھوں نے خطبہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ اعلان کیا کہ کوئی اس بار کو اٹھا لے، تو وہ سبکدوش ہو جائیں۔ تواضع و خاکساری کا عالم یہ تھا کہ کسی کام میں عار نہیں تھا۔ اکثر بھیڑ بکریاں خود چرا لیتے تھے، محلہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے

جس دن منصبِ خلافت کے لئے انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی کہ اب اس کی بکریاں کون دوہے گا۔ حضرت ابو بکر نے سُنا تو فرمایا "خدا کی قسم میں دوہوں گا۔ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گذاری سے باز نہ رکھے گی"۔ اسی طرح تیمارداری، عیادت، مشایعت جنازہ، مہمان نوازی، معمولی کھانا، موٹا پہننا اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے معمولات میں سے تھے، ان کا ذریعۂ معاش تجارت تھا منصبِ خلافت پر مامور ہونے کے بعد بھی کپڑوں کے تھان کندھے پہ رکھ کر بازار کو چلے، راہ میں حضرت عمر و ابو عبیدہ ملے، اس حال میں دیکھ کر ان سے کہا، اب آپ مسلمانوں کے امیر ہیں، چلئے ہم آپ کا وظیفہ مقرر کریں گے، چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا، لیکن جیسا کہ گذرا، وصیت کے مطابق وفات کے بعد یہ رقم لوٹا دی گئی، وفات کے بعد جب بیت المال کی مذکورہ بالا چیزیں حضرت عمر کے پاس واپس لے جائی گئیں تو وہ آبدیدہ ہو کر بولے "ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے مرنے کے بعد بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا، اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا"۔

جب اسلام لائے تھے، یہ مکہ کے دولتمند ترین لوگوں میں سے تھے۔ چالیس ہزار درہم نقد ان کے پاس موجود تھے، وسیع اراضی و باغات تھے، تجارت کا سلسلہ اعلیٰ پیمانہ پر قائم تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی مالِ تجارت لے کر شام جایا کرتے تھے، لیکن اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دیا، پھر خیبر، بحرین اور اطرافِ مدینہ میں چند جاگیریں حاصل ہوئی تھیں جیسا کہ گذرا، ان میں سے بعض کو فروخت کر کے وظیفہ کی موصولہ جملہ رقم ادا کرادی اور فیاضی کا سلسلہ زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا، اور اپنے متروکات میں سے پانچواں حصہ فقراء و مساکین کے لئے وصیت کر دیا۔

رسول اور اہلِ بیت سے محبت حضرت ابو بکر کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے والہانہ عشق و شیفتگی تھی، آپ کی مکی زندگی میں جب بھی آپ پہ سختیاں کی گئیں، یہ سینہ سپر ہو کر سامنے آئے۔ غارِ ثور میں ایک بل میں ایک سانپ نظر آیا، اس پر

Marfat.com

اپنی ایڑی رکھ دی کہ آپؐ کو گزند نہ پہنچے، پھر آپؐ کے لعابِ دہن سے سانپ کے زہر کا اثر زائل ہوا۔ وفاتِ نبوی کے بعد اعلان کرایا کہ آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو، اس کے پورا ہونے کا موقع نہ آیا ہو، یا کسی سے قرض لیا ہو، وہ ادا نہ ہو سکا ہو، تو وہ میرے پاس آئے۔ آپؐ کے ذمّہ کسی کا قرض تو نہ نکلا، مگر پوری آبادی میں ایک صحابی حضرت جابر نے کہا کہ آپؐ نے تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا، اور دوسرے صحابی حضرت ابوبشیر مازنی نے کہا کہ آپؐ نے انھیں چودہ سو درہم مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا جب فتح بحرین کا مالِ غنیمت آیا تو اس میں سے خمس اللہ اور اس کے رسول کا حصّہ تھا، جو جانشینِ رسول کے تصرف میں آیا، جنھوں نے رسول کے وعدہ کے مطابق تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر حضرت جابر کو دیا اور چودہ سو درہم حضرت بشیر کو عطا کر دیئے۔

اہلِ بیت کو ابتداءً حضرت ابوبکر سے شکوہ ہوا کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہو گی، ہماری تمام متروکہ وقف ہے" کے مطابق آپ کے تمام متروکات کو قومی ملک قرار دیا، پھر اپنے مسلک پر قائم رہ کر غلط فہمی دور کرنے کے ساتھ حضرت فاطمہ سے عفو خواہ ہوئے، اور ان کا آئینۂ دل صاف ہو گیا اور اپنے پورے عہدِ خلافت میں اہل بیت کی راحت رسانی و آسائش کا خاص لحاظ رکھا اور بیت المال سے وظائف مقرر کر دیئے، جن کی تعداد اس سے زیادہ تھی جتنی آمدنی متروکہ جائیداد سے حاصل ہوتی۔

ازواج و اولاد حضرت ابوبکر نے چار شادیاں کیں۔ دو اسلام سے پہلے اور دو اسلام کے بعد۔ قتیلہ بنت العزیٰ قریشیہ تھیں، اسلام سے پہلے عقد میں آئیں۔ اسلام نہیں لائیں اسلئے طلاق دے دی۔ ان سے ایک صاحبزادے حضرت عبد اللہ اور ایک صاحبزادی حضرت اسماء ہوئیں، دوسری زوجہ ام رومان تھیں، ان سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد الرحمٰن تولد ہوئے۔ اسلام کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس کو زوجیت میں لائے جو حضرت جعفر بن

Marfat.com

ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ اسلام کے بعد دوسرا عقد جبیبہ بنت خارجہ سے کیا، جو انصاری قبیلہ خزرج کی تھیں، ان کے بطن سے ایک صاحبزادی حضرت ام کلثوم، حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

عہدِ صدیقی پر ایک نظر اور اس دَور کی مدنیت

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت دو برس تین مہینے اور دس دن رہی۔ یہ مدت اگرچہ مختصر رہی مگر اسی زمانہ میں اسلام کی عظیم الشان بنیادی خدمتیں انجام پائیں۔ سرزمینِ عرب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی۔ قریش، ثقیف اور انصار کے اوس و خزرج کے علاوہ مشکل سے کوئی اور قبیلہ تھا جو بغاوت کی زد میں نہ آگیا ہو، لیکن جانشینِ رسول کے حُسنِ سیاست، تدبر و دانائی سے شمع اسلام جو چراغِ سحری نظر آرہی تھی، نہ صرف گل ہونے سے بچ گئی، بلکہ ایسی مشعلِ ہدایت بن گئی، کہ سرزمینِ عرب نئے سرے سے جگمگا اٹھی۔ شجر اسلام کو آبیاری عطا ہوئی، اس میں تر و تازگی و سرسبزی آئی اور ایسی شاخیں پھوٹیں جو بڑھتی ہوئی مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے افق تک پہنچ گئیں اور کروڑوں بندگانِ خدا اس کے سایہ میں روحانی تسکین اور مادی ترقی حاصل کرکے امن و امان اور سکون کی زندگی گذارنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ داخلی امن و امان قائم کرتے ہی دنیا کی دو عظیم سلطنتوں سے ٹکر لی اور عراق و شام میں اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کی، جس پر آگے چل کر عہد فاروقی میں عظیم الشان عمارت تیار ہوسکی۔

خلافت و امامت کے فرائض حضرت ابوبکر صدیق نے نائبِ رسول کی حیثیت سے امت کی امامت کے فرائض بہ احسن وجوہ انجام دیئے۔ وفاتِ نبوی کے وقت امت کو انھوں نے سنبھالا، وحدت کلمہ کو قائم رکھا۔ عرب میں ان کے ہاتھوں اسلام کو نئی زندگی عطا ہوئی، دین کی تبلیغ و اشاعت ہمہ دم پیش نگاہ رہی۔ یوں تو اسلام کے عہد آغاز

میں بیسیوں جلیل القدر صحابہ ان ہی کی مساعی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، اور بیسیوں نادار مسلمانوں کو ربقۂ غلامی سے آزاد کرایا تھا، پھر اپنے دور خلافت میں بھی تبلیغ و اشاعت دین کا اہتمام رکھا۔ عرب کے باہر شام و عراق میں ان کی مساعی سے اسلام پھیلا، ان ہی کی تحریک اور مثنیٰؓ بن حارثہ وغیرہ کی مساعی سے قبیلۂ وائل وغیرہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، وہ مجاہدین اور سپہ سالاروں کو خاص طور پر ہدایت فرماتے کہ غنیم کے سامنے پہلے اسلام کو پیش کیا جائے، خصوصاً شام و عراق میں جو عرب قبائل آباد ہیں، اور جو نصرانی یا بت پرست ہیں، انھیں اسلام کی طرف بلایا جائے، چنانچہ خالد ابن ولید کی دعوت پر شام و عراق کے بہت سے عرب قبائل اسلام لے آئے اور کلیساؤں کے پادریوں نے بھی اسلام کی دعوت کو لبیک کہا، ان قبیلوں کے ساتھ خالد نے وہی برتاؤ کیا، جو عرب میں کیا تھا، یعنی اسلام لائیں، ورنہ اگر مقابلہ پر آئیں تو پوری طرح بربادی قبول کرنے کو تیار رہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ نکتہ خاص طور پر رہا کہ کسی امر میں عہد نبوی سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے۔ یہاں تک کہ ابتداءً جمع و تدوین قرآن پر بھی آمادہ نہ ہو رہے تھے۔ کسی معاملہ میں عہد نبوی سے فرق پیدا ہونے کا ادنیٰ سا احتمال بھی ہوتا تو اس کا سختی سے تدارک فرماتے تھے، اس لئے اس عہد میں پورا اسلامی معاشرہ کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھلا رہا، مسنون طریقہ کے خلاف انھوں نے کسی امر کو برداشت نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے اس عہد میں بدعتیں[1] راہ نہ پاسکیں، یوں تو عہد صدیقی اسلام کا دور اول تھا، بدعتوں کے پھیلنے کا موقع کم تھا، پھر بھی بعض باتیں پیش آئیں تو تدارک کیا چنانچہ قبیلہ احمس کی

---

[1] بدعت دین میں کسی نئی بات کو بڑھانے اور اس کو مذہب کا جزو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کو کہتے ہیں اس سے مذہب کے مسخ ہونے کی نوبت آتی ہے۔

ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کرنے کا ارادہ کیا ہے اور حج کے زمانہ میں وہ کسی سے بات نہیں کرتی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو" اس نے خاموشی توڑ دی اور پوچھا "آپ کون ہیں؟" بولے "ابوبکر"

محکمۂ افتاء کا قیام | اس کے ساتھ انھوں نے فقہی مسائل کی تحقیق، تنقید، استنباط اور عوام کی سہولت کے لئے ان سوالوں کے جواب میں فتوے دینے کے لئے افتاء کا ایک محکمہ قائم کیا، اس سلسلہ میں چند ممتاز صحابہ حضرت عمر، علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو اس خدمت کے لئے نامزد کر دیا اور اس کے بعد ان کے سوا کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت باقی نہیں رہی۔

نظام خلافت | جیسا کہ اوپر گذرا، اسلام میں خلافت کا نظام سراپا جمہوری تھا، اس جمہوری حکومت کی عملی تشکیل عہد رسالت کے بعد حضرت ابوبکر کے ہاتھوں عمل میں آئی، ان ہی نے سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہ یا حضرت عمر کو خلیفہ منتخب کرنے کی تحریک مجمع عام میں پیش کی اور ان دونوں نے خود ان ہی کو خلیفہ بنانے کی رائے دی اور مجمع نے اس سے عام اتفاق کیا، یہ انتخاب منتخب شخص کے شخصی فضائل، ذاتی کردار اور عملی حیثیتوں کے لحاظ عمل میں آیا، اور اس کا اولین اصول وہی قرار پایا جو حکومت الٰہیہ کے شرائط میں ہے کہ نظم حکومت باہمی صلاح و مشورہ سے چلایا جائے، اس لئے حضرت ابوبکر نے تجربہ کار و جلیل القدر صحابہ کو دارالحکومت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت عمر مہم اسامہ کیلئے عہد رسالت میں نامزد کئے جا چکے تھے مگر حضرت ابوبکر نے حضرت اسامہ کی اجازت سے اسی صلاح و مشورہ کیلئے ان کو مدینہ میں روک لیا اور جب کوئی زیادہ معاملہ پیش آجاتا تو بیشتر مہاجرین و انصار جمع کئے جاتے اور اجماع صحابہ سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔

نظم و نسق | جو نظم و نسق عہد رسالت میں قائم ہو چکا تھا صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم میں حتی الامکان اسکو قائم رکھا صوبوں اور ضلعوں کے ولاۃ و حکام، قضاۃ، تحصیل زکوٰۃ و عشر، اجرائے حدود شرعیہ، امامت نماز وغیرہ

کی خدمتیں انجام دیتے تھے، عہد رسالت میں جو ولاۃ، عمال وحکام مقرر ہوئے تھے، ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی، جہاں نئے عمال مقرر کرنے کی ضرورت ہوئی، وہاں مناسب اشخاص انھوں نے بھیجے، شام وعراق کے جو علاقے مفتوح ہوئے، ان کے انتظام کی ذمہ داری سپہ سالاروں کے سپرد رہی، انھوں نے اپنی ذمہ داری پر جس مقام پر مناسب سمجھا، اپنے فوجی افسروں میں سے کسی لائق افسر کو بطور عامل مقرر کیا، اس طرح عہد صدیقی میں مکہ معظمہ، طائف، صنعاء، حضرموت، بحرین، زبید (یمن) اور جند میں وہی ولاۃ وعمال تھے جو عہد رسالت سے خدمتیں انجام دے رہے تھے، ان کے علاوہ نجران میں جریر بن عبداللہ بجلی، خولان میں یعلی بن امیہ اور جرش میں عبداللہ بن ثور، اس منصب پر فائز تھے، عراق کے مفتوحہ علاقوں کے حضرت خالد کے بعد مثنی بن حارثہ شیبانی مستقل والی مقرر ہو گئے تھے۔

امراء وعمّال کو نصیحتیں کبھی تحصیل زکوٰۃ وصدقات کے لئے عمال دارالخلافت سے بھی بھیجے جاتے تھے، جیسے کہ عمرو بن العاص اور ولید بن عقبہ کو قبیلہ قضاعہ کے پاس بھیجا گیا خلیفہ اول جن امراء وعمال کو خدمت تفویض کرتے انھیں پر نصیحت ہدایتیں دیتے تھے، تاکہ صدق و دیانت پر ان کی نگاہ خاص طور پر رہے اور ان سے کوئی افراط و تفریط سرزد نہ ہو، ولید بن عقبہ سے فرمایا:

> "خلوت وجلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا ... تم خدا کی ایسی راہ میں جا رہے ہو جس میں افراط وتفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں، جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اسلئے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا۔"

اس طرح جب یزید بن سفیانؓ کو شام کی مہم سپرد ہوئی، تو انھیں مفتوحہ علاقہ میں عمّال

مقرر کرنے کی اجازت بھی دی گئی تھی، بنوامیہ میں قبائلی عصبیت کا جذبہ زیادہ پایا جاتا تھا، اس لئے ان کے تقرر کے وقت ان سے برملا فرمایا۔

"اے یزید تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے، جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو، اور ان پر کسی کو بلا استحقاق، رعایت کے طور پر کسی کو افسر بنائے، تو اس پر خدا کی لعنت ہو، خدا اس کا عذر و فدیہ قبول نہ فرمائے گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کر دے"

خلیفہ اول اپنی فطری نرم خوئی و چشم پوشی کے باوجود حکام کے طرز عمل پر حکومت کی سختی سے دیکھ بھال رکھتے تھے، اگر کسی سے کوئی امر سرزد ہوتا تو سختی سے عتاب فرماتے تھے۔ مہاجر ابن امیہ والی صنعاء نے دو گانے والیوں کے ہاتھ کٹوا، اور دانت اکھڑوا دیئے۔ ان میں سے ایک کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتی اور دوسری مسلمانوں کو گالیاں دیتی تھی۔ خلیفہ اول کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور لکھا:۔

"انبیاء کا سب و شتم ایک نہایت قبیح فعل ہے، اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے، تو میں قتل کا حکم دیتا، کیونکہ وہ اگر مدعیہ اسلام تھی تو گالی دینے سے مرتد ہو گئی، اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا لیکن دوسری جو مسلمانوں کو برا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہیئے تھا کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لئے معمولی تنبیہ کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے، درگذر کر دیا، تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؛ بہرحال اگر یہ تمہاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا، دیکھو، مُثلہ (یعنی ہاتھ پاؤں

Marfat.com

کے کاٹنے) سے ہمیشہ محترز رہو۔ یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے مجبوراً صرف قصاص ہے جو مباح کیا گیا ہے"

قیام امن وامان ملک میں امن وامان کے عمومی قیام پر نگاہ رکھتے تھے شاہراہوں کے محفوظ و بےخطر رہنے میں جو رخنہ انداز ہوتا، اس کو گرفتار کرا کر سنگین سزا دیتے تھے، اس زمانہ میں ایک پرخطر رہزن عبداللہ بن ایاس سلمی وارداتیں کرنے لگا خلیفہ اول نے طریفہ بن حاجز کو ایک دستہ دے کر اس کو گرفتار کرایا اور عبرت انگیز طریق سے اس کی زندگی کا خاتمہ کرایا۔

شعبۂ قضاء قضاۃ کا منصب امارت سے جداگانہ نہ تھا۔ ہر صوبہ کا والی اور شہر کا حاکم وہاں کا قاضی بھی تھا۔ کہیں کہیں علیحدہ قاضی اس عہد میں بھی برقرار رہے اور مدینہ میں قضاۃ کی خدمت حضرت عمرؓ کے سپرد تھی، وہی گویا اس شعبہ کے افسر اعلیٰ اور عہدِ صدیقی میں اسلامی خلافت کے قاضی القضاۃ تھے۔

شعبۂ انشاء شعبۂ انشاء کی سربراہی پر حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت مامور تھے اور اپنے عہدہ کے اعتبار سے کاتب کہے جاتے تھے۔

شعبۂ مالیات شعبۂ مالیات عہد رسالت میں کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی، اسی وقت تقسیم کردی جاتی تھی، خلیفہ اول نے شعبۂ مالیات کی داغ بیل ڈالی اور ایک افسر مال مقرر کیا۔ حضرت ابو عبیدہ شام کی سپہ سالاری پر بھیجے جانے سے پہلے اس منصب پر مامور تھے۔ ایک بیت المال بھی تعمیر کر کے اس میں تالا لگا دیا گیا لیکن دولت کی تقسیم کا طریقہ وہی رکھا جو عہد نبوی میں تھا، جب آمدنی آتی تو اس کا ایک معقول حصہ بار برداری کے سامان اور اسلحہ کی خریداری پر صرف کرتے۔ قرآن پاک میں' مالِ غنیمت میں سے خدا اور رسول کے لئے جو حصہ رکھا گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری مصارف کے بعد اس رقم کو اسی کام میں لگاتے تھے، خلیفۂ اول نے یہ پوری رقم فوجی مصارف ہی کے لئے

Marfat.com

مخصوص کردی تھی۔ اجتماعی ملی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو رقم بچ جاتی اس کو خلیفہ اول مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ پہلے سال کی آمدنی سے ہر ایک آزاد غلام مرد عورت اور ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا امتیز و تفریق دس دس درہم عطا کئے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو رقم دوگنی بیس بیس درہم فی کس ہو گئی۔ کسی نے تقسیم میں اس مساوات کے طریقہ پر اعتراض کیا تو انھوں نے فرمایا" فضل و منقبت اور چیز ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی تعلق نہیں ہے[1]" کسی نے کہا "بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں رکھتے" فرمایا "اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے"

خلیفہ اول کی وفات کے بعد جب حضرت عمر نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا "خدا ابوبکر پر رحم کرے" خزانچی کو بلا کر پوچھا گیا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا "دو لاکھ دینار"

شعبۂ عسکری فوجی نظام اگرچہ عہد رسالت میں باضابطہ نہ تھا، بایں ہمہ دفتر فوج کی داغ بیل پڑ چکی تھی، فوجیوں کے نام کا رجسٹر موجود تھا۔ صحابہ ذوقِ جہاد میں خود جمع ہو جاتے تھے، عہدِ صدیقی میں بھی یہی نظم قائم رہا، اس پر خلیفہ اول نے یہ اضافہ کیا کہ فوج کے دستے مدینہ ہی میں قائم کر کے ہر دستہ کا ایک امیر بھی نامزد کر دیتے تھے، پھر کسی ایک کو سپہ سالار اعظم کے منصب پر مامور کرتے تھے۔ وہی امیر لشکر ہوتا اور فوج کی امامت بھی کرتا تھا! اس کے ساتھ فوجی چھاؤنی قائم کی، جہاں فوجیں مہموں میں جانے سے پہلے مجتمع رہتی تھیں۔ خلیفہ اول ان چھاؤنیوں کے معائنہ کے لئے خود جاتے تھے، قبائل میں گھومتے اور ہر ایک کے رتبہ کے لحاظ سے اس کے علم کا سائز مقرر کرتے تھے۔ قبائل میں عصبیت کا جذبہ پیدا ہوتا تو اس کی روک تھام کرتے

---

[1] کیا موجودہ زمانہ کا اشتراکی نظام اس سے بہتر کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟

Marfat.com

تھے، اور فوج کو اخلاقی برتری برقرار رکھنے کے لئے پند و نصائح کرتے تھے۔ سامانِ جنگ کی فراہمی کا خاص لحاظ رکھتے تھے، جیسا کہ اوپر گذرا آمدنی کا ایک حصہ اس مد کے لئے وقف تھا۔ اونٹ اور گھوڑوں کے لئے البقیع میں چراگاہ تیار کرائی تھی۔ مقام ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی، جس میں صدقہ و زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے، جب کوئی مہم روانہ کرتے تو مدینہ سے پیادہ پا چل کر اس کو رخصت کرتے تھے، فوج اور امیر لشکر کو اخلاقی رفعت کے سبق سکھاتے تھے۔ مہم اسامہ کی وصیت کا متن اوپر گذرا، اسی کے لگ بھگ شام کے امرائے لشکر سے انھوں نے فرمایا کہ:

"تم ایک ایسی قوم کو بھی پاؤ گے، جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا۔"

پھر فرمایا:

"میں تمہیں دس وصیتیں کرتا ہوں کسی عورت، بوڑھے، بچے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہو جانا۔"

ذمیوں کے حقوق کی حفاظت شام و عراق کی مہموں کے بعد ذمیوں کا مسئلہ خاص طور پر سامنے آگیا تھا۔ خلیفۂ اول نے اس پر خاص نظر رکھی۔ عہدِ رسالت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی حکومت میں پناہ دی گئی تھی، اور عہد ناموں کے ذریعہ جو حقوق ان کے متعین کئے گئے تھے، خلیفۂ اول نے ان کو برقرار رکھا اور اپنے دستخطوں سے ان میں سے ہر ایک کی نئے سرے سے توثیق کر دی۔ اسی طرح ان کے زمانے میں جو ممالک فتح ہوئے، وہاں کے ذمیوں کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا، وہ مذہبی رواداری کی ایک واضح مثال ہے کہ:

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا

Marfat.com

قصر منہدم کیا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابل
میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس اور گھنٹے بجانے کی ممانعت نہ ہوگی،
اور نہ تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔

نیز جزیہ کا ٹیکس صرف ان لوگوں پر رکھا گیا جو اس کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جزیہ کی رقم فی کس صرف دس درہم سالانہ تھی، حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھے، پھر ذمیوں کی آبادی کے بوڑھے، اپاہج اور مفلس کے مصارف کا بار سرکاری خزانہ پر رکھا گیا۔ اور یہ بھی تصریح کی گئی کہ جزیہ ادا کرنے والوں میں سے جو بوڑھے، اپاہج یا مفلس ہو جائیں گے، ان کی کفالت بھی سرکاری خزانہ کے اوپر عائد کی جائے گی۔

یہ ہے عہد صدیقی کے نظام خلافت کا ایک خاکہ، جس کے ہر خط و خال میں للہیت، اخلاقی رفعت، پاکیزگی، عدل و انصاف، بے تعصبی، مذہبی رواداری، رعایا پروری اور حاکم وقت کی کمال سادگی، اخلاص اور تواضع کے گہرے رنگ ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1]

---

[1] ماخذ: صحیح بخاری ج ۱، ص ۳۰۷، ۵۱۸، ۵۲۱، ۵۴۳ - ج ۲ ص ۴۵، ۴۸۴، ۳۸۷، ابواب الہجرۃ، مالقی النبی واصحابہ بمکۃ، تزویج النبی عائشۃ، مقدم النبی واصحابہ الی المدینۃ، فضائل ابی بکر، اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، من قام الی جنب الامام بعلۃ الدخول علی المیت بعد الموت، مرض النبی ووفاتہ، غزوۂ خیبر، کتاب الادب باب قول الضیف، کتاب المناقب باب علامۃ النبوۃ قبل الاسلام، مناقب ابی بکر، غزوۂ بدر، کتاب العید سنۃ العیدین، قول النبی لو کنت متخذاً، کتاب الاحکام باب رزق الحاکم، مناقب ابی بکر، کتاب الادب مایکرہ من الغضب، کسب الرجل وعملہ بیدہ، غزوۂ حدیبیہ باب الذین استجابوا، حج ابی بکر بالناس، حدیث الافک، الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب، مناقب علی، بنیان الکعبۃ، باب جمع القرآن - طبقات ابن سعد ج ۳ قسم اول وصیت ابی بکر، ص ۱۲۹، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۲۱، ۱۵۶، ۲۹، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۳۸، ۲۷۰ - قسم ۲

Marfat.com

الاصابہ ج ۲ ص ۱۹۳، ۱۲۳، ۱۱۹، ص ۹۲، ج ۳ قسم اول، ص ۱۰۲، ج ۳ قسم ۲، ص ۱۰۱، ۱۰۹،
کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲، ۳۱۳، تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر۔ ج ۸ ص ۲۲۹۔ ۲۲۲، ص ۲۲۱،
۳۱۹، ۳۱۶، ۲۲۴، ۲۱۷، ۳۴۷، س ۱۳۲۔ فتح الباری ج ۷، ص ۱۳، ۱۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۲۵،
ج ۸، ص ۲۴۰، ج ۹ ص ۱۰۱۔ زرقانی ج ۱ ص ۳۸۹۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۸۱، ج ۲ ص ۷۹،
سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۲۶۹، ۳۰۔ صحیح مسلم الجاب فضائل ابی بکر، امداد الملائکہ، غزوہ بدر،
التفضیل وفدا المسلمین بالاساری، فضائل ابی بکر۔ اسد الغابہ تذکرہ خارجہ بن زبیر، عبدالرحمٰن
بن ابی بکر، دحیہ بن خلیفہ کلبی، قتیلہ بنت سعد ج ۲ ص ۲۰۵۔ ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۹،
کتاب الجہود باب الحکم فی من سب النبی۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۶، ۸، ۲۰۔ ابن اثیر ج ۲
ص ۲۹۸، ۲۹، ۳۰۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۷۱، ۶۸، ۷۱، ۹۶، ۱۰۳، ۸۱، ۸۲، ۱۰۴۔ فتوح البلدان
ص ۱۱۵، ۲۵۰، ۵۵، ۱۱۹۔ الترغیب والترہیب ج ۲، ص ۱۱۶۔ موطا امام مالک ص ۷۱، ۳، ۱۸۰،
۸۔ سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح۔ سنن دارمی باب اعتبار و ما فیہ من اشدہ افضل
الجہاد فی سبیل اللہ۔ کتاب الخراج ص ۱۲، ۴۲۔ ترمذی مناقب ابی بکر۔ فتوح الشام واقدی ص ۱۱۲،
تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۔ تاریخ الطوال ص ۱۴، ۱۱۶۔ عقد الفرید ج ۳، ص ۸۱۔ مستدرک حاکم
ج ۳ ص ۳۴۸، ج ۲ ص ۷۱۔ استیعاب تذکرہ ام ایمن ج ۱ ص ۱۲۷۔ تذکرہ ابی بکر۔ یعقوبی
ج ۲ ص ۱۴۵، ۱۴۰، ۷۴، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۰، ۱۳۸۔ طبری ۱۸۵۰، ۱۷۳۰، ۱۷۴۹، ۱۸۸۷،
۱۸۶۳، ۱۵۷۲، ۲۱۳۶، ۲۱۳۵، ۲۰۸۳، ۲۰۲۶، ۲۰۲۸، ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۳، ۲۰۴۱،
۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱، ۲۰۶۳، ۲۰۶۶ تا ۲۰۷۰۔ ج ۴ ص ۲۰۶۳، و ۲۰۷۴

Marfat.com

عہدِ فاروقی

۱۳ھ ۔ ۲۳ھ
۶۳۴ء ۔ ۶۴۴ء

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۰ ق ھ ۔ ۲۳ھ
۵۸۴ء ۔ ۶۴۴ء

نام ونسب وخاندان عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور دادا کا نام نفیل بن عبد العزیٰ تھا۔ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے۔ ان کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ مخزومی تھیں، جو خالد بن ولید کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ عدی جن سے اس قبیلہ کی شاخ چلی، مرہ کے حقیقی بھائی تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ حضرت عمر کا نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمر کا خاندان ایام جاہلیت میں ممتاز تھا۔ عدی عرب کے باہمی تنازعات میں ثالث ہوا کرتے تھے نیز سفارت کی خدمت انجام دیتے تھے۔ یہ دونوں منصب نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان میں رہے۔ عہد جاہلیت میں قریش کے یہ دونوں منصب حضرت عمر کے سپرد تھے۔ حسن اتفاق کہ اسلام کے بعد عہد رسالت و دور صدیقی دونوں میں حضرت عمر ہی منصب قضایا پر مامور رہے۔

حضرت عمر ہجرت سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تیرہ[۱۳] سال چھوٹے تھے۔ شباب کا آغاز ہوا تو شرفائے عرب کے مشاغل سپہ گری، پہلوانی، شہسواری اور نسب دانی میں مہارت حاصل کی۔ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ زمانۂ جاہلیت

میں چند لکھے پڑھے لوگوں میں ان کا شمار تھا، ذریعہ معاش تجارت تھا۔ عراق و شام کے تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔

اسلام حضرت عمر کی عمر ستائیس برس کی تھی کہ آفتاب اسلام کی کرنیں بطحاد کی گھاٹیوں پر چمکیں۔ ایک دو مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کی آیتیں تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔ کچھ وقتی تاثر ہوا، مگر جاہلیت کی عصبیت غالب آئی اور روز بروز اسلام کے خلاف، مزاج میں سختی پیدا ہوتی گئی۔ ان کی ایک لونڈی لبینہ اسلام لے آئی تھی، اس کو بری طرح مارتے۔ مارتے مارتے تھک جاتے اور وہ بھی بے ہوش ہو جاتی جب ہوش میں آتی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا اور ان کے اشتعال کی آگ پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھتی۔ طبیعت میں شجاعت اور مزاج میں تندی اور سخت گیری تھی، عزم کے پختہ، جری اور طبعاً دلیر تھے، آخر فیصلہ کر بیٹھے کہ کیوں نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیا جائے۔ اس ارادہ سے ننگی تلوار ہاتھ میں لئے گھر سے نکلے۔ اُدھر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ دعا نکل چکی تھی "خداوندا! دو عمروں میں کسی ایک سے اسلام کو سربلند فرما۔ یا تو (ابوجہل عمرو) ابن ہشام سے یا عمر بن الخطاب[1] سے"۔ اس زمانہ میں یہی دونوں اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ قسام ازل نے فلاح و سعادت ابن الخطاب کے حصّہ میں لکھ دی تھی۔ وہ ننگی تلوار لئے نبی کو قتل کرنے کے ارادہ سے جا رہے تھے۔ راہ میں نعیم بن عبداللہ ملے، تیور دیکھ کر پوچھا، خیر ہے؟ بولے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، انھوں نے کہا، پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمھاری بہن بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ طیش سے بھرے ان کے گھر کی طرف پلٹ پڑے، اس وقت فاطمہ بنت خطاب تلاوت کر رہی تھیں آہٹ پاکر قرآن کے اجزا چھپا لئے، انھوں نے پوچھا، کیا پڑھ رہی تھیں۔ بولیں، کچھ نہیں۔ کہا

---

[1] اللّٰھم اعز الاسلام بأحد العمرین اما ابن ھشام او اما عمر بن الخطاب۔

Marfat.com

میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو چکے ہو یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید بن زید پر حملہ آور ہوئے بہن بچانے کے لئے پہنچیں تو وہ بھی لہولہان ہو گئیں، بولیں "عمر! جو دل میں آئے کر لو، اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان لفظوں سے عمر کے دل پر سحر آفریں اثر پیدا ہوا، بہن کی طرف دیکھا بدن سے خون جاری تھا، رقت پیدا ہوئی، پوچھا کیا پڑھ رہی تھیں، بہن نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، جن کے آخر میں تھا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، یہ سنتے ہی بے اختیار پکار اٹھے، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں۔

اس زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا پر واقع تھا، قیام پذیر تھے۔ حضرت عمر نے آستانۂ نبوت پر آکر دستک دی شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو خیر، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر اندر داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اٹھ کر آگے بڑھے اور پوچھا کس ارادہ سے آئے ہو؟ کہا اسلام لانے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔ صحابہ نے بھی اس زور سے نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ برس پہلے پیش آیا۔

حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو طاقت حاصل ہوئی۔ اس وقت تک چالیس پچاس مسلمان تھے، مگر بے کسی کا عالم یہ تھا کہ علانیہ مذہبی فرائض ادا نہیں کر سکتے تھے، اور نہ بہتوں کو اسلام کے ظاہر کرنے کی جرأت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں عمر کے اسلام سے پہلے ہم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ علامہ کہتے ہیں اسلام اس وقت تک پردہ خفا میں تھا۔ عمر نے جرأت سے کام لیا، مشرکین کو جمع کر کے بہ آواز بلند اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا[1]۔ مشرکین سخت برہم

---

[1] اس سے پہلے یہی حضرت حمزہ بھی کر چکے تھے۔

Marfat.com

ہوئے۔ ان کے ماموں عاص بن وائل نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا لیکن حضرت عمر کی حوصلہ مند طبیعت نے اس پناہ کو قبول نہیں کیا مشرکین سے مقابلہ کرتے رہے اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حق و باطل کی جنگ میں حق سربلند ہوا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "فاروق[1]" کا لقب مرحمت فرمایا اور ۱۳ھ نبوی تک یہ مشرکین سے کھلا مقابلہ کرتے رہے۔

ہجرت جب ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو بے کس مسلمان چھپ چھپ کر مکہ سے مدینہ جاتے رہے حضرت عمر کی ہجرت کی باری آئی، تو یہ چند مسلمانوں کے ساتھ مسلح ہو کر پہلے کعبہ پہنچے، اطمینان سے طواف کیا، پھر نماز پڑھی، اس کے بعد مشرکین کو مخاطب کر کے کہا وہ ہجرت کر کے مدینہ جا رہے ہیں، جس میں ہمت ہو وہ راستہ روکنے کے لئے حدودِ حرم سے باہر نکل کر آئے، مقابلہ کرے، مگر کسی میں جرأت نہ ہو سکی۔ وہ ۱۳ھ نبوی میں مدینہ پہنچ گئے۔ پہلے قبا میں رفاعہ بن منذر کے مہمان ہوئے، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد رشتہ مواخات قائم کیا گیا تو حضرت عمر قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس عتبہ بن مالک کے دینی بھائی قرار پائے۔

قیامِ مدینہ قبل خلافت مدینہ میں حضرت عمر، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کے مشیر کاروں میں داخل ہو گئے۔ جب نماز کے لئے ندا دے کر بلانے کی تجویز زیر غور آئی، تو مختلف صحابہ نے مختلف رائے دی کسی نے بوق و ناقوس کی رائے دی، کسی نے آگ روشن کرنے کی، حضرت عمر نے ان کلمات کو بلند آواز سے پکارنے کی رائے دی جو اذان میں دہرائے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند فرمائی۔ اسی وقت آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، پھر وحی الٰہی سے بھی ان ہی کلمات اذان کی توثیق ہوئی۔

---

[1] یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والے۔

Marfat.com

اس طرح حضرت عمر کی رائے کے مطابق اس اسلامی شعار سے روئے زمین کے آفاق توحید و رسالت کی صداؤں سے تاقیامت گونجتے رہیں گے۔

اس کے بعد جب غزوات کا دور شروع ہوا، تو حضرت عمر تمام غزوات میں شریک ہو کر پیش پیش رہے۔ ۲ھ ۶۲۳ء میں غزوۂ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے خنجر سے ہلاک کیا اور بدر کے قیدیوں کے متعلق رائے دی کہ ہر رشتہ دار اپنے مشرک رشتہ دار کو قتل کرے۔ دین کی راہ میں قرابت کا خیال نہ کرنے کی مثال خود پیش کر چکے تھے لیکن جیسا کہ گذرا ان کی رائے کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر کی رائے پسند فرمائی گئی۔ ۳ھ ۶۲۴ء میں غزوۂ احد میں سردار قریش ابوسفیان کی تعلیوں کا جواب آپ نے ان ہی سے دلوایا۔ غزوۂ احد کے بعد اسی سال ۳ھ ۶۲۴ء میں ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آئیں۔ پھر ۴ھ ۶۲۵ء کے واقعہ بنو نضیر اور ۵ھ ۶۲۶ء کے غزوۂ خندق میں شریک رہے۔ خندق کی حفاظت کے لئے ایک مقام پر وہ متعین کئے گئے تھے۔ وہاں پر مسجد عمر کے نام سے ایک یادگار اب بھی موجود ہے۔ پھر ۶ھ ۶۲۷ء میں بیعت رضوان میں شریک رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس کی شرائط سے مطمئن نہ تھے۔ اسلام کی محبت و غیرت میں اس کا برملا اظہار کیا، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلا کر نئی نازل ہونے والی آیت پڑھ کر سنائی کہ خداوند تعالیٰ نے اس صلح کو کھلی ہوئی فتح و کامرانی قرار دیا، تو انھیں سکون قلب حاصل ہوا۔ ۷ھ ۶۲۸ء میں غزوۂ خیبر میں شریک رہے۔ صلح کے بعد جب خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم ہوئی تو ایک ٹکڑا ثمغ نامی ان کے حصہ میں بھی آیا۔ انھوں نے اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ یہ سب سے پہلی جاگیر تھی جو کسی مجاہد کی اسلام کی راہ میں وقف ہوئی۔ ۸ھ ۶۲۹ء میں فتح مکہ کے موقع پر، مکہ میں داخلہ کے بعد جب آپ کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف لے گئے، تو حضرت عمر کو اپنے ساتھ لیا اور جب عورتوں کی بیعت کی باری آئی: تو آپ نے حضرت عمر کو اشارہ کیا کہ تم ان کی بیعت لے لو، چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اتنے لموں کے لئے دستِ عمر گویا دستِ رسول اللہ کی منزلت میں رہا۔ پھر سنہ ۹ھ میں غزوۂ حنین میں شریک رہے، اس کے بعد جب غزوۂ تبوک کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی اعانت چاہی، تو حضرت عمر اپنے مال و متاع کا نصف حصہ لے آئے۔ سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ معیت حاصل رہا، پھر مرضِ وفاتِ نبوی کے موقع پر واقعہ قرطاس پیش آیا، اور جیسا کہ اوپر گذرا، وہ واقعہ کمالِ محبتِ رسول کی نشانی تھا۔ وفاتِ نبوی کے بعد ایسے وارفتہ ہوئے، کہ انھیں آپ کے وصال فرمانے کا یقین نہ آیا۔ حضرت ابوبکر نے سنبھالا دیا، پھر حضرت ابوبکر انھیں سقیفہ بنی ساعدہ اپنی معیت میں لے گئے اور حضرت ابوعبیدہ کے ساتھ ان کا نام بھی خلافت کے لئے پیش کیا اور انھی نے پیش دستی کرکے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

عہدِ رسالت و دَورِ صدیقی دونوں میں یہ منصب قضاء پر فائز رہے۔ حضرت ابوبکر نے اپنے دورِ خلافت میں انھیں مدینہ سے باہر جانے نہیں دیا۔ وہ سبھی لائقِ مشورہ امور میں پہلے ان ہی سے مشورہ کرتے تھے۔ اس دَور میں ان کی خدمتیں اور مشغولیتیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں وزارتِ عظمٰی کے منصب کے فرائض کے مانند تھیں۔ حضرت ابوبکر نے انھیں بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا، اس لئے انھیں اپنا جانشین مقرر کرتے وقت مجمع عام میں کہا کہ "میں نے اپنے بھائی یا لڑکے کو جانشین نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کو بنایا ہے جو تم سب لوگوں میں بہتر ہے۔"

بیعتِ خلافت

بیعت و خطبۂ خلافت حضرت امیرالمومنین عمر فاروق نے اواخر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو مسند آرائے خلافت ہوئے۔ رسمِ بیعت کے بعد انھوں نے منبر پر کھڑے ہوکر پہلا خطبۂ خلافت دیا جس میں یہ بھی فرمایا:-

"عرب کی مثال اس اونٹ کی ہے، جو اپنے ساربان کا مطیع ہو،"

کے رہنما کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ میں

Marfat.com

ربِّ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ تم کو راہِ مستقیم[1] یعنے سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق اپنے زمانۂ خلافت میں "خلیفۂ رسول اللہ" کہے جاتے تھے۔ حضرت عمر کی حیثیت خلیفۂ رسول اللہ" کی ہوئی، اس لئے اس لقب کو ترک کر دیا گیا اور "امیر المومنین" کا لقب اختیار کیا گیا اور یہی لقب پھر خلفائے اسلام کے لئے برقرار رہا۔ اس طرح اسلام میں سب سے پہلا خطاب "امیر المومنین" حضرت عمر فاروق ہی کو حاصل ہوا۔

فتوحاتِ عراق و ایران

مہم عراق جیسا کہ اوپر گذرا، ایرانیوں کے حملہ کی تیاریوں کی خبر سن کر مثنیٰ والیٔ عراق مدینہ میں کمک کے لئے آئے ہوئے تھے، اور حضرت ابوبکر نے بستر مرگ ہی سے حضرت عمر کو مثنیٰ کی رائے کے مطابق عراق کے لئے فوج اکٹھا کرنے کی ہدایت دے دی تھی، چنانچہ حضرت عمر نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی مہم عراق پر توجہ رکھی اور جو قبائل بیعت خلافت کے لئے آتے گئے انھیں مہم عراق میں شریک ہونے کی دعوت دی، لیکن اس وقت خلیفۂ اول کے سانحۂ ارتحال کی وجہ سے مسلمانوں پر جمود و اضمحلال کی کیفیت طاری تھی، وہ امارت کی تبدیلی سے پیدا ہونیوالے اثرات کے لئے بھی فکرمند تھے، پھر ایرانی سطوت کا قدیم اثر بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، اس لئے مسلمانوں میں مہم عراق کے لئے کوئی جوش و خروش پیدا نہیں ہوا اور لوگ ایک دوسرے کی طرف سے پہل ہونے کا انتظار کرتے رہے، حضرت عمر نے یہ کیفیت دیکھی، تو نئے جوش و خروش سے جہاد کا

---

[1] قرآن مجید میں تمام اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کی تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (سورہ الانعام ۶، ع ۱۱، آیہ ۱۵۳) اور بلاشبہ یہی میری سیدھی راہ ہے، پس اسی کا اتباع کرو۔ اور اسی راہِ مستقیم کو پانے کے لئے ہر مسلمان کو پانچ وقتوں کی نمازوں میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت فرما) کی دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

Marfat.com

وعظ کہا اور مثنیٰ نے کھڑے ہو کر یوں ہمت دلائی کہ " مسلمانو! میں مجوسیوں کو آزما چکا ہوں، وہ مرد میدان نہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لئے ہیں، ان کے زرخیز علاقے ہم ان سے چھین چکے ہیں، عجم ہمارا لوہا مان چکے ہیں " مجمع میں قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبید بھی تھے۔ انھوں نے جوش میں آگے بڑھ کر کہا " ہم اس خدمت کے لئے حاضر ہیں " پھر بڑھ کر جہاد عراق میں شریک ہونے کے لئے بیعت کی، مجمع میں جوش و خروش پیدا ہوا اور لوگ شرکت کے لئے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ نے پانچ ہزار سپاہیوں کا لشکر تیار کیا، ابو عبید ثقفی کو اس کی قیادت سپرد کی، اگرچہ وہ صحابی نہ تھے، اور فوج میں صحابہ کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ لیکن ان کے صرف پہل کرنے کی وجہ سے ان کو اس امتیاز سے نوازا اور صحابہ کے متعلق انھیں ہدایت کی کہ ان کے مرتبہ کا لحاظ اور ان کو مشوروں میں شریک رکھیں گے۔

اُدھر ایرانی فرماں روا ارزمی دخت عہد صدیقی میں عراق کے زرخیز اضلاع کے ہاتھ سے نکل جانے اور مجاہدین کے ایرانیوں کے تعاقب میں پایہ تخت مداین کی سرحد تک پہنچ کر دستک دینے سے اچانک ہوش میں آئی، اس نے گورنر خراسان فرخ زاد کے بیٹے رستم کو جو شجاعت و تدبیر میں ناموری حاصل کر چکا تھا، پایہ تخت میں طلب کیا اور اس کو وزیر جنگ مقرر کر کے جنگ کی پوری ذمہ داری اس کے ہاتھ میں سونپ دی۔ رستم نے اپنے حسنِ تدبیر سے ایرانیوں میں اتحاد و اتفاق اور مذہبی حمیت کی ایک نئی روح پھونکی، آپس کی نااتفاقیاں اور سلطنت کی تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور دولت کیانی ایک تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی پچھلی شان و شوکت اور عظمت و طاقت کا دار دورہ شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ رستم نے اضلاع عراق میں نقیب و مبلغین دوڑا دیئے، جنھوں نے قومی حمیت و عصبیت اور مذہبی جوش دلا کر دریائے فرات کے ساحلی اضلاع میں، جو اسلامی مقبوضات میں داخل ہو چکے تھے، بغاوت کرا دی، اور ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے یہ پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، پھر ایک فوج گراں تیار کر کے دو آزمودہ کار سپہ سالار نرسی اور جاپان کی سرکردگی میں

Marfat.com

عراق کو اسلامی لشکر سے خالی کرانے اور اسلامی حکومت کے اثرات کو یہاں سے مٹانے کے لئے روانہ کی جو دو مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھی، ان میں سے جاپان اپنے لشکر کے ساتھ نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا اور نرسی نے کسکر میں ڈیرے ڈال دیئے۔

جنگ نمارق وسقاطیہ ادھر ابو عبید اور مثنیٰ شیبانی جب حیرہ پہنچے اور حالات سازگار نظر نہ آئے، تو مصلحتاً حیرہ سے خفان ہٹ آئے، پھر پیش قدمی کرکے حملہ کے لئے بڑھے، نمارق میں صف آرائی ہوئی۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر دو نامور سالار جوشن شاہ و مردان شاہ تھے، خون ریز جنگ ہوئی، مردان شاہ قتل کیا گیا، ایرانیوں کو ہزیمت ہوئی اور خود جاپان قبیلہ ربیعہ کے ایک فوجی کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ گرفتار کرنے والا اس کو پہچانتا نہ تھا، اس نے اس سے کہا میں بوڑھا ہوں تمہارے کس کام کا ہوں گا مجھے امان دے دو میں تمہیں دو جوان غلام دوں گا، مسلمان فوجی نے اس کی شرط منظور کرلی، اس اثناء میں جاپان پہچان لیا گیا، مسلمانوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن خدا کو چھوڑنا نہیں چاہیئے، لیکن ابو عبید نے کہا، اسلام میں بدعہدی جائز نہیں، اس کے بعد اس کو اس کی فرودگاہ تک پہنچا دیا گیا۔

اس کے بعد ایرانیوں کی شکست خوردہ فوج کسکر پہنچ کر نرسی کی فوج سے جا ملی ابو عبید نے بھی اسی طرف رخ کیا، سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ یہ ایرانیوں کا اہم لشکر تھا، کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ و میسرہ پر تھے، اور خود سپہ سالار نرسی، کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا، شاہی خاندان کے ان سالاروں کی موجودگی کے باوجود اس لشکر نے بھی شکست فاش کھائی۔

واقعہ جسر رستم نے ان دونوں شکستوں کا حال سن کر ایک تازہ دم لشکر بہمن کی سرکردگی میں اس شان سے روانہ کیا، کہ ایرانی فتح و ظفر کا مقدس نشان درفش کاویانی اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ فرات کے مشرقی ساحل پر مقام مروحہ میں یہ فوج اتری جہاں دریا کے دوسرے کنارے پر ابو عبید اپنا لشکر لئے تھے، بہمن نے کہلایا کہ وہ اپنی فوج لے کر مشرق کی جانب

Marfat.com

آئیں یا وہ خود دریا پار کر کے اس کنارے آتا ہے۔ ابو عبید نے فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا، لیکن فوج کے ممتاز افسر مثنیٰ وسلیط وغیرہ نے اس کی سخت مخالفت کی لیکن ابو عبید کو اپنی رائے پہ اصرار رہا، اور پُل تیار کر کے فوج کو اس پار اُتار دیا۔ اس پار کا میدان تنگ و ناہموار تھا، مسلمانوں کو صحیح ترتیب سے فوج کو آراستہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، دوسری طرف ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ کوہ پیکر ہاتھیوں پر سوار کی لمبی ٹوپیاں پہنے ہوئے سوار صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی دیکھا نہیں تھا، بُری طرح بدک گئے ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کوئی زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو، اور ہودوں کو سواری سمیت اُلٹ دو۔ اس آواز پر لوگ گھوڑوں سے اُتر پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرانے لگے لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے، صف کی صف پس جاتی تھی، ابو عبید یہ دیکھ کر ایک پیل سفید پہ حملہ آور ہوئے اور سونڈ پہ تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پہ پاؤں رکھ دیئے، کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔ ان کے بھائی حکم نے بڑھ کر علم ہاتھ میں لیا، ہاتھی نے ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح خاندان ثقیف کے سات آدمی باری باری علم ہاتھ میں لیتے گئے اور مارے گئے، آخر میں علم مثنیٰ کے ہاتھ میں آیا اب ایرانی بڑھتے اور مسلمان پیچھے ہٹتے گئے۔ ایک ثقفی نوجوان عبداللہ بن مرثد نے پیچھے جا کر پُل کی رسیاں کاٹ دیں، کہ مسلمان واپسی کا خیال چھوڑ دیں، مگر بدحواسی میں مسلمان دریا میں کود پڑے اور چار ہزار سے زیادہ سپاہی غرقاب ہو گئے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پُل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیج کر لوگوں کو پار کرایا اور خود پچھلی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ ایرانیوں کا ریلا تھم گیا، وہ پھر آگے نہ بڑھ سکے، اور مثنیٰ بچی ہوئی فوج کو پار اُتار کر واپس لے آئے جو نو ہزار میں سے صرف تین ہزار باقی رہ گئی تھی، عربی میں پُل کو جسر کہتے ہیں، یہ لڑائی واقعہ جسر کے نام سے موسوم ہوئی جو ماہ رمضان ۱۳ھ ۶۳۴ء میں

Marfat.com

میں برپا ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست سے سخت صدمہ ہوا انھوں نے نقیبوں اور خطیبوں کو تمام عرب میں بھیج دیا جنھوں نے اپنے پرجوش خطبوں سے عرب میں ایک آگ لگادی شوق جہاد اور قومی حمیت سے عرب قبائل سرشار ہو گئے بہت سے قبیلے اپنی اپنی جمیعت لے کر مدینہ کی سمت روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ قبائل بنو تغلب جو اب تک عیسائی تھے، قومی حمیت سے بیخود ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ آکر حضرت عمرؓ سے عرض کی کہ یہ عرب و عجم کا قومی معرکہ ہے وہ اس سے علیحدہ نہیں رہ سکتے، حضرت عمرؓ نے پہلا لشکر جریر بن عبداللہ بجلی کی سرکردگی میں مثنیٰؓ کی مدد کے لئے میدانِ کارزار کی طرف روانہ کر دیا، اس اثنا میں مثنیٰؓ نے بھی عراق کے عرب قبائل پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی تھی۔ مثنیٰؓ نے اس پورے لشکر کو لے کر مقام بویب میں پڑاؤ ڈالا، جو کوفہ کے قریب آباد تھا۔

جنگ بویب
رمضان ۱۳ھ ۶۳۵ء

ادھر رستم نے ایک آزمودہ کار جنرل مہران بن ہرویہ ہمدانی کو جس نے عرب میں تربیت پائی تھی، کسریٰ کی فوج خاصہ کے بارہ ہزار جوانوں کے ساتھ عراق کی مہم پر روانہ کیا، جو اسلامی لشکر کے بالمقابل فرات کے مشرقی ساحل پر اترا۔ مہران نے مثنیٰؓ کو پیام دیا کہ یا تو ہم کو اس پار آنے دو یا خود اس پار آجاؤ۔ واقعہ جسر کی یاد تازہ تھی، مثنیٰؓ نے جواب دیا کہ تم خود اس پار آجاؤ۔ مثنیٰؓ نے حضرت خالدؓ کے طریق پر صف آرائی کی، کچھ جانباز دوسری تکبیر پر صف سے آگے نکل آئے۔ مثنیٰؓ نے ان کو روکا۔ قاعدہ تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ شروع ہوتا تھا۔ کہا گیا کہ یہ جانباز واقعہ جسر کے فراری ہیں، اور اس لڑائی میں بڑھ کر جام شہادت نوش کرنا چاہتے ہیں۔ جنگ شروع ہوئی۔ ایرانی لشکر بھی بڑی بے جگری سے لڑا، مگر مثنیٰؓ اپنا خاص دستہ لئے مہران کے میمنہ پر حملہ آور ہوئے اور قلب تک پہنچ گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے، کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰؓ نے للکار کر آواز دی تو پھر پلٹے عین اس حالت میں مثنیٰؓ کے مشہور شجاع بھائی مسعود زخمی ہو کر

Marfat.com

گرے اور دم توڑ دیا، مثنیٰ نے آواز دی "میرا بھائی مارا گیا، شرفاء ایسے ہی مرتے ہیں، دیکھو علم جھکنے نہ پائے" پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک عیسائی سردار انس بن ہلال بڑی جاں بازی سے لڑا، زخمی ہو کر گرا تو مثنیٰ نے گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا اور بھائی کے پہلو میں لٹا دیا۔ اب عجم کا قلب لشکر اپنی بربادی کے لئے سامنے آیا۔ شہر براز ایک نامی قائد، قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مہران ابھی تک ثابت قدم تھا، بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا۔ ایک تغلبی نوجوان نے مہران پر قابو پا کر اس کو قتل کر ڈالا اور اچھل کر اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا "میں ہوں تغلب کا نوجوان اور سپہ سالار عجم کا قاتل!" اب مطلع صاف ہو چکا تھا، مثنیٰ نے پل کے پاس پہنچ کر راستہ روک دیا، ایرانی میدان میں بھاگے بھاگے پھرے اور جدھر گئے ادھر قتل کئے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی لاشوں سے میدان پٹ گیا، مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی میں اس قدر بے شمار لاشیں میدان میں نہیں پڑیں، مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر سے گذر ہوتا، تو ہڈیوں کا ایک انبار نظر آتا تھا، یہ لڑائی ماہ رمضان ۱۴ھ ۶۳۵ء میں ہوئی اور عربوں کے دل سے عجمیوں کا رعب ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا۔

مقام بویب اس جگہ سے قریب تھا جہاں آج کل بغداد آباد ہے۔ اس زمانہ میں وہاں پر ایک بڑا بازار لگتا تھا، مثنیٰ نے عین بازار کے دن اس پر حملہ کیا، لوگ جان بچا کر بھاگ گئے اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ عراق کے اس علاقہ میں سورا، کسکر، صراۃ، فلالج وغیرہ آباد تھے یہ پورا علاقہ اسلامی پرچم کے زیر نگیں آ گیا۔

یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی نئی تیاریاں

ایرانیوں کی بویب میں اس شکست سے دار السلطنت میں ہلچل مچ گئی، عام خیال تھا کہ عورت کے تاج و تخت کے مالک ہونے کی وجہ سے منصبوں اور اقتدار کے حصول میں امراء کی ساری توجہ صرف ہو جاتی ہے، رستم کا بھی ایک زبردست حریف فیروزن پیدا ہو گیا تھا۔ یہی دونوں رستم و فیروزن

Marfat.com

ارزمی دخت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے، درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو پہلے تم دونوں کے وجود کا خاتمہ کر دیا جائے گا، وقت کی نزاکت کا انھیں بھی احساس ہوا، اتفاق عام سے خاتون حکمران کو جس کے سہارے ارباب اقتدار حکومت کرتے تھے، تخت سے اُتار کر خاندانِ کسریٰ کے تنہا نوجوان وارث یزدگرد کے سر پہ تاج رکھا گیا اور اس کے تخت نشیں ہوتے ہی کیانی تاج و تخت پہ نثار ہونے والے پروانے ٹوٹ پڑے، اور پوری سلطنت نئے سرے سے جوان ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہاں تک کہ عراق کے ان مرزبانوں نے بھی جو اسلامی اطاعت قبول کر چکے تھے، نئے سرے سے کیانی پرچم کو لہرا دیا۔

حضرت عمر کی جوابی تدبیریں حضرت عمر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے بھی ایک اہم قدم اٹھایا، سب سے پہلے مثنیٰؓ کو ہدایت بھیجی، کہ وقت کی مصلحت کا تقاضا ہے، کہ وہ عراق کو خالی کر کے عرب کی سرحد میں چلے آئیں اور ربیعہ و مضر کے قبائل کے متعلق جو عراق میں پھیلے ہوئے تھے، لکھا کہ ان کو طلبی کا حکم بھیج دیا جائے کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں، اور مدینہ کی کمک کا انتظار کریں۔

اس کے ساتھ حضرت عمر نے بڑے سر و ساماں سے فوجی تیاریاں شروع کیں، عام فوجی بھرتی کا فرمان نشر کیا۔ قبائل کے نامی شہسواروں، شاعروں اور خطیبوں کو مدینہ بلوایا اور قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا، حضرت عمر نے لشکر ترتیب دے کر مقدمہ، میمنہ و میسرہ میں تقسیم کیا اور حضرت طلحہ، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف کو ان کا افسر بنایا اور حضرت علی کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود اپنی سپہ سالاری میں لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، ایک زمانہ کے بعد ایسا لشکر تیار ہوا تھا ستر صحابہ ایسے تھے، جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ تین سو صحابہ ایسے تھے، جنھیں بیعتِ رضوان کا شرف حاصل تھا اور اسی طرح ایسے بیشتر صحابہ تھے جو فتح مکہ کے وقت موجود تھے۔ عین صرار پہنچ کر جو مدینہ سے تین

Marfat.com

میل کے فاصلہ پر ایک چشمہ تھا قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر اکابر صحابہ کی رائے ہوئی، کہ امیر المومنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا مصلحت کے لحاظ سے مناسب نہیں پھر سوال اٹھا، کہ یہ بارگراں کس کے سپرد کیا جائے۔ نگاہِ انتخاب حضرت علی پر اٹھی، لیکن جب ان سے درخواست کی گئی، تو انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، بالآخر حضرت عمر نے اس لشکر کی کمان حضرت سعد بن ابی وقاص کے سپرد کی اور انھیں ہدایت فرمائی، کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ڈالا جائے وہاں کے مفصّل حالات لکھ کر انھیں وہ بھیج دیا کریں گے اور ان کی آئندہ ہدایتوں کا انتظار کیا کریں گے۔

لشکر کی روانگی اور شراف میں قیام چنانچہ سعد بن ابی وقاص، عراق سے عجمی حکومت کو ختم کرنے کے لئے بیس ہزار سپاہ پر مشتمل لشکر لے کر روانہ ہوئے ستر ہ اٹھارہ منزلیں طے کر کے عراق کے اندر مقام ثعلبہ میں قیام کیا، پھر وہاں سے چل کر مقام شراف میں پڑاؤ ڈالا، اور حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے انھیں مطلع کیا حضرت عمر ایام جاہلیت میں عراق کا بار بار سفر کر چکے تھے، اور اس کے چپہ چپہ سے واقف تھے، انھوں نے جواب میں ایک مفصّل ہدایت نامہ بھیجا جس میں لشکر کی ترتیب و تقسیم، فوج کی نقل و حرکت اور حملہ کے بندوبست کی جزئیات درج تھیں۔

مثنیٰ کی رحلت اور ان کی فوج کا شراف میں داخلہ ادھر مثنیٰ ذی وقار میں اسلامی کمک کا انتظار کر رہے تھے کہ شراف میں اسلامی لشکر کے پڑاؤ ڈالنے کی اطلاع انھیں ملی۔ انھوں نے جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے، بگڑتے گئے، اور آخر اسی کے صدمہ سے انتقال کیا، جب انھیں زندگی سے مایوسی ہوئی تھی تو انھوں نے اپنے بھائی معنیٰ کو وصیت کی کہ ان کی فوج کو جو آٹھ ہزار تھی، سعد کے پاس شراف پہنچا دیں، اور حضرت سعد کے لئے جو چند ضروری مشورے تھے وہ بھی انھیں سمجھا دیئے۔ ان کی وفات کے بعد معنیٰ فوج کے ساتھ حضرت سعد سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، سعد سے بیان کئے۔

قادسیہ کا انتخاب حضرت سعد نے حضرت عمر کے احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا

جائزہ لیا، جو لگ بھگ تیس ہزار ٹھہری، پھر میمنہ و میسرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جدا جدا افسر متعین کئے، پھر فرمان خلافت آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو جو کوفہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے، اور اس طرح مورچے جماؤ، کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے، حضرت سعد شراف سے عذیب پہنچے، یہاں ایرانیوں کا میگزین ہاتھ آیا، پھر قادسیہ پہنچے اور سرزمین کا پورا نقشہ مرتب کرکے دربار خلافت میں بھیجا، وہاں سے ضروری ہدایتیں آئیں اور ایرانیوں کے متعلق اطلاع ملی کہ رستم مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہوا ہے' حضرت سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی، تو فرمان آیا کہ لڑائی سے پہلے انھیں اسلام لانے کی ترغیب دینے کے لئے سفارت بھیجی جائے۔

دربار کسریٰ میں اسلامی سفارت حضرت سعد نے نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں چودہ ۱۴ نامور اشخاص کو منتخب کرکے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا۔ مدائن، قادسیہ سے تیس ۳۰ چالیس میل تھا، سفراء گھوڑا دوڑاتے ہوئے مدائن پہنچ گئے، شہنشاہ یزدگرد نے تزک و احتشام سے دربار سجایا۔ سفراء عربی جبے پہنے، موزے چڑھائے، ہاتھوں میں کوڑے لئے درباری عیش و تنعم کے ساز و سامان اور آداب و مراسم سے بے نیاز دربار میں پہنچ گئے۔ ابتدائی بات چیت کے بعد یزدگرد نے پوچھا "یہاں کیوں آئے ہو؟" نعمان بن مقرن نے جواب میں اسلام کی تعلیمات بیان کیں اور کہا "اگر تم اسلام لے آؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمھارے حوالے کر دیں گے کہ اس کے مطابق چلو، اور ہم تم کو اور تمھارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، ورنہ دوسری صورت جزیہ یا تلوار کی ہے" یزدگرد نے جواب میں ذرا تیز ہو کر کہا "تم کو یاد نہیں، تم سے زیادہ ذلیل و بدبخت کوئی قوم نہ تھی، جب تم کبھی سرکشی کرتے تھے تو سرحدی حکام تمھیں سرزنش کر دیتے تھے۔ دو چار فتوحات سے دھوکے میں نہ آؤ، اگر مفلسی و قحط سالی کی وجہ سے غارت گری شروع کی ہے تو ہم تمھیں کچھ دے بھی سکتے ہیں، تم واپس جاؤ، ہم تمھارے اوپر ایک حاکم مقرر کر دیں گے، جو تمھارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا" یہ سن کر سفراء میں سے مغیرہ بن زرارہ سے ضبط نہ ہو سکا، وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور

Marfat.com

اپنے رفقاء کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ لوگ رؤسائے عرب ہیں، اپنے حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ باتیں نہیں کر سکتے، کہنے کے قابل کچھ باتیں رہ گئی ہیں، ان کو میں بیان کرتا ہوں یہ سچ ہے کہ ہم بخت دگمراہ تھے .... لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا۔ اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی، وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے، وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ اس کی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو، جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں، جس کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں، وہ اسلام کی حمایت میں ہیں، جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو، اس کے لئے تلوار ہے۔"

یزدگرد غصہ سے بے تاب ہو گیا، اس نے پوچھا، تم نے ان الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا، مغیرہ نے کہا "جس نے ہمیں مخاطب کیا تھا، وہی میرا بھی مخاطب ہے۔" وہ بولا "اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا، تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا، جاؤ اپنے سردار سے کہہ دو" رستم آ رہا ہے، وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کے خندق میں دفن کر دے گا" یہ کہہ کر ایک ٹوکرا مٹی منگائی اور اپنے خیال میں ذلیل کرنے کے لئے ایک معزز سفیر کے سر پر رکھ کر دربار سے چلا دیا، یہ لوگ گھوڑے دوڑاتے ہوئے سعد کے پاس واپس آئے اور کہا "فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی۔"

اس کے بعد یزدگرد نے رستم کو جنگ شروع کرنے کا فرمان بھیجا، مگر وہ لڑائی کو ٹالتا رہا۔ ادھر اسلامی لشکر آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے اور سامانِ رسد اور مویشی لے آتے، آس پاس کی رعایا یزدگرد کے پاس پہنچی کہ یا تو ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم عرب کے مطیع ہو جائیں گے، چار و ناچار رستم کو مقابلہ کے لئے بڑھنا پڑا، رستم کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ بیس ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ قادسیہ آ کر اس نے مورچے جمائے۔ حضرت سعد نے غنیم کے حالات

Marfat.com

معلوم کرنے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ ایک دفعہ ایک قائد طلیحہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی، اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا، گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا، ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا، انھوں نے خالی دیا، وہ زمین پر گرا، انھوں نے جھک کر برچھی ماری، کہ سینہ کے پار ہو گئی دو اور سوار تھے، ان میں سے ایک اور مارا گیا، دوسرے نے قیدی بن کر ساتھ چلنے کو کہا اتنے عرصہ میں ایرانی لشکر میں ہلچل مچ گئی، مگر طلیحہ قیدی کو ساتھ لئے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا مسلم نام رکھا گیا۔ اس کے ذریعہ ایرانی لشکر کے بہت سے مخفی راز معلوم ہوئے۔

رستم نے قادسیہ پہنچ کر بھی صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ ربعی اور مغیرہ دو مرتبہ سفیر بن کر گئے، لیکن جب صلح سے مایوسی ہوئی اور آخری بات جو تھی اور تلوار ہی کی رہی تو رستم بپھر پڑا اور جوش میں آکر قسم کھائی، کہ "آفتاب کی قسم! اب تمام عرب کو ویران کر دوں گا"

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ
محرم ۱۴ھ ۶۳۵ء

رستم نے غضب ناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور خود رات بھر لڑائی کی تدبیروں میں مصروف رہا۔ بیچ میں ایک نہر حائل تھی، صبح ہوتے ہوتے اس پر سڑک تیار کر دی گئی۔ محرم ۱۴ھ ۶۳۵ء میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، رستم نے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب میمنہ و میسرہ کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ خبر رسانی کے لئے موقع جنگ سے مدائن تک کچھ کچھ فاصلہ پر آدمی بٹھا دیئے، موقع جنگ کا آدمی چلا کر بات کو دوسرے تک پہنچاتا اور فاصلہ بہ فاصلہ خبر مدائن پہنچ جاتی، اور رستم نے خود دوہری زرہیں پہنیں خود سر پر رکھے، ہتھیار لگائے، اسپ خاصہ پر سوار فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی، ادھر حضرت سعد عرق النساء کے مریض تھے، خود ایک پرانے قصر کی چھت پر سامنے بیٹھ گئے۔ خالد بن عرفطہ کو سپہ سالار بنایا، جو حکم دینا ہوتا، پرچیوں میں لکھ کر نیچے گراتے اور خالد ان کے مطابق عمل کرتے جنگ شروع ہونے سے پہلے عرب کے مشہور خطیب و شعراء صفوں سے نکلے اور اپنی آتش بیانی

سے فوج میں آگ لگادی، پھر سعد نے تکبیر کے تین نعرے مارے، فوج آگے بڑھی، اُدھر سے ایک قدر انداز قائد، سج دھج سے آگے بڑھا، ادھر سے عمرو معدی کرب مقابلہ میں نکلے اور اس کے تیر کے نشانہ کو خالی دے کر گھوڑا بڑھایا اور قریب پہنچ کر کمربند میں ہاتھ ڈال کر، معلق اُٹھا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑادی، اس کے بعد چند اور بہادروں نے شجاعت کے جوہر دکھلائے پھر عام جنگ شروع ہوئی، ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر ہاتھیوں کو ریلا، یہ کالے پہاڑ خوفناک منظر پیش کئے تھے، سعد نے یہ رنگ دیکھ کر قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو طلیحہ نے کمان ہاتھ میں لی، اور ہاتھیوں پر چل پڑے، اور یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی، شام تک یہ ہنگامہ رہا، جب تاریکی چھا گئی، تو دونوں فریق میدان سے ہٹے۔

دوسرے دن لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا، گرد پھٹی تو معلوم ہوا ابو عبیدہ نے عمر کے حکم سے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں، چھ ہزار سپاہی سعد کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں آئے تھے، ہراول دستہ قعقاع کی رکاب میں تھا، اس اثناء میں صف بندی ہو چکی تھی۔ قعقاع نے آتے ہی ایرانیوں کو للکارا، ادھر سے بہمن نکلا، قعقاع نے کہا "دیکھنا ابو عبید (واقعہ جسر کے سپہ سالار) کا قاتل جانے نہ پائے" کچھ دیر کے مقابلہ کے بعد بہمن مارا گیا، پھر قعقاع نے ایک دوسرے نامی سردار بزرجمہر کو قتل کیا، اعور بن قطبہ نے سیستان کے شاہزادے شہربراز کو ختم کیا، پھر زور کا رن پڑا، پھر قعقاع نے اونٹوں پر جھول اور برقعے ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنادیا، یہ مصنوعی ہاتھی ایرانی سواروں کے رُخ پر آگئے اور ان کے گھوڑے بدک کر ان کے قابو سے نکلنے لگے، اس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، ایک عرب شاعر ابو محجن ثقفی شراب نوشی کے جرم میں قید تھا، دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا، شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہو گیا، سعد کی بیوی سلمیٰ سے کہا "خدا کے لئے اس وقت مجھے چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمیٰ نے انکار کیا، وہ حسرت کے ساتھ پر درد لہجہ میں اپنے چند اشعار پڑھتا رہا، سلمیٰ

متاثر ہوئی اور خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں، وہ ہتھیار بند ہو کر سعد کے گھوڑے پر سوار میدانِ جنگ میں پہنچا اور جس طرف نکل گیا، صف کی صف اُلٹ دی، لوگ حیران تھے کہ یہ کون ہے شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر خود بیڑیاں پہن لیں سلمیٰ نے یہ حالات سعد سے بیان کئے۔ انھوں نے اس کو اسی وقت رہا کر دیا کہ "خدا کی قسم جو مسلمانوں پر یوں نثار ہو، میں اس کو سزا نہیں دے سکتا" ابو محجن نے کہا "خدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ اس دن دو ہزار مسلمان شہید اور دس ہزار ایرانی مقتول ہوئے" تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسری شب کو چند رسالے اور پیدل شام کی طرف نکل گئے۔ پو پھٹتے ہی سو سو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئے اور جو رسالہ آیا اللہ اکبر کے نعرے کا غل پڑ گیا۔ حسنِ اتفاق ہشام کی سرکردگی میں سات سو سواروں کا دستہ بھی واقعی اسی موقع پر شام سے آگیا۔ ایرانیوں کو یقین آیا کہ شام سے بڑی کمک آپہنچی ہے۔ ایرانی اس دن ہاتھیوں کو حرکت میں لائے، جس طرف رُخ کرتے، دَل کا دَل پھٹ جاتا۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب کوہ پیکر اور سب ہاتھیوں کے سردار تھے۔ سعد نے قعقاع، عاصم، حمال اور ربیل کو بلا کر کہا، یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے، کہ اس بلائے سیاہ کو دور کر دو۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجے کہ ان دونوں ہاتھیوں کو نرغہ میں لے لیں۔ پھر قعقاع اور عاصم پیل سفید کی طرف بڑھے دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا، ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی، سونڈ مستک سے الگ ہو گئی، پھر ربیل اور حمال نے دوسرے ہاتھی پر حملہ کیا، وہ زخم کھا کر بھاگا، ان دونوں ہاتھیوں کے پیٹھ پھیرتے ہی تمام ہاتھی ان کے پیچھے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔ اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ زمین دہل پڑی، شام کا جھٹپٹا چھا گیا مگر لڑائی نہ تھم سکی، رات کی اندھیاری میں بھی کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔ صبح کو قعقاع نے پکار کر کہا۔ ایک گھڑی کا صبر اور درکار ہے، کامرانی ہمارے قدم چومنے آرہی ہے، مجاہدین جم کر لڑتے رہے ظہر سے پہلے

Marfat.com

ایرانی لشکر کے دونوں بازو میمنہ و میسرہ شکست کھا گئے، اب سارا زور قلب لشکر پر تھا درفش کاویانی چھین لیا گیا، رستم تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا، آخر زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا، ہلال بن عرفہ نے تعاقب کیا، ایک نہر سامنے آگئی، رستم کود پڑا ساتھ ہی ہلال بھی کودا اور ٹانگیں پکڑ کر پانی سے کھینچا اور تلوار سے کام تمام کر دیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو گیا، ہلال پلٹ کر آیا اور تخت پر چڑھ کر آواز دی "رستم کا کام میں نے تمام کر دیا" تخت کو سپہ سالار سے خالی پاکر ایرانی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، مسلمانوں نے دور تک پیچھا کیا اور ہزاروں لاشیں بچھا دیں۔ چند جاں باز ایرانی سرداروں شہریار بن الہربد، فرخان اہوازی اور خسرو شنوم ہمدانی نے میدان نہیں چھوڑا اور لڑکر جان دی، ایرانیوں کے کشتوں کی تعداد تیس[3] ہزار رہی مسلمان بھی چھ سے آٹھ ہزار تک کم و بیش شہید ہوئے۔

حضرت سعد نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا، انھیں اس جنگ کے نتیجہ کی سخت فکر تھی وہ روزانہ صبح کو قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکلتے اور دوپہر کو واپس آتے معمول کے موافق نکلے تھے، کہ اُدھر سے ایک شتر سوار آتا دکھائی دیا، جب معلوم ہوا سعد کا قاصد ہے اس سے حالات پوچھنے لگے، وہ سواری کو تیزی سے لئے آرہا تھا، حضرت عمر رکاب کے برابر دوڑتے جاتے اور حالات سنتے جاتے تھے، مدینہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا، ناقہ سوار یہ سنتے ہی سہم کر ادب سے بولا، "اللہ رحم کرے، حضرت نے اپنا نام کیوں نہ بتایا" انھوں نے فرمایا "کچھ ہرج نہیں، تم اپنا سلسلۂ کلام نہ توڑو" اسی طرح رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے، پھر مجمع عام میں مژدۂ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی اور مدینہ کے کوچہ و بازار میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اس کے بعد سعد کا ایک دوسرا مکتوب آیا کہ بہت سے لوگ زبردستی ایرانی فوج میں داخل کر لئے گئے تھے، وہ امان کے طالب ہیں، حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد ہدایت

بھیجی کہ امان دے دی جائے، اور جو لوگ گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں انھیں اختیار دیا جائے کہ وہ ذمی بن کر اپنے گھروں میں آکر آباد ہو جائیں۔

فتح ابلہ شہر بصرہ کی بناء

اس کے ساتھ حضرت عمرؓ نے آٹھ سو سپاہیوں کا ایک لشکر عتبہ بن غزوان کی سالاری میں شہر ابلہ کی طرف بھیجا تھا، تاکہ جنگ قادسیہ کے مفرورین اسلامی لشکر پر پشت سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔ ان لوگوں نے اس جگہ ڈیرے ڈالے جہاں بعد میں شہر بصرہ آباد ہوا۔ عتبہ نے ۱۴ھ ۶۳۵ء میں شہر ابلہ فتح کر لیا، اور جس مقام پر اس لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں پر اسلامی فوج کے لئے ایک مستقل چھاؤنی قائم کر لی گئی اور یہی موجودہ شہر بصرہ کی بناء و تاسیس کی داغ بیل تھی۔

چند اہم شہروں پر قبضہ ۱۵ھ ۶۳۶ء

حضرت سعد نے فتح قادسیہ کے دو مہینوں کے بعد ۱۵ھ ۶۳۶ء میں اپنی فوجی نقل و حرکت شروع کی، سب سے پہلے مقام برس پر غنیم کا مقابلہ ہوا، یہاں ایرانی سالار ہرمز فوج لئے پڑا تھا، وہ مقابلہ نہ کر سکا، بابل کی طرف بھاگ گیا۔ بصیری سدراہ ہوا۔ میدان جنگ میں زخم کھا کر اس نے بھی بابل کی راہ لی۔ شہر کے رئیس بسطام نے صلح کر لی اور برس اسلامی قبضہ میں آگیا دوسرا مرحلہ بابل پر کیا گیا۔ یہاں کئی ایرانی نامی قائد فیروز، ہرمزان، مہران، مہراجان وغیرہ موجود تھے، لیکن ایرانی لشکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکا سب بھاگ نکلے، سعد نے بابل میں اقامت اختیار کی اور زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں ایرانیوں کے تعاقب میں فوج بھیجی۔ وہ لوگ مقام کوثی میں جمع ہوئے تھے، ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے مبارزہ طلب کیا۔ زہرہ نے ایک غلام نابل کو بھیجا جس نے بالآخر شہریار کو قتل کر دیا اور یہاں کا مطلع بھی صاف ہو گیا، اس کے بعد حضرت سعد آگے بڑھ کر ایک شہر بہرہ شیر کی طرف آئے، یہاں واقعی ایک خونخوار شیر بھی تھا۔ ایرانیوں نے اس کو اسلامی لشکر پر چھوڑ دیا، وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہراول دستہ کے افسر ہاشم نے ایسی تلوار ماری،

Marfat.com

کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ جنگ شروع ہوئی تو زہرہ دشمن کے ایک تیر سے گھائل ہوئے لوگوں نے تیر نکالنا چاہا۔ کہا اسی وقت تک زندہ ہوں جب تک یہ تیر بدن میں موجود ہے، اسی حالت میں حملہ کرتے بڑھے، ایک نامی افسر شہر براز مارا گیا، ایرانی بھاگ چلے شہزادوں نے صلح کا پھریرا اڑایا۔

نوشیروانی پایہ تخت مداین پر قبضہ ۱۵ھ ۶۳۶ء بہرہ شیر اور مداین میں صرف دجلہ حائل تھا، سعد دجلہ کے کنارے پہنچے تو دیکھا پل توڑ کر تباہ کر دیا گیا ہے، سعد نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا، ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی۔ دفعتاً سب نے گھوڑے ڈال دیئے، دریا نہایت ذخار و مواج تھا۔ موجیں گھوڑوں سے آ آکر ٹکراتی تھیں، لیکن اسلامی لشکر رکاب سے رکاب ملائے یمین و یسار کی ترتیب قائم کئے، آپس میں باتیں کرتے گذرتے رہے، ایرانیوں نے یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا تو "دیواں آمدند دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگے، لیکن سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج لئے جما رہا، تیر انداز بھی سرراہ ہوئے، لیکن اسلامی لشکر سیلاب کی طرح بڑھتا چلا گیا۔ مزاحمت کرنے والے خس و خاشاک کی طرح ہٹ گئے اور اسلامی لشکر اس کنارے اتر گیا۔

عراق میں یزدگرد کی جمعیت پراگندہ ہو چکی تھی۔ اس کے بڑے بڑے سورما جنگ میں کام آ چکے تھے۔ عراق کے عیسائی و مجوسی رؤساء و مرزبان اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرتے جاتے تھے اور حضرت عمر کی طرف سے پروانۂ امن کے مشتہر ہونے کے بعد ایرانی کیمپ سے عراقی فرار ہو کر اپنے وطن لوٹ رہے تھے، اس لئے یزدگرد نے عراق کی مدافعت سے مایوس ہو کر مداین کو خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور قیمتی ذخیرے حرم اور شاہی خاندان کو حلوان بھیج چکا تھا اس لئے حضرت سعد نے عجلت کر کے مداین کی طرف کوچ کیا تھا، لیکن ان کے شہر میں داخلے سے پہلے یزدگرد بھی یہاں سے جا چکا تھا۔ یہ نوشیروانی پایہ تخت ایرانی فوج سے خالی پڑا تھا۔

Marfat.com

انمول خزائن حضرت سعد ایوان کسریٰ میں فاتحانہ داخل ہوئے بارگاہ رب العزۃ میں سرِ نیاز جھکایا اور ایوان کسریٰ میں شکریہ کی نماز ادا کی، پھر اسی ایوانِ شاہی میں تختِ شاہی کی بجائے منبر نصب ہوا اور جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔ یزدگرد اگرچہ یہاں کے قیمتی ذخائر منتقل کرچکا تھا، بایں ہمہ انمول خزائن کا انبار پڑا ہوا تھا سعد نے دو تین دن آرام کرنے کے بعد ایوانات شاہی کے خزانے اور نوادر یکجا کردیئے اور ایوان کی مجسم تصاویر کو اپنی جگہ برقرار رہنے دیا۔ ان شاہی نوادر میں خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم اور بہرام چوبین وغیرہ کی زرہیں اور تلواریں بھی تھیں کسریٰ، ہرمز اور قباد کے خنجر تھے نوشیرواں کا تاج زرنگار و ملبوس شاہی تھا، سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت و زمرد جڑے ہوئے تھے، چاندی کی ایک اونٹنی تھی، جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے اور ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا سب سے عجیب' فرش بہار تھا، جس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے گئے تھے، بیچ میں سنہرے کا چمن، چاروں طرف جدولیں ہر قسم کے درخت اور ان میں شگوفے، پھول اور پھل تھے۔ یہ جو کچھ تھا۔ زر و جواہرات کا تھا، سونے کی زمین زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے یہ ساٹھ گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا تھا۔ جب بہار کا موسم گذر جاتا تو اس نقش و نگار سے پٹے ہوئے فرش پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے اور موسم بہار کا لطف اٹھاتے تھے۔

دیانت دار مجاہدین نے سب سامان اکٹھا کرکے سعد کے قدموں پر لاکر رکھ دیا حسب معمول مالِ غنیمت فوج میں تقسیم ہوا اور پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہٖ بھیج دی گئیں، کہ اہلِ عرب ایران کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ مدینہ کے ایک موزوں قامت و خوب صورت شخص محلم کو شاہی ملبوسات جو مختلف حالتوں کے تھے، باری باری پہنائے گئے۔ یہ اگرچہ عجوبۂ روزگار

تھے، لیکن اس مقدس دور میں ان زخارف دنیاوی کی کوئی اہمیت نہ تھی، کہ انھیں یادگار سمجھ کر محفوظ رکھا جاتا، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جس طرح تقسیم ہوتا تھا اسی کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے اور پرزے پرزے کرکے یہ سب بھی تقسیم کر دیئے گئے اور ایوانِ کسریٰ کے فرش کے ٹکڑے اڑ گئے، جس پر کبھی مکتوب نبوی کو پھاڑ کر پرزے بکھیرے گئے تھے۔

عراق میں ایرانیوں کی آخری لڑائی اور فتح جلولاء و حلوان ۱۶ھ / ۶۳۷ء

ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولاء میں آخری لڑائی کی تیاریاں کیں کہ اگر کامیاب ہوئے تو عراق کو عربوں سے بچائیں گے، اگر ناکام رہے تو عراق کو الوداع کہہ کر چلے جائیں گے۔ جلولاء موجودہ بغداد کے نواح میں ایک شہر ہے جو بغداد سے خراسان جاتے ہوئے راہ میں پڑتا ہے۔ ایرانیوں کی جتنی بھی منتشر قوت تھی، جلولاء میں انھوں نے اکٹھا کرلی۔ رستم کا بھائی خرزاد اس آخری معرکہ میں ایرانی سپہ سالار تھا، اس نے شہر کی مضبوط مورچہ بندی کی، شہر کے گرد گہری خندق تیار کرائی اور راستوں اور گذرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ حضرت سعد نے دربار خلافت کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو ماہ صفر ۱۶ھ / ۶۳۷ء میں بارہ ہزار فوج کے ساتھ بھیجا اور حضرت عمرؓ ہی کے حکم سے مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر معسر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک اور ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر کیے گئے۔ ہاشم نے جلولاء پہنچ کر سختی سے محاصرہ کرلیا، تین مہینے محاصرے میں گذر گئے، ایرانی کبھی کبھی نکل کر لڑتے، پھر پناہ گزیں ہو جاتے۔ یزدگرد بھی حلوان سے مسلسل کمک اور رسد بھیجتا رہا۔ ایک دن طویل محاصرہ سے عاجز آکر مسلمانوں نے دل توڑ کر حملہ کیا، ایرانی بھی جم کر لڑے، اتفاق یہ کہ عین معرکہ کے وقت اس زور کی آندھی چلی، کہ زمین و آسمان میں اندھیرا چھا گیا، ایرانی پیچھے ہٹے اور ہزاروں آدمی خندق میں گر گئے، ایرانیوں نے فوج کی واپسی کے لئے جابجا خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا مسلمانوں کو خبر ہوئی تو ان ہی راستوں سے پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اندر پہنچ کر ایرانیوں نے پھر سنبھالا لیا، قلعہ کے دروازے پر جم کر لڑے، قعقاع لڑتے ہوئے پھاٹک تک پہنچ گئے، سپہ سالار

Marfat.com

ہاشم پیچھے تھے۔ قعقاع نے نقیبوں سے آواز دلائی کہ سپہ سالار آگئے ہے، لوگ قعقاع کو ہاشم سمجھے اور ریلتے ہوئے آگے بڑھے اور ایرانی مدافعت چھوڑ کر جدھر بھاگے اُدھر قتل کیے گئے۔ ایک روایت کے موافق ایک لاکھ آدمی مارے گئے اور تین کروڑ کی دولت ہاتھ آئی۔

یزدگرد جلولاء کی شکست کی خبر سن کر حلوان چھوڑ کر رَے چلا گیا اور خسرو شنوم کو چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا، ادھر سعد خود جلولاء میں ٹھہرے، اور قعقاع کو حلوان کی طرف بھیجا، قعقاع حلوان سے تین میل ادھر ہی قصر شیریں کے قریب پہنچے تھے، کہ خسرو شنوم آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ قعقاع نے حلوان پہنچ کر قیام کیا اور امن کی عام تیاری کے ساتھ اسلام یا جزیہ کی منادی کرائی، جس کو سن کر اطراف کے امراء اور رؤساء اور عوام یا تو اسلام قبول کرتے گئے، یا جزیہ ادا کرنے کے لئے سرِ اطاعت جھکاتے گئے۔

حضرت سعد نے نامۂ فتح حضرت عمرؓ کو لکھا اور مال غنیمت کا خمس بھیجا۔ پیغامبر سعد کے کاتب زیاد تھے۔ انھوں نے بڑی فصاحت سے جنگ کے حالات بیان کئے، حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔ پوچھا مجمع میں اسی طرح بیان کرسکتے ہو؟ انھوں نے کہا "امیر المومنین! میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام میں انھوں نے فصاحت و بلاغت سے جنگ کا نقشہ کھینچ دیا۔ مال غنیمت مسجد میں رکھا گیا، جس میں درہم و دینار کے علاوہ جواہرات کا انبار تھا۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر رو پڑے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا "جس قوم میں دولت آتی ہے، ساتھ ہی ساتھ رشک و حسد بھی آتا ہے"۔

حلوان پر عراق کی حد ختم ہوجاتی تھی، اس لئے اس کی فتح پر عراق کی فتوحات کا خاتمہ ہوگیا۔ تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی، کہ ایرانیوں سے جنگ کا سلسلہ منقطع ہوجائے اور اسلامی حدود حکومت کو سواد عراق تک محدود رکھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا، نہ وہ ہم پر حملہ کرسکتے نہ ہم ان پر

Marfat.com

چڑھ کر جا سکتے۔"

حکومتِ ایران کا نیا پایۂ تخت مرو

یزدگرد رَے کو دارالحکومت بنانا چاہا مگر یہاں کے حاکم ابان جادویہ نے بیوفائی کی تو اصفہان و کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور مرو میں اقامت کی، آتش پارسی ساتھ تھی، آتشکدہ تیار کر کے اسی شہر کو دارالحکومت بنایا اور نئے سرے سے حکومت کے شعبے قائم کئے اور اپنے زیر اثر صوبوں میں فرامین اور نقیب بھیج دیئے، جنہوں نے رعایا کی دلدہی کی اور نسلی، قومی اور مذہبی عصبیت پیدا کر کے عربوں اور اسلام کے خلاف اشتعال پیدا کیا، تاکہ ایک تو مسلمانوں کی پیش قدمی روکی جا سکے، دوسرے عراق کی بازیافت کی کوئی شکل نکل سکے۔ اس طرح عجم کی آنکھیں کھل گئیں اور ہر صوبہ نے بجائے خود عرب کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

دوآبہ دجلہ و فرات پر قبضہ ۱۶ھ / ۶۳۷ء

چنانچہ سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالے۔ یہ اس آبادی کا نام تھا جو دجلہ و فرات کے بیچ میں واقع ہے۔ اس کے حدود میں آرمینیہ اور ایشیائے کوچک کے کچھ حصے آتے ہیں اور اس کے اہم شہر تکریت کی سرحد، عراق کی حد سے ملی ہوئی تھی۔ سعد کو معلوم ہوا کہ ایرانی تکریت میں جمع ہو رہے ہیں، اور خندق کھود کر مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ سعد نے حضرت عمر کو حالات کی اطلاع دی، انھوں نے عبداللہ بن معتصم کو اس مہم کے لئے مامور کیا، چنانچہ سعد نے ان کو پانچ ہزار فوج دے کر ۱۶ھ / ۶۳۷ء میں تکریت روانہ کر دیا۔ ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، جس کے درمیان چوبیس دفعہ لڑائیاں ہوئیں۔ شہر میں عرب عیسائی قبائل ایاد، تغلب اور نمر بھی تھے ابن معتصم نے قومی عصبیت کو ابھار کر ان سے خفیہ نامہ و پیام کیا۔ یہ قبیلے عجمیوں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور طے پایا کہ جب اسلامی لشکر سامنے سے حملہ آور ہو تو یہ عرب قبائل پیچھے سے نعرۂ تکبیر بلند کریں۔ دوسرے دن جب مسلمانوں نے خندق کی طرف ہجوم کیا تو ان قبیلوں نے عجم سے تکبیر پکاری، ایرانی سمجھے کہ مسلمان پیچھے سے بھی آ گئے۔

Marfat.com

سامنے کے رُخ بھاگے اور بے شمار تعداد میں قتل کیے گئے اور شہر قبضہ میں آگیا۔

اس کے بعد جزیرہ کے دوسرے مقامات کی فتح کے لیے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا گیا، جنھوں نے ۱۷ھ/۶۳۸ء میں شہر رُہا جو کسی زمانہ میں رومی سلطنت کا پایۂ تخت تھا، تھوڑے مقابلہ کے بعد فتح کرلیا، پھر جزیرہ کی مختلف سمتوں میں فوجیں مختلف قائدین کی ماتحتی میں دوڑ گئیں۔ چنانچہ سہیل بن عدی، رقہ، عبداللہ بن عتبان نصیبین، ضرار بن خطاب ماسبذان، عمر بن مالک ہیت (قرقیسا) اور عقبہ بن ولید جزیرہ کے دوسرے مقاموں کی طرف بھیجے گئے، اور یہ پورا دوآبہ اسلامی حکومت کے زیرِ علم آگیا، جس میں ان مذکورہ مقامات کے علاوہ حران، میافارقین، سمیساط، سروج، ارزن اور عین الوردہ وغیرہ تھے۔

جزیرہ کی ان مہموں کے سپہ سالار عیاض بن غنم تھے، وہی مختلف سمتوں کی طرف مہمیں بھیجتے رہے تھے، اس اثناء میں ۱۷ھ/۶۳۸ء میں ایک دوسرا شہر کوفہ آباد کرلیا گیا تھا، جو چالیس ہزار فوج کی اقامت کے لیے چھاؤنی کے طور پر بنایا گیا تھا، بیشتر مہمیں یہیں روانہ کی گئیں، جزیرہ میں زیادہ آبادی عیسائی عربوں کی تھی، وہ ترکِ وطن کرکے رومی علاقوں میں چلے گئے، انھوں نے نامہ و پیام کرکے استدعا کی کہ وہ دوگنا ٹیکس دینے کے لیے تیار ہیں، انھیں وطن واپس آنے کی اجازت دی جائے، لیکن وہ ٹیکس جزیہ کے نام سے نہ ہو، حضرت عمر نے عربوں کی تالیفِ قلب کی خاطر ان کی شرط منظور کرلی اور وہ اپنے آبائی وطن میں آکر آباد ہوگئے۔

فتح خوزستان
۱۷، ۱۹ھ / ۶۳۸، ۶۴۰ء

اب عراق میں دونوں نو آباد شہر کوفہ و بصرہ، دو مستحکم اسلامی چھاؤنیاں تھیں، اس لیے عراق کو انہی دو ولایتوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ کوفہ کے والی عمار بن یاسر اور بصرہ کے مغیرہ بن شعبہ تھے، بصرہ سے خوزستان کا علاقہ ملا ہوا تھا اور یہ شرپسند ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ خوزستان اس حصۂ آبادی کا نام تھا جو عراق و فارس کے درمیان واقع ہے، اس میں چند بڑے بڑے شہر اہواز،

Marfat.com

مناذر، سوس، رامہرمز اور شوشتر وغیرہ تھے، بصرہ کی حفاظت کے لئے اس علاقہ کو زیر اطاعت کرنا ضروری تھا، چنانچہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمر سے اجازت حاصل کر کے ۱۶ھ ۶۳۷ء میں خوزستان کے سب سے بڑے شہر اہواز پر حملہ کیا، یہاں کے حاکم ہرمز نے کچھ رقم ادا کرنے کی شرط پر اطاعت قبول کر لی، ۱۷ھ ۶۳۸ء میں مغیرہ کی جگہ ابو موسیٰ اشعری والی بن کر آئے، ہرمز نے سالانہ رقم بند کر دی، ابو موسیٰ نے فوج کشی کی جو معمولی جنگ کے بعد شہر فتح ہو گیا، اس کے بعد ابو موسیٰ نے مناذر کا رخ کیا، یہاں کے معرکہ میں مہاجر بن زیاد شہید ہوئے، محصورین نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں کے محاصرہ پر چھوڑا اور خود سوس کی طرف بڑھ گئے، ربیع نے قلعہ کو فتح کر لیا، سوس کے حاکم نے مقابلہ کے بعد سو آدمیوں کی جان بخشی کی شرط پر قلعہ حوالہ کرنا چاہا، ابو موسیٰ نے شرط منظور کی۔ حاکم شہر نے سو آدمیوں کی جان گنا دیئے اور خود اپنا نام بھول گیا اور قتل کیا گیا، اس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا گیا، حاکم شہر نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ اس اثنا میں ایک ممتاز ایرانی سردار ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں تھا، اس وعدہ پر کہ وہ عربوں کو آگے بڑھنے سے روک لے گا، اہواز و فارس کا پروانہ حکومت یزدگرد سے حاصل کر لیا اور شوشتر میں آکر عظیم الشان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

ابو موسیٰ نے دربار خلافت سے مدد طلب کی، حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں ایک ہزار فوج کوفہ سے ابو موسیٰ کے پاس بھیجنے کا حکم بھیجا، جب فوج آگئی تو ابو موسیٰ نے غنیم کی تیاریوں کے مقابلہ میں اس کمک کے ناکافی ہونے کی اطلاع دی تو حضرت عمر نے والی کوفہ عمار بن یاسر کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی آدھی فوج عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دیں اور باقی فوج کو لے کر وہ خود ابو موسیٰ کی مدد کے لیے جائیں۔ پھر عمار بن یاسر کے لشکر کے ساتھ بعد جریر بن عبد اللہ بجلی بھی تھوڑی سی فوج لے کر آگئے اور جب یہ جمعیت پوری فراہم ہو گئی تو ابو موسیٰ اس لشکر کو لے کر شوشتر پہنچ گئے۔ دونوں فوجوں میں سخت معرکہ آرائی

Marfat.com

ہوئی۔ چند نامی مسلمان افسر خود ہرمزاں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، تاہم مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے اور ہرمزاں قلعہ بند ہوگیا۔ اس معرکہ میں ایک ہزار عجمی مقتول اور چھ سو گرفتار ہوئے۔ ہرمزاں قلعہ سے نکل کر لڑتا رہتا اور کامیابی کی کوئی راہ مسلمانوں کے لئے نہ نکلتی، کہ اچانک ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسیٰ کے پاس آیا اور طالب امان ہوکر ایک مسلمان افسر اشرس کو اپنے ساتھ لے گیا اور شہر کے تمام خفیہ راستے دکھا دیئے۔ پھر مسلمانوں کا ایک دستہ اسی خفیہ تہ خانہ کے راستہ سے شہر میں پہنچ کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔ اسلامی لشکر باہر منتظر تھا، ریلا کرکے اندر گھس گیا، ہرمزاں نے قلعہ کے اندر بند ہوکر برج پر چڑھ کر کہا میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں، جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ میں اس شرط سے اتر سکتا ہوں کہ مجھے مدینہ پہنچا دو، جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا اور ہرمزاں، حضرت انس کی نگرانی میں بڑی شان و شوکت سے مدینہ روانہ ہوا اور شاہان عجم کے طریقہ سے زیورات و قیمتی ملبوسات پہنے، مرصع تلوار لگائی اور عجمی شوکت کی ایک تصویر بن کر مدینہ میں داخل ہوا۔ ادھر حضرت عمر اسوقت مسجد نبوی میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے، ہرمزاں مسجد میں داخل ہوا، آہٹ پاکر حضرت عمر کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں۔" پھر حضرت عمر کو ہرمزاں کی شخصیت کا علم ہوا، وہ اس سے سخت برہم تھے، قادسیہ کے بعد اس نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور اقرار سے پھر گیا۔ شوشتر کے معرکہ میں بھی دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، حضرت عمر نے اس کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا اور ہرمزاں نے ان کے تیور سے اس کو بھانپ لیا، تاہم حضرت عمر نے ترجمان کے ذریعہ گفتگو شروع کی اور فرمایا "تم نے اپنی بدعہدیوں کا مزا چکھا۔" ہرمزاں نے کہا "عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا، تم ہمارے غلام تھے، اب خدا تمہارے ساتھ ہے ہم تمہارے غلام ہیں۔" یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ جب پیالہ ہاتھ میں لیا

تو ہاتھ کانپنے لگا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی، تو اس نے کہا "مجھے ڈر لگتا ہے، اِدھر میں پانی پینے لگوں، اُدھر میری گردن نہ اُڑا دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اطمینان دلایا، کہ جب تک تم یہ پانی نہ پیو گے قتل نہیں کیے جاؤ گے۔" ہرمزان نے یہ سنتے ہی پانی کو پھینک دیا، پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا "مجھے پانی کی ضرورت نہیں تھی، میں امان لینا چاہتا تھا، جو حاصل ہو گیا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تو جھوٹا ہے"۔ حضرت انس بن مالک اور بعض دوسرے صحابہ موجود تھے انہوں نے کہا" امیر المومنین! جو الفاظ آپ نے فرمائے، ان سے اس کو پانی کے پھینک دینے کے بعد امان مل گئی۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "افسوس مجھے پتہ بھی نہ چلا اور اس نے امان لے لی۔" اس کے بعد ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور "میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا، لیکن یہ تدبیر اس لیے کی، کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے"۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، مدینہ میں رہنے کی اجازت دی، دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور فارس کی مہموں میں اکثر اس سے مشورہ لینے لگے۔

شوشتر کے بعد یہاں سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام جندی سابور پر فوج کشی کی گئی، کئی دن محاصرہ قائم رہا، ایک دن شہر والوں نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے، اور روزانہ کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ ابوموسیٰ اور پورے لشکر کو اس اطمینان پر تعجب ہوا، پھر معلوم ہوا کہ ایک غلام نے چھپ کر جزیہ کی شرط پر امن کا پروانہ لکھ کر بھیج دیا۔ ابوموسیٰ برہم ہوئے، بات دربارِ خلافت تک پہنچی، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، جس کو اس نے امن دے دی، تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح سے خوزستان کی فتح کی تکمیل ہو گئی۔

عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کی فیصلہ کن جنگ ۱۸ھ ۶۳۹ء

ایرانی سمجھتے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی، لیکن خوزستان کے زوال اور رکن سلطنت ہرمزان کے گرفتار کر لیے جانے سے

Marfat.com

کیا، دارالسلطنت مرو میں ایک ہلچل مچ گئی، یزدگرد نے اب اپنی خاص سلطنت کے لئے شدید خطرہ محسوس کیا، وہ نئے عزم و ہمت اور جوش سے کھڑا ہوا، سلطنت کا رعب و داب پہلے جیسا تو نہ تھا، تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتاً نہیں مٹ سکتا تھا۔ شہنشاہ کے فرامین و نقیب نے طبرستان، جرجان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان، خراسان اور سندھ میں تلاطم مچا دیا اور ڈیڑھ لاکھ ٹڈی دَل یزدگرد کے حکم کا منتظر یکجا ہوگیا۔ یزدگرد نے ہرمز کے بیٹے مردان شاہ کو سرلشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کردیا۔ عمار بن یاسر والی کوفہ نے رائے دی کہ شام، یمن اور بصرہ کے امراء اپنی فوجیں لے کر پہنچیں اور حرم سے خود امیرالمومنین فوج اکٹھا کرکے تشریف لے جائیں، حضرت علی اب تک چپ تھے، حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا، "شام اور بصرہ سے اگر فوجیں ہٹیں تو ان پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہوجائے گا، اور آپ نے عرب چھوڑا تو ہر طرف قیامت برپا ہوجائے گی، اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہوجائے گا، اس لئے جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں، ایک تہائی ہر جگہ سے بھیج دی جائے، اور خود آپ یہاں سے نہ نکلیں" حضرت عمر نے یہ رائے قبول کی۔ اس کے مطابق احکام صادر کئے اور نعمان بن مقرن کو اس مہم کے لئے سپہ سالار بنایا اور نعمان تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوگئے۔

اب جنگ کے شعلے عراق عجم تک پہنچ گئے، عرب جغرافیہ نویس کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے تھے، جس میں عربوں کی بھی بڑی آبادی تھی اور جو اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوچکا تھا، اور مشرقی حصہ کو عراق عجم کہتے تھے جہاں کی آبادی غیر عرب تھی، جن کو عجم کہا جاتا تھا، اس کے حدود اربعہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر مراغہ سے جدا ہوتے تھے، اس کے بڑے شہروں میں نہاوند اصفہان اور رے تھے۔ رے ویران

Marfat.com

ہو چکا ہے اب اسی کے قریب تہران آباد ہے۔ نعمان بن مقرن عراق عجم میں داخل ہوئے تو راستہ صاف تھا، نہاوند تک بڑھتے گئے اور اس شہر سے نو میل ادھر اسپند ہان پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، کیوں کہ اسی کے قریب مردان شاہ اپنی فوج لئے موجود تھا، مردان شاہ نے لڑائی سے پہلے صلح کی بات کرنی چاہی۔ مغیرہ بن شعبہ سفیر بن کر گئے اور پچھلے موقعوں کی طرح گفتگو نہیں ہوئی اور سفارت ناکام واپس آئی اور جنگ کا طبل بج گیا۔ مسلمان بے جگری سے ٹوٹ کر لڑے اور خوں ریز لڑائی شروع ہوگئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون گرا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ نعمان کا گھوڑا بھی پھسل کر گرا، ساتھ خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے، ان کے بھائی نعیم نے جھپٹ کر علم ہاتھ میں لے لیا اور وہ کلاہ و قبا پہن لی، جو سپہ سالاروں کا نشان تھی۔ کسی کو نعمان کے گرنے کا حال معلوم نہیں ہوا۔ لڑائی بدستور ہوتی رہی۔ نعمان نے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ ایک سپاہی پاس سے نکلا، دیکھا ان کی کچھ سانس باقی ہے، گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا، حکم یاد آگیا، گھوڑا بڑھا دیا، رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔

فتح کے بعد ایک شخص نعمان کے سرہانے گیا، انھوں نے آنکھیں کھولیں، پوچھا کیا ہوا، اس نے فتح ملکہ کی خوش خبری سنائی، خدا کا شکر ادا کر کے کہا۔ فوراً عمر کو اطلاع دو، پھر آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لیں۔ فوج کا ایک حصہ ایرانیوں کا تعاقب کرتا ہمدان تک چلا گیا۔ اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی مارے گئے۔ قادسیہ کے بعد اس سے بڑی کوئی دوسری لڑائی عجم سے نہیں ہوئی تھی اور نہ اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور پکڑا۔ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کی ایک سیہ کاری سے آگے چل کر تاریخ میں اس کا نام آگیا، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا:

حذیفہ بن یمان، نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے، انھوں نے نہاوند پہنچ کر مقام

کیا، آتش کدہ نہاوند کا موبد، حذیفہ کی خدمت میں آکر ایک متاعِ بے بہا کا پتہ دینے کے صلہ میں طالبِ امان ہوا، حذیفہ نے شرط منظور کی تو کسریٰ پرویز کے بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے، جن کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ کر رکھا تھا حذیفہ نے مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کے ساتھ یہ سب جواہرات حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عمرؓ معرکۂ نہاوند کا نتیجہ سننے کے لئے بے قرار تھے۔ مژدۂ فتح سے خوش ہوئے اور نعمان کے شہید ہونے پر بے اختیار رو پڑے۔ حضرت عمرؓ نے جواہرات حذیفہ کے پاس واپس بھیج دیئے، کہ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت فوج میں تقسیم کر دی جائے۔ یہ جواہرات چار کروڑ درہم میں فروخت ہوئے۔ یہ واقعہ سنہ ۲۱ھ/۶۴۲ء میں پیش آیا[۱]

فتحِ ہمدان نہاوند سے فوج کا جو حصہ عجمیوں کے تعاقب میں گیا تھا وہ قعقاع کی سرکردگی میں تھا، جو نہاوند میں ہراول دستہ کے امیر تھے۔ عجمیوں کے قدم یہاں بھی نہ جم سکے، ہمدان کے شہریوں میں بھی مقاومت کی تاب نہ تھی، اس طرح ہمدان بھی اسلامی حکومت کے زیرِ علم آگیا۔ اس کے بعد نہ صرف عراق عجم کے دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے کا سوال رہا، بلکہ خاص حالات کے تحت کیانی سلطنت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

کیانی سلطنت پر عام لشکر کشی کا فیصلہ سنہ ۱۹ھ/۶۴۰ء حضرت عمرؓ نے اسلامی مقبوضات میں بے چینی پیدا ہونے اور عجمیوں کے بار بار عہد شکنی کرنے کے اسباب دریافت کرنے چاہے تو معلوم ہوا کہ عمال ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اور اس حیثیت سے کسی شکایت کا موقع نہیں آیا، تو حضرت عمرؓ نے اس معاملہ پر

---

[۱] بعض ممتاز مورخین نے معرکۂ نہاوند کے سنہ ۲۱ھ/۶۴۱ء میں پیش آنے کی روایت قبول کی ہے، دوسری طرف کیانی سلطنت پر عام فوج کشی کا فیصلہ سنہ ۱۸ھ میں کئے جانے کی روایت ہے اور یہ فیصلہ معرکۂ نہاوند کے بعد ہی ہوا ہے اور سنہ ۱۹ھ/۶۴۰ء میں عام فوج کشی شروع ہو گئی تھی اس لئے ہم نے سنہ ۱۹ھ کی روایت قبول کی

Marfat.com

غور کرنے کے لئے صحابہ سے پھر مشورہ کیا تو احنف بن قیس نے کہا "امیر المومنین! اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ آپ نے اسلامی لشکر کو کیانی سلطنت کے حدود میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ ایک ملک میں دو حکومتوں کا مسئلہ نہیں چل سکتا' شہنشاہِ ایران اہل عجم کو ہمارے خلاف ابھارتا رہتا ہے' ایرانیوں کی امیدیں اس وقت تک منقطع نہیں ہو سکتیں' جب تک تخت کیان کا وارث موجود ہے جو بغاوت' سرکشی اور جنگ پر ابھارتا رہتا ہے' اس لئے یہ فتنہ اسی وقت فرو ہو سکتا ہے جب ایرانیوں کی امید کا سہارا ٹوٹ جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کے بعد کیانی سلطنت پر عام لشکر کشی کا فیصلہ فرمالیا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کیانی سلطنت پر عام فوج کشی کے لئے اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کو عطا کیا۔ ان میں سے احنف بن قیس کو جن کی صائب رائے کے موافق یہ فیصلہ کیا گیا تھا' خراسان کی مہم سپرد کی گئی' جہاں کے شہر مرو میں ان دنوں کیانی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ یہ تمام افسر اپنے لشکر کے ساتھ اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے' جن کے نام و مقام حسب ذیل ہیں:

۱۔ احنف بن قیس	خراسان	۲۔ مجاشع بن مسعود سلمی	سابور' اردشیر' خرہ
۳۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی	اصطخر	۴۔ ساریہ بن زنیم کنانی	فسا' اسا بجرد
۵۔ سہیل بن عدی	کرمان	۶۔ عاصم بن عمرو	سیستان
۷۔ حکم بن عمیر تغلبی	مکران	۸۔ عتبہ بن فرقد	آذربائیجان

اس کے ساتھ بصرہ اور کوفہ کی چھاؤنیوں میں بھی پیش قدمی کرنے کے احکام بھیج دیئے گئے' یہ سب لشکر حرکت میں آ گئے اور ۲۱ھ / ۶۴۲ء سے ان کی پیش قدمیوں کے ثمرات حاصل ہونے لگے۔

فتح اصفہان ۲۱ھ / ۶۴۲ء | ان مہموں میں سب سے پہلے عراقی لشکر کے ایک سردار

Marfat.com

عبداللہ بن عبداللہ کی کامیابی کا ثمرہ سامنے آیا۔ انھوں نے عراق کی اسلامی چھاؤنی سے آگے بڑھ کر عراق عجم سے شہر اصفہان پر چڑھائی کی، ایرانیوں کی ہراول فوج سے مقابلہ ہوا جو ایک پرانے تجربہ کار افسر کی کمان میں تھی۔ اس کے مارے جانے کے بعد اسلامی لشکر خاص شہر اصفہان تک پہنچ گیا۔ یہاں کے حاکم فاذوسفان نے عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑکر فیصلہ کرلیں۔ دونوں حریف میدان میں آئے۔ عبداللہ نے گھوڑا بڑھایا اور پوچھا "پہلے تم وار کروگے یا میں کروں؟" فاذوسفان نے گھوڑا بڑھا کر کہا "پہلے مجھے وار کرنے دو۔" عبداللہ نے اس کے وار کو خالی کردیا، لیکن گھوڑے کی تنگ کٹ گئی، مع زین نیچے آگئے، مگر دفعتاً اچھل کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر تھے، اور کہا "اب میری باری ہے، سنبھل جاؤ۔" اس نے کہا "میں نے آزما لیا، لڑنا نہیں چاہتا، شہر تمھارے حوالہ اس شرط سے کرنا چاہتا ہوں کہ جو جزیہ دے کر رہنا چاہے، اس کو رہنے دیا جائے اور جو جانا چاہے اسے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ عبداللہ نے شرط منظور کی، صلح نامہ لکھا گیا، پھر عبداللہ فرمان خلافت کے مطابق شہر پر ایک امیر مقرر کرکے خود سہیل بن عدی کی مدد کے لئے کرمان چلے گئے۔

عراق عجم فتح کی تکمیل ۲۲ھ / ۶۴۳ء جنگ نہاوند کے بعد ہمدان فتح ہوچکا تھا۔ ۲۲ھ / ۶۴۳ء میں یہاں بغاوت ہوئی۔ نعیم بن مقرن نے ہمدان کا محاصرہ کیا۔ ہمدان کے باغی رئیس دیلم نے رے اور آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کرکے بڑی فوج مدد میں بلالی۔ نہاوند کی طرح ایک خوں ریز جنگ ہوئی، ہمدان نئے سرے سے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا۔ حضرت عمر نے نعیم کو ہدایت بھیجی کہ کسی کو ہمدان میں اپنا قائم مقام بنا کر رے پر چڑھائی کریں۔ رے میں بہرام چوبین کا پوتا سیاوش حکمراں تھا، اس نے بھی طبرستان، جرجان وغیرہ سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے فوجیں آگئیں، لیکن یہاں کے ایک دوسرے ممتاز فوجی افسر زینبدی کو سیاوش سے شکر رنجی تھی۔ زینبدی رے کے لشکر کے ساتھ ہمدان میں نعیم سے لڑ چکا تھا،

Marfat.com

رے کے معرکہ میں وہ نعیم سے آملا، اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور دفعتاً فتح ہوگیا اور نعیم نے زینبدی کی خدمت کے صلہ میں رے کی حکومت اس کے سپرد کردی اور خود کچھ دنوں رے میں قیام اور اپنے بھائی سوید بن مقرن کو عراق عجم کے آخری سرحدی شہر قومس پر بھیجا، یہ بھی مفتوح ہوا اور اسی پر عراق عجم کی فتح کی تکمیل ہوگئی۔

فتح طبرستان سنہ ۲۲ھ / ۶۴۳ء

قومس، عراق عجم کی آخری سرحد تھی، اس کے بعد طبرستان کا علاقہ شروع ہوتا ہے جس میں بسطام، جرجان وغیرہ بڑے شہر تھے۔ نعیم کے بھائی سوید، قومس کو سر کرنے کے بعد طبرستان کے علاقہ میں داخل ہوئے اور بسطام پہنچے۔ ضلع جرجان کے حاکم سوزبان سے نامہ و پیام کیا، اس نے جزیہ قبول کرکے صلح کرلی۔ طبرستان کے والی اصبہبذ نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا، اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کیا، اور سنہ ۲۲ھ / ۶۴۳ء میں پانچ لاکھ درہم سالانہ ادا کرنے کی شرط پر اطاعت قبول کرلی۔

فتح آذربیجان سنہ ۲۲ھ / ۶۴۳ء

آذربیجان کے ممتاز شہر اس زمانہ میں مراغہ، جرمیدان، مردعہ اور اردبیل وغیرہ تھے، ان دنوں تبریز اس کا صدر مقام ہے۔ اس کی سرحد طبرستان سے ملی ہوئی ہے، حذیفہ بن یمان نے ابتداءً اس علاقہ کو مطیع کیا تھا، مگر پھر مفتوحہ علاقہ ہاتھ سے نکل گیا تھا، عام لشکر کشی کے فیصلہ کے موقع پر اس کی فتح کے لئے علم عتبہ بن فرقد کو عنایت کیا گیا تھا، بکیر بن عبداللہ ایک دوسرے قائد کو ان کی معاون فوج کا لشکر بنایا گیا تھا۔ سنہ ۲۲ھ / ۶۴۳ء میں بکیر اس صوبہ میں ایک سمت سے داخل ہوئے۔ عتبہ بن فرقد دوسری راہ سے آئے۔ صوبہ آذربیجان دو سگے بھائیوں اسفندیار اور بہرام کی گورنری میں تھا۔ مقام جرمیدان میں اسفندیار نے بکیر سے شکست کھائی اور گرفتار کرلیا گیا۔ دوسری طرف عتبہ نے بہرام کی فوج کو شکست دی۔ اسفندیار کو بھائی کی شکست کی خبر ملی تو جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اطاعت قبول کرنی چاہی، جو منظور کی گئی، اسفندیار کو رہا کرکے صوبہ کی حکومت اس کے ہاتھ میں دے دی گئی اور یہ پورا صوبہ اسلامی حکومت کا مطیع و منقاد ہوگیا۔

Marfat.com

فتح آرمینیہ آذربیجان کے بعد سامنے آرمینیہ تھا، جو ایشیائے کوچک کا حصہ ہے۔ شمال میں بحرِ اسود، جنوب میں صحرا، مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلادِ روم واقع ہے۔ بکیر، آذربیجان سے فارغ ہو کر گھوڑا بڑھاتے آرمینیہ کے حدود میں داخل ہوگئے۔ شام پر فوج کشی کے سلسلہ میں ۱۷ھ ۶۳۸ء میں اس پر حملہ ہوچکا تھا نیز دو بڑے قائدینِ لشکر سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ دربارِ خلافت سے یہاں لشکر کشی کے لئے بھیجے جاچکے تھے، اور جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ عبدالرحمٰن کا لشکر اس کے مشہور شہر باب میں آیا تو یہاں کا ایرانی حاکم شہر براز خود اسلامی لشکر میں آکر عبدالرحمٰن سے ملا، وہ نسلاً مجوسی تھا اور اس نسل کے لوگوں سے جن کی یہاں آبادی تھی، نفرت رکھتا تھا، اس نے عبدالرحمٰن سے کہا "میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود میری قوم اور ملک کو تم فتح کرچکے تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں، مجھے ان آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں، لیکن جزیہ تو تم محافظت اور فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنے کے لئے لیتے ہو، میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے کہ ان آرمینیوں کی نظر سے گر جاؤں، بلکہ فوجی خدمت کے لئے حاضر ہوں، جہاں اور جب ضرورت ہو مجھے بلاؤ، میں تمہاری حکومت کے زیرِ اطاعت ہوں" عبدالرحمٰن نے اس معاملہ میں سراقہ سے مشورہ کیا، اور شہر براز کی درخواست کی ہمنوائی کرکے آخری منظوری کے لئے دربارِ خلافت میں لکھا، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی منظوری عطا کی، اور شہر براز شریکِ لشکر ہوگیا اور آرمینیہ کی فتح کا معاملہ یکسو ہوا۔

مملکتِ خزر کی طرف پیش قدمی اس کے بعد آرمینیہ کے ہم سرحد علاقوں میں فوجیں دوڑادی گئیں، چنانچہ سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان، حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف بھیجا، اور خود عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے مملکتِ خزر کے پایہ تخت بیضا کا رُخ کیا اور حاکم آرمینیہ شہر براز بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کی معیت میں چلا۔ مملکتِ خزر چھوٹی سی حکومت تھی، جس نے مجوسیوں کی بھی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ شہر براز نے

Marfat.com

کہا کہ ہم لوگ یہ غنیمت سمجھتے تھے، کہ وہ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا۔ ہم اپنی سرحد پر انہیں بے لگام نہیں چھوڑ سکتے، چنانچہ شہر بیضا پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کر لیا، اور بکیر اور حبیب بن مسلمہ کی مہموں کے نتائج عہد عثمانی میں برآمد ہوئے۔

فتح فارس ۲۳ھ/۶۴۴ء | فارس کے حدود اس زمانہ میں یوں تھے کہ شمال میں اصفہان جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب۔ فارس پر ابتدائی حملہ ۱۷ھ/۶۳۸ء میں بحرین کے والی علاء بن حضرمی نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر کر دیا تھا، اہل فارس نے اس لشکر کو گھیر لیا تھا اور سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو سخت قلق ہوا اور عتبہ بن غزوان کی سرکردگی میں فوج بھجوائی، جنہوں نے ایرانیوں کو شکست دی اور باقی ماندہ فوج کو بچا لائے تھے۔

اس کے بعد ۲۳ھ/۶۴۴ء میں عام فوج کشی کے موقع پر ساریہ بن زنیم کنانی نے فارس پر چڑھائی کی، شہر توج میں ایرانی جمع تھے۔ کنانی نے ادھر رخ نہیں کیا اور ایک مقررسمت کی طرف بڑھتے گئے، اس اثنار میں مجاشع بن مسعود سلمی، جنہیں فارس کے شہروں کے لئے علم دیا گیا تھا، اپنے متعین شہروں سابور، اردشیر اور خرہ کی طرف بڑھے۔ توج میں ایرانیوں کا مقابلہ ہوا، جنہوں نے شکست کھائی اور توج فتح ہو گیا۔ دوسری طرف اصطخر کا علم عثمان بن ابی العاص ثقفی کو دیا گیا تھا۔ وہ بھی آ پہنچے، مقام جور میں مقام ہوا، ایرانیوں نے یہاں بھی شکست کھائی اور اصطخر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد ثقفی دوسرے اہم مقامات گازرون، نوبندجان، شیراز، ارجان، سینیر اور جناب وغیرہ پر یورش کی گئی اور یہ سب مقامات مفتوح ہوئے، ساریہ بن زنیم کنانی، فسار اور ارابجر کے لئے علمبردار بنائے گئے تھے، آخر میں وہ بھی اپنے مقرر نشانہ پر پہنچ گئے اور یہ شہر بھی قبضہ میں آ گئے اس طرح فارس کا وسیع ترین علاقہ اسلامی حکومت کے ماتحت آ گیا۔

عہد فاروقی کے آخر دور میں یزدگرد نے فارس میں بغاوت کرائی۔ کچھ مفتوحہ

Marfat.com

مقامات ہاتھ سے تو نکل گئے لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہر کو قتل کر کے بفا پر قابو حاصل کر لیا۔

فتح کرمان ۲۳ھ / ۶۴۴ء کرمان کی مہم سہیل بن عدی کے سپرد ہوئی تھی، اس علاقہ کے شمال میں کوہستان، جنوب میں بحر عمان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس واقع تھا، سہیل نے ۲۳ھ / ۶۴۴ء میں کرمان پر چڑھائی کی۔ سرحد ہی کے پاس ذلیقین میں مقابلہ ہوا۔ کرمانیوں نے شکست کھائی، مرزبان مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد کرمان کے اہم مقامات جیرفت، سیرجان وغیرہ قبضہ میں آ گئے بے شمار لشکر اور مال غنیمت میں ہاتھ آئیں، اور یہ علاقہ بھی زیر نگیں آ گیا۔

فتح سیستان ۲۳ھ / ۶۴۴ء سیستان کا علم عاصم بن عمر کے سپرد ہوا تھا۔ اس علاقہ کے شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان واقع ہے۔ عاصم کا لشکر پہنچا تو اہل سیستان نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی مسلمان تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ شہر زرنج اس علاقہ کا پایہ تخت تھا، وہاں پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے، مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا اور دریا کا بند کھول دیا جس سے ایک وسیع علاقہ زیر آب ہو گیا۔ اہل شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی اراضی محفوظ رہے۔ مسلمانوں نے شرط منظور کر لی، علاقہ قبضہ میں آیا، مگر کسی اراضی سے مسلمانوں کا تعلق نہیں رہا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھے تھے کہ کھیتوں کے پاس سے گذرتے تو جلد سے جلد گذر جاتے، کہ کوئی بات خلاف عہد سرزد نہ ہونے پائے۔ اس علاقہ کے قبضہ میں آنے سے سندھ سے لے کر نہر بلخ تک کی فتح کی کلید ہاتھ میں آ گئی۔

فتح مکران ۲۳ھ / ۶۴۴ء مکران کی فتح کے لئے حکم بن عمرو تغلبی مامور ہوئے تھے۔ اس علاقہ مکران کا نصف حصہ ان دنوں بلوچستان کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اس زمانہ میں ایرانی مجوسی سلطنت کی آخری حد تھی حکم نے ۲۳ھ / ۶۴۴ء میں نہر مکران کے کنارے پہنچ کر فوجیں اتاریں یہاں

Marfat.com

کا حکمراں راسل نام کا تھا۔ اس نے سندھ کے راجہ سے مدد طلب کی، اس نے امداد دی، اور راسل اپنی فوج لے کر نہر مکران کی اس سمت آیا، جدھر اسلامی لشکر پڑاؤ ڈالے تھا، یہ علاقہ ہلمند کے نام سے موسوم تھا، یہیں پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، خوں ریز جنگ ہوئی، بہت سے مکرانی ہتر تیغ ہوئے، راسل نے شکست کھائی اور یہ پورا علاقہ اسلامی سلطنت میں داخل ہوا۔

حکم نے صحار عبدی کی معرفت نامۂ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی عرب میں بھیجے، حضرت عمر نے اس ملک کا حال دریافت کیا، صحار نے قافیہ امالی کے ساتھ یہاں کی بھیانک تصویر کھینچی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ قافیہ بندی کیسی؟ صحار نے کہا: میں صحیح نقشہ پیش کر رہا ہوں۔ حضرت عمر نے حکم بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے، اس طرح عہد فاروقی میں مشرق میں اسلامی فتوحات کی آخری سرحد یہی مقام مکران قرار پایا۔

سندھ و ہند پر ابتدائی حملے عہد فاروقی میں مکران کے اخیر حد ہونے کا بیان طبری کا ہے لیکن دوسرے مورخ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ اس زمانہ میں سندھ کے شہر دیبل اور تھانہ یعنی علاقہ بمبئی تک اسلامی فوجیں آئیں، اس طرح عہد فاروقی میں ہند و سندھ کی سرزمین تک بھی مجاہدین اسلام کے قدم پہنچ چکے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں سندھ کے قبیلے جاٹ اور مید کے لوگوں نے ایرانیوں کی طرف سے عربوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مکران کے حکمراں کی بھی سندھ کے راجہ نے فوجی مدد کی تھی۔ سندھ اگرچہ مجوسی سلطنت کی حدود میں نہیں تھا، لیکن ایرانیوں کی طرف سے لڑائیوں میں ان قبیلوں کے شریک ہونے کی وجہ سے سندھ گویا دشمن ملکوں کی صف میں داخل ہو چکا تھا۔ اس طرح سندھ سے اسلامی حکومت کو پہلی شکایت یہی ہوئی کہ سندھی، ایرانیوں کے ساتھ مل کر اسلامی لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے۔ اس لئے مسلمانوں کی دیکھ بھال کرنے والے بحری قافلے اور جنگی بیڑے اسی زمانے میں ہندوستان کے ساحل سے بھی آکر ٹکرانے لگے، اور

Marfat.com

سپاہی مختلف جگہوں پر اتر کر چھاپے مارنے لگے، اس سلسلہ میں عربوں کا پہلا جنگی بیڑہ عہدِ فاروقی میں ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں حکم بن ابی العاص ثقفی کی سرکردگی میں بحرین و عمان کے والی عثمان بن ابی العاص کے حکم سے تھانہ (علاقہ بمبئی) میں آیا اور اس شہر کو نشانہ بنایا۔[1] اس طرح اس عہدِ فاروقی میں عربی جنگی بیڑے ساحل کوکن سے ٹکرائے، پھر بھروچ پر، اس کے بعد سندھ کی بندرگاہ دیبل (ٹھٹھہ) پر حملہ ہوا، پھر بحرین سے کچھ جہاز والے خلیج کھمبایت میں آکر شہر بروڈہ کو روند ڈالا، ان کے علاوہ ایک بیڑا اور آیا جو دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچا تھا، ان میں سے ایک مہم مغیرہ بن ابی العاص کی سرکردگی میں آئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ان حملوں کی ذمہ داری خود قبول نہیں کی، بلکہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مہم بھیجنے والے پر مقامی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کرنے کی ذمہ داری عائد رکھی۔[2]

خراسان کی فتح ۲۲ھ / ۶۴۳ء اور کیانی سلطنت کا خاتمہ

خراسان کا شہر مرو کیانی سلطنت کا ان دنوں پایۂ تخت تھا، یزدگرد کی حکومت کو ختم کرنے کی رائے سب سے پہلے احنف بن قیس نے دی تھی، اس لئے خراسان کا علم انہی کو عطا کیا گیا تھا، کہ وہ اپنے اس منصوبہ کو عمل میں لائیں۔ ان دنوں خراسان کے مشہور شہر ہرات، نیشاپور، مرو، بلخ، سرخس، طوس وغیرہ تھے۔ احنف ۲۲ھ / ۶۴۳ء میں خراسان کے حدود

---

[1] فرانسیسی مورخ موسیو سدیو نے اس واقعہ کو ۱۶ھ / ۶۳۷ء کا لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اقتدار حاصل کر لیا۔

[2] اس طرح یہ پیش قدمیاں نہ ملک گیری کے لئے تھیں اور نہ بارگاہ خلافت کے حکم سے تھیں، اس لئے طبری کا یہ بیان اپنی جگہ صحیح ہے کہ مکران عہدِ فاروقی میں فتوحات کی آخری حد ہے اور بلاذری کا بیان بھی اپنی جگہ صحیح رہتا ہے کہ اسلام کے مجاہدین کے قافلے ہند و سندھ کے ساحلوں پر اترے اور ان واقعات کو ہندوستان پر عربوں کے ابتدائی حملے سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

میں داخل ہوئے، سب سے پہلے ہرات پہنچے اور اس کو فتح کرکے پایہ تخت مرو کا رخ کیا جہاں شہنشاہ یزدگرد موجود تھا، اس نے اسلامی لشکر کے آنے کی خبر سن کر مرو کو خالی کر دیا، دوسرے شہر مرورود چلا گیا۔ احنف نے مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، اور مرو پر حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑا اور خود یزدگرد سے مقابلہ کرنے مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد نے مرورود سے خاقانِ چین اور دوسرے حکمرانوں کو حصولِ امداد کے لئے نامے لکھے اور مرورود سے بلخ چلا گیا، احنف بھی اس کے تعاقب میں بلخ پہنچے، اس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں بھی آگئیں، صف آرائی ہوئی، یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے جیحون پار کرکے تاتاری علاقہ میں چلا گیا جو خاقانِ چین کی حکومت میں تھا احنف نے میدان خالی پا کر خراسان کے علاقہ میں ہر طرف فوجیں بھیج دیں، اور نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا کہ کیانی سلطنت کا پرچم سرنگوں ہو گیا۔ خراسان کا چپہ چپہ زیرنگیں آگیا۔ حضرت عمر نے فرمان بھیجا کہ اب دریائے جیحون سے آگے نہ بڑھو۔

تاتاریوں کی مدد سے بازیافت کی کوشش

یزدگرد نے خاقان چین سے مدد لے کر سلطنت کی بازیافت کی آخری کوشش کی۔ خاقان نے کسریٰ کی قدیم عظمت و شوکت کا پاس کرکے یزدگرد کی بڑی عزت و توقیر کی، اور ایک فوج گراں لے کر یزدگرد کے ہمراہ خراسان کی طرف چل پڑا۔ احنف چوبیس[۲۴] ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں موجود تھے، خاقان کی آمد سن کر مرورود آئے، خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا اور یزدگرد، خاقان سے الگ ہو کر مرو کی طرف بڑھا، تاتاری و اسلامی فوجیں مدت تک آمنے سامنے مورچے جمائے کھڑی رہیں، پھر جنگ کا آغاز ہوا، تاتاریوں کا دستور تھا کہ پہلے وہ تین بہادروں کو میدان میں یکے بعد دیگرے بھیجتے تھے، ایک تاتاری میدان میں آیا، احنف نے خود بڑھ کر برچھی کا وار کیا۔ تاتاری زمین پر گر کر مر گیا۔ دو اور تاتاری بھی اسی طرح احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔

Marfat.com

خاقان نے سوچا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مآل اندیشی نہیں، فوج سے کہا بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ اسی وقت کوچ کا حکم دیا اور اپنے حدود سلطنت میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کا آخری انجام یزدگرد مرو کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ خاقان کی واپسی سن کر اس کی رہی سہی امید ختم ہو گئی، خزانہ اور جواہرات کو لے کر ترکستان جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں نے دیکھا، ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے، یزدگرد سے کہا، چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں، مسلمان دین و مذہب رکھتے ہیں اور عہد کے پابند ہیں، ان سے صلح کر لی جائے۔ یزدگرد نے یہ رائے قبول نہیں کی، اور چین جانے پر اصرار کیا تو اس کے سارے خزانے کو چھین لیا اور وہ دوبارہ خاقان کے دربار میں تہی ہاتھ پہنچا اور فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا پھرا۔

ایرانیوں کی مخلصانہ اطاعت یزدگرد کے جانے کے بعد ایرانی احنف کی خدمت میں پہنچے، یزدگرد کے خزانہ کو ان کے قدموں پر ڈال دیا، احنف نے ان کی اطاعت قبول کی، اور ایرانی قوم کے ساتھ ایسے حسنِ سلوک سے پیش آئے کہ اسلامی عہد کی راحت رسانی و فارغ البالی کو دیکھ کر وہ اکاسرہ کے عہد حکومت کو بھول گئے۔

نامۂ فتح اور حضرت عمر کی تقریر احنف نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا، قاصد مدینہ پہنچا، تو حضرت عمر نے سب کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا، اور ایک پُراثر تقریر کی، جس کے آخر میں کہا۔

> "آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی، زمین کا ایک چپہ بھی اب ان کے قبضہ میں نہیں، اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کی دولت کا تمہیں وارث بنایا، لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہیں رہے، تو خدا تم سے بھی حکومت چھین لے گا، اور دوسروں کو عطا فرما دے گا۔

خداوندا! تو ہی ملکوں کا مالک ہے، جس کو چاہتا ہے ملک
دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت
دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے خوار کرتا ہے، ساری بھلائیاں تیرے ہی
ہاتھ میں ہیں"

فتوحات شام، اردن، فلسطین و مصر

فتح دمشق ۱۴ھ / ۶۳۵ء عہد صدیقی میں شام کے فتوحات کا سلسلہ اس کے صدر مقام دمشق کے محاصرہ تک پہنچا تھا، اس کی فتح کی تکمیل عہد فاروقی میں ہوئی۔ یاد ہوگا خالد بن ولید ۱۳ھ / ۶۳۴ء میں اس شہر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، آج کل اردن و فلسطین الگ الگ ملک ہیں لیکن اس زمانہ میں یہ دونوں شام کے ضلاع تھے۔ شام چند ضلعوں دمشق، اردن، حمص، انطاکیہ اور فلسطین وغیرہ میں تقسیم تھا، اور یہ سب شامی علاقے تھے، اور جیسا کہ اوپر گذرا، ان میں سے چار علاقوں کی فتح کے لئے چار الگ الگ افسر متعین کئے گئے تھے، اور دمشق کی مرکزیت کے لحاظ سے ان میں سے ابوعبیدہ، عمرو بن العاص اور شرجیل بھی اپنے لشکر لئے یہیں آگئے تھے اور دمشق کو مختلف سمتوں سے گھیر لیا تھا اور ایک دستہ کو ذوالکلاع کی سرکردگی میں دمشق سے ایک منزل دور حمص کی راہ پر بھیج دیا گیا تھا کہ وہ ہرقل کی امدادی فوج کی راہ روکے، چنانچہ وہ فوج دمشق نہیں پہنچ سکی، اسی اثناء میں ایک اتفاقی واقعہ مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ دمشق کے بطریق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا، اس تقریب کے جشن مسرت میں جلسے ہوئے اور کثرت سے شرابیں پی گئیں اور لوگ سرشام سو گئے۔ خالد رات کو سوتے کم تھے، محصورین کی خبر رکھتے تھے۔ اس شب میں انھوں نے موقع کو غنیمت سمجھا، اسی وقت اٹھے، چند بہادروں کو ساتھ لیا، مشک کے سہارے پانی سے لبریز خندق کو پار کیا، کمند کے ذریعہ دیوار پر چڑھ گئے۔ رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکادی، تھوڑی دیر میں چند جاں نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اتر کر دربانوں کو

تہ تیغ کیا، قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے، اُدھر فوج تیار کھڑی تھی، سیلاب کی طرح گھس گئی۔ شہر کے عیسائی یہ رنگ دیکھ کر بدحواس، ابو عبیدہ کے پاس پہنچے، وہ خالد کے شہر میں داخلہ سے بے خبر تھے، انھوں نے جزیہ کی شرط پر شہر والوں کو امان دے دی اور دوسرے راستہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ ایک بازار میں ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا، ابو عبیدہ امان دے چکے تھے، اس لئے شہر کا وہ حصہ بھی مامون قرار پایا جو خالد کے حسن تدبیر سے فتح ہوا تھا، نہ کوئی چیز مالِ غنیمت قرار پائی اور نہ کوئی لونڈی یا غلام بنایا گیا۔ دمشق کی یہ فتح بلادِ شام کی فتح کا دیباچہ تھی جو ۱۴ھ ۶۳۵ء میں حاصل ہوئی۔

فتح اردن ۱۴ھ ۶۳۵ء دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اردن کا رُخ کیا۔ ہرقل نے اردن کے شہر بیسان میں فوجوں کا اجتماع کیا، جس میں وہ فوج بھی تھی جو دمشق نہیں پہنچ سکی تھی۔ یہ تیس چالیس ہزار کی تعداد میں ایک رومی سردار سکلار کے ماتحت تھی، مسلمانوں نے اردن میں داخل ہو کر مقامِ فحل میں پڑاؤ ڈالا، جو اردن کے صدر مقام طبریہ سے چند میل پر واقع تھا، اور طبریہ بیسان سے جہاں رومی لشکر جمع تھا، اٹھارہ میل تھا۔ رومیوں نے گفتگو کے لئے سفارت طلب کی، حضرت معاذ بن جبل بھیجے گئے، رومیوں نے بلقار کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو اسلامی سلطنت سے متصل تھا، حوالہ کر دینے کی پیش کش کی کہ لشکر واپس چلا جائے۔ معاذ نے انکار کیا تو رومی سردار نے براہ راست ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا اور فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دینے کو کہا، لیکن یہاں اسلام یا جزیہ کے سوا کوئی دوسری راہ نہ تھی، آخر ابو عبیدہ نے فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ اب دونوں فوجیں قریب آ چکی تھیں، لیکن اس دن رومی مقابلہ میں نہ آئے، دوسرے دن خالد سواروں کا دستہ رکاب میں لے کر نکلے، ادھر سے رومیوں کے تین دستے یکے بعد دیگرے آئے، مقابلہ کی تاب نہ لا سکے خالد رومیوں کو دباتے اور آگے بڑھتے گئے، اس کے بعد خالد نے ابو عبیدہ سے مشورہ کے بعد گھمسان کی جنگ کے لئے، فوج قرینہ سے مرتب کی، اُدھر رومی بھی پچاس ہزار میدان میں آ چکے

Marfat.com

تھے، ہوشمندی سے صف آرائی کی، رومیوں کا ایک رسالہ خالد کے ہراول پہ حملہ آور ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے، جب رسالہ اپنی فوج سے دور نکل آیا تو زور شور سے حملہ کیا۔ صفیں کی صفیں اُلٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور ہوا، قلب بھی محفوظ نہ رہ سکا، آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نہایت بدحواسی سے بھاگے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا، اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ جواب آیا کہ رعایا ذمّی قرار دی جائے اور زمین زمینداروں کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے۔ فحل کے اس معرکہ کے بعد اردن کے تمام شہر اور مقامات آسانی سے قبضہ میں آگئے اور ہر جگہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں۔

فتح بعلبک وحمص ۱۴ھ ۶۳۵ء اردن کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے اسی سال ۱۴ھ ۶۳۵ء میں حمص کی طرف کوچ کیا، یہ اہم شہر تھا، راہ میں بعلبک پڑا، جو خفیف سی مزاحمت کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص قریب پہنچا، تو رومیوں نے شہر سے آگے بڑھ کر مقام جاسیہ میں مقابلہ کیا، لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو ایک فوج دے کر حمص روانہ کیا اور خود رومیوں کی بکھری ہوئی فوج کا صفایا کرتے رہے۔ چند دن کے بعد خالد اور دوسرے قائدین کے لشکر نے آکر حمص کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کی امدادی فوج آرہی تھی، سعد بن ابی وقاص نے اس کو روک دیا۔ حمص والوں نے صلح کی درخواست کی، اور شہر مفتوح ہوا۔

فتح حماۃ ولاذقیہ وغیرہ ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو حمص میں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف بڑھے، اس شہر نے بھی جزیہ قبول کیا۔ وہاں سے شیزر پھر معرۃ النعمان پہنچے، یہاں کے لوگوں نے بھی اطاعت قبول کی، پھر لاذقیہ کا رُخ کیا اور اس تاریخی شہر کے قریب پڑاؤ ڈال دیا، اہل شہر قلعہ بند ہو گئے، ابو عبیدہ نے میدان میں جا بجا پوشیدہ غار کھدوائے

Marfat.com

اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی سمت روانہ ہوگئے۔ اہل شہر مطمئن ہو کر شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوگئے، ابو عبیدہ اسی شب کو فوج لے کر واپس آئے، غاروں میں چھپ رہے، صبح کے وقت شہر پناہ کے دروازے کھلے ہوئے تھے کمین گاہوں سے نکل کر دفعتاً حملہ کیا اور دم کے دم میں شہر فتح ہو گیا۔

مزید پیش قدمی کی ممانعت ابو عبیدہ نے اب ہرقل کے شامی پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، کچھ فوجیں اس طرف بھیج دیں، لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس ارشاد کے بعد فوجیں واپس بلا لی گئیں، اور مختلف مفتوحہ شہروں کے لئے امیر و نائب امیر مقرر کر دیئے گئے، خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق چلے گئے، ابو عبیدہ نے حمص میں اقامت کی اور عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔

رومیوں کی فریاد ہرقل کے دربار میں! ادھر حضرت عمرؓ نے مزید پیش قدمی روک دی اُدھر قیصر مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور رومیوں کی درماندگی سے مایوس ہو کر شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا کہ شام و اردن کے شکست خوردہ رومی جو شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے، اکٹھا ہو کر ہرقل کے دربار میں پہنچے کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر رکھا ہے، وہ کب تک ایسی زندگی گذاریں۔ ہرقل کا ارادہ بدلا، اس نے رومی سرداروں کو جمع کر کے ان سے پوچھا۔ کہ عرب اپنی طاقت، جمعیت اور سرو سامان میں تم سے کم ہونے کے باوجود تم پر کیوں فتحیاب ہو رہے ہیں؟ سب نے ندامت سے سر جھکا لیا، لیکن ایک تجربہ کار رسیدہ سردار نے جرأت کی اور برملا صفائی سے کہنا شروع کیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں سب برابری سے ملتے ہیں اور اقرار کی پابندی کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف ہماری زندگی مے نوشی و بدکاری میں گذرتی ہے، ایک دوسرے پر ظلم کرتے، اور کوئی اقرار کرتے ہیں تو پابندی نہیں کرتے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال پایا جاتا ہے، اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت و استقلال

Marfat.com

سے خالی ہوتا ہے"۔

ہرقل کی عظیم فوجی تیاری یہ سن کر قیصر کو سخت غیرت آئی اور عزم و ثبات اور جوش و استقلال سے اپنی شہنشاہی کا پورا زور ایک مرتبہ پھر عرب کے مقابلہ میں صرف کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کی طلبی کے احکام جاری کر دیئے اور چند دنوں کے اندر فوجوں کا ایک طوفان انطاکیہ میں امنڈ آیا۔

عیسائی رعایا کی اسلامی حکومت سے ہمدردی دوسری طرف جو عیسائی مفتوحہ شہروں میں بسے ہوئے تھے وہ اسلامی عدل و انصاف کے سبب اسلامی حکومت کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ وہ اس کی ہر قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو گئے، یہاں تک کہ رومی کیمپ کی خبریں لانے کے لئے خود اپنے جاسوس مقرر کئے اور تازہ حالات سے ابو عبیدہ کو آگاہ کرتے رہے۔

حمص کا انخلاء ابو عبیدہ نے اسلامی لشکر کے ممتاز قائدین کی مجلس شوریٰ منعقد کی، صورت حال سے انھیں آگاہ کیا، آئندہ راہ عمل متعین کرنے کے لئے مجلس میں مختلف رائیں ظاہر کی گئیں اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو ابو عبیدہ نے افسر خزانہ حبیب بن مسلمہ کو بلا کر ہدایت کی کہ عیسائیوں سے جزیہ یا خراج کی جو رقم وصول کی گئی ہے، وہ انھیں لوٹا دی جائے، اس لئے کہ موجودہ نازک حالات میں ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان سے کہہ دو کہ ہمیں تمہارے ساتھ جو تعلق ہے وہ اب بھی قائم ہے، لیکن جزیہ کی رقم اس لئے واپس کی جا رہی ہے کہ وہ ان کی حفاظت کا معاوضہ ہے جس خدمت کو ابھی ہم انجام نہیں دے سکتے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی، واپس کر دی گئی، اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ عیسائی روتے جاتے اور کہتے جاتے کہ خدا تم کو واپس لائے، یہود نے اس سے بھی زیادہ جوش سے کہا کہ توریت کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں، قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا، اسی طرح جہاں جہاں جزیہ کی رقم

Marfat.com

وصول کی گئی تھی، ہر جگہ واپس کرنے کے احکام لکھ کر بھیج دیے، جن کی تعمیل کی گئی، اور خود فوج لے کر دمشق کو روانہ ہوئے، اور حضرت عمر کو حالات کی اطلاع دی، وہ رنجیدہ ہوئے، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ پوری فوج اور افسروں کا یہی متفقہ فیصلہ ہے، تو تسلی ہوئی، کہ خدا نے کسی مصلحت سے اس پر تمام مسلمانوں کو متفق کیا ہوگا۔

ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر خالد، یزید بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ اور معاذ بن جبل سے مشورہ کیا، اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد اردن سے آیا، کہ حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بد دلی کا سبب ہوا، اس کی وجہ سے اردن کے اضلاع میں بھی بغاوت پھیل رہی ہے، ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ ہم نے حمص کو ڈر کر نہیں چھوڑا، دشمن کو محفوظ مقاموں سے نکالنا اور بیشتر اسلامی لشکروں کو یکجا کرنا مقصود ہے، تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، ہم وہیں آکر تم سے ملتے ہیں

دمشق سے کوچ دوسرے دن ابو عبیدہ متحدہ لشکر لئے دمشق سے روانہ ہوئے اور اردن کے حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا، یہ مقام موقع جنگ کے لحاظ سے مناسب نظر آیا، عرب کی سرحد دوسرے مقاموں کی بہ نسبت یہاں سے قریب اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا، ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو پھر قاصد بھیجا کہ رومی بر و بحر سے اُبل پڑے ہیں، علماء اور خانقاہ نشیں بھی نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت عمر نے قاصد سے پوچھا دشمن کہاں پر ہیں، معلوم ہوا یرموک سے تین چار منزل پر ہیں۔ مدینہ کے انصار و مہاجرین جنگ میں شریک ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے، مگر اب اس کا وقت نکل چکا تھا کہ میدان جنگ میں پہنچ سکتے، حضرت عمر نے پُر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور ہدایت کی کہ اس کو فوج کی ہر صف میں سنا دیا جائے، اور نیز اس سے پہلے سعید بن عامر کی سالاری میں جو ایک ہزار فوج بھیجی تھی، وہ وقت پر پہنچ گئی۔

یرموک کی فیصلہ کن جنگ ۵ رجب ۱۵ھ ۶۳۶ء اس اثنا میں رومی لشکر بھی آندھی اور

Marfat.com

طوفان بن کر یرموک کے میدان میں پہنچ گیا، اب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل تھیں، رومیوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت کی چوبیس[۲۴] صفیں قائم کیں جن کے آگے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تیس[۳۰] پینتیس[۳۵] ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے۔ شجاع سے شجاع قبیلے اپنے شجاع ترین سرداروں کے ساتھ تھے، ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ مبارک دیکھا تھا، جن میں سے ایک سو کو بدر میں بھی شرف ہمرکابی حاصل ہو چکا تھا، خوش الحان قاری جہاد کی آیتیں تلاوت کرتے اور سحر بیان خطیب فوج کو جوش و ہمت دلاتے تھے۔ سب سے پہلے ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور مبارزہ طلب کیا۔ خالد کے اشارہ سے قیس بن ہبیرہ جھپٹ کر پہنچے، ایک ہی وار میں بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا اور کام تمام ہوا۔ مسلمانوں نے نعرہ مارا، خالد نے کہا، شگون اچھا ہے، عیسائی خالد کے ہمرکاب افسروں پر ٹوٹ کر گرے، لیکن سب نے شکست کھائی اور سردست لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رات کو رومی سپہ سالار باہان نے باہمی مشورہ سے اسلامی لشکر سے سفارت طلب کی کہ انھیں مال و زر کی طمع دلا کر ٹالا جائے۔ ایک قاصد جارج اسلامی کیمپ میں آیا۔ یہاں مغرب کی نمازِ باجماعت میں مسلمانوں کی محویت و ادب و خضوع سے متعجب ہو آیا حضرت عیسیٰ کے متعلق کچھ سوال کئے اور رومی کیمپ میں واپس نہ جانا چاہا۔ ابو عبیدہ نے کہا ہمارے سفیر کے ساتھ واپس آجانا، یہاں تمھارا رہ جانا بدعہدی ہو گی، حضرت خالد سفیر بن کر گئے، باہان نے کچھ ابتدائی گفتگو کے بعد کہا کہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالاروں کو دس ہزار دینار، افسروں کو ہزار ہزار اور سپاہیوں کو دو دو[۲] سو دینار دلا دیئے جائیں، حضرت خالد نے جواب میں اپنی تقریر کی، جس کے آخر میں اسلام، جزیہ یا تلوار کی شکل پیش کی۔ باہان نے جزیہ کا نام سن کر ٹھنڈی سانس بھری اور لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ خالد اٹھ کر چلے آئے۔ دوسری

Marfat.com

صبح کو رومی اس جوش و سروسامانی سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوئی، خالد نے بھی اپنی فوج کے چھتیس حصے کئے اور اپنی اپنی جگہ ترتیب سے سب کو کھڑا کیا۔ عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، تیروں کا مینہ ایسا برسا کہ مسلمانوں کا میمنہ فوج سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ عیسائی انھیں دبلتے پیچھے ہٹاتے گئے، پیچھے سے مسلمان عورتوں نے خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں، کہ ادھر آئے تو سر پھاڑ دوں گی، آخر چند شجاعان قریش نے جان نثاری کی، اکھڑے ہوئے قدم سنبھل گئے، پھر جنگ کی شدت یہ تھی کہ ہر طرف سر، ہاتھ، بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے، پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے نامی جانباز عمرو بن الطفیل، عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن ازور وغیرہ شہید ہوئے، لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے، دفعتاً قیس بن ہبیرہ میسرہ کے عقب سے نکلے، سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، شرجیل نے بہادری سے مقابلہ کیا اور دستوں کو خالد اپنے حسن تدبیر سے آگے پیچھے بڑھا رہے تھے، آخر رومی سردار سنبھل نہ سکے، تمام صفیں ابتر ہو گئیں، گھبرا کر پیچھے ہٹیں، رومی ہٹتے چلے گئے، میدان کے کنارے ایک نالا تھا، ان کی لاشوں سے وہ نالا پٹ گیا اور میدان خالی ہو گیا۔ رومی ستر ہزار سے ایک لاکھ کی تعداد میں مارے گئے، مسلمان تین[۲] ہزار شہید ہوئے جن میں ضرار، ہشام بن عاصی، ابان اور سعید وغیرہ ممتاز قائدین بھی تھے، قیصر انطاکیہ میں تھا، شکست کی خبر پہنچی تو اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی، چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا "الوداع اے شام"

فتح قنسرین ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا، فتح کی خبر سن کر دفعتاً سجدے میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ابو عبیدہ یرموک سے حمص واپس آ گئے، خالد قنسرین روانہ ہوئے، شہر والوں نے اول مقابلہ کیا، پھر جزیہ کی شرط پر صلح کی، یہاں کچھ عرب قبائل بھی آباد تھے، وہ مسلمان ہو گئے۔

فتح حلب و انطاکیہ دوسری طرف ابو عبیدہ نے حلب کا رخ کیا، شہر کے باہر میدانی علاقہ کی آبادی نے بھی جزیہ کی شرط پر اطاعت قبول کی۔ یہاں زیادہ تر عرب تھے۔ تھوڑے

دنوں کے بعد سب اسلام لے آئے، پھر حلب والوں نے بھی جزیہ کی شرط مان کر اطاعت کی اس کے بعد انطاکیہ آئے۔ یہ شام میں قیصر کا پایہ تخت تھا۔ چند دنوں کے محاصرہ کے بعد یہ شہر بھی جزیہ کی شرط پر فتح ہوا، اس کے بعد نوبت یہ آئی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت لے کر بد معر نکل گیا، لوگ امن وصلح کے خواستگار ہوئے، چنانچہ بوقا، جومہ، سریں، توزی، تورن، تل، غراز، دلوک، رعیان، بالس، قاصرین وغیرہ چھوٹے بڑے مقامات زیر نگیں آ گئے۔ جومہ کے باشندوں نے جزیہ کی بجائے فوجی خدمت دینی چاہی، وہ منظور کی گئی۔

انطاکیہ کے قریب بغراس اور مرعش دو شہروں میں عیسائی عرب قبائل غسان، تنوخ، ایاد وغیرہ آباد تھے، یہاں ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی ہے، یہ لوگ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے بغراس کے لوگوں کو گھیرا، ہزاروں قتل ہوئے، مرعش والوں سے خالد نے کہا کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں، اس طرح یہ پورا علاقہ اسلامی سطوت میں آ گیا۔

فتح بیت المقدس ۱۶ھ، ۶۳۷ء حضرت ابوبکرؓ نے فلسطین کی مہم عمرو بن العاص کے سپرد کی تھی اور عہد فاروقی تک وہ نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آتا، تو فلسطین سے وہ ابوعبیدہ وخالد کی مہم میں شریک ہوتے پھر فلسطین واپس آ جاتے تھے یرموک کے فیصلہ کن معرکہ کے بعد بیت المقدس کا رُخ کیا، عیسائیوں نے صلح کی درخواست اس شرط کے ساتھ پیش کی کہ حضرت عمر خود تشریف لا کر معاہدۂ صلح پر دستخط فرمادیں، بیت المقدس عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کا قبلہ تھا، پھر اسلام کا بھی قبلۂ اول رہ چکا تھا اور یہاں کی مسجد اقصیٰ معراج نبوی میں منزل اول تھی، اس کی اس تاریخی حیثیت اور مذہبی تقدس کا لحاظ رکھ کر عمرو بن العاص نے عیسائیوں کو مہلت دی اور ان کے مطالبہ کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمر نے صحابہ کی مجلس شوریٰ میں اس مسئلہ کو رکھا، جس میں حضرت عثمان نے رائے دی کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل

ہو چکے ہیں، ان کی درخواست رد کر دی جائے، لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی کہ عیسائیوں کی خواہش پوری کر دی جائے چنانچہ حضرت عمر نے ان ہی کی رائے کو پسند کیا اور حضرت علی کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کئے اور رجب ۱۶ھ ۶۳۷ء میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

حضرت عمر کا ورود بیت المقدس اور معاہدہ حضرت عمر، دمشق کے قریب جابیہ پہنچے تو افسران فوج استقبال کو آئے، ان کے بدن پر پر تکلف لباس تھے، حضرت عمر کو سخت غصہ آیا، گھوڑے سے اتر پڑے، سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں، افسروں نے قبائیں اٹھا کر دکھائیں کہ ان کے نیچے ہتھیار ہے یعنی سپہ گری کا اصل جوہر ساتھ ہے، دمشق میں زیادہ دن قیام رہا، بیت المقدس کے عیسائی یہیں پہنچے، اور معاہدہ لکھا گیا، معاہدہ کے متن کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائیگی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے صلیبوں اور مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں۔ یونانیوں کو یعنی قیصر کی رعایا کو جو اسلامی حکومت سے برسر جنگ ہے، اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے، نکال دیں، ان میں سے جو یہاں سے جائے گا اس کی جان و مال کو امن ہے، تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ کو پہنچ جائے، اور جو ایلیا ہی میں رہنا چاہے (یعنی اسلامی حکومت کی شہریت قبول کر لے) تو اس کو

Marfat.com

بھی امن ہے، اور اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیا۔ الوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے، تو ایسے لوگوں کو بھی اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔

اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا، اس کے رسول، اس کے خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ معززہ ادا کرتے رہیں، اس تحریر پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں ۱۷ھ سنہ ۶۳۸ء میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔"

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر بیت المقدس روانہ ہوئے جس گھوڑے پر سوار تھے، اس کے سم گھس گئے تھے، رک رک کر چلتا تھا، آپ اتر پڑے، لوگوں نے ترکی نسل کا عمدہ گھوڑا حاضر کیا، گھوڑا شوخ اور چالاک تھا، حضرت عمر سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا۔ فرمایا "کم بخت! تو نے یہ غرور کی چال کہاں سیکھی؟" یہ کہہ کر اتر پڑے، پیادہ پا چلے، بیت المقدس قریب آیا تو ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو گئے۔ افسران فوج کو حضرت عمر کے معمولی حیثیت کے لباس و سرو سامان کو دیکھ کر سبکی محسوس ہوئی کہ عیسائی دیکھ کر کیا کہیں گے۔ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمر نے فرمایا "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت دی ہے، اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔"

حضرت عمر بیت المقدس میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجد میں گئے، جس کو قرآن میں مسجد اقصیٰ کہا گیا ہے، اور محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا، پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے، کنیسہ قمامہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا، بطریق نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں، حضرت عمر نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی۔ بطریق سے کہا اگر میں کنیسہ میں نماز پڑھ لیتا تو آئندہ مسلمان اس پر قبضہ کرنے کا حق جتاتے کہ ہمارے

Marfat.com

خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی ہے۔ پھر ایک تحریر لکھ دی کہ زینہ پر نہ اذان ہو نہ جماعت ہو۔

مسجد عمر کی تعمیر اور حضرت بلال کی اذان

پھر مقام صخرہ کے پاس ایک مسجد کی تعمیر کی گئی۔ ملبہ کو صاف کرنے میں حضرت عمر نے بھی شرکت کی۔ یہی مسجد اب مسجد عمر کہی جاتی ہے۔ ایک دن نماز کے وقت حضرت عمر نے حضرت بلال سے فرمایا کہ بلال اذان دو۔ انھوں نے عرض کی کہ میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کا ارشاد بجا لاتا ہوں۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا زمانہ یاد آگیا۔ رقت طاری ہوئی، ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے۔ حضرت عمر کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

سپاہیوں کا کھانا

حضرت عمر کا بیت المقدس میں کچھ دنوں قیام رہا۔ اس اثناء میں مختلف قسم کی شکایتیں رفع کرتے اور اصلاحی کام کرتے رہے۔ ایک دن حضرت بلال، حضرت عمر کی خدمت میں آئے اور شکایت کی کہ ہمارے افسر میدہ کی روٹیاں اور پرند کا گوشت کھاتے ہیں، عام سپاہیوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر نے افسروں کی طرف دیکھا، انھوں نے جواب میں کہا، یہاں ارزانی زیادہ ہے، جتنی قیمت میں حجاز میں کھجوریں اور روٹیاں ملتی ہیں، اتنی ہی قیمت میں یہاں میدہ اور پرند کا گوشت مل جاتا ہے۔ حضرت عمر افسروں کو کسی خاص قسم کا کھانا کھانے پر تو مجبور نہ کر سکے، مگر حکم دیا کہ تنخواہ اور مال غنیمت کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

حضرت عمر کے سفر بیت المقدس کی تاریخی اہمیت اور سفر سے واپسی

حضرت عمر کا یہ سفر اسلام کی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ معاہدہ میں جان، مال، مذہب کی ضمانت دی گئی ہے، کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں، ان ہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ خود خطرہ کو رفع کرنے کے لئے کنیسہ میں نماز نہیں پڑھی سیڑھی پر آکر تنہا نماز پڑھی اور تحریر لکھ دی کہ یہاں پر اذان و نماز نہ ہو برسر جنگ یونانیوں

رومیوں کو بھی حق شہریت دے کر بیت المقدس میں قیام کی اجازت دی، اور جس نے یہاں سے جانا چاہا اس کو مامون و محفوظ جانے کی اجازت دی، اور چونکہ عیسائیوں کے خیال میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اسی مقام پر صلیب دے کر قتل کیا تھا اس لئے ان کے جذبات کا لحاظ رکھ کر انھیں بیت المقدس میں قیام کی اجازت نہیں دی گئی اور رہنے والوں اور جانے والوں سب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔

حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

عیسائیوں کی حمص کے محاصرہ کی ناکام کوشش

جزیرہ کے عیسائیوں نے جن کی سرحد شام و عراق دونوں سے ملی ہوئی تھی، قیصر سے ساز باز کر کے اس کو آمادہ کر لیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر شام کی سیاست میں دخل انداز ہو، چنانچہ اس نے ایک بڑا لشکر حمص کے محاصرہ کے لئے روانہ کر دیا اور جزیرہ کے عیسائیوں نے بھی اکٹھا ہو کر شام کی طرف پیش قدمی کی۔ ابو عبیدہؓ نے شہر سے نکل کر پڑاؤ ڈال دیا اور حضرت عمرؓ کو حالات کی اطلاع دی۔ اُدھر سعد بن ابی وقاص نے عراق سے دربار خلافت میں جزیرہ کے یہ حالات [illegible] اس پر چڑھائی کرنے کے لئے لکھا حضرت عمرؓ نے حمص پر حملہ آوری کی خبر سن کر آٹھ چھاؤنیوں میں قاصد دوڑا دیئے جہاں چار چار ہزار گھوڑے کسی فوری ضرورت کے لئے بندھے رہتے تھے اور مختلف افسروں کو متعین کر کے کچھ کو اپنی فوج حمص کی سمت لانے کی ہدایت کی اور کچھ جزیرہ کے رُخ پر بھیج دیئے گئے اور خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے دمشق آ گئے، اس اثناء میں حملہ آور فوجیں، جیسا کہ اوپر گذر چکا، جزیرہ میں داخل ہو گئیں، جب جزیرہ کے ان عیسائیوں کو جو شام آئے ہوئے تھے خود اپنے وطن کے خطرہ میں گھر جانے کا علم ہوا تو ان [illegible] کھلبلی مچ [illegible] دریدہ ان عیسائیوں سے علیحدہ ہو گئے اور اہل جزیرہ سراسیمگی کی حالت میں جزیرہ واپس چلے گئے، حمص کے میدان میں جو فوجیں بالمقابل آ گئی تھیں ان میں مقابلہ ہوا اور عیسائی

Marfat.com

بری طرح شکست کھا کر بھاگے، اس کے بعد عیسائی کو عہد فاروقی میں پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد کی معزولی حضرت خالد فاتح شام اور فن حرب کے ماہر اور اس کے غیر معمولی اداشناس تھے، شہسواری و سپہ گری ان کا جوہر اور دشمن کی صف میں جرأت سے گھس جانا، بے جگری سے حملہ کرنا، صفیں کی صفیں الٹنا اور خود بچ کر اور اپنے دستہ کو بچا کر صاف نکل آنا ان کے فن کا کمال اور لشکر کی قیادت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ غزوات نبوی، خصوصاً جنگ موتہ، پھر فتنۂ ارتداد اور مدعیان نبوت کے استیصال میں ان کے ناقابل فراموش کارنامے انجام پا چکے تھے، اور عراق کی ابتدائی فتوحات پھر شام کی مکمل فتح کا سہرا بھی ان ہی کے سر تھا، اور اسی لحاظ سے فاتح شام کے لقب سے یاد کئے گئے لیکن منصب قیادت کے انتظامی فرائض ادا کرنے میں ان سے چند لغزشیں بھی سرزد ہوئیں اور یہ ان کی افتاد طبع کے مطابق تھیں، یاد ہوگا فتنۂ ارتداد و مدعیانِ نبوت کے استیصال کے موقع پر انھوں نے کھلے ہوئے فرمانِ خلافت کی خلاف ورزی کر کے مالک بن نویرہ کو قتل کرادیا اور مرتدین بنو حنیفہ کو ان کے اسلام قبول کرنے کی بجائے چند شرطوں پر انھیں امان دے دی اور جب حضرت ابو قتادہ مالک بن نویرہ کے قتل کئے جانے کے خلاف ان کی شکایت لے کر دربار خلافت عہد صدیقی میں پہنچے، تو حضرت عمر ان کے خلاف اس قدر برہم ہوئے کہ ان کو گرفتار کئے جانے کی رائے دی، لیکن حضرت ابو بکر نے ان کی غیر معمولی جنگی صلاحیتوں اور خدمتوں کا لحاظ کر کے حضرت عمر کی رائے قبول نہیں کی اور ان سے درگذر کیا، اسی طرح عراق و شام میں بھی، ان کے غیر معمولی خدمات تھے اور سپہ سالاری کے منصب پر سرفراز تھے لیکن منصبِ قیادت کے انتظامی و دفتری فرائض کے صحیح طور پر انجام دینے سے قاصر رہتے تھے، عہد صدیقی میں ان مسامحتوں سے بھی چشم پوشی کی گئی، لیکن جب حضرت عمر کا دور آیا تو انھوں نے فوج کے مصارف کے حساب و کتاب کے کاغذات طلب کئے، حضرت خالد نے جواب دیا کہ انھوں نے عہد صدیقی میں اس قسم کا کوئی حساب و کتاب مدینہ نہیں بھیجا حضرت

Marfat.com

عمر نے پھر لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو، حضرت خالد نے اس شرط کو منظور نہیں کیا، حضرت عمر نے ان کی جگہ ابو عبیدہ کو سپہ سالار بنا دیا اور ان کو ان کے ماتحت کر دیا، یہ واقعہ عہد فاروقی کے پہلے سال ۱۳ھ ۶۳۴ء میں پیش آیا، اس کے بعد ۱۷ھ ۶۳۸ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا، حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار انعام میں دے دیئے، حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے ابو عبیدہ کو لکھا کہ خالد نے اگر یہ انعام اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ اس کے ساتھ حضرت عمر نے قاصد کو ہدایت کی کہ وہ خالد سے اس رقم کے متعلق سوال کرے، اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں تو درگزر کیا جائے، ورنہ انھیں معزولی کا خط حوالہ کر دیا جائے اور معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے قیادت کی ٹوپی اتار لی جائے، اور سرتابی کی سرزنش میں ان کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی جائے۔ قاصد نے مجمع عام میں سوال دیا، تشفی بخش جواب نہ ملنے پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ سے گردن باندھ دی۔ مجمع دم بخود دیکھتا رہا، جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا، قاصد اس کے ساتھ یہ سب کچھ کرتا رہا، وہ دم بھی نہ مار سکا۔ اس واقعہ سے ایک طرف خالد کی نیک نفسی، حق پرستی اور اطاعت شعاری کا جوہر کھلتا ہے، دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

تاہم حضرت خالد کے جذبات مجروح ہوئے، معزولی کے بعد انھوں نے حمص میں ایک تقریر کی جس میں یہ بھی کہا کہ "امیر المومنین نے مجھ کو شام کا افسر بنایا، جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔" اس پر ایک سپاہی کھڑا ہوا اور کہا "سردار، چپ رہ، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔" خالد نے کہا "ہاں! مگر عمر کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔"

اس کے بعد حضرت خالد مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر سے ملے تو ان سے کہا "عمر! میرے معاملہ میں خدا کی قسم تم نے ناانصافی کی۔" حضرت عمر نے پوچھا "تمھارے پاس اتنی دولت

Marfat.com

کہاں سے آئی؟" انھوں نے کہا" مالِ غنیمت سے، ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ ہے' وہ میری نہیں' اس کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔" چنانچہ بیس ہزار سے زیادہ رقم نکلی، اس کو انھوں نے بیت المال میں جمع کردیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے خالد سے فرمایا" خدا کی قسم تم مجھ کو محبوب بھی ہو، اور تمھاری عزت بھی کرتا ہوں"۔ پھر ممالک محروسہ میں ایک گشتی مراسلہ (سرکلر) بھیجا جو ہر جگہ پڑھ کر سنایا گیا:

> "میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا، لیکن لوگ (ان کے کارناموں کے باعث شخصیت پرستی میں پڑ کر) ان کے مفتون و شیدا ہو رہے تھے اس لئے میں نے ان کو معزول کرنا مناسب سمجھا، تاکہ لوگ سمجھیں کہ جو کچھ کرتا ہے، خدا کرتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے خالد کو مختلف مقاموں پر گورنر کے منصب پر سرفراز کیا، پھر وہ خود اس منصب کی ذمّہ داری سے سبکدوش ہو کر مدینہ چلے آئے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو دوبارہ سپہ سالاری کے منصب پر بحال کرنا چاہا، مگر یہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور مدینہ میں شہری زندگی گذارتے رہے۔ یہیں ۲۲ھ/۶۴۳ء میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔[1]

۱؎ عرب مؤرخین نے حضرت خالد کے معزول کئے جانے کے واقعہ کو ۱۳ھ/۶۳۴ء اور ۱۷ھ/۶۳۸ء دونوں میں لکھا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ نے "الفاروق" میں ۱۷ھ/۶۳۸ء کی روایت قبول کی ہے اور اس کو اختلافِ بیان پر محمول کیا ہے، اور اس کی تردید کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی انھیں معزول کیا تھا۔ لیکن راقم سطور کے خیال میں واقعات کی ترتیب اور شہادتوں سے علامہ علیہ الرحمہ کے نقطۂ نظر کی تائید نہیں ہوتی۔ ہم نے ۱۳ھ و ۱۷ھ دونوں روایتوں کو قبول کر کے ان میں تطبیق دی ہے' اس لئے کہ عرب مؤرخین کا یہ بھی بیان آتا ہے کہ خالد' ابو عبیدہ کے ماتحت کردیے گئے تھے۔ دمشق سے بیت المقدس تک کی فتح کے جو واقعات گذرے' ان میں حضرت خالد کے جنگی خدمات بلا شبہہ نمایاں شانِ امتیاز کے ساتھ انجام پائے لیکن سپہ سالاری کے فرائض کے ادا کرنے کی خدمت ہر جگہ

Marfat.com

طاعون عمواس ۱۸ھ ۶۳۹ء اور حضرت عمر و ابو عبیدہ میں اختلاف رائے

مسلمانوں کو شام و عراق وغیرہ کی مہموں سے فراغت ہوئی تھی کہ ۱۷ھ ۶۳۸ء کے آخر میں اس پورے علاقہ میں طاعون کی سخت وبا پھیلی اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی، جیسا کہ معلوم ہے، فوج کی سپہ سالاری ابو عبیدہ کے پاس تھی اور بدقسمتی سے وہ تقدیر کے مسئلہ میں بڑے متشدد تھے سینکڑوں مسلمان وبا کی نذر ہوتے گئے، مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو پریشان و سراسیمہ وہ خود مدینہ سے روانہ ہوئے، مقام سرغ تک پہنچے تھے کہ صحابہ اور افسران فوج استقبال کے لئے آئے، ابو عبیدہ کے سوا سب نے بہ اتفاق حضرت عمر سے کہا کہ یہاں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں حضرت عمر نے حکم دیا، پکار دیں کہ کل کوچ ہے، ابو عبیدہ ضبط نہ کر سکے، طیش میں کہا "عمر! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟" حضرت عمر نے سخت کلامی گوارا کی اور کہا "ہاں! تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں، مگر تقدیر الٰہی کی طرف ہی بھاگتا ہوں" حضرت عمر نے مدینہ پہنچ کر ابو عبیدہ کو لکھا، کہ

ابو عبیدہ انجام دیتے دکھائی دیتے ہیں اور انہی نے ہر موقع پر بارگاہ خلافت میں نامۂ فتح بھی لکھا پھر حمص پر جب عیسائیوں نے بازیافت کے لئے چڑھائی کی تو ایک موقع پر خالد کی زبان سے یہ فقرہ بھی نکلا کہ "افسوس، میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا" پھر ۱۷ھ میں کلیتاً موقوفی کے وقت حضرت عمر نے خالد کے متعلق ابو عبیدہ ہی کو مخاطب کر کے لکھا، اس لئے حضرت خالد ۱۳ھ ۶۳۴ء سے ۱۷ھ ۶۳۸ء تک ابو عبیدہ کی ماتحتی میں جہاد کی خدمت انجام دیتے رہے اور میدان جنگ بلاشبہ ہر موقع پر انہی کے ہاتھ رہا، پھر ۱۷ھ ۶۳۸ء میں ایک شاعر کو دس ہزار انعام دے دینے کی پاداش میں ملازمت و افسری سے کلیتاً برطرف کر دیئے گئے۔ اس کے بعد وہ پھر کسی میدان جنگ میں نظر نہیں آئے اس طرح ۱۳ھ ۶۳۴ء میں وہ سپہ سالاری کے منصب سے معزول کئے گئے، اور ۱۷ھ ۶۳۸ء میں شعبۂ عسکری کے منصب افسری سے کلیتاً برطرف عمل میں آگئی اور کلاہ قیادت ان کے سر سے اتار لی گئی حضرت عمر نے پھر انہیں اس سے اونچی کلاہ سپہ سالاری جو ۱۳ھ ۶۳۴ء میں ان سے الگ ہوئی تھی، پہنانی چاہی، مگر انہوں نے خود اس کو قبول نہیں کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

Marfat.com

کہ تم سے مجھے کچھ کام ہے، کچھ دنوں کے لئے یہاں چلے آؤ۔ ابوعبیدہ ہٹتے تو کسی دوسرے کو سپہ سالار بنایا جاتا اور فوج کہیں اور منتقل کرلی جاتی، مگر ابوعبیدہؓ نے جواب دیا "میں اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ کو صدمہ ہوا، انھوں نے پھر لکھا، فوج جہاں ٹھہری ہے، وہ نشیب اور مرطوب ہے، کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی، جابیہ میں جاکر مقام کیا۔

مگر وبا یہاں بھی ساتھ ساتھ آئی، خود ابوعبیدہ بیمار پڑے، جب زندگی سے مایوسی ہوئی، معاذ بن جبل کو اپنا جانشین بنایا اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا، فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا، عمرو بن العاص نے کہا، یہ وبا انہی بلاؤں میں ہے، جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے تھے، یہاں سے کوچ کرجانا چاہیئے۔ معاذ بن جبل، ابوعبیدہ کے مثل، تقدیر کے مسئلہ میں متشدد تھے: عمرو بن العاص کی بات سنی تو منبر پر چڑھے اور کہا "یہ وبائیں خدا کی رحمت ہیں"۔ خیمہ میں واپس آئے تو بیٹے کو بیمار پایا، اس کو صبر کی تلقین کی، اس نے انتقال کیا۔ پھر معاذ خود بیمار پڑے، اب اکابر میں عمرو بن العاص سامنے تھے، حضرت معاذ نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی۔ عمرو بن العاص نے حضرت معاذ کی وفات کے بعد مجمع عام میں خطبہ دیا اور کہا، کہ جب وبا شروع ہوتی ہے، آگ کی طرح پھیلتی ہے، یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے۔ بعض صحابہ جو حضرت ابوعبیدہ و معاذ کے ہم خیال تھے، برہم ہوئے اور غصہ میں عمرو بن العاص سے کہا "تو جھوٹ بولتا ہے"۔ مگر اب عمرو سپہ سالار تھے، ان کے حکم پر عمل کیا گیا، لوگ پہاڑوں پر ادھر ادھر پھیل گئے اور وبا کی مصیبت سے نجات ملی۔

لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی، جب پچیس ۲۵ ہزار مسلمان موت کی نذر ہو چکے تھے، جن میں ابوعبیدہ و معاذ کے علاوہ یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمر اور عتبہ بن سہیل وغیرہ جیسے ممتاز قائدین بھی تھے۔

وبا کے خاتمہ کے بعد حضرت عمرؓ پھر شام تشریف لائے، وبا میں مرنے والوں کے وارثوں

کے لئے انتظامات کئے اور شام واردن کے انتظامی و عسکری امور کے لئے ضروری ہدایات و احکام جاری کئے، اور اسی موقع پر امیر معاویہ بن ابی سفیان کو شام کا اور شرجیل بن حسنہ کو اردن کا والی مقرر کیا۔

عرب میں قحط ۱۸ھ ۶۳۹ء | اتفاق سے اسی سال ۱۸ھ ۶۳۹ء میں عرب میں سخت قحط بھی پڑا۔ حضرت عمر نے نہایت مستعدی سے انتظام کیا اور لاکھوں آدمیوں کو بھوکوں مرنے سے بچایا۔ مہاجرین وانصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیے۔

فتح قیساریہ ۱۹ھ ۶۴۰ء | قیساریہ بحر شام کے ساحل پر واقع اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا تھا سب سے پہلے ۱۳ھ ۶۳۵ء عمرو بن العاص نے جنھیں فلسطین کی مہم پر مامور کیا گیا تھا، اس شہر پر چڑھائی کی تھی، مدت تک محاصرہ کئے رہے، لیکن فتح نہ ہو سکا۔ پھر یزید بن ابی سفیان نے اس شہر کا محاصرہ کیا، وہ بھی فتح نہ کر سکے، اور طاعون کے بعد جب امیر معاویہ کے ہاتھ میں حکومت آئی، تو انھوں نے بڑے ساز و سامان سے قیساریہ کا محاصرہ کیا شہر والے کئی دفعہ نکل کر لڑے اور شکست کھائی، مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی یوسف نامی امیر معاویہ کے پاس آیا، اس نے ایک سرنگ کا راز بتایا، جو اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی، اس کی راہ سے قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا اور تمام فوج ٹوٹ پڑی۔ اسی ہزار عیسائی لشکر تھا، ہزاروں ہزار عیسائی مارے گئے۔ عیسائی لشکر کا بہت کم حصہ باقی بچ سکا۔ اس شہر کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

فتح مصر ۲۰ھ ۶۴۱ء | مصر کی سرحد، شام سے ملی ہوئی تھی۔ مصر، مشرق کی سرحد پر رومی اثر و اقتدار کا مرکز باقی رہ گیا تھا، حمص کی باز یافت کی کوشش کے موقع پر رومیوں کے عزائم کا اندازہ ہو گیا تھا، عمرو بن العاص کے تجارتی سفر مصر میں ہوتے رہتے تھے، اس کی زرخیزی و شادابی ان کی نظر میں گھوم رہی تھی، انھوں نے مصر پر حملہ کی تحریک حضرت عمر کے سامنے پیش کر کے بالآخر ان کو آمادہ کیا، اور چار ہزار فوج کے ساتھ وہ روانہ ہوئے، حضرت عمر مصر پر حملہ کی طرف سے

Marfat.com

اب بھی مطمئن نہیں تھے، ان کی رائے مذبذب تھی، انھوں نے اجازت دینے کے بعد ایک قاصد کو خط دے کر دوڑایا، کہ اگر مصر پہنچنے سے پہلے ان کا خط مل جائے تو وہ لوٹ آئیں مگر عمرو بن العاص کو وہ مکتوب عریش میں ملا، جب وہ مصر کی سرحد میں داخل ہو چکے تھے۔

ایک قلعہ کی تسخیر | عمرو بن العاص کا رومیوں سے پہلا مقابلہ مقام فرما میں ہوا یہاں کامیاب ہو کر مقام بلبیس پھر امّ دنین کو فتح کیا، پھر اس مقام پر پہنچے جہاں شہر فسطاط آباد ہوا اور خیمے ڈال دیئے، یہ مقام دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے، یہاں ایک نہایت مستحکم و ناقابلِ تسخیر رومی قلعہ تھا جو حکام مصر کی اقامت گاہ کے طور پر کام آتا تھا، والی مصر مقوقش، جو قیصر کا باج گذار تھا، فوج لے کر پہلے ہی قلعہ میں آگیا تھا، عمرو بن العاص نے حضرت عمر سے مزید فوج طلب کی، چنانچہ دس ہزار فوج چار نامی افسروں زبیر بن العوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن عمر اور مسلمہ بن مخلد کی سرکردگی میں آگئی، ان میں زبیر کو سپہ سالار کا منصب عطا ہوا تھا۔ سات مہینے تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا لڑائیاں ہوتی رہیں، منجنیق سے پتھر برسائے جاتے رہے، مگر قلعہ کسی طرح قابو میں نہ آسکا، زبیر نے تنگ آکر ایک دن کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، ننگی تلوار ہاتھ میں لی، سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے ساتھ دیا فصیل پر پہنچ کر تکبیر کے نعرے بلند کئے، پورے لشکر نے نعرہ مارا، عیسائی سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، زبیر نے فصیل کے اندر اتر کر دروازہ کھول دیا، تمام فوج اندر گھس آئی مقوقش نے صلح کی درخواست کی، اور سب کو امان دے دی گئی، اور فاتح و مفتوح کے تعلقات خوش گوار ہو گئے، یہ فتح سنہ ۲۰ھ مطابق ۶۴۱ء میں حاصل ہوئی۔

مقوقش نے پورے مصر کے لئے معاہدہ کیا تھا، لیکن ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر مقابلہ نہیں کر سکتے، تو عیسائیوں کی تعداد کیا کم ہے۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی اور اسکندریہ میں اتر کر وہ مسلمانوں کے مقابلہ

Marfat.com

کی تیاری کرنے لگی اور مقوقس نے بھی قیصر کے دباؤ میں آکر بظاہر نقضِ عہد کا اعلان کیا۔

اسکندریہ پر قبضہ ۲۱ھ / ۶۴۲ء اس کے بعد عمرو بن العاص نے اسکندریہ پر فوجیں بڑھانے کی اجازت حاصل کی اور ۲۱ھ / ۶۴۲ء میں اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اثنائے راہ میں مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا، بے شمار عیسائی مارے گئے۔ جب اسلامی لشکر اسکندریہ پہنچا تو مقوقس اگرچہ رومیوں کے دباؤ میں شریکِ جنگ ہو گیا تھا، مگر لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک معیّن مدّت کے لئے صلح کی درخواست کی، عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے شہر پناہ کی فصیل پر فوج کی نمائش کی، عمرو نے کہلایا، ہم کبھی کثرتِ فوج اور سازوسامان سے مرعوب نہیں ہوئے، قیصر ہرقل جس سروسامان سے ہمارے مقابلہ میں آیا، تم کو معلوم ہے جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں مقوقس نے شہر کے رومیوں کو سمجھانا چاہا، مگر وہ برہم ہوئے اور لڑائی کی تیاری شروع کی، مگر مقوقس نے عمرو سے خفیہ نامہ وپیام کیا اور کہلایا کہ ہم اور ہماری قوم قبطی لڑائی سے الگ ہیں، ہماری قوم کو ضرر نہ پہنچے، پھر شہر اسکندریہ کے باہر کے قبطی اسلامی لشکر کے معاون ہو گئے اور رسد وغیرہ بہم پہنچاتے رہے، اب اسکندریہ کی حفاظت صرف رومیوں کے ہاتھ میں تھی، مسلمان محاصرہ کئے رہے اور موقع موقع سے لڑائی ہوتی رہی۔ ایک دن ایک رومی نے نکل کر مقابلہ چاہا، مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے اتفاق سے ان کو زمین پر دے پٹکا۔ اور کام تمام کرنے والا تھا کہ ایک سوار نے بڑھ کر ان کی جان بچائی۔ عمرو بن العاص کو غصّہ آیا اور کہہ اٹھے کہ نامردوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمہ کو ناگوار گذرا، مگر خاموش رہے، لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ مسلمان رومیوں کو دباتے قلعہ کے اندر گھس گئے، صحن میں معرکہ رہا۔ رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا، مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ اتفاق سے عمرو بن العاص، مسلمہ بن خالد اور دو اور شخص قلعہ کے اندر رہ گئے، رومیوں نے ان کو زندہ گرفتار کرنا چاہا، لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار لڑ کر جان دینا چاہی، تو رومیوں نے کہا "دونوں طرف سے ایک ایک آدمی نکلے، اگر ہمارا آدمی

مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ، اور اگر تمہارا آدمی مارا جائے، تو تم سب ہتھیار ڈال دو، عمرو بن العاص نے منظور کیا اور خود مقابلہ کے لئے نکلنا چاہا، مسلمہ نے کہا، تم فوج کے سردار ہو، کوئی آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا، یہ کہہ کر گھوڑا بڑھا دیا۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا، آخر رومی مارا گیا، اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ سب باہر نکل آئے۔ عمرو نے اپنے پچھلے طنز کی مسلمہ سے معافی مانگی اور دونوں کے دل صاف ہوگئے۔

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا، حضرت عمر کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، انھوں نے قاصد بھیجا کہ فوج کے سامنے جہاد کا وعظ کہا جائے، جو افسر گئے ہیں، انھیں سر لشکر رکھا جائے اور ایک ساتھ حملہ کیا جائے۔ عمرو بن العاص نے خطبۂ جہاد کے بعد حضرت عبادہ بن صامت کو اپنا عمامہ جو سپہ سالاری کا نشان تھا، حوالہ کیا کہ آج سے وہ سپہ سالار ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برسوں رہے تھے، زبیر و مسلمہ فوج کے ہراول میں رہے، اور نعرۂ جہاد کے ساتھ مسلمانوں نے اس زور کا اجتماعی حملہ کیا کہ رومیوں کے قدم اکھڑ گئے اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہوگیا۔ عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو مژدۂ فتح سنانے کے لئے مدینہ بھیجا، حضرت عمر حال سن کر زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا، پھر مسلمانوں کو جمع کرکے فتح کی خوش خبری سنائی۔

عمرو نے فتح اسکندریہ کے بعد ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں چنانچہ خارجہ بن حذافہ عدوی نے فیوم، اشمونین، اخمیم، بشرودات اور معید وغیرہ کا گشت کیا، ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا منظور کیا۔ عمیر بن وہب جمحی نے تینس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، نبا اور بوصیر کو مسخر کرلیا اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیے۔

ان لڑائیوں میں بہت سے رومی اور قبطی گرفتار ہوئے تھے، جن کی تعداد ہزاروں ہزار تھی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمر سے ان کے متعلق احکام طلب کیے، وہاں

Marfat.com

سے ارشاد آیا، کہ جو مسلمان ہونا چاہیں، انھیں اسلام کے دائرہ میں لے لو۔ ان کے حقوق وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں، اور جو جزیہ دینا چاہیں، انھیں جزیہ کی شرط پر چھوڑ دو۔ عمرو بن العاص نے عیسائی سرداروں کو طلب کیا۔ ان قیدیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا، اور مسلمان اور عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمانِ خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو اسلام کے ذوق سے آشنا ہو چکے تھے، اسلام قبول کیا، اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی اسلام کا اظہار کرتا تو تمام مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کرتے، اور جب کوئی عیسائیت کا اقرار کرتا تو عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا اور مسلمان ملول ہوتے۔

مصر کی فتح سے قیصرِ روم کے اثرات شام کے ساتھ مصر سے بھی ختم ہو گئے، لیکن اسکندریہ کی اہم بندرگاہ کی بازیافت کا تصوّر اس کے ذہن سے مٹ نہ سکا۔

حضرت عمر کی شہادت

حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ۲۳ھ ۶۴۴ء یاد ہو گا جنگ نہاوند میں ایک پارسی فیروز نامی گرفتار ہوا تھا، اس کی کنیّت ابو لولو تھی۔ وہ نسلاً ایرانی و مذہباً مجوسی تھا ان دنوں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ وہ نجاری، نقاشی اور آہنگری کا پیشہ کرتا تھا اور اپنی مزدوری میں سے دو درہم یومیہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حق مالکانہ دیا کرتا تھا، وہ ایک دن حضرت عمر کی خدمت میں آیا کہ اس کے مالک اس سے یومیہ کی رقم زیادہ وصول کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے اس کا پیشہ اور حق مالکانہ کی رقم دریافت کی، اس کے جواب پر انھوں نے فرمایا "ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ زیادہ تو نہیں ہے" فیروز یہ جواب سن کر دل میں سخت ناراض ہو کر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ صبح کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا، اور حضرت عمر نے جیسے ہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتاً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے۔ حضرت عمرؓ نے

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑا، ان کو اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پوری کی، فیروز نے چند اور لوگوں کو زخمی کیا، بالآخر پکڑ لیا گیا، اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کا زخم کاری تھا۔ جانبر ہونے کی امید جاتی رہی۔ حضرت عمرؓ نے قاتل کا نام پوچھا، لوگوں نے کہا، فیروز۔ انھوں نے فرمایا "الحمدللہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا نہیں گیا"۔ اپنے فرزند عبداللہؓ کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ سے جا کر کہو، عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے"۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے سُنا تو فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

جانشینی کے لئے نام اس وقت سب سے اہم کام خلیفہ کو نامزد کرنا تھا حضرت عمرؓ اس مسئلہ پر اکثر سوچا کرتے تھے، کسی پر رائے جمتی نہیں تھی، حضرت علیؓ ان کی نگاہ میں سب سے پہلے آتے تھے اور ان کو سب سے بہتر جانتے تھے، انھیں اپنے دورِ خلافت میں دو تین مرتبہ جب مدینہ سے باہر جانے کا اتفاق ہوا، تو ہمیشہ انھوں نے حضرت علیؓ ہی کو اپنا قائم مقام بنا کر خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے دیا، لیکن کچھ اسباب ایسے تھے کہ وہ تنہا حضرت علیؓ کو نامزد نہ کر سکے، بلکہ امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے تمام صحابہ میں، جس پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی، ان میں سب سے پہلے حضرت علیؓ کا نام رکھا، ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نام لئے اور اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ اور ایک دوسرے صحابی کو وصیت کی، کہ ان کی وفات کے بعد ان چھ اشخاص کو ایک مکان میں اکٹھا کر دیا جائے، اور جس پر یہ باہم متفق ہو جائیں، یا کثرت رائے ہو جائے، وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ اس انتخاب کا فیصلہ کر کے یہ لوگ وہاں سے اٹھیں۔ پھر اسی کرب و تکلیف کی حالت میں لوگوں کو مخاطب کر کے اس شخص کے لئے جو خلیفہ منتخب ہو، چند وصیتیں فرمائیں۔

Marfat.com

وصال و تدفین ۲۴ھ ۶۴۵ء حضرت عمر کا زخم کاری تھا۔ جو چیز پیتے، زخم کی راہ سے باہر نکل آتی۔ تین دن اسی کیفیت میں گذرے، اور بالآخر ان کی جان، جان آفریں کے سپرد ہوگئی۔ نمازِ جنازہ حضرت صہیب نے پڑھائی، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے قبر میں اُتارا اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں یکم محرم ۲۴ھ ۶۴۵ء کو مدفون ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حضرت عمر کے صاحبزادے کی وارفتگی اور ہرمزان کا قتل حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ کے بعد ہی یہ افواہ پھیلی تھی، کہ ابو لولوء فیروز اکیلا قاتل نہیں، بلکہ چند عجمیوں کی سازش سے یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ جس صبح کو حضرت عمر پر حملہ کیا گیا، اس سے پہلی شام کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے فیروز، ہرمزان اور جفینہ کو کسی جگہ باہم سرگوشی کرتے دیکھا تھا، جیسے ہی ان لوگوں کی نظر ان پر پڑی، وہ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں سے کسی کے پاس سے ایک دودھاری خنجر گرا، فیروز نے تو قاتلانہ حملہ کے بعد جیسا کہ گذرا، خودکشی کرلی۔ جفینہ، حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا جس کو حضرت حضرت سعد بن وقاص مدینہ میں بچوں کو کتابت سکھانے کے لئے لائے تھے، اور ہرمزان معروف مجوسی سردار تھا، جس نے حیلہ جوئی سے امان حاصل کرنے کے بعد اسلام کا اظہار کیا تھا اور وظیفہ یاب تھا، جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا وہ چشم دید بیان لوگوں کے علم میں آیا، اور فیروز کے خنجر کو دیکھا گیا، تو واقعی دو دھاری نکلا۔ عام طور پر یہی سمجھا جانے لگا، کہ یہ واقعۂ شہادت عجمیوں کی سازش سے پیش آیا، اس لئے جب حضرت عمر کا وصال ہوگیا تو ان کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ میں ایک وارفتگی کی کیفیت پیدا ہوگئی، انھوں نے غصّہ میں بپھرے ہوئے جاکر ہرمزان کو قتل کرڈالا، پھر جفینہ کا خاتمہ کرنے چلے تھے، کہ خبر پھیل گئی، اور حضرت صہیب نے جو نظم و نسق کی عارضی زمام پکڑے تھے، عبیداللہ کو گرفتار کرکے ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور نئے خلیفہ کے انتخاب تک کے لئے

Marfat.com

ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔

علم و فضل و اخلاق و عادات و ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ کو عرب میں دورِ جاہلیت ہی سے امتیاز حاصل تھا۔ عرب کے وہ تمام اوصاف جو اس دور میں تمغۂ شرافت سمجھے جاتے تھے وہ سب ان میں موجود تھے۔ فصاحت و بلاغت، قوت، توقیر، شاعری، نسابی، سپہ گری، بہادری، شجاعت اور نام آوری میں انھیں قدرت نے کافی حصہ دیا تھا۔

عکاظ کے میلوں میں یہ اپنے ملکۂ خداداد سے تقریریں کرتے، اپنی خلافت کے دور میں بھی ان کے فصیح و بلیغ خطبے توجہ سے سُنے جاتے تھے اور ان میں کے کچھ خطبے اب بھی موجود ہیں اور وہ بلاغت کی جان ہیں۔ فن تحریر میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں، اور اپنے باب میں بے نظیر ہیں۔ شعر و شاعری کا بھی عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ عربی فن نقد کا امام ابن رشیق کہتا ہے "حضرت عمر اپنے زمانہ میں سب سے بڑے شعر کے نقاد اور ادا شناس تھے"۔ انھیں سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے، اشعار کو انھوں نے تعلیم کے نصاب میں داخل کیا۔ اضلاع میں حکم بھیجا کہ "اپنی اولاد کو تیراکی اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے شعر یاد کراؤ"۔ علم انساب میں ان کے والد خطاب ماہر تھے، انھیں بھی اس فن سے کچھ مناسبت تھی، یہ قریش کے ان سترہ آدمیوں میں سے تھے جو عہد جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد مدینہ میں انھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، لیکن شعر و شاعری سے اپنی وابستگی کے باوجود عرب شعرا کو اپنی نظموں میں خاندان کی عورتوں کے نام عشقیہ جذبات کے ساتھ کہنے کی حکماً ممانعت کر دی تھی۔

اسی طرح اسلامی علوم و فنون میں اہلِ علم صحابہ و تابعین کے امام و مرجع تھے، مختلف علوم میں مختلف اصول و مسائل کی تعیین و تخریج ان کے ہاتھوں عمل میں آئی، احادیث کے ذخیرہ میں سے نبی کے اقوال و افعال میں تمیز پیدا کی، کہ

Marfat.com

نبی کے وہی اقوال وافعال تشریعی ہیں، جن کا تعلق منصب نبوّت سے ہے، پھر انھوں نے ہی یہ اصول وضع کیا، کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں، اور اسی اصول کی روشنی میں علم اسرارِ دین پیدا ہوا، جس پر جامع تصنیف شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ ہے، حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل بھی کثرت سے بیان کئے جن میں مصالح عقلی کے موافق ہونے کی خصوصیت بھی نظر آتی ہے۔ احادیث کے تفحّص وتحقیق میں نہایت محتاط تھے اور جو صحیح حدیثیں تھیں ان کی اشاعت کا نظم کرتے، اور نقل کرا کر ولایات اضلاع کے ولاۃ وعمال کے پاس بھجواتے تھے۔ روا[illegible] ہیں اور جرح و تعدیل کی ابتدا بھی ان ہی نے کی، اور جو روایت کسی [illegible] کی ہوتی، اس کی تصدیق کے لئے عموماً شہادتیں طلب کرتے تھے اور کثرتِ روایت کو حتی الامکان روکتے تھے۔ اسی طرح علم تفسیر وفقہ میں حضرت عمر [illegible] صحابہ کے امام تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو اور قرآن کی آیتوں کے ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو، لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے" انھوں نے کہا "عمرؓ" عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں اور عمر کا علم دوسرے پلّہ میں رکھا جائے تو عمر کا علم بھاری ہوگا۔ فقہ کے ممتاز شیوخ صحابہ وتابعین، جنھیں بانیٔ فن کا درجہ حاصل ہے، ان ہی کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ تھے، عہدِ صدیقی تک مسائل میں کتاب وسنّت، اجماع صحابہ اور اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا، حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں ایک اور اصول 'قیاس' کا اضافہ کیا، پھر یہ مسائل شرعی کے فیصلہ کے لئے چوتھا رکن قرار پایا، اسی طرح وہ مسائل کی تحقیق کے لئے صحابہ کے مجمع میں بحث ومناظرہ کرتے اور استنباطِ مسائل کے اصول طے کرکے مسائل کو حل کرتے تھے اور انھوں نے صرف جزئیات کی تدوین نہیں کی جن سے مسائل فقہ مرتب ہوئے بلکہ مسائل کی تفریع واستنباط کے مستقل اصول وضوابط مقرر کئے جنھیں بعد میں اصولِ فقہ کے نام سے تعبیر کیا گیا، اس لئے اصول فقہ کے بانی بھی دراصل حضرت عمرؓ ہی ہیں۔ ان کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ صحابہ

Marfat.com

کے سامنے آیتیں پیش کرتے، اوران کے معانی ومطالب پر بحث وتمحیص کرتے تھے، صحبت میں عموماً اہلِ علم بیٹھتے تھے اوراس میں وہ توعمر اور معمر کی تمیز نہیں کرتے تھے، نوعمر اگرجواب دینے میں جھجکتے، توان کو ہمت دلاتے تھے، اہلِ علم وارباب کمال کی تعظیم و قدر دانی کرتے تھے اوران کے معقول وظائف مقرر کردیتے تھے۔ اسی طرح شعراء، مرثیہ گو اورفنِ سپہ گری وشہسواری کے ارباب کمال دربار میں موجود رہتے، اوران کی صلاحیتوں سے مفید خدمات لیتے تھے۔

امامت واجتہاد امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے۔ مذہبی عقائد واحکام اگرچہ بظاہر سادہ اورصاف ہیں، لیکن ان مسائل میں اشباہ وابہام اس قدر ہے کہ اگر دقیقہ سنجی سے کام نہ لیا جائے توان کی حقیقت بدل جائے۔ ہرزمانہ میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہوجاتے ہیں، اس لئے اسلام نے ائمہ ومجتہدین کی ضرورت باقی رکھی، کہ اگران حقائق پر پردہ پڑجائے تووہ پردہ کشائی کی خدمت انجام دیتے رہیں اوراسلام کواس کے اصل ہیکہ میں باقی رکھیں، حضرت عمرؓ نے ان نازک اورمشتبہ مسائل میں جس طرح حقیقت کو سمجھا اورپورے یقین کے ساتھ جس طرح لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اس کی نظیر صحابہ کے زمانہ میں کم ملتی ہے۔ **قضا وقدر** کا مسئلہ بہت نازک ہے، یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں کبھی اس میں اشتباہ ہوا طاعون عمواس کے ذکر میں گذر چکا ہے، کہ جب وبا کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فوج کو اس جگہ سے منتقل کرنا چاہا توسپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی مخالفت کی، اورکہا کہ "کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں،" حضرت عمر اپنی رائے پر استقلال سے قائم رہے اور ابوعبیدہ کو جواب دیا "ہاں، ہم قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں" اورفوج کواس جگہ سے منتقل کردیا اوربہت سی قیمتی جانیں ضائع ہونے سے بچ گئیں۔ اسی طرح اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ کعبہ اورحجراسود کا احترام

کا حکم ہے، لیکن حضرت عمر کو خطرہ ہوا کہ نادانی سے ان شعائر کی عظمت و حرمت، صنم پرستی کی شکل اختیار نہ کرے، اس لئے حضرت عمر نے حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو بوسہ دیا ہے، اس لئے میں بھی تجھ کو چومتا ہوں"

اسی طرح جس درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی، اس درخت کا ذکر قرآن مجید میں آگیا تھا اور یہ عظمت اس کو حاصل تھی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیچے بیٹھ کر بیعت لی تھی، یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا اور لوگ اسکی زیارت کو آنے لگے تھے، حضرت عمر نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا، اسی طرح نبوّت کی حقیقت کی نسبت بھی غلطی شروع ہو گئی تھی، لوگ نبی کے ہر قول و فعل کو خدا کی طرف سے سمجھنے لگے تھے، حضرت عمر نے یہ واضح کیا کہ نبی جو حکم منصبِ نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے، وہی تشریعی و مذہبی ہوتا ہے، باقی دیگر احکام و اقوال وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور ان میں شارع علیہ السلام کی طرف سے [illegible] اجتہاد کی اجازت حاصل ہے، چنانچہ خود حضرت عمر نے خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین اور ام ولد کی خرید فروخت میں نئے طریقے اختیار کر کے احکام جاری کئے، ان کے مجتہدانہ فتووں میں اس کی نشانیاں بھی موجود ہیں، کہ وہ شریعت کے تمام احکام کو بھی مصالح عقل پر مبنی سمجھتے تھے۔

اخلاق و عادات حضرت عمر محامد و محاسن کے حقیقی تصویر تھے۔ ان کے آئینہ اخلاق میں خشیتِ الٰہی، پرہیزگاری، تقویٰ، خشوع و خضوع، اخلاص، [illegible] لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع، سادگی کا ایسا کمالِ عکس تھا [illegible] تھا جو [illegible] وہ اسی رنگ میں رنگ جاتے تھے۔ رات بھر نمازیں پڑھنا [illegible] ہچکی بندھ جانا ان کے معمول میں تھا، ان میں رسول [illegible]

Marfat.com

خاندان سے خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پایا جاتا تھا جمالِ نبوت کے سچے شیدائی تھے، اس راہ میں جان، مال، اولاد، عزیز و اقارب سب نثار تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا، تو اس کا یقین نہیں آیا اور وہ واقعات گذرے، جو اوپر لکھے جا چکے، وظائف مقرر کرنے میں خاندانِ رسالت کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے اسامہ کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کیا حضرت عبداللہ نے عذر کیا تو فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ مدائن کے مالِ غنیمت کی تقسیم میں حضرت امام حسن و حسین کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے دوگنا عطا کیا، عبداللہ نے کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا، حضرت عمر نے فرمایا" ہاں لیکن ان کے بزرگوں کا جو مرتبہ ہے، وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے" اس طرح وظائف کی تعیین و ترتیب میں خاندانِ رسالت کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب و بُعد کا لحاظ رکھ کر فہرست مرتب کرتے سب سے پہلے حضرت عباس و علی کے نام ہوتے، پھر دیگر بنو ہاشم کے، اس کے بعد خاندانِ نبوت سے قرب و بعد کی نسبت سے یہی ترتیب آگے بڑھتی تھی۔ تمام اہم امور میں اور مہماتِ خلافت میں حضرت علی سے مشورہ کو سب سے مقدم رکھتے تھے۔ حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ عمر زہد و قناعت کے لحاظ سے تمام صحابہ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کچھ دینا چاہتے، تو عرض کرتے" مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں، وہ اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں،" آپ فرماتے" لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے، اپنے پاس رکھو یا صدقہ کردو۔ انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے"۔ حضرت عمر کی عظمت و شان سے قیصر کسریٰ کے ایوان میں لرزہ پیدا ہوا، لیکن خود تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے اور مجاہدین کی بیویوں کا

Marfat.com

بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے ۔ صدقہ و خیرات اور داد و دہش کا عالم یہ تھا کہ کچھ پاس نہ ہوتا تو سائل کو اپنے جسم پر سے کرتا اتار کر دے دیتے تھے ۔

طبیعت میں تواضع اور سادگی تھی ، معمولی لباس اور معمولی غذا پر قناعت کرتے ، فرماتے اصل عزت اسلام کی عزت ہے ۔ کبھی خیمہ یا شامیانہ سفر میں ساتھ نہیں لیا ، جہاں ٹھہرے درخت پر چادر ڈال دی۔ ان کا روزانہ گھر کا خرچ صرف دو درہم تھا ، اسی میں اہل و عیال کے ساتھ بسر کرتے تھے ۔ ایک دفعہ خطبہ میں کہا "صاحبو! ایک زمانہ میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا ، وہ اس کے صلے میں مجھ کو چھوہارے دے دیا کرتے تھے ، وہی کھا کر بسر کرتا تھا " یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے ۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی ، فرمایا "میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا یہ اس کی دوا تھی ۔" سفر میں سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑے ڈال دیتے تھے ، اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ جاتے تھے ۔ یوں مزاج کسی قدر تیز ، تند ، زود مشتعل واقع ہوا تھا ، جاہلیت میں تو وہ قہر مجسم تھے ، اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اثر باقی رہا مگر جب بار خلافت لیا تو حضرت ابوبکرؓ کی پیشگوئی کے مطابق نرم پڑ گئے تھے ۔ معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا ، پھر فتوحات میں زمین ہاتھ لگی مگر اس کو وقف عام کر دیا ۔ خلافت کے بعد بقدر کفالت وظیفہ مقرر ہو گیا تھا ۔

ازواج و اولاد حضرت عمر نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کیے ، پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا ۔ حضرت عبد اللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں ۔ اسلام لانے کے بعد مکہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا ، دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی تھیں ، جو ام المومنین حضرت ام سلمہ کی بہن تھیں ، یہ اسلام نہیں لائیں ۶ھ ۶۲۷ء میں ان کو طلاق دے دی ۔ تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں ، اسلام نہ لانے کی وجہ سے ۶ھ میں ان کو بھی طلاق دے دی ، عبید اللہ ان کے بطن سے ہیں ۔ ۷ھ ۶۲۸ء میں جمیلہ بنت عاصم بن ثابت انصاری سے شادی کی ـــــ انھیں بھی

Marfat.com

طلاق دے دی، پانچویں زوجہ محترمہ حضرت ام کلثوم بنت حضرت علی تھیں۔ ۱۷ھ/۶۳۸ء میں چالیس ہزار مہر پر نکاح ہوا، اسی طرح چند اور ازواج ام حکیم بنت حارث مخزومی، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نوفل اور فکیہہ یمنیہ تھیں، ان میں سے عاتکہ عبداللہ بن ابی بکر کی بیوہ تھیں، ۱۲ھ/۶۳۳ء میں ان سے عقد کیا۔

اولاد میں سب سے زیادہ امتیاز حضرت اُمّ المومنین حفصہ کو حاصل تھا جن کا ذکر ازواج مطہرات میں اوپر گذرا۔ اولاد ذکور میں عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ، عبدالرحمٰن، زید اور مجیر ہیں، ان میں سے حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے رکنِ اعظم ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے تھے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں بھی بیباک تھے۔ ان کے صاحبزادے سالم فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ عبیداللہ شجاعت و پہلوانی میں مشہور تھے۔ عاصم پاکیزہ نفس، صاحب علم و فضل تھے۔ عاصم کو فنِ شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔

عہدِ فاروقی پر ایک نظر اور اس دَور کی مدنیت

فتوحات کی وسعت حضرت عمرؓ نے دس برس چھ مہینے چار دن حکومت کی، اس دَہ سالہ دَورِ حکومت میں فتوحات کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ اس کی وسعت اتنی ہوئی کہ مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ سوا دو لاکھ مربع میل سے زیادہ (۲۲۵۱۳۰) ہو گیا جس میں عرب کے علاوہ شام، مصر، عراق، جزیرہ خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے، شامل تھا۔ ایشیائے کوچک کے کچھ علاقوں پر بھی، جو بلادِ روم کہے جاتے تھے، حملہ ہوا تھا اور عربی بیڑے سندھ و ہند کے ساحل سے بھی آ کر ٹکرائے تھے، مگر یہ علاقے اس عہد میں فاروقی ممالکِ مقبوضہ میں داخل نہیں ہوئے۔ اس عالم کو تہ و بالا کرنے والے سکندر، چنگیز اور تیمور نے دنیا کو ہلا ڈالا، وہ طوفان کی طرح اُمنڈے اور ظلم و خون ریزی کے مناظر

Marfat.com

دکھاتے اور خون کا دریا بہاتے گذر گئے، لیکن فاروق اعظم کی کشور کشائی نے یونانی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے اُلٹ دیا اور شہنشاہ روم بھی اپنے زرخیز مشرقی صوبوں شام و مصر سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا اور ان مقبوضہ ممالک میں ایسی پُر امن روحانی اور اخلاقی قدروں سے معمور حکومت قائم کی کہ جب ایک موقع پر ان میں سے بعض حصۂ ملک پر سے عارضی قبضہ اٹھایا گیا تو آبادی کے باشندے رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرنے لگے، حالانکہ یہ عرب ان کے لئے غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگ تھے، ان کی فتوحات میں کبھی سرمو قانونِ انصاف سے تجاوز نہیں کیا گیا، آدمیوں کا قتلِ عام ایک طرف، درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی، بچوں عورتوں اور بوڑھوں سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا، کبھی فریب یا بدعہدی نہیں کی گئی، جو مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے، ان سے بھی دوسرے موقع پر دوبارہ اقرار لے کر درگذر کی جاتی تھی، اگر جلاوطن کرنے کی ضرورت پڑی تو ان کی کل مقبوضہ جائداد کی قیمت ساتھ کر دی گئی۔ درحقیقت آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستاں نہیں گذرا۔

نظامِ حکومت ــــ مجلسِ شوریٰ | عہدِ فاروقی میں ایک قسم کی صحیح جمہوری حکومت قائم تھی، جس میں تمام اختیارات دراصل عوام کے ہاتھ میں تھے، اربابِ حل و عقد ان کے نمائندے تھے اور ان ہی کے مشوروں پر حکومت کا پورا نظم و نسق جاری تھا۔ اس اسلامی جمہوریت کی اصل روح مجلسِ شوریٰ تھی جس کے ارکان ممتاز مہاجرین و انصار تھے، اور جب کوئی اہم مرحلہ سامنے ہوتا، تو تمام جماعت مہاجرین و انصار کی مجلسِ عام منعقد ہوتی تھی اور مسائل طے پاتے تھے۔ مختلف موقعوں پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "لَاخِلَافَةَ اِلَّاعَنْ مَشْوَرَةٍ" یعنی حکومت کی مہمات کی انجام دہی کے لئے مشورہ لازمی اور ضروری ہے۔ اور ایسے بھی موقعے آئے، کہ عوام کی مداخلت سے سابق فیصلے بدل دیئے گئے، خلیفہ کی حیثیت مملکت کے ہر شہری کے مساوی تھی، عوام پر اس کو کوئی بھی ترجیح حاصل نہیں تھی۔ ادنیٰ و اعلیٰ، کمتر و برتر کی تمیز نہ تھی، تمام حقوق میں، مملکت کا ہر شہری مساوی حصہ دار تھا۔ مجلسِ شوریٰ کے اصول و ضوابط

وہی تھے جن کا ذکر عہد رسالت و صدیقی میں اوپر گذر چکا ہے۔

صوبوں کی تقسیم | عہد فاروقی میں فتوحات کی وسعت سے صوبوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ وہ کل ۲۰ صوبے تھے اور کسی صوبہ میں پندرہ سے کم اضلاع نہ تھے۔ ہر صوبہ کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ والی مقرر تھا۔ ایرانی صوبوں میں نوشیروانی عہد کے صوبوں کی تقسیم کو قائم رکھا گیا تھا، موجودہ حجاز کو چند بڑے صوبوں مکّہ، مدینہ، طائف اور یمن میں تقسیم کیا گیا تھا، عہد قدیم کے شام میں سے فلسطین کو علیٰحدہ کر دیا گیا تھا اور اس کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، مصر کو بھی دو حصّوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ اس تقسیم سے حسب ذیل ناموں کے صوبے قائم تھے:

عرب: مکہ معظمہ[۱]، مدینہ منورہ[۲]، طائف[۳]، یمن[۴]، بحرین[۵]

شام: شام دمشق[۶]، حمص[۷]، ایلیا (بیت المقدس، فلسطین)[۸]، رملہ (فلسطین)[۹]

مصر: مصر[۱۰] (مصر کا زیریں حصّہ جس میں پندرہ اضلاع تھے) صعید[۱۱] (مصر کے بالائی اضلاع، یہ اٹھائیس ضلعوں پر مشتمل تھا)

عراق و دوآبہ: جزیرہ[۱۲]، بصرہ[۱۳]، کوفہ[۱۴]

قدیم کیانی صوبے: مدائن[۱۵]، خراسان[۱۶]، آذربائیجان[۱۷]، فارس[۱۸]، خوزستان[۱۹]، کرمان[۲۰]

عہدہ دار | اس عہد میں صوبوں میں عہدہ داروں کی تعداد عہد صدیقی سے زیادہ ہو گئی، وہ حسب ذیل تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی ہیڈ اسسٹنٹ، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا سربراہ، صاحب الخراج یعنی افسر تحصیل وصول، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ اور قاضی و صدر الصدور یعنی جج اور منصف، مثلاً کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف تحصیلدار، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی اور عبداللہ بن خلف خزاعی کاتب دیوان تھے، والی کے ساتھ چند دیگر معززین کا تقرر بھی دربار خلافت سے ہوتا تھا، جو اس کے مشیر کار اور معاون ہوتے تھے۔ ان لوگوں کو دربار حاضری کی اطلاع

Marfat.com

یں ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر یا ایڈوائزر کہا جاسکتا ہے، عہد صدیقی کی طرح عہد فاروقی میں بھی کبھی والی، صاحب الخراج اور قاضی کے فرائض بھی انجام دیتا تھا اور کبھی صاحب الخراج کے سپرد صاحب احداث کی خدمت بھی ہوتی تھی۔ اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور وہ سب والی صوبہ کے ماتحت ہوتے تھے۔

حضرت عمر عہدہ داروں کے انتخاب میں غیر معمولی احتیاط برتتے تھے، جس میں جیسی صلاحیت ہوتی، اسی لحاظ سے اس کو منصب پر مامور کرتے اور اس سلسلہ میں صحابہ سے صلاح و مشورہ بھی لیتے تھے اور عمّال کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے لئے مفصل ہدایت نامے عنایت فرماتے تھے اور جب وہ اپنے عہدوں کا چارج لینے جاتے تو ان کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی مفصل فہرست تیار کرا کے دفتر میں محفوظ رکھتے تھے، پھر ان کا جائزہ لیا جاتا تھا سال میں ایک مرتبہ حج کے موقع پر عمال اور عہدہ داروں کو طلب کرتے، حالات سے آگاہ ہوتے، ہدایات دیتے اور عام منادی کراتے، کہ جس عامل کے خلاف کسی کو کوئی شکایت ہو، پیش کرے، ان کی شکایتیں سُنی جاتیں اور دادرسی کی جاتی تھی۔ عہد فاروقی کے عہدہ داروں کی ایک فہرست حسب ذیل ہے:

ابو عبیدہ، یزید بن ابی سفیان، معاویہ	شام	عمرو بن العاص	مصر
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	عتبہ بن غزوان، ابو موسیٰ اشعری	بصرہ
عتاب بن اسید، نافع بن عبد الحارث، خالد بن العاص	مکہ معظمہ		
عثمان ابی العاص	طائف	یعلی بن اُمیہ، علاء بن الحضرمی	یمن
عیاض بن غنم	جزیرہ	حذیفہ بن الیمان	مدائن
عمیر بن سعد	حمص		

ان کے علاوہ نعمان صاحب خراج مداین، خالد بن حرث وہانی اصفہانی، قوامہ ابن مظعون صاحب خراج بحرین تھے، اسی طرح مختلف عہدوں پر مختلف صوبوں میں

Marfat.com

عثمان بن حنیف، نافع بن الحارث، سمرہ بن جندب، نعمان بن عدی اور عزیز بن

ہرثمہ کے نام آئے ہیں۔

شعبۂ مالیات شعبۂ مالیات کی داغ بیل عہد صدیقی میں پڑ چکی تھی، افسر خزانہ کا منصب بھی قائم ہو چکا تھا، بیت المال کے لئے ایک جداگانہ عمارت بھی بن چکی تھی، لیکن اس شعبہ کو کمال فروغ عہد فاروقی میں ہوا، حضرت ابوبکر صدیق موصول آمدنی کو عہد رسالت کے موافق اسی وقت تقسیم کر دیتے تھے، عہد فاروقی میں حضرت ابوہریرہ بحرین کے والی تھے، وہ پانچ لاکھ کی رقم ایک ساتھ مدینہ لائے۔ اسی وقت موقع پر مالیات کے لئے ایک مستقل دفتر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور موصولہ رقم کو بیت المال میں جمع کرنا طے پایا۔

بیت المال چنانچہ بیت المال میں موصولہ آمدنی اور اشیاء غیر معمولی حفاظت کے ساتھ رکھی جانے لگیں، عبداللہ بن ارقم خزانہ اور حساب کتاب کے نگراں اور عبدالرحمٰن بن عبید اور معیقیب ان کے معاون بنائے گئے، اسی طرح صوبوں کے دارالحکومت میں بھی بیت المال قائم کیے گئے، یہ عمارتیں مستحکم اور شاندار بنائی گئیں، صوبوں اور اضلاع کی آمدنی جو یہ وہاں کے مصارف نکال کر باقی ماندہ رقم سال بہ سال دارالخلافت بھیجی جاتی تھی۔ دارالخلافہ کے باشندوں کو وہاں کے خزانہ سے جو تنخواہیں اور وظیفے دیئے جاتے تھے، اس رقم کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔ حضرت عمر بیت المال کے اندوختہ سامان کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے، کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطہ سے باہر جانے نہیں دیتے تھے، اور نہ بے جا صرف ہونے کا جہاں ادنیٰ شائبہ ہوتا اس کو صرف ہونے دیتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر کی زوجہ حضرت ام کلثوم نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں، اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمر کو معلوم ہوا تو فرمایا، "گو عطر تمہارا تھا لیکن لے جانے والا قاصد تو سرکاری تھا، جس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے ہیں، پھر یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ تحائف عمر کی زوجہ کے پاس نہیں خلیفۃ المسلمین

کی ہم محترم کے پاس آ گئے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان تحائف کو حضرت ام کلثومؓ سے لے کر سرکاری خزانہ بیت المال میں جمع کر دیا اور ان کو بھی کچھ معاوضہ دے دیا کہ غطرہر حال اُن کی ذاتی ملکیت کا تھا۔

خراج خراج یعنی زمین کی مالگزاری کی وصولی کا آغاز تو عہد رسالت سے ہوا لیکن اس کا نظم ونسق اور اس میں ترقی کی تکمیل عہد فاروقی میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ مقامات کو فوج میں جاگیر کے طور پر تقسیم کرنے کی بجائے تمام اراضی اس کے قدیم مالکوں اور کاشتکاروں کے پاس رہنے دیئے اور انھیں ہر طرح پر آزاد چھوڑ دینے کے لئے مجلس شوریٰ طلب کی، کئی دنوں تک بحث کا سلسلہ قائم رہا، بالآخر ان کی رائے کے موافق فیصلہ ہوا، اور اراضی وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

مردم شماری، پیمائش اور تشخیص لگان اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عراق کی مردم شماری اور پورے عراق کی پیمائش کرائی، اس کا طول ۳۷۵ میل اور عرض ۳۲۰ میل ٹھہرا، جس میں پہاڑ صحرا اور نہر کو پیمائش سے خارج کر دیا گیا تھا۔ پھر قابل کاشت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب[1] ٹھہری، جو اس کے باشندوں کو دے دی گئی، شاہی خاندان کی جاگیریں آتشکدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی زمین پر سرکاری قبضہ کر لیا گیا اور خالصہ کہلائی، جس کی آمدنی سات کروڑ لاکھ تھی، جو رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کی گئی، پھر قابلِ کاشت اراضی پر لگان کی تشخیص کی گئی، لگان کی شرح حسب ذیل رکھی گئی:۔

گیہوں	فی جریب	۲ درہم سال	جَو	فی جریب	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال	روئی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال	نخلستان	"	۱۰ درہم سال
تل	"	۸ درہم سال	ترکاری	"	۳ درہم سال

---

[1] ایک جریب مساوی تھی پون بیگھہ پختہ کے۔

بعض زمینوں کی حیثیت سے لگان میں بھی فرق کیا گیا، ورنہ عمومی تشخیص مالگذاری نقشۂ بالا کے مطابق تھی، جس سے کل عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا، جس انتظام سے زراعت میں ترقی ہوئی اور خراج کی مقدار بھی بڑھ کر دس کروڑ بیس لاکھ درہم ہو گئی، پھر ہر سال رعایا کا اظہار بھی لیا جاتا تھا کہ مالگذاری کسی سے ظلم کے ساتھ تو وصول نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح شام اور مصر میں اراضی کا بندوبست کیا گیا اور تعجب کی بات یہ تھی کہ رعایا کو حساب کتاب سمجھنے میں آسانی رہے، کوئی دقت نہ ہو۔ محکمہ خراج کا پورا دفتر فارسی، رومی اور قبطی زبانوں میں رکھا گیا اور محکمہ خراج کے پارسی، رومی اور قبطی ملازم جو پہلے سے تھے، وہ اپنی جگہ بحال رکھے گئے۔ مصر کے خراج کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی اور شام کے خراج کی مجموعی آمدنی ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار تھی، اور یہی صورت حال دیگر ممالک محروسہ فارس، کرمان اور آرمینیہ وغیرہ میں اختیار کی گئی۔ لگان کی شرح مقرر کرنے میں ذمیوں سے ضرور رائے لی جاتی تھی

جزیہ، زکوٰۃ، عشور وغیرہ | اسلامی خزانہ کی آمدنی میں خراج کے علاوہ زکوٰۃ، عشور، جزیہ اور مال غنیمت کی مدیں تھیں، عشور درآمد مالِ تجارت پر دس درہم فی سیکڑہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ عشور کی آمدنی عہدِ فاروقی میں شروع ہوئی۔

روم و ایران کی سلطنتوں میں دستور تھا کہ عرب تاجروں سے چنگی وصول کی جاتی تھی مسلمان تاجر بھی ان مختلف سلطنتوں میں اپنا مالِ تجارت لے جاتے تو وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عمر کو اس کی کیفیت سے مطلع کیا تو حضرت عمر نے بھی غیر ملکی تاجروں سے چنگی وصول کرنے کا حکم نافذ کیا اور دو سو درہم سے کم کے مال کو چنگی سے مستثنیٰ رکھا۔ زیاد بن حدیر اس محکمہ کے نگراں مقرر کئے گئے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک تغلبی عیسائی تاجر سے ایک گھوڑے کی قیمت کے لحاظ سے ایک ہزار درہم چنگی وصول کی چند مہینوں کے بعد وہی گھوڑا دوبارہ سرحد پر آیا تو انھوں نے دوبارہ چنگی طلب کی۔ تاجر نے حج کے

موقع پر جا کر حضرت عمرؓ سے فریاد کی کہ ہر بار چُنگی کہاں تک دی جائے، انھوں نے جواب دیا کہ بندوبست کر دوں گا۔ تغلبی نے اس کو ایک سرسری بات سمجھا اور ایک ہزار بھر دینے کے لئے سرحد پر آیا، لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ چکا تھا، کہ جس چیز پر ایک بار عشور لے لیا جائے سال آئندہ کی اسی تاریخ تک اس سے دوبارہ عشور نہ لیا جائے۔ تغلبی کو جب سرحد پر اس کا علم ہوا تو بے حد تعجب میں آیا اور کہا میں تو ایک ہزار دینے کے لئے آیا تھا، مگر اب میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے یہ حکم بھیجا ہے۔

دیوانِ مالیات دیوان مالیات کی ابتداء بھی عہد فاروقی میں ہوئی۔ حساب و کتاب کے لئے کسی تاریخ اور سنہ کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے کہنے کے مطابق سنہ ہجری کا آغاز کیا۔ ہجرت کا مہینہ ربیع الاول تھا۔ عرب میں مہینہ کی ابتداء محرم سے ہوتی تھی اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر ماہ محرم سے سال کا آغاز کیا گیا، اس لئے پہلا سنہ ہجری دراصل نو مہینے اکیس یا بائیس دن کا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے مفصّل کاغذات اور نقشے تیار کرائے اور مختلف قسم کے جدا جدا رجسٹر بنوائے جن میں روزینہ داروں کا حساب جن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی تھی، مرتب کرائے اور انہی رجسٹروں کے مطابق عطایا تقسیم کئے جاتے تھے۔ دفتر خراج کو علیحدہ ترتیب دلایا، جو مفتوح قوموں کے لحاظ سے فارسی، شامی اور قبطی زبانوں میں تھا، بیت المال کے کاغذات کی ترتیب جدا تھی، آمدنی کی مختلف مدوں زکوٰۃ، صدقہ و مویشی کے لئے الگ الگ رجسٹر بنائے گئے، جانوروں کے حُلیہ، رنگ و عمر تک کو درج کیا جاتا تھا، مصارف جنگ و مالِ غنیمت کا حساب کتاب جداگانہ تھا، جس کو حضرت عمرؓ امرائے لشکر سے طلب کیا کرتے تھے، زکوٰۃ و جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی، اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ خاص خاص صیغوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے اور مختلف قسم کے معلومات کی مرتب فہرست طلب کر کے دفتر میں رکھی گئی۔ غیر قوموں سے جو معاہدے ہوتے تھے، ان معاہدہ ناموں کے لئے ایک الگ صندوق

Marfat.com

بنوایا جو خاص حضرت عمر کی تحویل میں رہتا تھا۔ یہ سلسلے حساب کتاب مستقل ہی کا غذ پر لکھے جاتے تھے، اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔

سکے | سکے عہد فاروقی میں ابتداً وہی جاری رہے جو پہلے سے عرب اور دوسرے مفتوحہ ملکوں میں چل رہے تھے۔ آگے چل کر حضرت عمر نے اپنا سکہ جاری کیا جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھا۔ ان سکوں میں سے کسی پر الحمد للہ، کسی پر محمد رسول اللہ اور کسی پر لا الہ الا اللہ وحدہٗ لکھا ہوتا تھا، دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں ایران میں تین قسم کے درہم جاری تھے، بغلی چار دانگ کا، طبری آٹھ دانگ اور مغربی تین دانگ کا، ان میں اوّل الذکر دو درہموں کا چلن زیادہ تھا حضرت نے ان دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جو چھ دانگ کا قرار پایا۔

شعبہ عسکری — فوجی مراکز | حضرت عمر نے صیغۂ فوج کی ترتیب و تنظیم اور اس کے اصول و ضوابط کے وضع و تدوین پر غیر معمولی توجہ کی جس طرح ممالک محروسہ کو انتظامی و سیاسی لحاظ سے مختلف صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اس طرح انھوں نے مقبوضہ ممالک کو جنگی و فوجی حیثیت سے بھی مختلف حصوں میں تقسیم کیا، اور جس طرح ہر انتظامی و سیاسی یونٹ ایک صوبہ کہا گیا، اسی طرح ہر فوجی مرکز جند سے موسوم کیا گیا اور ممالک محروسہ کو دس اجناد مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین میں تقسیم کیا، ان میں سے مدینہ جزیرہ نمائے عرب کے لئے، بصرہ و کوفہ، فارس، خوزستان اور تمام مشرقی مقبوضات کے لئے تھے، اسی طرح مختلف مرکزوں کے تحت مختلف علاقے رکھے گئے تھے، شام و مصر میں فوجی مرکز اس لئے زیادہ رکھے گئے کہ اس سمت میں رومی برسرپیکار تھے، اب مدافعانہ و جارحانہ حملوں کے امکانات اسی طرف سے باقی رہ گئے تھے۔

فوجی چھاؤنیاں اور فوج کی تعداد | اس کے علاوہ ملک میں جا بجا چھوٹی چھوٹی فوجی چھاؤنیاں بھی بنائی گئی تھیں، خصوصاً مشرقی مقبوضات میں سواحل، ہر مرکز

سوس، رے، آذربائیجان وغیرہ میں دس دس ہزار فوج موجود رہتی تھی۔

ان اجناد میں سے ہر ایک میں چار ہزار سپاہ ہمہ وقت تیار رہنا لازمی تھا، جو کسی بھی فوری ضرورت پر بھیجی جاسکتی تھی، ان فوجی مرکزوں خصوصاً نو آباد شہروں بصرہ و کوفہ وغیرہ میں فوجی نقطۂ نظر سے قبائل کے محلے بسا دیے گئے تھے، جن سے بوقت ضرورت فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ یوں فوج کے لئے بارکیں علٰحدہ تعمیر کی گئی تھیں، ان اجناد میں فوج کی ساری ضروریات کا نظم و نسق حسن ترتیب کے ساتھ قائم کیا گیا تھا، فوج کا سپہ سالار تو فوجی نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتا تھا، لیکن ہر جند کے انتظامی امور کے لئے علٰحدہ مہتمم مقرر تھا، جس کے ماتحت آلات حرب، رسد اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے الگ الگ افسر مقرر تھے، مختلف اجناد کے مختلف انتظامی شعبوں کے افسروں کے کام اور ان کے ذمہ فرائض کی تفصیلات تاریخوں میں موجود ہیں۔ گھوڑوں کی داشت و پرداخت کا خاص اہتمام قائم تھا، اصطبل بنائے گئے تھے اور چراگاہوں کا نظم تھا، سرکاری گھوڑوں کی پیٹھ پر داغ کر "جیش فی سبیل اللہ" کی مہر لگائی جاتی تھی۔ محکمہ رسد کے لئے مختلف قسم کے غلے گودام میں جمع رہتے تھے اور ایک ماہ کی رسد ہر سپاہی کو حساب کے مطابق دے دی جاتی تھی، عہد فاروقی میں باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد آٹھ دس لاکھ کے قریب تھی۔

فوجیوں کا شمار اور تنخواہیں حضرت عمر ہر مسلمان کے لئے فوجی خدمت لازمی قرار دینا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے پہلے قریش کے تمام قبائل اور انصار کے لوگوں کی مفصل فہرست تیار کرائی، پھر ان میں فرق مراتب قائم کیا اور ان کے وظائف کی تعیین کر کے وظیفے مقرر کر دیئے، حضرت عمر نے اس فہرست میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کو اولیت کا نشان قرار دیا۔ درجہ بدرجہ قبائل اور ان کے لوگ قرابت میں جس قدر دور ہٹتے گئے، فہرست میں ان کا نام دور ہوتا گیا، حضرت عمر کا قبیلہ آخر میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت میں ملتا تھا، اس لئے خود حضرت عمر کا نام اس فہرست میں

Marfat.com

آخر میں آیا۔ انھوں نے منصبِ خلافت کو اوّلیت کے لئے وجہِ شرف قرار نہیں دیا۔ جب رجسٹر تیار ہو گیا تو پھر انھوں نے تقسیمِ مراتب کی اور ان کی مختلف حیثیتوں کا لحاظ کر کے ان کے سالانہ وظائف مقرر کئے، مثلاً اصحابِ بدر ۵ ہزار درہم سالانہ، اصحابِ اُحد و مہاجرینِ حبش ۴ ہزار، فتح مکّہ سے پہلے کے مہاجرین ۳ ہزار، فتح مکّہ میں ایمان لانے والے اور شرکائے جنگ قادسیہ و یرموک ۲ ہزار، اہل یمن ۴ سو، قادسیہ و یرموک کے بعد کے مجاہدین ۳ سو اور بلا امتیازِ مراتب ہر مسلمان مجاہد ۲ سو درہم سالانہ، اس کے ساتھ فہرست کے ان اشخاص کی ازواج و اولاد کے لئے جداگانہ وظیفے مقرر کئے گئے، مثلاً مہاجرین و انصار کی ازواج کے لئے دو سو سے چار سو درہم سالانہ اور اصحابِ بدر کی اولادِ ذکور کے لئے ۲ ہزار درہم سالانہ وظائف مقرر ہوئے۔

اس فہرست کے مندرج اشخاص میں سے کچھ ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے، اور مالِ غنیمت اور خورد و نوش اور لباس ان کے لئے مستزاد تھا، اور کچھ لوگ اپنے گھروں پر مقیم رہتے تھے اور ضرورت کے وقت طلب کئے جاتے تھے اور شریکِ جنگ ہوتے تھے۔ ہر سال تیس ہزار نئی فوج میدانِ جنگ میں جاتی تھی۔

قریش و انصار کے رجسٹر تیار کرنے کے بعد یہ دفتر وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ پورے جزیرہ نما میں جس قدر قبائل آباد تھے، ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ جب بحرین تک کے قبائل کا دفتر مکمل ہو گیا تو پھر عراق، شام اور مصر کے شہروں میں جس قدر عرب قبائل آباد ہو گئے تھے، سب کے رجسٹر مرتب ہوئے اور علیٰ قدرِ مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔

عرب قبائل کا فوجی رجسٹر مرتب کرنے کے بعد دوسری قوموں عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی افراد کے نام درج رجسٹر کئے گئے، جو ممالکِ محروسہ میں آباد تھے۔ ان غیر عرب قوموں میں سے چار ہزار عجمی فوج جو شہنشاہ فارس کی خاصہ کی فوج کہی جاتی تھی، اسلامی لشکر میں

شریک ہوگئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے انھیں کوفہ میں آباد کیا اور تنخواہیں مقرر کردیں۔ اسی طرح ایک دوسرا ایرانی لشکر جو سپہ سالار سیاہ کی سرکردگی میں تھا، شہر سوس کی فتح کے بعد بصرہ لایا گیا اور یہاں آباد ہوا۔ ان میں چھ افسر سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ اور افرودین تھے، ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ اسی طرح یزدگرد کے لشکر میں سندھ کی نسل جاٹ کے جو لوگ تھے اور جنھیں عرب زط کہتے تھے، سوس کی فتح کے بعد اسلامی لشکر میں آگئے اور بصرہ میں انھیں آباد کیا گیا۔ یہ سب حلقہ بگوش اسلام بھی ہو گئے تھے۔ اسی طرح مصر کی فتح کے بعد ایک ہزار فوج جن میں یونانی، رومی اور یہودی تھے، اسلامی لشکر کے زیر علم آکر فوجی خدمت پر مامور ہوئے۔ غیر عرب قوموں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو اپنے دین پر قائم رہے انھوں نے جزیہ کی بجائے فوجی خدمت انجام دینی چاہی، ان کا جزیہ معاف کیا گیا اور ان سے فوجی خدمت لی گئی۔

آگے چل کر عہد فاروقی ہی میں وظائف اور تنخواہوں کی مقدار میں ترقی کی گئی، جن کی دو سو سالانہ تھی وہ تین سو کر دی گئی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے دس ہزار تک بڑھا دی گئی۔ بچوں کا وظیفہ دودھ چھوڑنے پر جاری ہوتا تھا، وہ پیدائش کے دن سے مقرر کر دیا گیا۔ کسی فوجی کی غیر معمولی شجاعت و کارکردگی پر تنخواہ میں اضافہ کر دیا جاتا، مقررہ رقموں کے علاوہ مال غنیمت بھی مراتب کے موافق تقسیم کیا جاتا تھا۔ کسی موقع پر چھ چھ اور نو نو ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے۔ سواروں کو پیدل فوج کی نسبت سے زیادہ دیا جاتا تھا، تنخواہوں وغیرہ کی تقسیم کے لئے ہر قبیلہ میں ایک عریف یعنی مقدم و رئیس مقرر کیا گیا تھا، سال کے آغاز میں رقم اس کے سپرد کی جاتی، وہ اپنے قبیلہ میں تقسیم کرتا۔ ایک ایک عریف ایک ایک لاکھ درہم تقسیم کرتا تھا۔ صرف کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے، جن کے ذریعہ ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔

فوج کے حصے اور اسلحے وغیرہ | ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، محاسب، قاضی و طبیب،

Marfat.com

براہ اور معتمد ترجمان ہوتے تھے۔ عہد فاروقی میں فوج کے مختلف حصے تھے جو مختلف ناموں سے موسوم تھے، حصہ قلب میں سپہ سالار رہتا تھا، مقدمہ قلب کے آگے میمنہ دائیں، میسرہ بائیں، ساقہ پیچھے رہتا تھا، طلیعہ گشت کرنے والا دستہ، ردء فوج کے ساقہ کی نگرانی کرنے والا دستہ، کہ دشمن تعقب سے نہ آئے، رائد چارہ اور پانی تلاش کرنے والا دستہ، رکبان شتر سوار، فرسان اسپ سوار، راجل پیادہ اور رماۃ تیر انداز کہے جاتے تھے، ہر سپاہی کے پاس ضرورت کی چند چیزیں لازمی رہتی تھیں، جن میں سوئیاں، سوا، تاگا، قینچی، توبڑا اور چھلنی وغیرہ بھی تھیں۔ اسلحہ میں تیر، کمان، تلوار، نیزہ، برچھی وغیرہ کے علاوہ منجنیق جن سے پتھر برسائے جاتے اور دبابہ جن میں محاصرہ کے وقت محفوظ بیٹھ کر قلعہ کی دیوار تک پہنچ سکتے تھے اور نقب زنی و تیراندازی کر سکتے تھے، اسی طرح راستہ صاف کرنے، سڑک بنانے اور پل بنانے کے آلات و اوزار بھی ساتھ رہتے تھے۔ ہر لشکر کے ساتھ خبر رسانی، جاسوسی اور پرچہ نویسی کا بھی معقول انتظام رہتا تھا۔ چند پرچہ نویس ایسے ہوتے تھے جو دربار خلافت کو جزئیات سے براہ راست مطلع کرتے تھے۔ حضرت عمر فوج اور فوجیوں کی تمام جزئیات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے، اور کسی قسم کی بے اعتدالی کی خبر ملتی تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے، عہد فاروقی میں جو فوجی نظام ترتیب پایا، آج سے چودہ سو برس پہلے تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

شعبۂ عدالت حضرت عمر نے عہد اسلام میں سب سے پہلی مرتبہ شعبہ عدالت کو شعبہ انتظامی سے الگ کیا اور قضاۃ کو اپنے شعبہ کا خود مختار حکمراں بنایا، عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں عہد صدیقی کی طرح صوبہ کے والی اور ضلع کے عامل منصب قضا کے بھی ذمہ دار ہوتے تھے، اگرچہ کہیں کہیں علیحدہ قاضی بھی مقرر کئے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے صوبوں اور ضلعوں کے قاضیوں کو اپنے شعبہ کے جملہ امور میں قطعیتاً آزاد کر دیا۔ پھر بھی نظم و نسق کے اعتبار سے وہ اپنے صوبہ اور ضلع کے والی و عامل کے ماتحت رہے، عدالتوں کو انتظامی حکام کے اثر و نفوذ سے آزاد کرکے انہوں نے باثر و صاحب ثروت و عظمت اشخاص کو منصب قضا پر مامور کیا اور جو اپنے شعبہ کی کارکردگی

Marfat.com

میں کلیتاً خود مختار رہے پھر قضاء کے اصول و آئین کے متعلق ایک فرمان نافذ کیا جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔

قضاء کا دستور العمل اس فرمان میں قضاء کے متعلق جو قانونی احکام مذکور تھے، ان میں بنیادی باتیں یہ تھیں، کہ قاضی تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے گا، بارِ ثبوت مدعی پر ہوگا، مدعا علیہ اگر کوئی ثبوت یا شہادت نہ پیش کر سکے تو اس سے قسم لی جائے گی، فریقین ہر حال میں صلح کر سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی امر خلاف قانون ہو تو اس میں صلح نہ ہو سکے گی، قاضی خود اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے بعد بھی اس فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتا ہے، مقدمہ کی پیشی کیلئے ایک تاریخ متعین کی جائے گی، اگر متعینہ تاریخ پر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ یک طرفہ فیصل کیا جائے گا، ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے، لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو، یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو، وہ قابل شہادت نہیں۔

قانون فصل مقدمات کے لئے بنیادی قانون قرآن مجید تھا، قرآن مجید میں جزئیات کا احاطہ قدرتی طور پر نہیں، اس لئے اس کی موافقت کے لئے حدیث و اجماع سے مدد لینے کی ہدایت تھی، اور اگر کوئی جزئیہ ان میں بھی نہ مل سکے، تو انہی بنیادوں پر خود اجتہاد کر کے قیاس کرنے کی ہدایت جاری کی، اور خود حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً مشکل اور اہم مسائل پر اپنے فتاوی لکھ لکھ کر حکام عدالت کے پاس بھیجتے رہتے، اور جو بھی فتاوی جاری کرتے، صحابہ کی مجلس میں اس پر بحث و تمحیص کر لیتے اور اتفاق عام کے بعد ان کو نشر کرتے، اس طرح یہ فتاوی اجماع صحابہؓ کا درجہ بھی رکھتے تھے، اسی طرح غیر مذہب والوں کو ان کے آپس کے مقدمات اپنے قانون کے مطابق خود فیصل کر لینے کے اختیارات حاصل تھے۔

قضاۃ قضاۃ کے انتخاب میں غیر معمولی احتیاط اور نکتہ سنجی سے کام لیتے تھے، یوں تو انتخاب کے لئے خود امیدواروں کی شہرت عامہ کافی تھی، مگر حضرت عمرؓ ان کے تقرر سے پہلے اکثر ان کا علمی امتحان لے کر ان کے متعلق ذاتی تجربہ حاصل کرتے تھے، عہد فاروقی کے ممتاز قضاۃ

ہیں مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بصرہ میں کعب بن سور الازدی، فلسطین میں حضرت عبادہ بن صامت تھے۔ ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ والیٔ شام و فلسطین نے حضرت عبادہ بن صامت کی مخالفت کی تو حضرت عمر نے ان کو حضرت امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا، اس طرح ان کا تعلق براہ راست امیر المومنین حضرت عمر سے وابستہ ہو گیا۔ کوفہ میں قضاوت کے عہدہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود مامور تھے، ۱۹ھ سے ان کی جگہ اسلام کے مشہور قاضی حضرت شریح مقرر کئے گئے۔ حضرت علیؓ جو عہد رسالت میں قضاوت کے عہدہ پر سرفراز رہ چکے تھے، قاضی شریح کو قاضی العرب کہا کرتے تھے، اسی طرح اس عہد کے قاضیوں میں جمیل بن معمر جمحی، ابو مریم حنفی، سلیمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، ابو قرہ کندی اور عمران بن حصین وغیرہ ہیں، جن کی عظمت و جلالت وشان کا مشاہدہ رجال و تراجم کی کتابوں میں کیا جاسکتا ہے۔

قضاۃ کی تنخواہیں حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں۔ پانچ پانچ سو درہم ماہوار کی تصریح ملتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ اصول رکھا کہ قضاۃ اپنے علم و فضل کے ساتھ دولتمند اور معزز بھی ہوں، تاکہ رشوت کی راہ نہ کھل سکے، اور جو خود صاحب اعزاز ہوگا وہ فیصلہ کرنے کے وقت کسی دوسرے کے اعزاز و اثر کو قبول نہ کرے گا۔ اس کے ساتھ قاضیوں کو تجارت یا عام لین دین اور خرید و فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

امیر المومنین مدعا علیہ کی حیثیت میں ان قاضیوں کی عدالت میں ہر ایک کے خلاف مقدمہ دائر ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ خود امیر المومنین حضرت عمر فاروق بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے اور عملی طور پر ایسے موقعے پیش آئے تو مدعی و مدعا علیہ دونوں کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنے کی خاص طور پر ہدایت کی، ایک مرتبہ حضرت عمر اور حضرت اُبَی بن کعب میں کچھ نزاع ہوئی۔ اُبی نے حضرت زید کی عدالت میں حضرت عمر کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا حضرت عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے، زید نے تعظیم دی، حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا

Marfat.com

پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اُبی کے برابر بیٹھ گئے۔ اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، حضرت عمر کو دعویٰ سے انکار تھا، اُبی نے قاعدہ کے موافق حضرت عمر سے قسم لینی چاہی، لیکن زید نے ان کے رتبہ کا پاس کر کے اُبی سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے، زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا، جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

عدالت کے آئین و اصول حضرت عمر نے عدالت کے آئین و اصول مرتب کرنے میں اس کا لحاظ رکھا کہ انصاف کی ارزانی و آسانی میں کوئی خلل نہ پڑنے پائے، مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت نہیں کرنا پڑتا تھا، عدالت کے لئے علیحدہ عمارتیں نہیں بنوائی گئیں، مسجدوں میں نشستیں ہوتی تھیں، جہاں کسی قسم کی روک ٹوک کے بغیر ہر شخص مقدمہ کا فریق بن کر جا سکتا تھا، قضاۃ کو تاکید تھی کہ کوئی غریب و نادار فریق بن کر آئے تو خاص طور پر نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آیا جائے، تاکہ مدعا کے اظہار میں اس پر خوف کا مطلق اثر نہ ہو۔

افتاء کسی جرم کی پاداش سے بچنے کے لئے قانون سے ناواقفیت کا عذر قابلِ سماعت نہیں سمجھا گیا ہے۔ حضرت عمر نے عوام کو قانون سے آگاہ رہنے اور بوقتِ ضرورت قانون و احکام کے استفساروں کا جواب دینے کے لئے ایک مستقل شعبۂ افتاء قائم کیا اور قانون بتلانے اور سوالوں کا شرعی جواب دینے کے لئے چند اشخاص کو نامزد کر دیا تھا۔ اب ہر کس و ناکس فتوے دینے کا مجاز نہ تھا، جن لوگوں کو فتویٰ دینے کا حق دے کر مجاز بنایا گیا اُن میں حضرت علی، عثمان، معاذ بن جبل، عبدالرحمٰن بن عوف، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔

شعبۂ احداث و تجسس عہد فاروقی میں ایک نیا شعبہ احداث کے نام سے قائم ہوا، اس کے افسر کو صاحب الاحداث کہتے تھے جو بازار میں امانت و دیانت کی دیکھ بھال رکھتا، کہ وہ کاناداروں کو دھوکا نہ دینے پائیں، سڑک پر کوئی مکان تعمیر نہ ہونے پائے، جانوروں

Marfat.com

پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے، ان باتوں کی دیکھ بھال کے لئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے، اس شعبہ کے کارکنوں کے فرائض زیادہ تر وہی تھے جو اس زمانہ میں پولیس کے ہیں۔[1]

عرب میں جیل خانہ کا رواج نہ تھا، اس کی ابتدا بھی حضرت عمر نے کی، اور سب سے پہلا محبس مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کے مکان کو خرید کر بنایا گیا، پھر اسی طرح مختلف اضلاع میں جیل خانے بنائے گئے، مجرم ان میں محبوس کئے جاتے تھے۔ قید خانوں کی تعمیر کے بعد بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی، شراب نوشی کی سزا حد جاری کرنے کی بجائے قید کرنے کی دی گئی، آگے چل کر مدیونوں کو بھی قید کی سزا دی جانے لگی۔

شعبہ رفاہ عام | عہد فاروقی میں بہت سے رفاہ عام کے کام بھی انجام پائے شعبہ احداث کے ذریعہ عوام کی راحت رسانی کی خدمت تو انجام پاتی ہی تھی، بہت سے ایسے کام جو اس زمانہ میں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، خود دربار خلافت کی نگرانی و ہدایات کے مطابق انجام پاتے تھے، جن میں خاص طور پر سرکاری عمارتوں، نہروں، پلوں اور سڑکوں کی تعمیر۔

نہریں | زراعت کی ترقی کے لئے عہد فاروقی میں تمام ممالک محروسہ میں نہریں جاری کی گئیں، بند بندھوائے گئے، تالاب تیار کرائے گئے، نہروں کی شاخیں نکال کر پانی کو تقسیم کرنے کے لئے دہانے بنوائے۔ علامہ تبریزی کی تصریح کے مطابق خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ اس خدمت پر سال بھر لگے رہتے تھے، جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ آبپاشی کی ان نہروں کے علاوہ شیریں پانی کے لئے لمبی لمبی نہریں کھدوائیں۔ بصرہ میں پانی کی

---

[1] آگے چل کر اسلامی حکومتوں میں یہ شعبہ احداث، دو شعبوں میں منقسم ہو گیا، ایک ناشرطہ کہلایا، جس کے فرائض اس زمانہ میں وہی تھے جو موجودہ زمانہ میں محکمہ پولیس کے ہیں، اور دوسرا شعبہ احتساب کہلایا، اور اس کے افسر محتسب کہے گئے۔

Marfat.com

کی تھی۔ اہلِ بصرہ کی درخواست پر دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی اور بصرہ میں گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی، یہ نہر والیٔ بصرہ ابوموسیٰ اشعری کے اہتمام میں کھدی تھی اس لئے نہرابی موسیٰ کہلائی۔ ایک دوسری نہر معقل بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی، اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا اس لئے ان کے نام سے موسوم ہوئی، ایک تیسری بڑی نہر سعد تھی جو انبار والوں کے لئے کھودی جارہی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے اہتمام میں اس کا کام جاری تھا ان کے نام سے موسوم ہوئی، اگرچہ اس کی کھدائی عہد فاروقی میں مکمل نہ ہوسکی تھی، ایک پہاڑ راہ میں حائل ہوگیا تھا، حجاج نے اپنے زمانہ میں اس پہاڑ کو کاٹ کر اس نہر کو مکمل کیا سب سے فائدہ رساں نہر مصر میں کھودی گئی، جو نہر امیر المومنین کے نام سے موسوم ہوئی، جس کے ذریعہ دریائے نیل کو بحرِ قلزم سے ملا دیا گیا تھا اس طرح اس زمانہ میں مصر کا جدید پایہ تخت فسطاط جس کے نیچے دریائے نیل بہتا ہے، بحرِ قلزم میں مل گیا، یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی، اس طرح مصر کے جہاز نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچ کر لنگر انداز ہوتے تھے جو مدینہ کا بندرگاہ تھا، اور زرخیز مصر کی پیداوار خشکی کے طویل راستہ کی بجائے اس راہ سے عرب میں آسانی سے پہنچنے لگی، عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو بھی ملا دینا چاہا، لیکن حضرت عمر نے اس کو عمل میں لانے سے اس لئے روک دیا کہ اس راہ سے یونانی و رومی جہازوں میں آکر حاجیوں کے لئے خطرہ بن جائیں گے، اگر یہ خطرہ سامنے نہ آتا تو "نہر سویز" اسی زمانہ میں تیار ہوگئی ہوتی۔

عمارتیں | عہد فاروقی میں مختلف مذہبی، فوجی و انتظامی ضرورتوں کے لئے بہ کثرت عمارتیں بنائی گئیں، صوبہ کے ولاۃ اور اضلاع کے حکام کے لئے دارالامارۃ اسی زمانہ میں مختلف جگہ تیار کئے گئے، دیوان کے نام سے دفتر بنائے گئے، بیت المال کے نام سے خزانے کے مکانات تعمیر ہوئے، قیدخانوں کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی طرح بعض مقامات میں مہمان خانے بھی تعمیر کئے گئے، یہ عمارتیں زیادہ شان و شوکت کی نہ تھیں زیادہ تر اینٹ اور گارے سے

بنائی گئی تھیں۔

سڑکیں اور پل اسی طرح سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ہوئی، مفتوحہ ممالک میں معاہدوں کے ذریعہ وہاں کے باشندوں پر یہ بار ڈالا گیا اور سرزمینِ عرب میں دربارِ خلافت کی نگرانی میں یہ کام انجام پائے۔ ۱۷ھ ۶۳۸ء میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کی راہ ہموار کی اور ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے۔ سڑکوں کی چوڑائی حضرت عمر کے حکم سے چالیس ہاتھ، اس سے چھوٹی ٹتیس، اس سے چھوٹی بیس ہاتھ اور گلیاں سات سات ہاتھ چوڑی رکھی گئیں۔

عہد فاروقی کے نو آباد شہر عہد فاروقی میں چند نئے شہر بھی بسائے گئے، وہ بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جیزہ ہیں۔ بصرہ ۱۴ھ ۶۳۵ء میں بسایا گیا۔ حضرت عمر نے عتبہ بن غزوان کو آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ بندرگاہ ابلہ کے قریب کوئی جگہ منتخب کر کے شہر بسانے کے لئے بھیجا، وہ مقام خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں کی سرزمین عرب کے مذاق کے موافق نکلی، عتبہ نے اس جگہ کو پسند کر کے داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے علیحدہ علیحدہ احاطہ کھینچ کر مختصر خام مکانات بنوائے۔ سرکاری عمارتیں، دیوان، قیدخانہ اور جامع مسجد کی بنیاد رکھی، پھر ایک ہی سال کے اندر خام مکانات پختہ عمارتوں میں تبدیل کر دیئے۔ رفتہ رفتہ اس کی آبادی بڑھی، اور عہد فاروقی ہی میں یہاں کے باشندوں کے نام فوجی رجسٹر میں اسّی ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، رفتہ رفتہ یہ شہر علم و فن کا مرکز اور تمدّن و تہذیب کا گہوارہ بن گیا۔ دوسرا نو آباد شہر کوفہ، مداین کی فتح کے بعد ۱۷ھ ۶۳۸ء میں بسایا گیا، حضرت عمر کے حکم سے سلمان و حذیفہ نے عرب کے ذوق کے موافق زمین کا انتخاب کیا اور شہر کا نام کوفہ رکھا گیا۔ عرب حکمران عراق نعمان بن منذر کے خاندان کا پایہ تخت اسی کے آس پاس تھا یہ شہر دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے چالیس ہزار آبادی کے لئے مکانات بنائے گئے اور عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلّوں میں آباد کئے گئے اور بصرہ کی طرح یہاں بھی سرکاری عمارتوں اور جامع مسجد کی تعمیر کی گئی۔ رفتہ رفتہ یہ شہر عرب کی طاقت کا

مرکز بن گیا، آگے چل کر جب اس کی مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر خاص قبیلہ مضر و ربیعہ کے تھے، چوبیس ہزار دوسرے قبائل کے مکانات تھے، اہلِ یمن کے گھر بھی چھ ہزار تھے، اس شہر کو بھی علمی برتری حاصل ہوئی، خصوصاً نحو اور فقہ میں یہ شہر امام تھا۔ فسطاط کو عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی فتح کے بعد آباد کیا اور یہاں بھی بصرہ و کوفہ کے طریق سے الگ الگ احاطے کھینچے گئے اور قبائل آباد کئے گئے، جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی، سرکاری عمارتیں بھی اس طرح بنائی گئیں جیسی ان شہروں میں بنی تھیں، یہی شہر مصر کا پایہ تخت بن گیا اور اس کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں چالیس ہزار عربوں کے نام رجسٹر میں درج تھے، پھر ۳۶ مسجدیں، آٹھ ہزار سڑکیں اور ۱۱۷۰ حمام تھے، ان شہروں کی سڑکیں ۴۰، ۳۰ اور ۲۰ ہاتھ چوڑی ہوتی تھیں، مؤرخ نے فسطاط کو مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر لکھا ہے۔ یہاں بھی آگے چل کر علم و فن کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ موصل کا قلعہ اگرچہ پہلے سے موجود تھا لیکن یہ شہر کی حیثیت میں عہد فاروقی میں آباد ہوا اور عربوں کی وسیع آبادی سے معمور ہو گیا۔ جیزہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو فسطاط کے مقابل ہی دریائے نیل کے غربی جانب آباد کیا گیا۔

شعبۂ تعلیم | تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جیسا کہ اوپر گزرا، عہدِ رسالت سے جاری تھا، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس شعبہ کو نمایاں ترقی دی تھی۔

مدارس | تمام ممالک مفتوحہ میں مکاتب و مدارس قائم کئے، نصاب تعلیم میں قرآن مجید، حدیث، فقہ کے علاوہ فن ادب سے اعتناء کیا اور اخلاقی اشعار اور امثالِ عرب کو نصاب میں داخل کیا۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ و تابعین درس و تدریس کے لئے مامور کئے گئے اور مدرسین و معلّمین کی تنخواہیں مقرر کیں، تنخواہیں اس وقت کے لحاظ سے کم نہ تھیں، مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلّمین کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا، لکھنے پڑھنے کے ساتھ شہسواری کی کتابیں بھی مکتب ہی میں ... جاتی تھی کتابت و شہسواری سکھلانے کی ...

ایک ہی فرمان میں ممالکِ محروسہ کے تمام اضلاع میں جاری کی گئی تھی، ابو عامر سلیم کا جو رواۃ حدیث میں ہیں، بیان ہے کہ میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا، یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا، میں میم اچھی طرح نہیں لکھتا تو معلم مجھ سے کہتا تھا کہ گول لکھو، جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

تعلیم قرآن | تعلیم قرآن کے اہتمام پر حضرت عمر نے سب سے زیادہ توجہ کی، ایسے چند ممتاز صحابہ حضرت معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابو درداء وغیرہ کو جنھوں نے عہدِ رسالت میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، منتخب کر کے حمص، دمشق اور فلسطین بھیجا، اور ان کی نگرانی میں ان مقاموں میں قرآن مجید کی تعلیم کی درسگاہیں قائم ہوئیں حضرت ابو درداء دمشق کی جامع مسجد میں صبح کی نماز کے بعد بیٹھ جاتے، دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے، ہر جماعت پر ایک قاری مقرر کرتے اور خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے، جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداء خود اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے، ایک دن شمار کرایا تو سولہ سو شاگرد اُن کے حلقۂ درس میں موجود تھے، رفتہ رفتہ بکثرت حفاظ پیدا ہو گئے۔ صرف کسی ایک فوج میں تین تین سو حافظ ہو گئے تھے۔

پھر تمام ممالکِ محروسہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا، معلم و قاری مقرر کر کے، خانہ بدوش بدوی قبائل کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری قرار دی اور بدوی قبائل کیلئے ممتحن اور نگراں مقرر کئے، جو گشت کر کے بدوؤں کا امتحان لیتے تھے اور جنھیں قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہوتا وہ سزا پاتے تھے۔

ادب و لغت | فن ادب و لغت کی تعلیم اور عربی زبان کی تحصیل، قرآن مجید کی تعلیم کے لئے لازمی قرار دی، تاکہ لوگ خود قرآن مجید کے اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں، اور یہ حکم جاری کیا کہ جو لغت کا عالم نہ ہو، قرآن نہ پڑھانے پائے۔

حدیث و فقہ | حدیث و فقہ کی تعلیم و ترویج و اشاعت پر بھی نمایاں توجہ رکھی، صحابہ کرام

Marfat.com

کے درمیان جو لوگ ان علوم میں درک رکھتے تھے، ان میں سے چند کا انتخاب کیا، اور انھیں ممالکِ محروسہ میں بھیجا کہ احادیث کے لئے ان ہی پر استناد کیا جائے اس لئے عہدِ فاروقی میں یہی حدیث کے اساتذہ تھے جن کے سامنے تابعین نے کثیر تعداد میں زانوئے ادب تہ کیا اور ان کے علوم کے ذخیرہ کو جو اُن کے سینوں میں محفوظ تھے، ان سے حاصل کیا، اور مسندِ درس بچھا کر ان صحابہ کرام نے حدیث کی تعلیم و اشاعت کی خدمت انجام دی، اسی طرح مسائلِ فقہیہ کی اشاعت و تعلیم کی مختلف راہیں اختیار کیں، جن سے فنِ فقہ کو فروغ حاصل ہوا۔ جا بجا فقہاء و معلّم متعیّن کئے جو مذہبی احکام کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً صرف بصرہ میں دس اساتذۂ فن کو روانہ کیا، جو اس شہر میں فقہ کی تعلیم پر مامور تھے، اسی طرح کوفہ، شام، مصر میں مختلف اساتذہ بھیجے گئے، یہ اساتذہ مسجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے۔ شائقینِ علم کثیر تعداد میں ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، لوگ ان سے سوالات کرتے اور یہ جوابات دیتے جاتے تھے۔ ایک وقت تین تین اساتذہ اپنا حلقۂ درس جمائے رکھتے تھے حضرت ابو درداء جب مسجد میں آتے تو ان کے گرد اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے کسی شہنشاہ کے دربار میں ہوتا ہے، حضرت عمر نے ان فقہاء کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کر دی تھیں، ہر شخص مسائل بیان کرنے کا مجاز نہ تھا۔ یہ اختیار اُن ہی لوگوں کو حاصل ہوتا تھا جو اس خدمت پر مامور ہوتے تھے، اور منتخب فقہاء وہی مسائل بیان کرتے تھے، جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا، یا جو مجمع صحابہ میں پیش کر کے طے کر لیے جاتے تھے اور ان مسائل کے متعلق وقتاً فوقتاً حضرت عمر ممالکِ محروسہ میں اطلاعات بھیج دیا کرتے تھے اور خود حضرت عمر مشکل مسائل کو قلمبند کرایا کرتے تھے۔

شعبۂ مذہبی حضرت عمر خلیفہ و امام کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم و تلقین و اشاعت پر اپنی سب سے زیادہ توجہ رکھتے تھے اور شعبۂ مذہبی کے جتنے امور تھے انھیں براہِ راست اپنی نگرانی میں انجام دیتے تھے، جن میں سب سے اہم فرض اسلام کی اشاعت کا تھا۔

اشاعتِ اسلام اشاعتِ اسلام میں ان کا بنیادی نقطۂ نظریہ تھا کہ یہ خدمت تمامتر ہدایت و ترغیب کے ذریعہ ہو، جبر و تشدد کا ادنیٰ شائبہ بھی اس میں آنے نہ پائے۔ یہاں تک کہ جب خود اُن کا ایک غلام بار بار ہدایت و تلقین کے باوجود اسلام نہ لایا تو فرمایا لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنی خدا نے کہا ہے کہ دین و مذہب میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے، ایک موقع پر عمرو بن العاص نے مصر کے ایک قصبہ کے لوگوں کو ان کی بغاوت کی پاداش میں گرفتار کر کے لونڈی غلام بنالیا، جب حضرت عمر کو خبر ہوئی، تو سب کو آزاد کرنے کا حکم لکھ بھیجا، اور لکھا کہ انہیں اختیار رہے، چاہے اسلام لائیں چاہے اپنے دین پر قائم رہیں، چنانچہ ان میں بہت سے بخوشی اسلام لائے اور بہت سے اپنے دین پہ قائم رہے۔

اس کے باوجود عہد فاروقی میں اسلام کی اشاعت غیر معمولی طور پر ہوئی جن میں شام و عراق کے عرب قبائل، ایرانی مجوسی، مصری قبطی، یونانی اور رومی سب ہی قوموں اور ملکوں کے لوگ تھے، اسلام کے حملہ آور لشکروں کے امراء کو ہدایت تھی، کہ وہ کوئی حملہ اسلام کی دعوت دیئے بغیر نہ کریں، غیر قومیں جب مسلمانوں کی جماعت میں آتیں یا مفتوح ہونے کے بعد مسلمانوں کے حُسنِ سلوک کو دیکھتیں تو اُن سے متاثر ہوتیں اور خود بخود انہیں اسلام لانے کی ترغیب ہوتی تھی، شام و عراق کے عرب قبائل زیادہ تر عیسائی مذہب رکھتے تھے، ابتداءً تو اُن میں مذہبی عصبیت رہی اور انھوں نے مسلمانوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا، لیکن رفتہ رفتہ اُن میں قومی حمیت پیدا ہوئی اور قومی و نسلی جذبہ سے فطری طور پر ان میں اسلام کی طرف میلان طبع پیدا ہوا اور عہد فاروقی میں بہ کثیر تعداد وہ اسلام لے آئے۔ ان اسباب کے علاوہ ایک بڑی وجہ مسلمانوں کی کامرانی و فتحمندی کی یہ بھی تھی، کہ خوش عقیدہ قوموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عربوں کے ساتھ [illegible] نی شامل ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور [illegible] نے اس کو گر[illegible] بھگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک [illegible] کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جو لوگوں پر اثر [illegible] تے [illegible] ساتھ ہے، اُن سے

لڑا دیا ہے"، اسی طرح مختلف اہم معرکوں اور شہروں کے فتح ہونے کے بعد بڑے بڑے پیشوائے مذہبی اور ممتاز رؤسا و امراء اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے اس کی وجہ سے ان کے پیروؤں کو خود بخود اسلام کی طرف رغبت ہوتی گئی اور وہ مسلمان ہوتے گئے، اسی طرح مجوسیوں، یونانیوں، قبطیوں اور رومیوں کے ممتاز افسران فوج ایرانی وردی کے لشکروں سے نکل کر اسلامی لشکر میں آئے اور اپنے ماتحت سپاہیوں کو ساتھ لیتے آئے اور خوشی سے اسلام قبول کر کے اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے، پھر مفتوحہ اور خصوصاً نو آباد شہروں کوفہ، بصرہ اور فسطاط میں عربوں کے پہلو بہ پہلو غیر قوموں کو بھی آباد کیا گیا صرف فسطاط میں یونانیوں اور رومیوں کے تین بہت بڑے محلے بسائے گئے، اور وہ مسلمانوں کے اثر صحبت سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے گئے، اس طرح عہد فاروقی ہی میں گویا شام، عراق اور کسی حد تک مصر میں آباد مسلمان اپنی کثرت تعداد سے غالب اکثریت میں آگئے، جس کی بنیادی وجہ یہ تھی، کہ تبدیل مذہب کے لئے جبر و تشدد کو مطلق روا نہ رکھا جاتا تھا، غرض ان مختلف مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر وہ خود بخود اسلام لاتے گئے، اور ان ملکوں میں اسلام کو غیر معمولی فروغ حاصل ہو گیا۔

اعراب قرآنی جمع و ترتیب قرآن کی خدمت جیسا کہ اوپر گذرا، عہد صدیقی میں حضرت عمرؓ ہی کی رائے و اصرار سے انجام پائی تھی، لیکن قرآن مجید پر اعراب یعنی زبر زیر پیش نہیں لگائے گئے تھے، اس لئے کہ عربوں کے لئے اعراب کی ضرورت نہیں تھی، لیکن غیر قوموں کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے قرآن مجید پر اعراب لگانے کی ضرورت سمجھی، اور جیسا کہ اوپر گذرا، صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم جاری کرائی، کہ جس طرح حفظ قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، اعراب قرآن کی تعلیم دی جائے اور تدوین قرآن ہی کے وقت یہ تصریح کر دی گئی تھی، کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی

خاص زبان میں اُترا ہے، اس طرح قرآن مجید کے اعراب عہد فاروقی کی یادگار ہیں۔

مساجد | مساجد کے لئے امام و مؤذن کا تقرر بھی شعبہ مذہبی کی طرف سے عمل میں آتا تھا، حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ سے ان کے انتظامات قائم رکھے، اُن کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کیں، اسی طرح مسجد نبوی میں صفوں کو درست کرنے پر بھی اشخاص مقرر تھے، مساجد کی تعمیر بھی اس عہد میں نہایت کثرت سے ہوئی۔ ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ "بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں"۔ اسی طرح شام و عراق کے ہر شہر میں ایک ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک جامع عمری کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے علاوہ عہد فاروقی میں ہزاروں مسجدیں تعمیر ہوئیں، ایک مؤرخ نے ان کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔

مساجد حرمین کی توسیع کی ضرورت بھی اس عہد میں پوری کی گئی۔ ۱۷ھ / ۶۳۸ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے لئے حضرت عمرؓ نے ارد گرد کے مکانات خرید لئے۔ حضرت عباسؓ نے اپنا مکان بلاقیمت نذر کیا، اس طرح ازواج مطہرات کے مکانوں کو چھوڑ کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ایک سو گز تھا وہ ایک سو چالیس گز کر دیا گیا، اسی طرح عرض میں بھی بیس گز کا اضافہ ہوا، لیکن ستون وغیرہ پہلے کی طرح لکڑی کے رکھے گئے، پھر اسی زمانہ میں مسجد نبوی میں روشنی اور خوشبودار بخور کا بھی انتظام کیا گیا اور چٹائی کا فرش پہلی مرتبہ بچھایا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اسی طرح مکہ معظمہ میں حرم محترم کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ ۱۷ھ / ۶۳۸ء ہی میں یہاں بھی ارد گرد کے مکان خرید کر اس میں وسعت دی، حرم کے لئے احاطہ کی دیوار کھنچوائی، مصر کے اعلیٰ کپڑے قباطی کا غلاف کعبہ پر چڑھایا، جو پہلے نسبتاً معمولی کپڑے نطع کا ہوتا تھا۔ حرم کے حدود کے لئے جو کسی طرف سے ۳ میل اور کسی طرف سے ۷ اور میل ہیں، پتھر نصب کرائے جو انصاب حرم کہے جاتے ہیں

Marfat.com

حج کی قافلہ سالاری | حج کی قافلہ سالاری کی خدمت خود انجام دیتے تھے، اور حجاج کی خبر گیری کرتے تھے، نیز کچھ لوگوں کو مامور کیا جاتا تھا کہ لوگوں سے صحیح طور پر بعض مناسکِ حج ادا کرائیں۔

ذمّیوں کے حقوق اور ان کا تحفظ | اسلام نے غیر مسلم رعایا کے، جنھیں ذمّی کہا جاتا تھا، حقوق اس زمانہ میں متعین کیے جب روم و ایران کی سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے، انھیں اپنی مملوکہ زمین پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا، بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیے جاتے تھے۔ زمین کی منتقلی کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے، جب یہ ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئے تو دفعۃً حالت بدل گئی، جو حقوق انھیں دیے گئے وہ گویا رعایا کے نہیں تھے، بلکہ فاتح و مفتوح میں اس قسم کا تعلق قائم ہوا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے، ان معاہدوں میں تصریح کی گئی کہ رعایا کے جان و مال و مذہب ہر طرح سے محفوظ رہیں گے، ان کی عبادتگاہوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، ان کے احاطوں میں دست اندازی نہیں کی جائیگی، جو ان ملکوں سے چلے جانا چاہیں انھیں آزادی حاصل ہوگی، ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، ان کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر ہوں گے، کوئی مسلمان کسی ذمّی کو قتل کرے گا تو وہ پاداش میں قتل کیا جائے گا، اور جن زمینوں پر وہ کاشت کرتے تھے یا وہ ان کے قبضہ میں تھیں، اسی ... ان پر ان کو مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان ... جائز نہ ہوگا۔

مالگزاری، جزیہ و خراج کی تشخیص میں رعایتیں | مالگزاری، جزیہ اور خراج نہایت ... تھی، فتوحات کا دائرہ عہد فاروقی ... اس لئے ... لازمات کی تعیین بھی زیادہ تر اسی زمانہ میں ہوئی، حضرت عمر ...

بھیجتے تھے، کہ وہ اس کی جانچ کریں اور نگاہ رکھیں کہ کسی جگہ مال گذاری کی تحصیل اور تشخیص میں سختی تو نہیں برتی گئی، ملکی انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا' ذمیوں کے مشورہ و استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، عراق کے بندوبست کے موقع پر وہاں کے ذمی رئیسوں کو مدینہ بلاکر، مشورہ کرکے اس کے مطابق کام کیا، مصر کے انتظامات میں مقوقس سے اکثر رائے لیتے رہے، ذمیوں سے جو معاہدے ہوئے تھے، حکام کو ان پر عمل کرنے اور مسلمان ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کر سکیں' اس کی ہدایت میں فرمان نافذ کرتے، والی شام کو فرمان بھیجا کہ "مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں' نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں' نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں' اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب کو پورا کرو" اور ایک دوسرے موقع پر لکھا "جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی ہیں) ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے' ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے" اور جب کسی ذمی پر کسی زیادتی کی اطلاع انھیں مل جاتی تو فوراً تدارک کرتے تھے، ایک مرتبہ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے' حضرت عمرؓ نے دس ہزار درہم بیت المال سے اس کے معاوضہ میں اس کو دلوا دیئے۔ ایک مرتبہ شام سے واپسی میں چند آدمیوں کو دیکھا کہ انھیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے اور سر پر تیل ڈالا جارہا ہے، معلوم ہوا ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا یہ لوگ ناداری کا عذر کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا "چھوڑ دو، ان کو تکلیف نہ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں' خدا قیامت میں ان کو عذاب دے گا' یہاں تک کہ ایک عیسائی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے دی، ایک صحابہ حضرت غرفہ نے ایک تھپڑ اس کے منہ پر کھینچ مارا، عیسائی نے والی مصر سے شکایت کی، حضرت غرفہ نے واقعہ بیان کیا، والی نے کہا ذمیوں سے اس معاہدہ ہو چکا ہے، حضرت غرفہ نے فرمایا نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے

رسول اللہ کو علانیہ گالیاں دیں، ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو چاہیں کریں، اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے، تو ہم سینہ سپر ہو کر ان کے لئے لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمّل نہ ہوں۔" والی نے کہا " ہاں یہ سچ ہے۔"

مذہبی آزادی مذہبی آزادی کا تعلق جہاں تک تھا، وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے، ان کے پیشواؤں کے مذہبی اختیارات برقرار رہے۔ اسکندریہ کا پیٹر یارک تیرہ برس رومیوں کے ڈر سے مارا مارا پھرا، عمرو بن العاص نے اس کو امان دی اور اس کی کرسی دوبارہ نصب ہوئی، معاہدوں میں تصریح تھی کہ :

> "اُن کے جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے، نہ اُن کا مذہب بدلا جائے گا، نہ اُن کے مذہبی امور میں کچھ تغیر یا دست اندازی کی جائے گی۔"

انھیں ناقوس بجانے اور صلیب لگانے کی عام اجازت تھی، لیکن صلیب کو مسلمانوں کی مجلسوں اور اجتماعوں میں نہیں نکال سکتے تھے، ناقوس بھی وہ رات دن میں جس وقت چاہتے بجا سکتے تھے، صرف نماز کے اوقات میں انھیں احتیاط کرنی تھی، یہاں تک کہ انھیں سور پالنے کی بھی اجازت تھی، اس میں انھیں صرف یہ احتیاط رکھنی پڑتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں، اسی طرح انھیں اپنے بچوں کو اصطباغ دینے کا اختیار تھا لیکن اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو گیا ہوتا اور اس کے چھوٹے بچے عیسائیوں کی پرورش میں رہ جاتے تو خود انہی نومسلم سابق عیسائیوں کی خواہش کے مطابق فرمان جاری ہوتا کہ ان کے نوعمر بچوں کو اصطباغ نہ دیا جائے۔

اسی طرح جزیہ درحقیقت ذمیوں کی حفاظت کا معاوضہ تھا، اس کے بدلہ میں وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہتے تھے، اور ان میں جو فوجی خدمت انجام دینا چاہتے، جیسا کہ اوپر گذرا، ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا، البتہ ان میں سے کسی گروہ نے سازش و بغاوت کی اور اسکی اصلاح ناممکن سی ہو گئی، تو اس کو جلا وطن کر دینے کا حکم دیا گیا خصوصاً مرکز اسلام عرب میں ان کے

Marfat.com

قیام کی اجازت نہیں رہی، ان کی سازش و بغاوت کی پاداش میں ان سے سرزمین عرب کو خالی کرایا، ان کی جائداد و املاک کی قیمت کا تخمینہ لگا کر بیت المال سے رقم ادا کی، پھر انھیں شام و عراق میں بھیجا، وہاں کے افسروں کو بہتر طریق سے انھیں آباد کرنے کی ہدایت کی اور انھیں زراعت کے لئے زمین دینے اور دو برس تک ان کے جزیہ کو معاف رکھنے کا فرمان لکھا اور بہتر طریق سے ان احکام پر عمل کیا گیا۔ اس کے علاوہ شام و عراق سے بھی جلاوطنی کا واقعہ عہد فاروقی میں پیش آیا، لیکن وہ ایسے ہی عیسائی تھے جو بغاوت و سرکشی کی سازشوں میں مصروف رہتے تھے، اور ایک سے زیادہ مرتبہ کے تجربہ کے بعد ان کا قیام سیاسی اعتبار سے کسی طرح مناسب نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کی جائداد، زمین، مویشی اور اسباب کو شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دی جائے، اگر وہ اسلامی سلطنت کے حدود کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو انھیں ایک سال کا موقع دیا جائے، اگر اس کے باوجود وہ اپنی شرارتیں جاری رکھیں تو ایک سال کے بعد انھیں جلاوطن کر دیا جائے اور اس وقت بھی ان کی ساری املاک کی قیمتیں انھیں ادا کر دی جائیں۔

ذمیوں اور مسلمانوں کے مساوی حقوق ورنہ جہاں تک عام ذمیوں کا سوال تھا، حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور مسلمانوں کے حقوق میں کوئی تمیز نہیں رکھی۔ ذمی کے قتل کے بدلہ میں مسلمان قتل کئے جاتے، اگر کوئی کسی ذمی سے سخت کلامی کرتا تو اس کی پاداش اسے بھگتنی پڑتی۔ ذمیوں سے جزیہ و عشور کے سوا کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا، مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، جس کی مقدار جزیہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی، اسی طرح عشور بھی ان سے لیا جاتا تھا، جس طرح اپاہج و ضعیف اور محنت مزدوری سے معاش نہ پیدا کر سکنے والے مسلمان کا وظیفہ بیت المال سے مقرر ہو جاتا تھا، اسی طرح اگر کوئی ذمی بوڑھا اور معذور ہو جاتا، اپاہج و ضعیف ہو جاتا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کر دیا جاتا بلکہ مسلمان معذوروں کی طرح ان ذمی معذوروں کا وظیفہ بھی بیت المال سے جاری ہو جاتا تھا۔

Marfat.com

اسی حُسنِ سلوک کا اثر تھا کہ وہ دل سے اسلامی حکومت کے وفادار رہے،
ان میں اخلاص پیدا ہوا اور انھوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہبوں کی سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا، وہی لڑائیوں میں رسد پہنچاتے، لشکر میں بازار سجاتے، اپنے اہتمام و صرف سے سڑکیں اور پل تیار کرتے اور جاسوسی اور خبر رسانی کرکے ہر قسم کے راز دشمنوں سے لے کر مسلمانوں سے آکر کہتے، اسی اخلاص کا یہ اثر تھا کہ جب مسلمان وقتی طور پر حمص کو چھوڑ کر وہاں سے جنگ یرموک کے موقع پر روانہ ہوئے تو یہودیوں نے توراۃ ہاتھ میں لے کر کہا "جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے" اور عیسائیوں نے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو"

غلامی کا استیصال

غلامی کا رواج عہد قدیم سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں تھا، اور عرب میں بھی موجود تھا۔ اسلام نے برائیوں کو مٹانے اور اچھائیوں کو پھیلانے میں تدریجی راہ اختیار کی یہاں تک کہ شراب نوشی کی ممانعت بھی یک لخت نازل نہیں ہوئی اس زمانے میں غلاموں کا طبقہ انسانی معاشرہ کا جزو تھا، پورے انسانی معاشرہ کے ڈھانچہ کو یکبارگی بدلا نہیں جا سکتا تھا، اسلام نے ایسی راہ اختیار کی کہ رفتہ رفتہ یہ طبقہ آپ سے آپ معدوم ہو کر رہ جائے، اور آگے چل کر نتیجہ کے طور پر یہی صورت حال سامنے آئی، اسلام نے سب سے پہلے انسانی مساوات کا پیام سنایا، محمود و ایاز کو ایک پہلو میں کھڑا کیا اور غلام و غلام زادہ کو لشکر کا امیر بنایا اور بڑے بڑے رؤسا اور شریف النسب اکابر کو اس فوج میں اس کے ماتحت کیا، اسی طرح حکم دیا کہ جو خود کھاؤ غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنو غلاموں کو پہناؤ، اور جو کام ان سے لو اس میں شدت زیادہ نہ ہو، اور ان کے کاموں میں تم خود بھی ہاتھ بٹاؤ، اس طرح آقا و غلام میں برابری و ہمسری پیدا کی اور معاشرہ میں ان کا اعزاز قائم کیا، پھر غلاموں کے آزاد ہونے کے لئے ایسی ایسی راہیں اور شکلیں متعیّن کردیں کہ رفتہ رفتہ غلامی کا رواج ختم ہو جائے اور انسانی

Marfat.com

گروہ میں غلاموں کے نام کا طبقہ معدوم ہو کر رہ جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں غلامی کے استیصال پر اپنی خاص توجہ رکھی۔ جزیرہ نمائے عرب کے باشندے فتنۂ ارتداد کے بعد سب کے سب مسلمان ہو چکے تھے، اب عرب کے باشندوں سے اسلام کی جنگ آزمائی کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا، فتنۂ ارتداد کے موقع پر جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے وہ سب کے سب آزاد قرار دے دیئے گئے، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں یہ اصول قائم کر دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ اس طرح عرب میں انھوں نے غلامی کا استیصال کر دیا۔ غیر قوموں کے ساتھ بھی عملاً یہی راہ اختیار کی، ان کے مفتوحہ ممالک کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے، مگر غلام بنانے کی نوبت گنتی کے صرف چند مقاموں میں چند خاص حالات میں آئی اور صرف وہی غلام بنائے گئے جو معرکۂ جنگ میں شریک تھے، مصر و عراق میں فوج کے اصرار کے باوجود کسی کو غلام نہیں بنایا گیا۔ شام میں صرف قیساریہ ایسی جگہ ہے جہاں اسیرانِ جنگ غلام بنا لئے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جندیسابور، سابور، شیراز وغیرہ میں معاہدہ میں لکھ دیا گیا تھا کہ وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہیں بنائے جائیں گے۔ مناذر اور مصر کے بعض دیہاتوں میں اہلِ فوج نے لونڈی غلام بنا لیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا، کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کر دو۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ کو رواج دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی، جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ لونڈی نہیں رہتی تھی، اور غلامی کا رواج گھٹتا جاتا تھا، اسی طرح مکاتبت کے طریقہ کو انھوں نے وجوبی قرار دے دیا، اگر کوئی غلام یہ تحریر کر دیتا، کہ وہ اتنی رقم دے کر آزاد ہو جائے گا تو اس کے آقا کو اس کی خواہش کا ماننا ضروری تھا، حضرت عمرؓ سے پہلے آقاؤں کو اختیار تھا کہ وہ اس معاہدہ کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اسی طرح شاہی خاندان کی لڑکیوں کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے والدین کے پاس بھیج دینے کا واقعہ بھی پیش آیا۔ مقوقس حکمرانِ مصر کی لڑکی ارمانوسہ [illegible]

Marfat.com

ہو گئی تھی، عمرو بن العاص نے ایک محافظ کے ساتھ اس کو اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ پھر جنھیں غلام بنا لیا گیا اُن کے حق میں وہ مراتب قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجہ تک پہنچ گئی، جب مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کی گئیں، تو غلام و آقا کو ہم رتبہ رکھ کر برابر تنخواہ مقرر کی، غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے اور فرماتے "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھلانے میں عار ہے" (۱) طرح یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے، باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں، جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں، صحابہ سے فرمایا کہ قرآن مجید میں قطع رحم کی ممانعت آئی ہے، یہ لوگ اگر ایک دوسرے سے جدا رکھے جائیں تو اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے، جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ ائمہ حدیث میں تھے۔ نافع، امام مالک کے استاذ تھے۔ اگر حضرت عمر نے اُمّ ولد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔ محمد بن سیرین حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ سیرین حضرت انس کے غلام تھے، انھوں نے حضرت انس سے مکاتبت کی شرط پر آزادی حاصل کرنی چاہی، انس نے انکار کیا تو سیرین نے حضرت عمر کی خدمت میں مرافعہ کیا، حضرت عمر نے انس کو سیرین کی مکاتبت قبول کرنے پر مجبور کیا، حضرت عمر کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں فَكَاتِبُوهُمْ کے الفاظ آئے ہیں، یہ حکم ہے اس لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے، حضرت انس نے مجبوراً قبول کیا، اسی سیرین کے صاحبزادے محمد بن سیرین ہیں۔ اسی طرح اندلس کے فاتح موسیٰ بن نصیر بھی غلام زادہ تھے نصیر بھی سیرین کے ساتھ گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے۔

غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد

Marfat.com

تھا، غلاموں کے متعلق آپ کے اقوال و افعال جو کچھ تھے، اور رحلت کے وقت جو آخری الفاظ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے وہ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی "نماز اور غلام"، ہی کے الفاظ تھے، حضرت عمر نے اپنے دَورِ خلافت میں اِن ہی حکموں کی تعمیل کی، پھر آگے چل کر اسلامی حکومتوں کے دَور میں غلاموں کو اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ وہ بڑی بڑی سلطنتوں کے بانی بنے اور بڑے بڑے سلاطین ان کی نظرِ توجہ کے دست نگر رہے۔

حضرت عمر کے طریق حکمرانی کی نمایاں خصوصیات

حضرت عمر کے طریق حکمرانی کے یہ اثرات تھے کہ باوجودیکہ ان کے دائرۂ حکومت میں مختلف ملک، مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف قومیں تھیں، لیکن ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا رہا، اگر کسی جگہ بغاوت و سرکشی کی فتنہ انگیزی ہوتی، تو اس زمانہ میں بستی آبادیاں جلاکر خاک کر دی جاتی تھیں اور باغی تہِ تیغ کئے جاتے تھے، مگر حضرت عمر نے ایسے موقعوں پر بھی انصاف سے تجاوز نہیں کیا، جب اُن کی اصلاح سے مایوسی ہوئی، تو جیساکہ اُوپر گذرا اُن کی جائداد و مال و اسباب کی مفصّل فہرست تیار کراکر ایک ایک چیز کی دگنی قیمت ادا کر کے انھیں جلا وطن کر دیا، تاکہ وہ اپنی فتنہ انگیزیوں سے ملک کے امن و امان کو درہم برہم نہ کرنے پائیں، اور خود عربوں میں ایسے گروہ تھے، جو منصب خلافت پر ان کی سرفرازی کو پسند نہیں کرتے تھے، مگر ان کے ساتھ بھی انھوں نے نرمی سے کام لیا۔ عرب کے اکابر میں سے عمرو بن العاص، معاویہ بن سفیان اور مغیرہ بن شعبہ جیسے لوگوں کو اپنے قابو میں رکھا، عمرو بن العاص ان لوگوں میں تھے جنھوں نے نہایت حسرت سے ایک مرتبہ کہا "خدا کی قدرت! جاہلیت میں میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو خطّاب (حضرت عمر کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے، آج اسی خطّاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتاتا ہے"، اس احساس وشانِ ترفع کے باوجود عمرو بن العاص

Marfat.com

کو جرأت نہ ہوسکی کہ وہ حضرت عمر کے کسی فرمان کو نظر انداز کر سکتے۔ عرب کی یہی نیون شخصیتیں تھیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ جب حضرت عمر کا دورِ حکومت ختم ہوا تو اپنی فتنہ سامانیوں سے اسلامی مملکت کی جڑیں ہلا دیں۔

نکتہ چینیوں کو برداشت کرنا حضرت عمر کی سیاست و حکمت عملی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنی نگاہ اصل حقیقت و مقصد پر رکھتے اور ضرورت کے وقت لوگوں کی آزاد نکتہ چینیوں اور کسی حد تک گستاخیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے۔ ایک موقع پر جب حضرت عمر نے مجمع عام پر حضرت خالد کی معزولی کے اسباب کی توضیح کی، تو ایک شخص نے اُٹھ کر برملا کہا "عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا، تو نے رسول اللہ کے عامل کو معزول کیا، تو نے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا، تو نے قطع رحم کیا، تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔" حضرت عمر نے یہ سب سُن کر صرف یہ کہا "تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا"

مساوات حضرت عمر کے طریقِ حکمرانی کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی، کہ انھوں نے آئینِ حکومت میں امیر و غریب، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا مرتبہ ایک رکھا، جبلہ بن ایہم غسانی جو رومیوں کے دور میں شام میں حکمرانی کر چکا تھا، طوافِ کعبہ کر رہا تھا، اس کے چادر کا گوشہ کسی کے پاؤں کے نیچے آگیا، جبلہ نے اس کے مُنہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصہ میں بیتاب حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے اس کی شکایت سُن کر کہا "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔" جبلہ کو سخت حیرت ہوئی، اور کہا "ہم اس رُتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہو۔" حضرت عمر نے فرمایا "جاہلیت میں ایسا ہی تھا، اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔" اسی طرح ایک دفعہ حج کے زمانہ میں تمام صوبوں سے عہدہ داروں کو طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ کسی کو ان لوگوں سے کوئی

Marfat.com

شکایت ہو تو پیش کرے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو دُرّے لگائے ہیں۔ واقعہ صحیح نکلا، حضرت عمر نے اس فریادی سے کہا "اُٹھ اور اپنا بدلہ لے" عمرو بن العاص والیٔ مصر نے کہا "امیر المومنین! اس طریق سے تمام عمال بیدل ہو جائیں گے" حضرت عمر نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا" یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے پھر خود انہی عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے سامنے عبداللہ کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کئے، اور یہ طرز عمل ان کا اپنے اور بیگانے دونوں کے ساتھ یکساں تھا۔ خاص اپنی آل اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ تھا، قدامہ بن مظعون، جو ان کے سالے اور رُتبہ کے صحابی تھے، جب شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو اَسّی درّے لگوائے اور جب خود حضرت عمر کے صاحبزادے ابو شحمہ اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو خود اپنے ہاتھ سے ان کو اَسّی کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ قضا کر گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ سردارانِ قریش ان کی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے، جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے۔ حضرت عمر نے اوّل انہی لوگوں کو بلایا، سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان کو جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار تھے سخت ناگوار گذرا، ساتھیوں سے کہا "خدا کی قدرت، غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں!" ان ہی میں ایک حق شناس سہیل بن عمرو بھی موجود تھے، انھوں نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر کی نہیں، اپنی شکایت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے، وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں"

حضرت عمرؓ نے اصولِ مساوات کے ساتھ اسلام کے قائم کئے ہوئے شرف و مجد کے امتیاز کو برقرار رکھا۔ پیش رو آزاد شدہ غلام مسلمانوں کو ترجیح دینے کا مذکورہ بالا واقعہ اکیلا نہیں، بلکہ انھوں نے اسی اصول کو اسلام کے آئین میں جاری و ساری کیا۔ جیسا کہ اوپر گذرا تنخواہوں کے تقرر میں انھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر فقط مراتب میں صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں اور وظیفے کم و بیش مقرر کئے اور غلام و آقا میں کوئی فرق نہ رکھا، اور جب زید بن حارثہ کی تنخواہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی تنخواہ سے زیادہ مقرر کی اور انھیں شکوہ ہوا تو انھیں طعن کرنے والا مسکت جواب دیا اور لوگوں کو عرب جاہلیت کے شعار کو چھوڑ کر اسلامی شعار اختیار کرنے کی تلقین کی ایک مرتبہ جب ایک شخص نے ایک لڑائی میں نعرۂ تکبیر کی بجائے مسلمان ہونے کے باوجود جاہلی شعار کے موافق یا آلِ ضبہ کا نعرہ مارا اور اس کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی، تو انھوں نے اس فوجی کی تنخواہ سزا کے طور پر بند کر دی، وہ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے، کہ کسی طرح کی نمود و امتیاز اختیار نہ کریں اور اپنے فرض کی ادائی میں کسی کے ساتھ مساوات کے خلاف کوئی ترجیح کا پہلو اختیار کریں۔ اُبی بن کعب اور خود حضرت عمر کی نزاع کے مقدمہ کے موقع پر حضرت عمر نے جو طریق اختیار کیا، اور قاضی کو ہدایت کی اُس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، اس اصول مساوات و انصاف کے عمل میں لانے سے قبائلِ عرب کی باہمی رقابت و مفاخرت کا زور گھٹ گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب میں مساوات کی لہر دوڑ گئی اور تمام عرب ان کا گرویدہ ہو گیا۔

سیاست و تدبیر مملکت | سیاست و تدابیر مملکت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں کے لحاظ سے مختلف روش اختیار کی۔ تاکہ وہاں کے باشندے سچائی کے ساتھ وفادار ہوں اور مطمئن زندگی گذاریں، عراق و ایران میں مدت سے مرزبان و

Marfat.com

دہقاں چلے آتے تھے، یہاں انہی کا زور واقتدار قائم تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی پولیٹیکل تنخواہیں مقرر کردیں، وہ پوری طرح مطمئن ہوگئے۔ شام ومصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحبِ جائداد نہیں رہنے دیا تھا، یہ مظالم کے شکار تھے، حضرت عمرؓ نے یہاں اپنی عادلانہ حکمرانی سے یہاں کے باشندوں کو گرویدہ بنایا اور ان کے ساتھ ایسی مراعاتیں کیں کہ اختلافِ مذہب کے باوجود وہ کہنے لگے کہ رومیوں کی بہ نسبت مسلمان زیادہ محبوب ہیں، اور مصر میں رومیوں کا نائب حکومت مقوقس جو یہاں کا قدیم باشندہ تھا اسلامی اخلاق ومراعات سے مسلمانوں کا شیدائی بن گیا اور اس کے زیر اثر مصری رعایا دل سے حلقہ بگوشِ اطاعت ہوگئی، حضرت عمرؓ کی سیاسی تدبیروں میں عہدہ داروں کا تبادلہ بھی تھا، بڑے بڑے افسروں کو بدلتے رہتے تھے اور عرب میں جو زیادہ صاحبِ اثر تھے ان کو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے، ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں، فرمایا "اس سوال کا جواب نہ دینا، دینے سے بہتر ہے"، اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے، صرف ایک شخص کو حاکمِ ضلع بنایا تھا مگر جلد ہی اس کو موقوف کردیا۔ بنو ہاشم کا احترام کرتے، گراں قدر وظائف دیتے، مگر انہی وجوہ سے ان کو بھی ملکی عہدوں پر سرفراز نہیں کیا، ان کے حسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جوہر شناسی سے حکومت کے کل پرزوں کے لئے نہایت موزوں اشخاص منتخب کئے، انھوں نے قدیم سلطنتوں کے آئین واصول سے واقفیت حاصل کی اور ان میں سے لائقِ انتخاب چیزوں کو اختیار کیا، خراج، عشور، دیوان، دفتر، رسد اور کاغذات کی مسل تیار کرنے کے طریقوں کو انھوں نے قدیم سلطنتوں کے آئین ونظم ہی سے لیا اور خاص طور پر نوشیروانی انتظامات کی بنیاد پر اپنے نظمِ حکومت کی داغ بیل ڈالی، یہ بھی ان کی سیاست کا کارنامہ تھا کہ اس زمانہ میں جب رسل ورسائل کے وسائل محدود تھے، خبررسانی کا مکمل انتظام قائم کیا اور جزئیات سے باخبر رہے۔

رعایا کی خبرگیری عہد فاروقی کے طریق حکمرانی کا ایک روشن باب یہ ہے، کہ لوگوں کے حال سے براہِ راست ذاتی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ سفر کرتے، اور رات کو مختلف محلّوں اور قریوں کا گشت لگاتے تھے۔ شام کے سفر میں تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اُتر کر قریب گئے، خیمہ میں ایک بُڑھیا نظر آئی، پوچھا "عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟" اس نے کہا "ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے، لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبّہ نہیں ملا" حضرت عمر نے کہا "اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہو سکتا تھا" بولی "اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے" حضرت عمر کو سخت رقّت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔ ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ میں آیا، اس کی حفاظت اور خبرگیری کے لئے خود تشریف لے گئے، گشت لگا رہے تھے، کہ دیکھا ایک شیرخوار بچّہ ماں کی گود میں رو رہا ہے، ماں کو سمجھایا کہ بچّے کو بہلائے مگر وہ روتا ہی رہا، غیظ میں آکر فرمایا "تو بڑی بے رحم ماں ہے" اس نے کہا "تم کو حقیقت معلوم نہیں، عمر کا حکم ہے کہ بچّے جب تک دودھ نہ چھوڑیں، بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں اور یہ رو رہا ہے" حضرت عمر کو رقّت ہوئی، زبان سے نکلا "ہائے عمر تو نے کتنے بچّوں کا خون کیا" پھر اسی دن منادی کرا دی کہ بچّے جس دن پیدا ہوں، اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسی طرح ایک دن گشت میں مدینہ سے تین میل پر مقام صرار پہنچے تو دیکھا ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچّے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی تو اس نے کہا "کئی وقتوں سے بچّوں کو کھانا نہیں ملا ہے، ان کو بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے، حضرت عمر اسی وقت مدینہ میں آکر، آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں، اپنے غلام اسلم سے کہا، میری پیٹھ پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا، میں لئے چلتا ہوں، فرمایا لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، یہ چیزیں خود لاد کر لائے، عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر خود چولھا پھونکتے جاتے تھے، بچّوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور اُچھلنے

Marfat.com

کو دنے لگے، حضرت عمرؓ خوش ہوئے، عورت نے کہا "خدا تم کو جزائے خیر دے، سچ ہے امیر المومنین ہونے کے لائق تم ہو، نہ کہ عمرؓ" اسی طرح ایک دفعہ گشت میں ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز سنی، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا اس کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر پر آئے، اُمّ کلثوم کو ساتھ لیا، بدو سے اجازت لے کر ان کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر میں اُمّ کلثوم نے پکارا کہ "امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، بچّہ پیدا ہوا ہے" "امیر المومنین" کا لفظ سن کر بدّو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا، اس بچّہ کا وظیفہ مقرر کر دوں گا" ایک صحابی سعید بن یربوع کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمرؓ کو ان کی رفت کا حال معلوم ہوا تو ایک آدمی مقرر کر دیا، جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے، ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا، پاس جا کر سبب پوچھا تو اس نے کہا "جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا" حضرت عمرؓ کو رقّت ہوئی، اس کے برابر بیٹھ گئے، رو رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا، سر کون دھلاتا ہوگا، کپڑے کون پہناتا ہوگا، پھر ایک ملازم کو مقرر کر دیا اور اس کے لیے تمام ضروری چیزیں مہیا کر دیں۔

یہ ہے عہد فاروقی کا ایک اجمالی نقشہ، جو اسلام کے حقیقی پیکر کا بھی ایک شفاف آئینہ ہے [1]

۱؎ ماٰخذ: طبری، فتوحات عراق، ایران، شام، مصر وغیرہ صفحات ۲۴۸۶، ۲۵۹۵، ۲۵۲۹، ۲۴۱۱، ۲۵۰۴، ۲۵۲۳، ۲۵۹۴، ۲۵۰۵، ۲۵۲۶، ۲۴۹۹، ۲۲۲۶، ۲۲۴۹، ۲۲۷۵، ۲۲۰۸، ۲۲۶۱، ۱۱۵۵، ۱۴۰۴، ۱۴۱۷، ۱۳۵۲، ۱۵۴۶، ۱۸۱۳، ۱۸۱۰، ۲۴۰۴، ۲۵۲۷، ۲۷۰۷، ۲۵۷۴، ۱۴۰۳، ۲۳۰۷، ۲۹۴۷، ۲۶۱۷، ۲۶۸۰، ۲۶۱۷، ۲۷۰۴، ۲۷۰۷، ۱۷۱۰، ۱۷۱۴، ۲۴۴۷، ۲۵۰۹، ۲۴۹۷، ۲۶۶۵، ۲۷۷۵، ۱۹۰۰، ۲۵۲۸، ۲۳۰۳، ۱۳۸، ۲۳۸، ۲۴۳۶، ۲۴۶۹، ۲۶۴۳، ۲۵۵۸، ۲۹۹۲

Marfat.com

۲۲۸۲، ۲۵۱۰

فتوح البلدان بلاذری صفحات: ۱۴۱، ۲۲۱، ۲۵۰، ۱۳۷، ۱۳۱، ۱۳۱، ۱۴۰، ۲۲۰، ۲۲۰، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۶۶، ۴۷، ۱۵۷، ۳۵۶، ۲۵، ۲۹، ۴۱، ۲۱۶، ۲۷۷، ۱۳۸، ۴۵۶، ۴۶۰، ۴۵۲، ۶۲، ۴۵، ۳۶۳، ۲۴۱ تا ۲۹۱، ۳۷۱ تا ۳۷۹؛ ۳۵۷، ۳۴۷، ۲۷۸، ۵۳، ۳۳؛ ۳۳۲، ۴۴۹، ۲۲۸، ۱۳۲، ۱۵۰، ۳۵۰، ۲۸۲، ۲۵۶، ۱۷۸، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۱۸، ۱۵۸، ۲۵۶، ۲۸۰

انساب الاشراف بلاذری کتاب الخراج امام ابو یوسف، ص ۲۱، ۳۵، ۳۷، ۲۴، ۲۷، ۱۲۰، ۸۶، ۲۹، ۴۲، ۱۳۶، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۸۲، ۸۵، ۷۲، ۲، ۹۴ تا ۹۸، ۷۸ تا ۸۱، ۱۸، ۲۵، ۷، ۸۷

ازالۃ الخفا جلد ا۔ص: ۱۳۰، ۹، ۸۶، ۹۱، ۹۵، ۱۰۲، ۱۹۴، ۲۱۳۔ جلد ۲ ص: ۷۱، ۶، ۸۸، ۱۴۰، ۲۰۳، ۲۹، ۹، ۱۹۵، ۱۲، ۸۳، ۴۵، ۷۸، ۷۹، ۱۱۹، ۲۴، ۲۵، ۲۰۶، ۱۹۸، ۲۰۸، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۱۳۵، ۲۰۵، ۱۹۷، ۱۳۸، ۷۳

خطط مصر مقریزی، جلد ا۔ص: ۷۹؛ ۱۷۷، ۴۷ تا ۷۶، ۷۱، ۹۲، ۲۹۸، ۹۳، ۱۶۲، ۲۲۶، ۲۸۹، ۱۸۴، ۱۶۳ تا ۱۶۷، ۲۸۴، ۱۵۰، ۹۲، ۲۹۵۔ جلد ۲۔ص: ۱۲۹ تا ۱۴۴، ۲۲۶، ۳۱۲، ۳۲۶۔ جلد ۳۔ص: ۳۰۳، ۳۰۴

کنز العمال جلد ا۔ص: ۲۸۱، ۲۲۴، ۲۱۷، ۲۲۸، ۳۳۲۔ جلد ۲۔ص: ۳۲، ۱۰۷، ۲۰۲، ۳۱۷، ۳۵۴، ۳۲۰، ۳۱۲، ۲۲۶۔ جلد ۳۔ص: ۱۳۴، ۳۳۲، ۱۷۳۔ جلد ۵۔ص: ۳۹، ۲۷۹۔ جلد ۶۔ص: ۳۴۳، ۳۵۵، ۳۳۱، ۲۳۰

موطا امام محمد، ص: ۲۲۷، ۱۲۹، ۱۰۶، ۲۷۲، ۹۶، ۲۲۹، ۳۱۶، ۶۶، ۱۸۴، ۳۰۴

اصابہ تذکرہ خالد، موطا امام مالک۔ اسد الغابہ تذکرہ کعب بن سور ازدی، ابو محجن ثقفی، احمد بن حنبل مخزومی، سہیل بن عمرو، حذیفہ بن یمان، سعید بن یربوع، زبرقان، اذینہ بن فرقد، محمد بن مسلمہ

Marfat.com

استیعاب۔ تذکرہ کعب بن سور ازدی وغیرہ ابن عساکر

فتوح الشام ازدی ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۵۴، ۲۵۸ و فتوحات مختلف شہر تاریخ کبیر ۲۶۲،

اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری و ابن اثیر، فتوحات شام، عراق، ایران، مصر وغیرہ و ابن ہشام

ص: ۴۹۰، ۵۰۹، ۵۸۲۔ و ابن سعد ۱۱۷، ۴۲۱ وغیرہ۔ لیعقوبی جلد ا۔ص: ۱۴۷، ۲۰۱، ۲۰۲،

۱۴۴، ۱۷۵، ۱۸۱۔ جلد ۲ ص ۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل، ابودرداء، عبداللہ بن مسعود،

ابوموسیٰ اشعری، جلد ا۔ص: ۱۴۔ ابن خلکان جلد ا۔ص: ۲۵۳۔ بخاری باب اسلام عمر

ابواب الجہاد، کسوۃ الکعبہ، الرمل، تفسیر اذاجاء، الاذان، واقعہ حدیبیہ، مرض النبی، رجم المحبل،

کتاب الحدود و کتاب الزہد جلد ا۔ص: ۱۵۷، ۴۰۳، ۱۰۴، ۶۱۵۔ جلد ۲۔ص ۱۰۰۹، ۱۰۹۴،

۶۵۱، ۸۹۰

مسلم باب الطاعون، صلوٰۃ السفر، باب الاستیذان۔ غزوہ حنین باب الطلاق

کتاب التیجان کلبی، مسند دارمی۔ص: ۱۲، ۴۰ تا ۴۵، ۳۲، ۳۴، ۶۲

مواہب لدنیہ زرقانی سریہ علی الی ابن سعد، مصنف ابن شیبہ ج ۲۔ص: ۱۴۹

فتح الباری۔ جلد ۷۔ص: ۲۷۲، ۲۳، ۵۳، ۱۴۹، ۱۲۹۔ جلد ۸۔ص: ۹۸ و مختلف ابواب

مطابق مندرجہ ابواب بخاری

معجم البلدان حموی، ذکر کوفہ، بصرہ، فسطاط، قنطرہ سنان۔ سواد، لغت حاضر۔ معارف ابن

قتیبہ ذکر اولاد عمر۔

عقد الفرید باب المکیدۃ فی الحرب، باب فضائل العرب جلد ا۔ص ۴۹

سیرۃ العمرین ابن جوزی تاریخ مکہ ازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب

خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۷۴، ۱۲۹، ۱۴۹، ۲۵۵، ۲۵۶

اغانی جلد ۱۶۔ص ۵۸ و ذکر حسان بن ثابت، زہیر، نابغہ

بشاری۔ص: ۲۱۳ تقویم البلدان ابوالفداء۔ص: ۱۰۶

Marfat.com

احکام السلطانیہ ماوردی۔ ص: ۱۵۴، ۱۴۷، ۲۳۵ النقود الاسلامیہ مقریزی، ص ۴، ۵

الدرایۃ فی تخریج الہدایہ ص: ۳۶۰

کتاب العمدہ ابن رشیق، ابواب تعرض الشعراء، المشاہیر من الشعراء۔ اشعار الخلفاء، خطبات عمرؓ

زاد المعاد جلد ۲۔ص: ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۵۸ مسند احمد ابن حنبل

حجۃ اللہ البالغہ۔ص: ۶، ۱۳۷، ۱۳۳

کتاب البیان والیقین جاحظ۔ص: ۵۰، ۹۷، ۹۸۔ جلد ۲۔ص: ۲۷

فتح المغیث۔ص: ۳۸۱ اتقان۔ص: ۱۲ فتح القدیر

کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان، اول من وضع الخراج، باب ذکر القضاۃ

اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع طبقات الفقہاء ابواسحٰق شیرازی ص ۱۳۰ وغیرہ

حسن المحاضرہ سیوطی۔ص: ۹۳، ۹۴ مقدمہ ابن خلدون فصل فی الغروب، تاریخ عرب

موسیو سدیو الفاروق علامہ شبلی نعمانی مرحوم تاریخ اسلام جلد اول و خلفائے راشدین (دارالمصنفین)

Marfat.com

عہدِ عثمانی

۲۴ھ ۶۴۴ء ——— ۳۵ھ ۶۵۶ء

حضرت امیر المومنین، ذوالنورین عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۷ ق ھ ۵۷۷ء ——— ۳۵ھ ۶۵۶ء

نام ونسب، پیدائش وخاندان عثمان نام، ابو عبداللہ وابو عمرو کنیّت، ذوالنورین وغنی لقب اور والد کا نام عفّان تھا، جن کا سلسلۂ نسب ابن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی ہے۔ والدہ کا نام اروی ہے جن کا سلسلہ نسب بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ حضرت عثمان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے اور حضرت عثمان کی نانی بیضاء اُم الحکیم، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن تھیں، اس طرح حضرت عثمان کی والدہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن ہوئیں اور آپ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں، اور اسی سبب سے انھیں ذوالنّورین کے لقب سے یاد کیا گیا۔

حضرت عثمان واقعۂ فیل کے چھٹے سال یعنی ۴۷ برس قبل ہجرت مکّہ میں بنو اُمیّہ کے متموّل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے زمانہ میں یہ خاندان بنو ہاشم کے ٹکّر کا تھا، اُمیّہ جن کی نسبت سے یہ خاندان چلا، بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے۔ ان کے بیٹے حرب یعنی حضرت عثمان کے چچا، جنگ فجار میں سپہ سالارِ اعظم تھے، عہدۂ عقاب یعنی فوجی نشان کی علمبرداری اسی خاندان میں تھی، حرب کے بیٹے ابو سفیان صخر، فتح مکّہ سے پہلے کے غزوات

نبوی میں دشمنوں کے سپہ سالار تھے۔ عقبہ بن معیط بھی جس کی اسلام دشمنی شہرت رکھتی ہے، اسی خاندان کا رئیس تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانوادۂ بنی ہاشم سے تھے، اس لئے بنو امیہ کے اکابر کے دل میں اپنے حریف بنو ہاشم کے خلاف قبائلی عصبیت و تفوق کا جذبہ بھی ابھرتا رہا، جس کی وجہ سے وہ اسلام دشمنی میں روز بروز شدت اختیار کرتے گئے۔

عفان و ابوسفیان دونوں چچازاد بھائی تھے، دونوں قریش کے اغنیاء و شرفاء میں شانِ امتیاز رکھتے تھے اور وسیع پیمانہ پر تجارتی کاروبار رکھتے تھے۔ حضرت عثمان بھی ہوش سنبھالنے کے بعد تجارتی کاروبار میں مصروف ہوئے اور اپنی دیانت و راست بازی سے ترقی کی اور قریش کے دولتمند ترین لوگوں میں شمار کئے گئے اور "غنی" کے لقب سے یاد کئے گئے۔ حضرت عثمان قریش کے ان ۱۷ آدمیوں میں سے ایک تھے جو دورِ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے،

قبولِ اسلام اور عقدِ نکاح | حضرت عثمان و حضرت ابوبکر کے درمیان دیرینہ گہرے روابط قائم تھے، ظہورِ اسلام کے بعد حضرت ابوبکر نے انھیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، وہ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو انھیں حضرت ابوبکر نے بارگاہِ نبوت میں حاضر کرنے کا قصد کیا کہ اس اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت عثمان کے گھر پر تشریف لے آئے۔ اور مخاطب کرکے فرمایا "عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں۔" زبانِ نبوت سے اس سادہ اور پُراثر خطاب کے جواب میں حضرت عثمان نے کلمۂ شہادت پڑھا اور دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دے دیا اور اموی خانوادہ کا ایک ممتاز چشم و چراغ حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، اس وقت تک صرف تیس پینتیس آدمی اسلام لا سکے تھے، حضرت عثمان کے قبولِ اسلام کے بعد آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقدِ نکاح ان سے کر دیا جو پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ کی زوجیت میں تھیں اور باپ نے اسلام دشمنی میں انھیں اپنے بیٹے سے طلاق دلوادی تھی۔

ہجرت | حضرت عثمان کا اسلام قبول کرنا، قریش و اسلام دشمنی کے علمبردار خانوادہ

Marfat.com

بنی امیہ پر نہایت شاق گذرا۔ بنو امیہ نے اپنے خاندان کی توہین سمجھی اور حضرت عثمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، ان کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاص نے ان کو باندھ کر بٹھایا اور سب ہی عزیز و اقارب نے منہ موڑ لیا، وہ کچھ دن جور و ستم کو سہتے رہے اور جب الحبشہ کی ہجرت کی راہ نکلی، تو پہلے ہی قافلہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اپنی زوجہ محترمہ اور بنت رسول کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے، اور اوّلیت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "میری اُمّت میں عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔"

پھر جب قریش کے اسلام لانے کی افواہ سن کر مہاجرین حبش مکّہ واپس آئے تو ان میں حضرت عثمان بھی تھے، اس کے بعد یہ دوبارہ حبشہ واپس نہیں گئے۔ پھر جب مدینہ کو ہجرت کرنے کا اذن عام ہوا تو یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔ یہاں اوس بن ثابت کے مہمان ہوئے، پھر جب مواخات کا رشتہ مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تو یہی حضرت اوس بن ثابت ان کے دینی بھائی قرار پائے، بارگاہِ نبوّت کے شاعر حضرت حسّان بن ثابت ان کے حقیقی بھائی تھے، وہ حضرت عثمان سے زندگی بھر حقیقی بھائی کی طرح محبت کرتے رہے، جب واقعہ شہادت پیش آیا، جس کا ذکر آگے آئے گا، تو انھوں نے حضرت عثمان کا پُر درد مرثیہ لکھا۔

بیر رومہ کی خریداری اور وقف حضرت عثمان کے مدینہ میں آنے کے بعد اُن کی دولت و ثروت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا، اس زمانہ میں مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں "بیر رومہ" کے نام سے تھا، جو ایک یہودی کی ملک تھا اور مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، آپ نے ارشاد فرمایا "کون ہے جو بیر رومہ کو خرید کر جنّت خرید لے؟" حضرت عثمان نے اس کو خرید کر وقف کرنا چاہا، یہودی صرف نصف حق کو فروخت کرنے پر آمادہ ہوا، حضرت عثمان نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ ایک دن

Marfat.com

وہ یہودی کے قبضہ میں رہے گا، دوسرے دن حضرت عثمان کے، جو دن حضرت عثمان کا ہوتا مسلمان پانی بھر بھر کر رکھ لیتے تھے جو دوسرے دن بھی کام آتا تھا، لیکن کنویں میں دوسرے دن پانی زیادہ نہ رہنے پاتا، آخر یہودی نے آٹھ ہزار میں اپنا باقی نصف حصّہ بھی فروخت کر دیا۔ حضرت عثمان نے خریداری مکمّل کرنے کے بعد کنویں کو مسلمانوں کے لیے وقف عام کر دیا۔ یہ حضرت عثمان کے فیض کرم کا پہلا ترشح تھا جس سے توحید کے تشنہ لب سیراب ہوئے۔

غزوۂ بدر میں عدم شرکت اور حضرت رقیہؓ کی علالت و وفات

غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کو غیر معمولی عظمت و منزلت عطا کی گئی، اتفاق سے اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ علیل ہوگئیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو ان کی تیمارداری کیلئے چھوڑ دیا۔ حضرت رقیہؓ کا یہ مرض پیام اجل تھا، جس وقت حضرت زید بن حارثہؓ سرورِ عالم کے ناقہ پر سوار فتح کا مژدہ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زید، حضرت رقیہؓ کی تجہیز و تکفین کر رہے تھے۔

حضرت رقیہؓ کی وفات سے حضرت عثمان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ سانحہ کچھ کم نہ تھا، آپ اپنی صاحبزادی کی زندگی کے آخری لمحوں میں اُن کے پاس نہ رہ سکے، حضرت عمر نے حضرت عثمان کے بارِ غم کو ہلکا کرنے کے لیے انھیں تسلی دی، تو انھوں نے فرمایا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی، افسوس کہ میرا رشتہ خاندانِ رسالت سے ٹوٹ گیا"۔ پھر غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا بھی انھیں ملال تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی فرمائی۔ آپ نے خود انھیں شریکِ بدر ہونے سے باز رکھا تھا، اس لئے انھیں مجاہد قرار دے کر مالِ غنیمت میں حصّہ دیا اور بشارت سنائی کہ وہ اجر و ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں ہے۔

Marfat.com

حضرت ام کلثوم سے عقد نکاح حضرت ام کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں، یہ بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے عقد نکاح میں تھیں، ابولہب نے اسلام دشمنی میں اپنے بیٹے سے انھیں بھی بجبر طلاق دلوادی تھی، ۳ھ/۶۲۴ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے غم کا بار ہلکا کرنے کے لئے اپنی ان دوسری صاحبزادی کو بھی حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے عقد نکاح میں دے دیا اور خاندانِ رسالت سے ان کا تعلق دوبارہ قائم ہوگیا۔[۱]

غزوات میں شرکت اور تجہیزِ جیشِ تبوک حضرت عثمان، جیساکہ اوپر گذرا، غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، لیکن غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ شہادت سے از خود رفتہ ہوکر جن صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، اُن میں یہ بھی تھے، ان کو اس کا سخت قلق تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ عفوِ عام کی بشارت سنائی، اور انھیں سکونِ قلب حاصل ہوا، پھر غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں ٹھہرایا اور اپنی نیابت کا شرف عطا فرمایا، اس کے بعد جتنے غزوات ہوئے، حضرت عثمان اُن میں پامردی، استقلال اور شجاعت سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر، جیساکہ اوپر تفصیل سے گذرا، ان کو سفیر بناکر قریش کے پاس بھیجا گیا اور ان کی شہادت کی افواہ پھیلنے پر "قصاص عثمانؓ" کے لئے آپ نے بیعتِ رضوان لی، اور چونکہ شہادت کی خبر مصدقہ نہ تھی، اس لئے آپ نے اپنے دستِ مبارک کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے دستِ مبارک پر اس کو رکھ کر فرمایا "یہ عثمان

---

[۱] حضرت ام کلثوم بھی نکاح کے بعد صرف ۶ برس تک حضرت عثمان کے ساتھ رہیں، شعبان ۹ھ/۶۳۰ء میں انتقال کیا۔ ان دونوں ازواج میں سے صرف حضرت رقیہؓ سے حبش میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا۔ حضرت ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

کی بیعت سے تو پھر بعد کے تمام غزوات خیبر، فتح مکہ و حنین وغیرہ کے معرکوں میں شریک رہے۔ اس کے بعد غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فوجی اخراجات کے لئے زر و مال سے اعانت کرنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان نے ایک تہائی فوج کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لے لئے۔ اس لشکر میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار تھے۔ ایک تہائی فوج کے لئے ہر قسم کے جنگی سامان و ضروریات کو حضرت عثمان نے پورا کیا، یہاں تک کہ ایک ایک تسمہ کی خریداری ان کی جانب سے عمل میں آئی۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کے لئے ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ ان اشرفیوں کو اچھالتے اور فرماتے تھے "آج کے دن کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا"۔ اس کے بعد حجۃ الوداع کا واقعہ پیش آیا، اس میں بھی حضرت عثمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

خدمتِ کتابت | عہد رسالت میں حضرت عثمان کبھی کبھی کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد ترین صحابہ میں ان کا شمار تھا۔

عہد صدیقی و فاروقی | حضرت عثمان عہد صدیقی و فاروقی میں مجلس شوریٰ کے اہم رکن رہے، حضرت ابوبکر نے جیسا کہ اوپر گذرا، اپنی وفات کے وقت اپنا وصیت نامہ انہی سے لکھوایا، مسودہ مکمل نہیں ہوا تھا، کہ انھیں غشی آگئی، تو حضرت عثمان نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا، ہوش میں آنے کے بعد جب حضرت ابوبکر نے پوری عبارت سنی اور حضرت عمر کا نام مکتوب پایا تو "اللہ اکبر" پکار اٹھے اور حضرت عثمان کی تعریف و توصیف کی، اور حضرت عمر نے جیسا کہ اوپر گذرا، اپنے مرضِ وفات میں جن چھ صحابہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے کی وصیت کی، ان میں سے ایک حضرت عثمان کا نام بھی تھا۔

خلافت کے لئے نامزدگی | حضرت عمر نے جیسا کہ اوپر گذرا، منصبِ خلافت کے لئے

Marfat.com

چھ صحابیوں حضرت علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص و عبدالرحمٰن بن عوف کے نام منتخب کئے تھے اور ہدایت کی تھی کہ تین دن کے اندر یہ باہم مشورہ کر کے کسی پر اتفاق کر لیں اور حضرت مقداد بن اسود سے فرمایا کہ ان چھوؤں کو کسی مکان میں مشورہ کے لئے یکجا کر دیں، چنانچہ حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت مقداد نے ان لوگوں کو حضرت مسور بن مخرمہ کے گھر میں بٹھا کر خود دروازہ پر پاسبانی کے لئے کھڑے ہو گئے۔ دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: وہ کون ہے جو خلافت کے حق سے دستبردار ہو جائے اور یہ ایثار جو بھی کرے اپنے سے افضل کو خلافت کے لئے تجویز کرے، حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام پیش کیا، طلحہ نے عثمان کا اور سعد نے عبدالرحمٰن بن عوف کا۔ عبدالرحمٰن نے کہا "میں اس حق سے دست بردار ہوتا ہوں" حضرت سعد نے کہا کہ اگر آپ دستبردار ہوتے ہیں تو میں علی کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس طرح حضرت زبیر و سعد کی رائیں حضرت علی کے حق میں ظاہر ہوئیں، عبدالرحمٰن نے کہا "اب بات عبد مناف کے دو بیٹوں عثمان و علی میں رہ گئی، ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور طریقِ شیخین کی پابندی کا عہد کرے، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اگر یہ دونوں اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے" حضرت عثمان نے کہا "آپ جس کو چاہیں امیر بنا دیں" حضرت علی خاموش رہے۔ عبدالرحمٰن ان کی طرف مخاطب ہوئے "آپ کیا کہتے ہیں؟" حضرت علی کو ان کی طرف سے خدشہ تھا، فرمایا کہ "آپ عہد کریں کہ بلا نفسانیت اور رشتہ داری کا خیال کئے محض امت کی خیر خواہی اور حق پرستی کو سامنے رکھ کر انتخاب کریں گے" حضرت عبدالرحمٰن نے کہا "میں عہد کرتا ہوں کہ کسی رشتہ داری اور نفسانیت کے بغیر صرف حق پرستی اور امت کی خیر خواہی کے لحاظ سے انتخاب کروں گا" حضرت علی نے اپنی رضامندی دے دی اور مجلس برخاست

ہوگئی، حضرت عبدالرحمٰن نے مجلس سے اٹھنے کے بعد صحابہ کے مختلف گروہوں سے مشورہ کیا، پھر مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی، مسجد میں لوگوں نے مختلف گروہوں سے اپنی رائیں ظاہر کرنی شروع کیں، حضرت سعد نے کہا "عبدالرحمٰن! معاملہ کو جلد طے کرو، کہیں فتنہ نہ واقع ہو جائے"۔[1]

خلافت کے لئے انتخاب

بیعت خلافت اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "میں نے اچھی طرح غور کر لیا، لوگوں سے مشورے بھی لئے، اب کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں" یہ کہہ کر حضرت

---

[1] اس مجمع میں دو مکتب خیال کے مسلمان تھے، ایک گروہ حضرت علیؓ کو منصب خلافت پر سرفراز کرنا چاہتا تھا، ان لوگوں کے نزدیک حضرت علیؓ کی ترجیح کے مختلف دلائل تھے، مثلاً یہ کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر حضرت ابوبکرؓ کی طرح قبول اسلام میں سبقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زیادہ شرف معیت حاصل رہنے کی فضیلت حاصل تھی، اسی طرح غزوات میں شرکت اور خدمت کی انجام دہی میں بھی ان کو حضرت عثمانؓ پر تفوق حاصل رہا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ براءت کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں حضرت علیؓ ہی کو نقیب اسلام بنا کر مکہ بھیجا، عہدِ صدیقی و فاروقی میں بھی قضاءت کے منصب پر سرفراز رہے اور مجلسِ شوریٰ میں جب بھی حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی رایوں میں اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے قبول کی، اور حضرت عمرؓ نے سفرِ شام کے موقع پر حضرت علیؓ ہی کو اپنی نیابت عطا کی، اور چھ صحابہ کے نام جو انھوں نے منتخب کئے ان میں سب سے پہلا نام حضرت علیؓ ہی کا تھا، پھر حضرت علیؓ خانوادہ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، جس کو حضرت عبدالمطلب کے زمانہ تک نہ صرف بنوامیہ پر تفوق حاصل رہا بلکہ قریش کی سیادت کا شرف بھی حاصل تھا، ظہور اسلام کے بعد اگر ایک طرف بنوامیہ نے اسلام کے مقابلہ میں شرک و کفر کے غلبہ کے لئے قریش کی سیادت ہاتھ میں لی تو دوسری طرف بنو ہاشم اور ان کے بعض اکابر نے قبول اسلام کا اعلان نہ کرنے کے باوجود (باقی صفحہ ۴۱۲ پر)

عثمان کو آواز دے کر بلایا اور کہا "اللہ کو درمیان دے کر عہد کرو کہ کتاب و سنت اور شیخین کے طریق پر چلو گے" انھوں نے اقرار کیا اور عبد الرحمٰن نے ہاتھ بڑھا کر اُن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی اندیشگیں مسجد سے باہر نکلے، لیکن پھر پلٹے، اُمت کے افتراق کا خیال آیا اور صفیں چیرتے ہوئے جا کر حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اُن کے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی اور بیعتِ عام کے بعد محرم ۲۴ھ ۶۴۵ء میں حضرت عثمان مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۱) اسلام اور داعیٔ اسلام کو اپنی حمایت میں لیا اور ان کی ہمدردیاں داعیٔ اسلام کے ساتھ قائم رہیں، اور اس سبب سے قریش داعیٔ اسلام کو کوئی گزند پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے، اور جب سردار بنی ہاشم کا سایہ اُٹھ گیا اور داعیٔ اسلام اور عام مسلمانوں پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی اور مدینہ کی ہجرت کی بات چلی تو اس موقع پر بھی بعض اکابر بنی ہاشم اپنے حالتِ کفر میں ہونے کے باوجود، ہجرت کے مرحلہ کو طے کرنے میں صلاح کار رہے، یہ شخصیتیں جیسا کہ اوپر گذرا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم اور حضرت علی کے پدر بزرگوار حضرت ابو طالب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی دونوں کے عم محترم حضرت عباس کی تھیں، اس طرح اس گروہ کا خیال تھا کہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر کی متفق فضیلت کے بعد ان چھ صحابیوں میں سے حضرت علی ہی کو منصبِ خلافت پر سرفراز ہونے کا حق حاصل ہے، علاوہ ازیں ان نامزد صحابیوں کی باہمی مجلس میں بھی کثرتِ رائے سے فیصلہ نہ ہو سکتا تھا، ورنہ حضرت زبیر اور حضرت سعد بن وقاص کی رائیں حضرت علی کے حق میں ظاہر ہو چکی تھیں اور ان چھ میں سے حضرت طلحہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے جیسا کہ متن میں لکھا گیا انھوں نے حضرت عثمان کے حق میں رائے دی، دوسری روایت یہ بھی آتی ہے کہ وہ ان دنوں مدینہ میں موجود نہیں تھے اس لئے باہمی مشورت کی مجلس کے اندر ان کی رائے کے ظاہر ہونے کا موقع نہ آسکا تھا، لیکن بہرحال جب بقول عبد الرحمٰن بن عوف عبد مناف کے دو بیٹے علی و عثمان کے صرف دو ہی نام رہ گئے تو عبد الرحمٰن بن عوف نے ان دونوں (باقی صفحہ ۴۱۳ پر)

Marfat.com

خطبۂ خلافت | حضرت عثمان بیعت کی رسم انجام پانے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے، اور اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے دنیا کے دوں کی بے ثباتی کا ذکر کر کے عمل صالح، رضائے الٰہی اور ثواب آخرت کے حاصل کرنے کی تلقین کی، لیکن زبان نے زیادہ یاوری نہ کی اور یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے کہ "ابوبکر و عمر تیار ہو کر آتے تھے، میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا" بایں ہمہ تقریر گو مختصر تھی مگر وہ فصیح و مؤثر تھی۔

پہلا مقدمہ | جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ، ہرمزان کے قتل کے الزام میں نئے خلیفہ کے انتخاب تک کے لئے زیر حراست کر لئے گئے تھے اس لئے حضرت عثمان کے زمام خلافت سنبھالتے ہی یہی مقدمہ ان کے روبرو آیا۔ مقدمہ ثابت تھا، خود مدعا علیہ کو بھی جرم سے انکار نہ تھا، حضرت عثمان نے اس معاملہ میں مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا، کسی نے کہا "قصاص لینا چاہیئے" کسی نے کہا "کل عمر کا انتقال ہوا ہے آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے" عمرو بن العاص نے کہا "امیر المومنین! اس معاملہ کا آپ سے کیا تعلق؟ یہ واقعہ تو آپ کی خلافت سے پہلے کا ہے" اس اختلاف رائے پر حضرت عثمان نے قصاص کی سزا کو

(حاشیہ بقیہ ۲۱۲ سے) فیصلہ کا حق اپنے ہاتھ میں لینے کی تجویز تھی جس کو حضرت عثمان نے فوراً اور حضرت علی نے تامل کے بعد قبول کیا، اور دوسرے اہل مجلس نے بھی سکوت اختیار کر لیا۔

دوسرے مکتب خیال کے جو لوگ تھے انہیں بھی حضرت علی کی ذاتی فضیلتوں سے انکار نہ تھا۔ لیکن ان کے نزدیک حضرت علی کے اس موقع پر منتخب کئے جانے میں بنو ہاشم کا یہ تصور سد راہ تھا کہ ان کے نزدیک خلافت ان کا خاندانی حق ہے۔ اگر بنو ہاشم جمہوری نظام کے تصور کو قبول کر لیتے اور انتخاب کے حق کو عامۂ مسلمین اور ان کے ارباب حل و عقد کا حق سمجھتے تو پھر شاید حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے لئے بھی ممکن نہ ہوتا، کہ وہ حضرت عثمان کو حضرت علی پر ترجیح دیتے، عام مسلمانوں کی نگاہ انتخاب بھی اتفاق عام کے ساتھ حضرت علی ہی پر پڑتی اور بنو امیہ کو جرأت نہ ہو سکتی تھی، کہ وہ حضرت عثمان کے حق میں اپنے اثر و نفوذ کو استعمال کر سکتے۔

دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی، یہ فیصلہ سبھوں کو پسند آیا۔

امراء و ولاۃ کے نام فرامین اور کوفہ کی ولایت میں تبدیلی

اس کے بعد حضرت عثمان نے فوج کے امراء اور صوبوں اور ولایتوں کے والیوں کے نام فرامین جاری کیے، جن میں ان کے تقرروں اور منصبوں کو برقرار رکھا اور انھیں امانت، دیانت، ایفائے عہد اور عدل و نظم کو قائم رکھنے کی تلقین کی اور عوام کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کے لیے مفید ہدایتیں دیں۔ اس طرح حضرت عثمان نے ابتدائے عہد فاروقی کے نظام اور امراء و ولاۃ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، صرف کوفہ کے والی مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمر ہی کی وصیت کے مطابق معزول کرکے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔

ولاۃ کا عزل و نصب، استحکام حکومت پر اثر اور بغاوتیں

لیکن پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت عثمان نے فاروقی نظام میں تغیر و تبدل کیا اور مختلف ولاۃ کا عزل و نصب کیا گیا جس کا اثر استحکام حکومت پر پڑا اور اسلامی سطوت کے رعب و داب میں فرق آیا، اور یہ دیکھ کر مفتوح قوموں کو جو حضرت عمر کی وفات سے پہلے ہی سے پر امید تھیں، سر اٹھانے کا حوصلہ ہوا۔ چنانچہ اسی سال ۲۴ھ میں آذربائیجان اور آرمینیہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا، اس کے بعد اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی، پھر مصر میں بغاوت ہوئی، ان کے ساتھ روم والوں نے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور حضرت عثمان کو کچھ دنوں ان بغاوتوں کے استیصال میں مصروف رہنا پڑا۔

اسلامی مقبوضات عرب سے باہر دو سمتوں میں تھے، ایک طرف مصر و شام کی دو ولایتیں تھیں اور دوسری طرف کوفہ و بصرہ تھے۔ ان ہی چاروں ولایتوں کی فوجی سرپرستی میں مغربی و مشرقی مقبوضات تھے، شام کی ولایت پر حضرت امیر معاویہ عہد فاروقی سے مامور تھے، عہد عثمانی میں شام کے دو علاقے جو ان کے زیر اقتدار نہ تھے، ان ہی کے ماتحت کر دیے گئے، انھوں نے استحکام کے ساتھ شام کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی، وہ عثمانی دور میں بھی آپ

Marfat.com

منصب پر سرفراز رہے اور شامیوں کو کبھی بغاوت کا حوصلہ نہیں ہوا، دوسری طرف مصر، کوفہ اور بصرہ کے والیوں میں پے در پے عزل ونصب کئے گئے اور والیوں کے مقابلہ میں شورش پسندوں کے مطالبے پورے کئے گئے، جس کی وجہ سے اسلامی حکومت کی سطوت کی جڑیں ہل گئیں اور یہ مقامات بار بار شورشوں اور سرکشیوں کے آماجگاہ بنے۔

عمرو بن العاص کی معزولی عمرو بن العاص عہد فاروقی سے مصر کے والی تھے، تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے موسوم ہے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی ولایت میں تھا، سرزمین صعید کے خراج کے مقابلہ میں مصر کے خراج کی رقم دارالخلافت کم جاتی تھی، حضرت عثمان نے مصر کے خراج میں اضافہ کا مطالبہ کیا، عمرو بن العاص نے کہلا بھیجا "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی" حضرت عثمان نے ۲۵ھ (۶۴۶ء) میں عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔

سعد بن ابی وقاص کی معزولی کوفہ کی ولایت پر حضرت سعد کا تقرر حضرت عمر کی وصیت کے مطابق ۲۴ھ (۶۴۵ء) میں ہوا تھا، ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں ان کے ساتھ ایک ناشدنی واقعہ پیش آیا، انھوں نے کوفہ کے بیت المال سے کوئی خطیر رقم قرض کے طور پر لی، چند دنوں کے بعد بیت المال کے ناظم حضرت عبداللہ بن مسعود نے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے اس وقت ناداری کا عذر کر کے مہلت چاہی، بات آگے بڑھ گئی اور قضیہ دارالخلافت تک پہنچا۔ حضرت عثمان سخت برہم ہوئے اور سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ایک اموی نوجوان ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود پر بھی برہم ہوئے کہ دارالخلافت کے علم و اجازت کے بغیر اتنی خطیر رقم کیوں قرض دے دی گئی، بایں ہمہ انھیں معزول نہیں کیا۔

آذربائیجان وغیرہ کی بغاوتوں کا استیصال ولید بن عقبہ نے زمام ولایت ہاتھ میں لینے کے بعد مشرقی ممالک کی بغاوتوں کی طرف توجہ کی، اس لئے کہ مشرقی ممالک کی نگہداشت

Marfat.com

کوفہ و بصرہ کے فوجی مرکزوں سے کی جاتی تھی۔ حضرت عثمان نے آذربائیجان، خراسان
اور آرمینیہ وغیرہ کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے کوفہ و بصرہ وغیرہ کے والیوں کو ہدایتیں
بھیجیں، چنانچہ ولید بن عقبہ والئ کوفہ نے آذربائیجان اور رَے کی سمت فوج کشی کی،
اور جلد ہی سرکش مقامات دوبارہ زیر اطاعت آگئے۔

ولید بن عقبہ والئ کوفہ کی معزولی | ولید کو بھی زیادہ دنوں کوفہ کی ولایت پر رہنا
نصیب نہیں ہوا۔ اس کے خلاف سازشوں کا جال پھیل گیا۔ سابق والی حضرت سعد نے مجلس
شوریٰ میں حضرت علی کے خلیفہ بنائے جانے کی رائے دی تھی، کوفہ میں بنوہاشم کے طرفدار موجود
تھے، انھیں حضرت سعد کی معزولی اور ایک اموی نوجوان کی تقرری قدرتی طور پر ناگوار
گذری، کچھ دنوں کے بعد ۳۰ھ/۶۵۱ء میں ولید کے خلاف کوفہ میں طوفان اٹھا، واقعہ یہ ہوا کہ
ایک رات چند آدمی کسی مکان میں نقب لگا کر گھسے اور مالک مکان کو مار ڈالا، سپاہی موقع
واردات پر پہنچ گئے، مقدمہ ثابت ہوگیا اور قاتل قصاص میں قتل کیا گیا، قاتل کے
خاندان والے ولید کے دشمن ہوگئے اور ولید کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلائی جانے لگیں،
جن کی بازگشت دربار خلافت میں بھی پہنچی۔ ولید کی شب کی مجلس میں ایک نومسلم عیسائی
ابوزبید طائی آیا کرتا تھا، وہ شراب نوش تھا، ولید کے دشمنوں نے ولید کے متعلق افواہ پھیلائی
کہ وہ بھی ابوزبید طائی کے ساتھ شراب پیتا ہے۔ لوگوں نے اس کی شکایت پہلے عبداللہ بن
مسعود سے کی، انھوں نے کہا "جو شخص چھپا کر کوئی کام کرے، ہمیں اس کے تجسس کی کیا غرض
ہے" ولید کو یہ جواب معلوم ہوا تو اس کو ناگوار گذرا کہ عبداللہ بن مسعود نے اس کی تردید
کیوں نہیں کی، گویا وہ ان کے نزدیک بھی چھپ کر شراب پیتا ہے، پھر اسی بات پر عبداللہ
بن مسعود کی نزاع ولید بن عقبہ سے بھی ہوگئی اور لوگوں کو موقع ملا، اس واقعہ کو بہانہ بنا کر
حضرت عثمان کی خدمت میں ولید کی شکایت لے کر گئے اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے۔
اور حضرت عثمان نے بغیر کسی مزید تحقیق و تفتیش کے اس کو معزول کر دیا اور کوفہ سے مدینہ

Marfat.com

بلاکر اس پر شراب نوشی کے جرم میں حد ماری اور ایک دوسرے اموی نوجوان سعید بن العاص کو والی مقرر کیا جو ان دنوں مشرقی ممالک کی فتوحات میں مصروف تھے، چنانچہ انھوں نے میدان جنگ سے واپس آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معزولی اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر سرفراز تھے، ان کے خلاف سازشیں حضرت عمرؓ کے آخر دور سے شروع ہو گئی تھیں لیکن انھوں نے اپنے وقار و تمکنت سے سب کو دبائے رکھا، حضرت عثمان کے دور میں لوگوں کی جرائتیں بڑھ گئیں۔ ۲۹ھ/۶۴۹ء کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے ایک خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کی ترغیب دی اور اس راہ میں پا پیادہ چلنے کی فضیلتیں بھی بیان کیں، وعظ پر اثر تھا، کچھ لوگ فضیلت حاصل کرنے کے لئے پا پیادہ چلنے پر آمادہ ہو گئے، شرانگیزوں نے سنا تو ان مخلص مسلمانوں کے پاس آئے اور کہا "ذرا ٹھہر جاؤ دیکھو خود امیر کس حال میں نکلتے ہیں،" وہ روانہ ہوئے تو ایک ترکی گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر بار برداری کا سامان لدا تھا، شرپسندوں نے بڑھ کر لگام پکڑ لی اور پوچھا "قول و عمل میں یہ تضاد کیسا؟ دوسروں کو پا پیادہ چلنے کی ترغیب دی، خود اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟" واقعہ اچانک پیش آیا تھا، ان سے کوئی جواب بن نہ پڑا، یہ جماعت اسی وقت ان کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس پہنچ گئی، جنھوں نے اسی بات پر ان کو معزول کر دیا اور ایک اموی جوان عبد اللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا۔

خراسان و بحیرہ کی بغاوت اور یزدگرد کی زندگی کا خاتمہ اس اثناء میں مشرقی ممالک کی بغاوت فرو کرنے کے احکام کوفہ و بصرہ کے والیوں کو مل چکے تھے۔ عبد اللہ بن عامر نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس پر توجہ کی۔ فارس و خراسان سے لے کر حدود سندھ تک کی فوجی نگرانی کی بنیادی مرکز بصرہ کے سپرد تھی، عہد فاروقی میں یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا حضرت عمرؓ کی وفات کی خبر سن کر اس میں بھی حوصلہ پیدا ہوا اور یہاں واپس آیا اور

Marfat.com

۲۹ھ ۶۵۰ء میں فارس کے حاکم عبیداللہ بن معمر کو قتل کر دیا گیا اور فارس و کرمان سے لیکر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت پھیل گئی۔ دارالخلافت کی ہدایت کے موافق والیٔ بصرہ عبداللہ بن عامر نے فارس پر فوج کشی کی، وہ نئے سرے سے زیرنگیں ہوا اسی اثناء میں دارالخلافہ سے ایک نیا لشکر سعید بن العاص کی سرکردگی میں ۳۰ھ ۶۵۱ء میں آگیا، جس میں حضرت امام حسن، امام حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے اکابر جواں صحابہ بھی شریک تھے، سعید نے اس لشکر کے ساتھ طبرستان کا رخ کیا اور یہاں کی بغاوت فرو کی، ادھر سعید بن العاص کی پیشقدمی خراسان کی جانب جاری تھی، راستہ سے انھوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا اور خود خراسان پہنچے ۳۱ھ ۶۵۲ء میں یہ سب علاقے بھی نئے سرے سے مطیع ہو گئے۔

یزدگرد اس زمانہ میں خراسان میں مقیم تھا، اس کی بغاوت فرو ہونے کے بعد وہ مایوس ہو کر بھاگا، اس کا تعاقب کیا گیا، وہ مہینوں ادھر ادھر مارا مارا چھپتا پھرا، آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اس کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

ادھر ابن عامر نے کرمان و سجستان کی طرف جو دو مہمیں بھیجی تھیں ان میں سے مجاشع بن مسعود نے کرمان کے شہر بیرجان پر قبضہ کر کے یہاں کے شورش پسندوں کو نکال دیا، وہ لوگ ایک دوسرے شہر قفص میں جمع ہوئے۔ مجاشع نے یہاں بھی پہنچ کر انھیں شکست دی اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہو گیا۔ دوسری طرف ربیع بن زیاد نے سجستان کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں پر پہلے قبضہ کیا، پھر سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے، یہاں لوگوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے، آخر مرزبان نے صلح کی اور مسلمان شہر میں داخل ہوئے، یہاں ربیع ایک سال تک مقیم رہے، پھر یہاں اپنا ایک نائب

Marfat.com

چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے۔ زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے تو ابن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھیجا، جنھوں نے شہر کا محاصرہ لیا اور مرزبان نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔

آرمینیہ کی اطاعت دوسری طرف حضرت عثمان نے سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بھیجا، جس نے آرمینیہ کو سر کیا، پھر یہ جمعیت امیر معاویہ کی پیش قدمیوں میں حصہ لینے کے لئے ان سے جا ملی،

مصر میں بغاوت اور اسکندریہ پر رومیوں کا قبضہ جیسا کہ اوپر گذرا، والیوں کے عزل و نصب سے لوگوں میں بغاوتوں کی جرأت ہوئی، مصر پر عمرو بن العاص کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، ان کے ہٹتے ہی رومیوں کے دل میں مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ رومی سلطنت کی شہ پاکر ۲۵ھ ۶۴۶ء میں اہل اسکندریہ نے علم بغاوت بلند کیا، شہر میں رومی موجود تھے، وہ بغاوت میں پیش پیش تھے، ان کی مدد کے لئے بیزنطی حکومت قسطنطنیہ کا جنگی بیڑا امیر البحر منویل کی سرکردگی میں ساحل اسکندریہ پر آکر لنگر انداز ہو گیا، لیکن مصر کے پرانے باشندے قبطی باغیانہ سرگرمیوں سے علیحدہ رہے۔

عمرو بن العاص کا دوبارہ تقرر اور بغاوت کا استیصال حضرت عثمان نے دار الخلافہ میں صحابہ سے مشورہ کیا تو عمرو بن العاص کو دوبارہ مصر کی ولایت پر مامور کرنے کا فیصلہ ہوا، چنانچہ عمرو بن العاص نے مصر آکر خشکی کی راہ سے اسکندریہ پر حملہ کیا، شہر کی فصیل توڑ ڈالی، رومیوں کو شکست ہوئی اور اسکندریہ پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرایا، رومی بیڑا ناکام واپس گیا، رومیوں نے بھاگتے ہوئے قبطیوں کو بھی لوٹا، عمرو بن العاص نے مقامی رومیوں کے پاس قبطیوں کا جو مال مل سکا واپس دلایا اور بغاوت کے جرم میں رومیوں کو پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیا، یہ اقدام سخت تھا،

Marfat.com

حضرت عثمان نے مداخلت کر کے سب کو آزاد کرا دیا۔

عمرو بن العاص کی دوبارہ معزولی

اس کے بعد حضرت عثمان نے مصر کے نظام حکومت کو فوجی وانتظامی دو شعبوں میں تقسیم کر دیا۔ صیغۂ فوج کی امارت عمرو بن العاص کے سپرد کرنی چاہی اور محکمہ مال و خراج کی امارت پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مامور کرنا چاہا، لیکن عمرو بن العاص نے اس کو منظور نہیں کیا اور شعبۂ مال و خراج کی امارت کی عنان حاصل کی، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فوج کے امیر بنائے گئے۔ دو برس تک یہ نظم چلتا رہا، اسی اثناء میں اس دو عملی سے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف شکایتیں پیدا ہوئیں اور دونوں نے اپنی اپنی شکایتیں دربارِ خلافت میں بھیجیں، حضرت عثمان نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاص کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کے دونوں حصّوں کا تنہا حاکم بنا دیا۔ عمرو بن العاص مدینہ واپس چلے آئے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے مصر کے خراج کی رقم کو بیس لاکھ سے بڑھا کر چالیس لاکھ کر دیا۔ حضرت عثمان نے ایک دن عمرو بن العاص سے مدینہ میں کہا "دیکھو آخر اونٹنی دودھ دینے لگی"، عمرو بن العاص نے جواب دیا کہ "ہاں دودھ تو دینے لگی، مگر بچے بھوکے رہ گئے"۔

فتوحاتِ عثمانی کا درخشاں دور

نئی پیش قدمیاں

بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد نئی پیش قدمیوں اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرق و مغرب کے مختلف ممالک اور اہم مقامات اور شہر عہدِ عثمانی میں ممالکِ محروسہ میں داخل ہوئے، ان میں سے بعض مقامات بغاوتوں کو فرو کرنے کے اثناء ہی میں زیر نگیں آگئے اور بعض ممالک و مقامات پر بغاوتوں کے پورے استیصال کے بعد حملہ کیا گیا۔

جرجان، ہرات، کابل، غزنی اور وغیرہ کی فتوحات

چنانچہ مشرق میں سعید بن العاص کی مہم نے جس میں مذکورہ بالا نوجوان اکابر صحابہ بھی تھے، پورے طبرستان کو نئے سرے سے مطیع

کھنے سے پہلے جرجان پر حملہ کیا، یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ سالانہ درہم سے صلح کی۔ طبرستان کو زیرنگیں کرنے کے بعد سعید بن العاص کوفہ کے والی مقرر کیے گئے اور جیسا کہ اُوپر گذرا، وہ اپنا منصب سنبھالنے کے لئے کوفہ واپس گئے۔

دوسری طرف عبداللہ بن عامر نے خراسان کی مہم کے سلسلے میں مختلف اہم شہر باخرز، جوین، بیہق، خواف، اسفرائن، ستا اسپند، رخ اور رازفیان پر قبضہ کر کے نیشاپور پہنچے، اہلِ شہر محصور ہو گئے، بالآخر یہاں کے مرزبان نے سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کی۔

اس کے بعد عبداللہ بن عامر نے نیشاپور سے عبداللہ بن حازم کو سرخس، احنف بن قیس کو طخارستان، عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سیستان کی طرف روانہ کیا اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے، عبداللہ بن حازم نے سرخس، نسا اور رایور وغیرہ پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ احنف بن قیس کے مقابلہ میں طالقان، جوزجان، فاریاب وغیرہ کے باشندے اُمنڈ آئے۔ احنف نے خونریز جنگ کے بعد انھیں شکست دی، اس کے بعد ان لوگوں نے طالقان و جوزجان میں اجتماع کیا، احنف خود طالقان و فاریاب کی طرف بڑھے اور اقرع بن حابس کو جوزجان بھیجا، جوزجان کے باشندوں نے شکست کھائی، اقرع نے اس پر قبضہ کر لیا، ادھر جوزجان کے ساتھ مرورو، زابلستان و بلخ وغیرہ مفتوح ہوئے، دوسری طرف احنف کے مقابلہ میں طالقان و فاریاب کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی، یہ مقامات صلحاً مفتوح ہوئے، اس کے بعد احنف کے آگے دریائے جیحون تھا، انھوں نے اس کو پار نہیں کیا، عبداللہ ابن عامر کا لشکر خوارزم بھی پہنچا، مگر اس کا محاصرہ اٹھا لیا گیا، ماوراء النہر والے ابن عامر کے پاس قیمتی گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف تحائف لے کر اسلامی لشکر میں آئے، اپنی اطاعت پیش کی اور ان سے بھی مصالحت ہو گئی۔

ادھر عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کو قابو میں لانے کے بعد کابل کی سمت فوجیں بڑھا دیں اور مقام رخج سے دوار کے علاقہ تک قبضہ کر لیا۔ دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع

Marfat.com

ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے کوہ زور کو گھیرے میں لے لیا، آخر لوگوں نے سپر ڈال دی اور رفا ہو میں آئے۔ اس پہاڑ پر سونے کا ایک انمول بت نصب تھا، اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمٰن نے اس کا ہاتھ کاٹ کر اس کی آنکھیں نکال لیں، جب ان لوگوں کو صلح کے ساتھ امان مل گئی تو عبدالرحمٰن نے بت کا ہاتھ اور آنکھیں یہ کہہ کر مرزبان کو واپس کر دیا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف یہ دکھانا تھا، کہ یہ بت کچھ نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے"۔

اب زابلستان کا علاقہ سامنے تھا۔ کوہ زور کے بعد عبدالرحمٰن نے ادھر کا رخ کیا اور غزنہ سے لے کر کابل تک علاقہ فتح کر لیا۔

عہدِ عثمانی میں ہندوستان پر حملہ نہ کرنے کا فیصلہ کابل سے ملی ہوئی ہندوستان کی سرحد تھی۔ عہدِ عثمانی میں حکیم بن جبلہ عبدی ہندوستان بھیجے گئے تاکہ وہ یہاں کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرکے دربارِ خلافت کو اپنی رائے سے مطلع کریں، عبدی نے واپسی کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، اس لئے مشرق میں مزید پیش قدمی روک دی گئی اور عہدِ عثمانی میں اسلامی مملکت کی سرحد مشرق میں کابل وغزنہ تک محدود رہی۔

عبداللہ بن عامر کی واپسی مشرق میں یہ وسیع فتوحات عبداللہ بن عامر کی امارت وسرکردگی میں حاصل ہوئیں، فتوحات کی تکمیل کے بعد عبداللہ بن عامر نے مفتوح ممالک کے نظم ونسق کے لئے قیس بن ہیثم کو اپنا نائب مقرر کیا اور ایک مضبوط اسلامی لشکر اس کے حوالہ کر کے خود مال و دولت، غنائم اور سامان واسباب کے ساتھ دار الخلافہ میں آکر بارگاہِ خلافت میں پیش کیا، پھر حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ چلے گئے۔

ایشیائے کوچک کی فتوحات سلمان بن ربیعہ باہلی آرمینیہ کو سر کرنے میں مصروف تھے، کہ معلوم ہوا ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ یہ اطلاع پاکر وہ ۲۵ ہجری میں ادھر بڑھے اور راستہ میں کئی قلعے فتح کئے، دوسری طرف ایک دوسرے قائد

حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا یہاں کچھ لوگوں نے جزیہ دینا قبول کر کے اطاعت کی، اور کچھ لوگ شہر چھوڑ کر جلا وطن ہوگئے۔ اسی اثناء میں ایشیائے کوچک کے بطریق اعظم نے اسی ہزار فوج حبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجی، حبیب نے ان کو شکست دے کر ہر طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں، بہت سے علاقے مطیع ہوئے اور ایران اور گرجستان کے بعض علاقے فتح کیے گئے، اسی زمانہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر اہتمام کے ساتھ فوج کشی کی، سلمان بن ربیعہ باہلی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ آرمینیہ کو سر کرنے کے بعد امیر معاویہ سے آملے۔ امیر معاویہ بروصہ تک بڑھتے چلے گئے اور انطاکیہ و طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے، سب پر قبضہ کر کے، سب میں اسلامی نو آبادیاں قائم کرتے چلے گئے۔ عہد عثمانی میں ایشیائے کوچک میں امیر معاویہ کی آخری پیش قدمی ۳۳ھ ۶۵۴ء میں ہوئی جس میں انھوں نے اناطولیہ کے قلعہ حصن المرأۃ پر قبضہ کیا۔

رومیوں سے دوبارہ آویزش اور مغرب میں پیش قدمیاں!

شام و مصر کی فتح کے بعد بحر روم کے سواحل مسلمانوں کے لئے آماجگاہ بن سکتے تھے اور رومیوں کی ان تاختوں کا جواب دیا جا سکتا تھا جو وہ بحری راستوں سے کیا کرتے تھے، اس لئے کہ رومی اپنی قومی حیثیت سے شام و مصر جیسے زرخیز صوبوں سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوئے تھے یہاں کے والیوں نے عہد فاروقی میں حضرت عمرؓ سے بحری پیش قدمی کی اجازت چاہی مگر انھوں نے خشکی کے بہادروں کو سمندر کی لہروں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی اور اپنے حدود میں رہنے کی سخت تاکید کی، اس لئے شام و مصر کی فتح کے بعد ۶ برس کے نزدیک روم و عرب کی معرکہ آرائی گویا ختم ہو چکی۔

لیکن عہد عثمانی میں ۲۵ھ ۶۴۶ء میں منویل کی سرکردگی میں جو بیزنطی بیڑا ساحل اسکندریہ پر لنگر انداز ہوا اور یہاں بغاوت پھیلی، وہ آخر برنش نے پسپا ہو کر باز ہو گئی۔ اس رومی پیش قدمی کے جواب میں مسلمانوں نے بھی طبل جنگ بجانا چاہا، دار الخلافہ سے بلاد روم کو تاخت و تاراج کرنے کی اجازت چاہی، حضرت عثمانؓ نے تجویز منظور کر کے فرمان جاری کر دیا

Marfat.com

اس طرح اسلامی لشکر کے لئے مغربی محاذ جو بند ہو چکا تھا نئے سرے سے کھل گیا، غیور شجاع عرب میدانِ کارزار میں اُتر پڑے، مغرب میں پیش قدمیاں جاری ہوئیں، اور اس سمت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔

مصر کے ہم سرحد بالکل سامنے طرابلس، تیونس، مراقش اور الجزائر کے زرخیز رومی علاقے تھے، پیش قدمی جاری کرنے کی اجازت حاصل ہوتے ہی والیٔ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے ۲۵ھ/۶۴۵ء میں طرابلس کا جائزہ لینے کے لئے ایک سرسری تاخت کی، اور لوٹ آیا۔ دوسری طرف والیٔ شام امیر معاویہ نے شامی سرحد کے قریب کے دو رومی قلعوں پر حملہ کر کے ان کو قبضہ میں لے لیا اور ان پیش قدمیوں سے روم و عرب کی نئی آویزش کا آغاز ہو گیا۔

فتح طرابلس اس کے بعد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے ۲۷ھ/۶۴۸ء میں شمالی افریقہ کے حدود میں اسلامی لشکر کے ساتھ قدم رکھا، طرابلس کی سرزمین سامنے آئی اور یہی شہر پہلا محاذ بنا۔ رومی و اسلامی لشکر میں خونریز جنگ شروع ہو گئی، اسی اثناء میں حضرت عثمان نے ایک لشکرِ جرار، حضرت عبداللہ بن زبیر کی سرکردگی میں مدد کے لئے بھیجا، اس تازہ دم فوج میں ممتاز نوجوان صحابہ حضرت امام حسن، امام حسین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ بھی تھے، ایک مدت تک معرکہ آرائی جاری رہی، یہاں تک کہ اہلِ طرابلس کے حوصلے پست ہو گئے اور انھوں نے پچیس لاکھ دینار سالانہ پر مصالحت کر لی، فتح طرابلس کے بعد فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے جا بجا پھیلا دیئے گئے، جو فتوحات حاصل کرتے رہے۔

فتح شمالی افریقہ کی تکمیل اس کے بعد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے افریقیہ کی جانب پیش قدمی کی، اس زمانہ میں افریقیہ اس علاقہ کو کہتے تھے، جس میں برقہ، الجزائر مراکش وغیرہ آباد ہیں، اسلامی لشکر یلغار کرتا ہوا برقہ پہنچا اور اس شہر کو قبضہ میں لے لیا

Marfat.com

اس اثناء میں قیصر روم نے اس علاقہ کے رومی گورنر جرجیر کو ایک لاکھ بیس ہزار کے عظیم لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی راہ روکنے کی ہدایت کی، یہ آدمیوں کا جنگل لے کر شہر یعقوبیہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا اور رومی واسلامی فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ جرجیر نے منادی کرائی، کہ جو اسلامی سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا، وہ ایک لاکھ دینار کا انعام پائے گا۔ اور جرجیر اس کو اپنی دامادی کے شرف سے بھی نوازے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہ منادی سنی تو اسلامی سپہ سالار کی طرف سے یہ اعلان کرایا، کہ جرجیر کے سر کی قیمت ایک لاکھ دینار ادا کی جائے گی اور اس کے قاتل سے اس کی لڑکی بھی بیاہ دی جائے گی۔ چند دنوں خونریز جنگ جاری رہی۔ حسن اتفاق، جرجیر عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی لڑکی انھیں دے دی گئی۔ جرجیر کے مقتول ہونے کے بعد میدان خالی تھا، رومی تتر بتر ہو کر منتشر ہو گئے اور یہ پورا علاقہ جس میں مراکش و الجزائر وغیرہ ہیں اسلامی حکومت کے زیر نگیں آگیا۔

افریقہ کا مال غنیمت اور طریق شیخین سے انحراف

افریقہ کے مال غنیمت میں بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ حضرت عثمان نے فاتح افریقہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا، کہ اگر انھوں نے افریقہ کو فتح کر لیا تو مال غنیمت کا پانچواں حصہ انھیں انعام میں دیا جائے گا۔ عبداللہ نے اپنے انعام کا حصہ جو ایک لاکھ دینار قرار پایا، رکھ کر باقی مال غنیمت کے چار خمس دار الخلافہ بھیج دیئے۔ مسلمانوں نے مدینہ میں عبداللہ کے ساتھ حضرت عثمان کی اس فیاضی کو پسند نہیں کیا تو حضرت عثمان نے عبداللہ کو لکھ بھیجا، کہ انھوں نے وعدہ ضرور کیا تھا، مگر عام مسلمانوں کو یہ منظور نہیں، رقم واپس منگالی لیکن پھر حضرت عثمان نے افریقیہ کے مال غنیمت کا جس قدر خمس آیا تھا، اس کو یکمشت ایک اموی نوجوان مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں فروخت کر دیا یہ عمل شیخین کے طریق کے مطابق نہیں سمجھا گیا۔ مسجد نبوی میں ایران کے تاریخی فرش بہار کے پرزے اڑا کر عام

Marfat.com

مسلمانوں میں تحفہ برابر تقسیم کیئے گئے تھے، وہاں مالِ غنیمت کو یکمشت کسی ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دینے سے بعض صحابہ کو اتفاق نہیں ہوا، اور وقتی طور پر یہ احساس پیدا ہوا کہ طریقِ شیخین سے تجاوز عمل میں آیا ہے۔

عربوں کے جنگی بیڑے یوں تو عمان اور بحرین کے والیوں نے جنگی بیڑے عہدِ فاروقی میں تیار کیئے، اور جیسا کہ اوپر گذرا، عربوں کے جنگی بیڑے عہدِ فاروقی میں ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں ہند و سندھ کے ساحلوں سے بھی آکر ٹکرائے، لیکن حضرت عمر نے نہ صرف اس کی اجازت نہیں دی تھی، بلکہ اس پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی تھی، لیکن رومیوں کے ساحلِ شام و مصر پر بار بار حملہ آوری اور ۲۵ھ / ۶۴۵ء میں رومی جہازوں کے اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے واقعات سے حضرت امیر معاویہ نے فائدہ اٹھایا اور حضرت عثمان سے بحری جنگ شروع کرنے کی دوبارہ اجازت طلب کی، جنہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسلمان جبر یا قرعہ اندازی کے ذریعہ بحری فوج میں بھرتی نہ کیئے جائیں، بلکہ صرف ان ہی مسلمانوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو رضاکارانہ طور پر خود اپنے کو بحری لڑائی میں شرکت کرنے کے لئے پیش کریں۔ اس فرمان کے نافذ ہوتے ہی امیر معاویہ نے ایک مضبوط جنگی بیڑا تیار کیا، جس میں شریک ہونے کے لئے مسلمانوں نے کثیر تعداد میں اپنی خدمات پیش کیں۔ امیر معاویہ نے بحری لشکر کو دو حصوں شاتیہ و صائفہ یعنی سرمائی و گرمائی میں تقسیم کیا اور رومیوں سے خشکی کے ساتھ بحری لڑائیاں بھی شروع ہو گئیں۔

فتح قسطنطنیہ کے لئے اسپین پر حملہ آوری افریقیہ کی فتح اور جنگی بیڑوں کی تیاری سے حضرت عثمان کا بھی حوصلہ بڑھا۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن نافع بن حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبد القیس کو افریقیہ کی راہ سے اندلس پر چڑھائی کرنے پر مامور کیا اور لکھا کہ "قسطنطنیہ، اندلس کی راہ سے آسانی سے فتح کیا

جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے والوں کے لیے اجر کی بشارت دی ہے، تم لوگ اس سعادت کو حاصل کرکے اس اجر کے مستحق ہو سکتے ہو۔

چنانچہ ۲۷ھ ۶۴۸ء میں یہ مجاہدین فوج لے کر اندلس پہنچے بعض مقامات قبضہ میں آئے اور جب تک افریقہ سے کمک ملتی رہی، فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، اور یہ سلسلہ اسی زمانے میں آگے بڑھ سکتا تھا، لیکن اس لشکر میں بربری قبائل کے لوگ زیادہ تھے، اور اسی کی کمک آتی رہتی تھی، اتفاق کی بات افریقہ کے بربریوں میں چند دنوں کے لئے ارتداد کی لہر دوڑ گئی اور اندلس کے اسلامی لشکر کا رشتہ افریقہ سے منقطع ہو گیا، پھر اندلس کے ان مجاہدین پر کیا گذری، اس کے جواب میں مشرقی و مغربی مورخین کی تاریخوں کے صفحے خاموش ہیں، لیکن بہ ظاہر نظر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی لشکر اندلس سے افریقہ واپس چلا آیا۔

بحر روم میں رومیوں کے دو اہم فوجی مرکز

اس زمانہ میں بحر روم میں رومیوں کے دو اہم فوجی مرکز دو جزیروں قبرص اور صقلیہ میں قائم تھے۔ قبرص یعنی سائپرس، شام کے قریب نہایت زرخیز جزیرہ ہے، جو اس زمانہ میں یورپ کے لئے مصر و شام کے دروازہ کا کام دیتا تھا، اور صقلیہ یعنی سسلی تو شام و مصر کے زوال کے بعد رومیوں کا اہم مرکز بن گیا تھا، ۱۹ھ ۶۴۰ء میں قیساریہ کے مفتوح ہونے کے بعد وہاں کے رومی گورنر نے یہیں آکر پناہ لی تھی، پھر ۳۱ھ ۶۵۲ء میں قیصر روم قسطنطین ایک بحری معرکہ میں شکست کھا کر قسطنطنیہ واپس جانے کی بجائے یہیں آیا تھا اور یہیں بیٹھ کر اس نے اسلامی مقبوضات شام و مصر و افریقیہ کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیاں جاری کیں، اس لئے امیر معاویہ نے حضرت عثمان سے ان دونوں جزیروں پر حملہ آوری کی اجازت حاصل کی، اور یکے بعد دیگرے دونوں جزیروں پر فوج کشی کی گئی۔

حملہ قبرص

چنانچہ ۲۸ھ ۶۴۹ء میں قبرص کی مہم کے لئے ایک عظیم الشان اسلامی بیڑا

امیرالبحر عبداللہ بن قیس جاسی کی قیادت میں روانہ ہوا، یہ امیر معاویہ کے اہتمام میں پہلی بحری مہم تھی، جس میں وہی لوگ شریک تھے جنھوں نے خود اپنی خدمتیں پیش کی تھیں۔ اس مہم میں شرکت کے لئے مدینہ سے بھی ایک لشکر آیا تھا جس میں حضرت عبادہ بن صامت جیسے ممتاز صحابہ بھی شریک تھے اور والی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی اپنی فوج کے ساتھ شریک تھا۔

یہ جنگی بیڑا ساحل قبرص پر لنگر انداز ہوا اور اہل قبرص سے معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اتفاق کی بات امیر البحر عبداللہ نے جام شہادت نوش کیا تو ایک دوسرے قائد سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھالا، اہل قبرص مغلوب ہوئے، اور ذیل کی شرطوں پر صلح ہوگئی۔

اہل قبرص سات ہزار سالانہ خراج ادا کریں گے اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی دیتے رہیں گے، مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، لیکن چونکہ اہل قبرص کا تعلق رومیوں سے بھی رہے گا اس لئے مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار نہ ہوں گے، اس کے ساتھ اہل قبرص عہد کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی اطلاع دیا کریں گے، اور رومیوں کے لئے کسی قسم کی کوئی فوجی سہولت مہیا نہیں کریں گے، اور جب اسلامی لشکر یہاں سے گذرنا چاہے گا تو اس کو گذرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس معاہدہ کے بعد اسلامی بیڑا یہاں سے واپس چلا گیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ قبرص پر مسلمانوں کے اس اثر کو رومی برداشت نہ کر سکے، ۳۱ھ میں قیصر روم پانچ چھ سو جہازوں کا بیڑا لے کر مصر و شام پر حملہ آوری کے لئے خود آیا، ادھر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اپنے جہازوں کو حرکت دی ادھر سے امیر معاویہ اپنا جنگی بیڑا لئے آپہنچے، مسلمانوں نے اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے ایسا مربوط کر لیا کہ سطح سمندر پر ایک میدان جنگ تیار ہوگیا۔ فریقین میں خونریز جنگ

Marfat.com

ہوئی، مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے اور رومی بڑی تعداد میں مارے گئے۔ ان کے بہت سے جہاز مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، خود قسطنطین زخمی ہوگیا اور راہ فرار اختیار کرکے جیسا کہ اوپر گذرا، جزیرہ صقلیہ چلا گیا۔

یہ اس عہد میں رومیوں کی آخری بڑی لڑائی تھی، اب مسلمانوں کے سامنے صقلیہ کا محاذ تھا، اس لئے کہ بحر روم میں اب رومیوں کا یہی مرکز باقی رہ گیا تھا۔

جزیرۂ قبرص اسلامی ممالک محروسہ میں لیکن اس سے پہلے قبرص کا معاملہ دوبارہ سامنے آگیا، اس لئے کہ ۳۱ھ ۶۵۲ء کے رومی حملہ کے موقع پر اُن کا رشتہ معاہدہ کے خلاف غیر دوستانہ رہا، پھر کچھ دنوں کے بعد ان سے معاہدہ کی مزید خلاف ورزی عمل میں آئی اس لئے امیر معاویہ نے ۳۳ھ ۶۵۴ء میں قبرص پر دوبارہ فوج کشی کرکے اس کو ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ یہاں اسلامی نوآبادی قائم کردی اور عام منادی کرادی، کہ اہل قبرص رومیوں سے کسی قسم کے تعلقات قائم نہ رکھیں۔

قسطنطنیہ کا رخ اُن دنوں امیر معاویہ کے حوصلے بہت بلند تھے، وہ بحری پیش قدمی کرتے ہوئے تنگنائے قسطنطنیہ تک چلے گئے، مسلمانوں نے سمجھا کہ تخت کسریٰ اُلٹ چکا ہے، شاید تخت قیصری اُن کے قدموں کے نیچے آجائے، لیکن امیر معاویہ بعض حالات کے باعث اپنا بیڑا تنگنائے قسطنطنیہ کا جائزہ لے کر واپس لے آئے۔

سسلی پر حملہ اس کے بعد امیر معاویہ نے ۳۴ھ ۶۵۵ء میں تین سو جہازوں کا بیڑا سسلی پر حملہ آوری کے لئے روانہ کیا، جب اسلامی لشکر سرزمین صقلیہ پر اُترا تو رومی گورنر اسلامی فوج کا جائزہ لینے کے لئے قلعہ پر چڑھ گیا، پھر قیساریہ کے سابق رومی گورنر کو مشورہ کے لئے بلایا جس نے اپنے تجربوں کی روشنی میں مسلمانوں سے صلح کر لینے اور انھیں کچھ دے دلا کر واپس کرنے کا مشورہ دیا، لیکن صقلی گورنر نے اس مشورہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور ایلچی بھیج کر حملہ کا سبب دریافت کیا، مسلمانوں نے ایک نامزدہ ترجمان کے ساتھ اس کے پاس بھیج دیا

جس نے ظہور اسلام سے قسطنطین کے ناکام ہو کر فرار ہونے تک کے واقعات بیان کئے اور آخر میں کہا کہ "تم واقف ہو کہ طوفانِ حوادث نے قسطنطین کو ایسا تھپیڑا دیا کہ وہ پھر ہماری طرف رُخ نہ کر سکا اور اب تمہارے پاس صقلیہ میں آکر پناہ گزیں ہوا ہے۔"

گفتگو کچھ مزید آگے بڑھی مگر بات طے نہ ہو سکی اور جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا مسلمانوں نے پہلے منجنیق سے قلعہ پر پتھر برسائے، پھر دست بدست جنگ شروع ہوئی، مسلمان آگے بڑھتے اور رومی پیچھے ہٹتے گئے، رومیوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، آخر رات کی تاریکی نے ایک کو دوسرے سے جدا کیا، پھر مجاہدین رات کو بھی نچلے نہ بیٹھے، سامانِ رسد کا انتظام کرنے کے لئے جا بجا چھاپے مارے، کافی سامانِ رسد اور مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اب وہ مدتوں بے فکری سے لڑائی جاری رکھ سکتے تھے۔

یہ لڑائیاں کچھ دنوں تک ہوتی رہیں، جن میں بے شمار دولت حاصل ہوئی، اور رومی کثیر تعداد میں موت کے گھاٹ اترتے رہے مسلمانوں کی یہ پیش قدمیاں جاری تھیں کہ اسی اثناء میں رومی گورنر نے مرکزی حکومت قسطنطنیہ سے جو مدد طلب کی تھی وہ چھ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ آپہنچی، اسلامی فوج اپنی اسی طاقت کے ساتھ جس کو لے کر یہاں آئی تھی، اب تک نبرد آزما تھی۔ یہ حملہ ایک قسم کا آزمائشی تھا، صقلیہ کو ابھی اسلامی قلمرو میں داخل کرنا مقصود نہ تھا، اس لئے مسلمانوں نے قسطنطنیہ کی کمک کی خبر سنتے ہی اپنے وافر مالِ غنیمت کا انبار جہازوں پر لاد لیا اور رات کی تاریکی میں لنگر اٹھا کر ساحلِ صقلیہ کو خیر باد کہہ دیا۔ یہ جہاز مالِ غنیمت سے لدے پھندے شام واپس آئے۔ امیر معاویہ نے امیر لشکر کی عاقبت بینی کو نظرِ استحسان سے دیکھا اور حضرت عثمان نے بھی اپنی پسندیدگی ظاہر کر کے امیر لشکر کی ستائش کی۔

طرابلس کی بغاوت و استیصال صقلیہ سے اسلامی لشکر کی واپسی کا اثر طرابلس پر پڑا، انہیں بغاوت کا حوصلہ ہوا اور ۳۴ھ؁ میں نقضِ امن کیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

فوراً ہی ایک لشکرِ جرار کے ساتھ طرابلس پہنچے، بغاوت فرو کی اور امن و امان قائم ہوا۔

رومیوں کا جوابی حملہ ان اسلامی حملوں کے جواب میں قیصرِ روم قسطین ۳۵ھ ۶۵۶ء میں ایک عظیم الشان جنگی بیڑا لے کر شام پر حملہ آوری کے لئے روانہ ہوا لیکن شام پہنچنے سے پہلے ہی وہ سمندر کے تلاطم خیز طوفان کی نذر ہو کر منتشر ہو گیا اور قسطین تباہ شدہ بیڑے کو ساتھ لئے پھر صقلیہ واپس چلا گیا۔

دورِ فتن کا آغاز اور سلسلہ فتوحات کا انقطاع اسی اثناء میں عہدِ عثمانی میں ۳۴ھ ۶۵۵ء سے فتنوں کا دور شروع ہو گیا جس کے بعد ہر قسم کی بری و بحری پیش قدمیاں موقوف ہو گئیں اور فتوحات کے سنہرے باب کا کچھ دنوں کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

عہدِ عثمانی کا دورِ فتن

عہدِ عثمانی کے فتنے اور اُن کے اسباب حضرت عثمان کے دورِ خلافت کے ابتدائی چند سال بڑے امن و امان سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، عشر و خراج کی کثیر آمدنی، وظائف کی زیادتی، زراعت و تجارت کی ترقی اور حکومت کے اچھے نظم و نسق سے ملک میں تموّل، فراغ بالی اور عیش و تنعّم کا دور آیا، جس سے اس کا دوسرا رُخ یہ بھی سامنے آیا، کہ اس زمانہ میں ایامِ نبوّت اور شیخین کے زمانہ، حکومت کی سادگی و سادہ لوحی باقی نہیں رہ گئی، پھر مفتوح قوموں میں سے نو مسلموں کی عام جماعت میں اخلاص، دین داری اور مکارمِ اخلاق کے وہ اعلیٰ صفات پیدا نہیں ہو سکے تھے جو صحابہ و تابعین کا طرۂ امتیاز تھا حضرت عمر نے بڑی ہوشمندی سے اعیانِ قریش کو مدینہ سے باہر جانے سے حتی الامکان باز رکھا تھا، کہ ان کے خیال میں اگر صحابہ کرام جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور آپ کی تعلیمات کے امین تھے، مختلف شہروں میں پھیل جاتے اور ان کی رایوں میں اختلاف پیدا ہوتا، تو امت میں تفرقہ کا بیج پڑ جاتا، لیکن حضرت عثمان نے یہ

Marfat.com

احتیاط قائم نہیں رکھی، اس عہد میں نہ صرف ممتاز صحابہ مختلف شہروں میں پھیل گئے بلکہ نوجوانانِ قریش اپنے جذبۂ تفوق و برتری کے ساتھ مختلف دیار و امصار میں بس گئے کیونکہ حضرت ابوبکر نے وقتی مصلحت کے لحاظ سے منصبِ خلافت کو خاندانِ قریش میں منحصر کر دیا تھا، اب ان میں کا ہر نوجوان گویا شاہی خاندان کا رکن تھا جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھا اور ان میں کا کوئی فرد کسی وقت بھی مسندِ خلافت پر پہنچ کر زمامِ خلافت ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ اس طرح قریش کے نوجوان صاحبِ اقتدار بن کر معاشرہ میں داخل ہوئے، معاشرہ کی اس تبدیلی سے مسلمانوں میں عیش و تنعم اور اس کے دوسرے لوازم پیدا ہوئے، رشک و حسد کی چنگاری سلگی، حصولِ اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہوئی اور سازشوں، ریشہ دوانیوں اور جوڑ توڑ کا ایک جال بچھ گیا، جس کی لپیٹ میں آگے چل کر خلافت کا مقدس نظام بھی آ گیا اور تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

اگر حضرت عمر کے زمانہ میں یہ صورتِ حال پیش آتی، تو وہ اس کا تدارک اپنے حسنِ فکر، افتادِ طبع اور طریقِ حکومت سے دوسرے انداز سے کرتے، لیکن حضرت عثمان فطرۃً نرم خو، بامروت اور حلیم الطبع تھے، وہ شورش پسندوں کے ساتھ سختی سے نہ پیش آ سکے، ان کے حوصلے بڑھتے گئے، اس کے علاوہ حضرت عمر نے حکومت کے اعلیٰ منصبوں کو بنو ہاشم اور اپنے خاندان کے افراد سے خالی رکھا، تاکہ انھیں اپنے خیال کے مطابق حکومت کے نظم و نسق کو چلانے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس کے برخلاف حضرت عثمان نے ایک دوسرے نقطۂ نظر کو سامنے رکھا، کہ حکومت کے کلیدی عہدوں پر اپنے اعتماد کے لوگوں کو بحال کیا جائے، حضرت عثمان اموی تھے، انھیں اپنے خاندان کے نوجوانوں پر زیادہ اعتماد تھا، وہ غیر معمولی کثرت کے ساتھ برسرِ اقتدار آ گئے، اور اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر گزرا بعض ممتاز صحابہ کے معزول کیے جانے کا واقعہ بھی پیش آیا، اور بیرسن رسیدہ صحابہ اور خانوادۂ بنو ہاشم کو خاص طور پر ناگوار گذرا، اس کے ساتھ حضرت

Marfat.com

عثمان کو امویوں سے والہانہ محبت تھی ، وہ اپنی ذاتی جائداد و املاک سے ان کی مدد کیا کرتے تھے، اور تہمت تراشوں نے افواہیں پھیلائیں کہ یہ ساری بخششیں سرکاری خزانہ بیت المال سے کی جا رہی ہیں، پھر طریقِ شیخین کے خلاف، جیسا کہ اوپر گذر چکا افریقیہ کے مال کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو لینے کی اجازت دی اور اگرچہ اعتراض وارد ہونے کے بعد اس کو واپس لے لیا، مگر پھر پورے مالِ غنیمت کو عام مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی بجائے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مروان کے ہاتھ یکمشت فروخت کر دیا، اور یہ طریق عمل بھی عام مسلمانوں کی نگاہ میں لائق اعتراض رہا۔

اس صورت حال سے نہ صرف خاندان بنو ہاشم و بنو امیہ کی قدیم رقابت جاگ اٹھی اور نہ صرف بنو ہاشم کے نوجوانوں میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ خلافت اور کلیدی عہدوں کے منصبوں کے بنو امیہ سے زیادہ مستحق ہیں، بلکہ اس سے زیادہ وسیع حلقہ میں قریش اور عام عرب قبائل کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف جذبات ابھر گئے، ایک طرف قریش کے نوجوانوں میں غرور و تمکنت پیدا ہو گیا، یہاں تک کہ وہ عام عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے اور دوسری طرف عام عربوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ملکوں کی فتح و ظفر اُن کی تلواروں کی رہینِ منت ہے، اس لئے اعلیٰ منصبوں، عہدوں اور وظیفوں میں قریش کو اُن پر وجہ ترجیح حاصل نہیں، اس لئے عام عرب، عام قریش اور خصوصاً بنو امیہ کے تفوق و امتیاز کو برداشت نہ کر سکے اور خصوصاً اقتدار کے لئے ان میں جنبش پیدا ہوئی اور سیاسی کشمکش کا دور شروع ہو گیا۔

پھر ایک طبقہ غیر عرب نو مسلموں کا تھا، اُن لوگوں نے اسلام کی تعلیم مساوات کو مضبوطی سے پکڑا اور عرب و عجم کے امتیاز کو مٹانا چاہا، ان کے دوش بدوش وہ لوگ بھی آ گئے جو عربوں کی عجمی لونڈیوں کے بطن سے اولاد تھے، ان جماعتوں کے فسادات نے بھی [illegible] کم پیدا کیا۔

Marfat.com

پھر ایک کثیر جماعت محکوم قوموں کی تھی، اس زمانہ میں کابل سے مراکش تک کا علاقہ زیر حکومت تھا، جس میں بیسوں قومیں اپنے پرانے مذہبوں پر قائم رہ کر بسی ہوئی تھیں، جن میں مجوسی، یہودی اور عیسائی نمایاں تھے، ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا اور اپنی جماعت و مذہب کی بقاء و تحفظ اور ترقی کیلئے ان کی سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ مجوسی چاہتے تھے کہ خلافت ایسے خاندان میں چلی جائے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ یہودیوں کو اسلام سے دیرینہ عداوت تھی، وہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کرنا چاہتے تھے، کہ ان کی اجتماعی قوت پاش پاش ہو کر رہ جائے اور ان کے مذہب کو سربلندی کا موقع حاصل ہو سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنی دیرینہ روش کے مطابق بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں طرح طرح کے عقیدے پھیلانے اور فتنے جگانے شروع کئے، جنھوں نے ایسی مضبوط جڑ پکڑ لی کہ اس کی بیخ کنی آسان نہ رہ سکی اور بالآخر حضرت عثمان کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آیا۔

ان فتنہ پردازوں کی تحریک ایک منظّم سازش کے ساتھ شروع ہوئی مختلف شہروں میں ان کی مختلف جماعتیں تھیں، جن کے مختلف اغراض تھے، لیکن حضرت عثمان کو راہ سے ہٹانا ان سب کے درمیان ایک قدر مشترک جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے تحت مختلف شہروں میں مختلف جماعتیں اپنی فتنہ سامانیوں میں مصروف رہیں، فتنہ کے اہم مرکز تین شہر کوفہ، بصرہ اور مصر بن گئے، ان ہی شہروں سے سرکشی، بغاوت اور فتنہ و سازش کا طوفان اٹھا جس کی تاریکیوں میں خلافت عثمانی کا درخشاں دور چھپ کر رہ گیا۔

عبداللہ بن سبا اور اس کی منظّم تحریک ان فتنوں کا سب سے بڑا سرغنہ مشہور فتنہ انگیز و دشمن اسلام عبداللہ بن سبا ملقب بہ ابن سودا تھا، وہ صنعاء کا رہنے والا اور نسلاً یہودی اور بلاکا ذہین، طباع اور سازشی تھا، اسلام کے ظہور سے یہودیوں کے

Marfat.com

مذہبی وقار کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچا تھا، عبداللہ بن سبا نے اسلام کا لباس پہن کر نفاق کی راہ اختیار کی اور اسلامی معاشرہ میں داخل ہو کر بظاہر حضرت عثمانؓ اور درپردہ اسلام کے خلاف اپنی منظم تحریک کی داغ بیل ڈالی۔

اس نے بنی اُمیہ و بنی ہاشم کی دیرینہ چشمک کو اُبھارا، جیسا کہ اوپر گذرا حالات کچھ ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ اس کی کامیابی کی راہ ہموار ہوئی۔ اس نے محبِّ اہلِ بیت کا جامہ پہن کر بنو ہاشم اور اہلِ بیت کی حمایت اور بنو اُمیہ اور حضرت عثمان کی مخالفت کی فضا پیدا کرنے کے لئے اپنی سازشوں کا ایک وسیع و منظم جال پھیلا دیا اور بصرہ، کوفہ اور مصر اس کی منظم تحریک کے اہم مرکز بن گئے۔ اس نے خود ان تینوں شہروں میں قیام کیا۔ بصرہ اور کوفہ سے اگرچہ اس کو شہر بدر کیا گیا مگر وہ اپنے قیام کے زمانہ میں اپنی تحریک یہاں پھیلا چکا تھا اور شہر چھوڑنے کے وقت اپنی تحریک کی زمام اپنے نائب کے سپرد کر چکا تھا، پھر مصر پہنچنے کے بعد اس کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور کھُل کر سامنے آگیا۔

سبائیوں کے عقیدے عبداللہ بن سبا نے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے بعد مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، اسلامی معاشرہ کی نبّاضی کی، عربوں کی پچھلی اور موجودہ زندگی سے واقف ہوا، مسلمانوں کے تصوّرات اور ان میں زہد و ورع اور ارتقاء کے ساتھ زندگی گذارنے کا اندازہ لگایا اور خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے مسلمانوں کی والہانہ عقیدت کو سمجھا اور ان سب کو نگاہ میں رکھ کر اس نے اپنی سازش کا ایک مکمّل خاکہ تیار کیا۔

اس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں محبتِ رسول کی راہ سے گھر پیدا کیا۔ وہ سادہ لوح مسلمانوں سے کہتا "یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مسلمان یہ یقین رکھیں کہ حضرت عیسیٰ اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور یہ نہ سمجھ سکیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس تشریف لانے والے ہیں۔" پھر مسلمانوں کو حُبِّ رسول سے

Marfat.com

سرشار کرکے کہتا "کیا یہ حیرت انگیز نہیں کہ آلِ محمد موجود ہیں لیکن مسندِ خلافت پہ اغیار قابض ہیں۔ خلافت وجانشینی کے صحیح حقدار تو یہی آلِ رسول ہوسکتے ہیں۔ آلِ رسول ہمارے درمیان موجود ہیں، انہیں مسندِ خلافت پر کیوں نہ سرفراز کیا جائے" پھر مصر پہنچنے کے بعد اس نے ایک اور نئے عقیدے کا اختراع کیا کہ "دنیا میں ہزاروں انبیاء گذرے ہیں۔ ہر نبی کا ایک وصی ہوا کرتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، اور جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاتم الاوصیاء ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے نبی کی وصیت پوری نہیں کی، ان سے بڑھ کر دوسرا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ وصیٔ رسول کی موجودگی میں کسی دوسرے کو خلیفہ بننے کا حق حاصل نہ تھا اس لئے خلفائے ثلاثہ کی خلافت برحق نہ تھی، اور حضرت عثمان نعوذ باللہ خلافت پر اس وقت غاصبانہ قابض ہیں اس ظلم وغضب کو مٹانا، وصیٔ رسول کو رسول کا جانشیں بنانا ہر سچے مومن کا سب سے بڑا دینی فرض ہے اور نعوذ باللہ غاصب خلیفہ کے جو امراء وعمال ہیں، وہ بھی غاصب وظالم ہیں، ان کے خلاف اٹھنا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کو پورا کرنا ہے"

اس طرح سبائیوں کے بنیادی عقیدے یہ قرار پائے کہ

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح کی طرح اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔

۲۔ خلافت وجانشینی کے حقدار آلِ رسول واہلِ بیت ہیں۔

۳۔ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، حضرت علیؓ خاتم الانبیاء کے خاتم الاوصیاء ہیں۔

۴۔ رسول کی وصیت کے خلاف، وصی کی بجائے جو لوگ مسندِ خلافت پر رہے، ان کی خلافت نعوذ باللہ برحق نہ تھی، غاصبانہ تھی۔

۵۔ غاصبانہ خلافت اور اس کے امراء وعمال کے خلاف اٹھنا امر بالمعروف و

Marfat.com

نہی عن المنکر کے فرض کو پورا کرنا ہے۔

سبائیوں کی مخفی تنظیم | عبداللہ بن سبا نے ان عقیدوں کی نشر واشاعت اور انھیں قبولِ عام کا درجہ دینے کے لئے مختلف شہروں کا دورہ کیا، ہر جگہ اپنا ایک نائب مقرر کرکے اس کو رہنما بنایا اور مختلف شہروں کی جماعتوں میں باہم رابطہ قائم کیا، پھر مصر پہنچنے کے بعد اپنی تحریک کو فروغ دینے کے لئے ایک منظم مخفی جماعت قائم کی۔ دعات وسفراء کے لئے تربیت گاہ بنائی جس میں دعاۃ وسفراء کو ایک خاص طریقے سے تربیت دی جاتی، عوام میں کام کرنے کا طریقہ بتایا جاتا، جب ان کی تربیت مکمل ہو جاتی، تو ایک ہدایت نامہ دے کر انھیں مختلف شہروں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا جاتا تھا، اس ہدایت نامہ میں طریق کار کی چند تفصیلات حسب ذیل تھیں:

۱۔ ہر داعی کمال تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے۔ زہد و ورع کے ساتھ وعظ و پند کی مجلسیں منعقد کی جائیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے پُر فریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرکے، عقائد کی تبلیغ کی جائے۔

۲۔ عثمانی امراء وعمال کو ہر ممکن طریقے سے بدنام کرکے ان کے وقار اور رعب و داب کو ختم کیا جائے۔

۳۔ ہر شہر کا داعی دوسرے شہر کے داعیوں کے نام مراسلے بھیجے، جن میں عمالِ حکومت کی زیادتیاں اور ظلم وستم کی فرضی داستانیں لکھی جائیں اور ہر شہر کا داعی اپنے شہر کے معتقدین کے حلقہ میں ان مراسلوں کو پڑھ کر سنائے اور زیادہ سے زیادہ ان کی تشہیر کی جائے۔

۴۔ حضرت عثمان کی کنبہ پروری کی افواہیں پھیلائی جائیں اور شیخین کے طریق سے انحراف کرنے کی داستانیں مشہور کی جائیں۔

۵۔ شہر کے امن وامان، نظم ونسق اور سکون و قرار کو درہم برہم کرنے کی ہر ممکن سعی جاری رکھی جائے۔

Marfat.com

عبداللہ بن سبا نے اس سلسلہ میں ایک مزید ہشیاری یہ کی کہ اس نے عوامی نشر و تبلیغ میں حضرت علی کو جانشین بنانے کی تحریک کی دعوت کو عمومی درجہ نہیں دیا۔ اسلئے کہ مفسدین کی جماعت ملک کے مختلف گوشوں میں پیدا کی جا رہی تھی، اس کی جماعت کے خاص ارکان و دعاۃ و سفراء تو اس کے ہمنوا تھے، مگر وہی مخفی جماعت کے اہل اساس تھے لیکن ملک کے مختلف حصوں میں جو مفسدین پھیلے ہوئے تھے ان میں سے مختلف جماعتوں اور شہروں کے لوگوں کا مختلف مطمح نظر تھا۔ مصر مخفی تحریک کا صدر مقام تھا، یہاں کے لوگ تو عموماً حضرت علی کے عقیدت کیش ہو چکے تھے، لیکن اہل بصرہ حضرت طلحہ کے طرفدار تھے، کوفہ کے کچھ لوگ حضرت زبیر کو پسند کرتے تھے اور ایک غالب تعداد حضرت علی کی ہمنوا تھی۔ پھر اہل عراق کی ایک جماعت پورے قبیلہ قریش سے عداوت رکھتی تھی۔ اسی طرح ایک گروہ سرے سے عربوں ہی کا دشمن تھا، لیکن یہ سب کے سب امیرالمومنین حضرت عثمان کی معزولی اور خاندان بنی اُمیہ کی بیخ کنی پر باہم متفق تھے، اس لئے عبداللہ بن سبا نے حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمان اور خاندانِ بنی اُمیہ کی مخالفت پر متحد کر دیا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں اس کے داعین مذکورہ بالا ہدایت نامہ کے مطابق مستعدی سے سرگرم عمل ہو گئے۔

فتنہ کا پہلا مرکز ــــ بصرہ | عبداللہ بن سبا کا سب سے پہلا ظہور بصرہ میں ہوا، یہاں سرکشوں کا ایک سردار حکیم بن جبلہ تھا، اس نے ایک جماعت بنا رکھی تھی، جو ذمیوں کے مال و اسباب کو لوٹتی رہتی تھی، حضرت عثمان کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے عبداللہ بن عامر والئی بصرہ کو فرمان بھیجا کہ حکیم بن جبلہ اور اس کی پوری جمیعت کو بصرہ میں نظر بند کر دیا جائے، اسی اثناء میں عبداللہ بن سبا نے اس معتوب سردار حکیم بن جبلہ سے سازباز کی اور اس کو بصرہ کے لئے اپنی تحریک کا سربراہ بنا دیا اور خود اپنی مخفی تعلیمات کو پھیلانے لگا۔ عبداللہ بن عامر کو اس کے خیالات معلوم ہوئے تو اس نے اس کو بلا بھیجا، پوچھا تم

Marfat.com

کون ہو؟ اس نے کہا میں اہلِ کتاب میں سے ہوں۔ اسلام کا ذوق رکھتا ہوں، اس لئے یہاں آیا ہوں کہ آپ کے زیرِ سایہ دینِ اسلام کی کچھ تعلیمات سے آگاہ ہو سکوں۔ عبداللہ ابن عامر نے کہا، مجھے تمھاری جو باتیں معلوم ہوئی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں میں نفاق ڈالنے اور انھیں گمراہ کرنے کے لئے آئے ہو، میں تمھارا قیام یہاں پسند نہیں کرتا تم اس شہر کو خالی کر دو۔ اس وقت تک عبداللہ بن سبا بصرہ میں اپنی جماعت کی داغ بیل ڈال چکا تھا، چنانچہ حکیم بن جبلہ کو یہاں اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ چلا گیا۔

اب ادھر حکیم بن جبلہ کو شہر میں رہ کر ایک دوسرا مشغلہ ہاتھ آگیا تھا، اس نے اپنی جماعت کی معاونت سے شہر میں رہ کر مختلف قسم کی فتنہ پردازیاں جاری رکھیں، جب شورش زیادہ ہوئی تو عبداللہ بن عامر نے کچھ اور لوگوں کو بھی شہر بدر کیا لیکن فتنہ کی آگ بھڑکتی گئی، یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھا نہ سکے، یہاں تک کہ یہ شہر سبائی تحریک کا اہم مرکز بن گیا اور فتنہ پردازوں نے انقلابِ حکومت کے لئے مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔

فتنہ کا دوسرا مرکز ـــ کوفہ عبداللہ بن سبا، بصرہ سے کوفہ پہنچا۔ کوفہ پہلے ہی سے فتنہ وسازش کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور ولید بن عتبہ کی معزولی کے واقعات گذر چکے تھے۔ ان دونوں کی معزولی سے والیٔ کوفہ کے وقار کو صدمہ پہنچا اور جب سعید بن عاص نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تو کوفہ کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی، اور سعید نے بارگاہِ خلافت میں لکھ بھیجا کہ "کوفہ کی مخلوق شورش پسند ہے"۔

والیٔ کوفہ کے خلاف شرانگیزی اس زمانہ میں عبداللہ بن سبا کا قیام کوفہ میں تھا، اور وہ یہاں اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا، ممکن ہے سابق والیٔ کوفہ ولید بن عتبہ کے خلاف شورش کی سازش میں اس کا جلیس نومسلم عیسائی ابوزید طائی بھی درپردہ شریک رہا ہو۔ ولید کے بعد سعید بن عاص کے خلاف بھی شرانگیزی جاری رہی۔ اس اثناء میں ایک دن سعید کی مجلس میں حضرت طلحہ کی فیاضی کا ذکر آیا، سعید نے کہا جس کے پاس نشاستج جیسی زرخیز

Marfat.com

ملکیت ہو، اس کو قیاس ہونا ہی چاہیے، اگر میرے پاس ایسے املاک ہوتے تو یہاں بھی نیاز ہوتا کسی نے کہا سواحلِ فرات کے علاقہ میں آلِ کسریٰ کی جاگیر تھی، اس کو وہ لے لے، مجلس میں کچھ لوگ تھے وہ بول اٹھے، خدا تجھے غارت کرے، ہماری زمین تو امیر کو دینا چاہتا ہے، پھر مالک اشتر نخعی اور عمیر بن ضابی نے مجلس میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، اور مار پیٹ کی نوبت آگئی، قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے، لیکن سعید نے بیچ بچاؤ کر کے معاملہ کو رفع دفع کیا۔

عبداللہ بن سبا کی کوفہ سے جلا وطنی اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد سعید نے ہنگامہ کرنے والوں کو اپنی مجلس میں آنے سے روک دیا اور ان لوگوں نے سعید کے خلاف فتنہ انگیزی کر کے ایک طوفان کھڑا کرنا چاہا۔ عبداللہ بن سبا کے تعلقات اشتر نخعی وغیرہ سے قائم تھے، سعید کے علم میں حالات آئے، عبداللہ بن سبا غیر کوفی تھا، سعید نے اس کو شہر بدر کر دیا اور وہ کوفہ سے مصر چلا آیا اور یہاں جیسا کہ اوپر گذرا، اپنی مخفی منظم تحریک کی داغ بیل ڈال لی۔

کوفی شرانگیزوں کا سیاسی نعرہ کوفہ کے شرانگیز سرغناؤں میں سے اکثر مذکورہ بالا واقعہ میں شریک تھے اور سعید بن عاص سے انھیں ذاتی بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا، اس کے علاوہ ان میں سے اکثر سرے سے قبیلہ قریش کے شدید مخالف تھے، ان کا سیاسی نعرہ جیسا کہ اوپر گذرا، یہ تھا کہ سارے فتوحات عام مسلمانوں کے زورِ بازو سے حاصل ہوئے تھے، اس لئے خلافت و امارت اور دوسرے منصب صرف قریش کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتے۔ ہر چیز میں عام مسلمانوں کا مساوی حق اور حصہ ہے، یہ لوگ قریش کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے وسیلے اختیار کرتے اور اپنے خیالات کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بناتے تھے۔

شرانگیزوں کی جلا وطنی اور واپسی یہ حالات دیکھ کر کوفہ کے شرفاء و معززین ان کی سرکشوں سے عاجز آگئے اور دربارِ خلافت میں استدعا کی کہ ان شرانگیزوں کو کوفہ سے جلا وطن کر دیا جائے، تاکہ شہر میں امن و امان قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ نے والیٔ کوفہ کو فرمان

Marfat.com

بہتر ہے کہ ان لوگوں کو کوفہ سے شہر بدر کرکے امیر معاویہ کے پاس شام بھیج دیا جائے، تاکہ وہ اپنے حزم و تدبّر سے ان کی اصلاح کر سکیں، ان لوگوں نے شام میں پہنچ کر وہاں بھی اپنے خیالات کی اشاعت شروع کی۔ امیر معاویہ نے دیکھا کہ یہ وبا اب شام میں بھی پھیلنے لگی ہے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کو دارالخلافہ سے لکھا کہ ان سے ان لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں، انھیں شام سے واپس بلا لیا جائے، اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو حمص کے والی عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیجنے کی ہدایت لکھ بھیجی، چنانچہ یہ لوگ شام سے حمص میں لے آئے گئے۔

یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اپنی روش ترک کرکے سابق طریق کار اختیار کیا، دنیا اور اس کے معاملات سے کنارہ کش ہو کر زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کی پاکیزہ زندگی گذارنی شروع کی اور اپنی پچھلی زندگی کی حرکتوں پر توبہ و استغفار کرتے رہے جب حضرت عثمانؓ نے ان کے انقلاب حال کی کیفیت سنی تو پھر انھوں نے خود ہی ان لوگوں کو کوفہ واپس جانے کی اجازت دے دی۔ یہاں واپس پہنچتے ہی ان لوگوں نے اپنی کینچلی اُتار ڈالی اور اپنے سابق مشغلہ میں سرگرم عمل ہو گئے، اور اب کھل کر علانیہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال کو برا بھلا کہنے اور جھوٹی افواہیں مشہور کرنے لگے۔

والیٔ کوفہ کی مدینہ میں طلبی | یہ حالات دیکھ کر سعید بن العاص نے خود مدینہ جا کر حضرت عثمانؓ کو حقیقتِ حال سے مطلع کرکے اور اپنا مناسب مشورہ دے کر کوئی راہِ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، کہ اس اثناء میں تو دربارِ خلافت سے طلبی کا فرمان آیا اور سعید بن العاص دارالخلافت روانہ ہو گئے۔

فتنہ کا صدر مقام ـــــ مصر | عبداللہ بن سبا، کوفہ سے نکل کر مصر چلا آیا۔ یہاں بعض حالات ایسے سازگار پیدا ہو گئے، کہ اس نے یہیں اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی اور جیسا کہ اوپر گذرا اسی کو اپنی تحریک کا صدر مقام قرار دے کر تنظیم شروع کی، اور اپنی

Marfat.com

قائم کردہ تربیت گاہ میں دعاۃ اور کارکن تیار کرتا اور مختلف شہروں میں انھیں بھیج کر انقلاب کے لئے فضا تیار کرتا رہا۔

دوسرے صوبوں کی طرح مصر میں بھی یہاں کے والی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے خلاف منظم تحریک اٹھی، اس کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں مشہور کی گئیں۔ مصر میں عبداللہ بن سبا کی زیادہ کامیابی اور کھلے عام شرانگیزی کی جرأت کا اصل راز یہ تھا کہ مصر میں والی مصر اور حضرت عثمان کے خلاف بعض ممتاز شخصیتیں پہلے سے موجود تھیں، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ان فتنوں کو آسانی سے دبا سکتا تھا، لیکن حضرت عثمان کی فطری نرم خوئی، حلم طبع اور تحمل و بردباری کی وجہ سے وہ ان مخالفین پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکا اور محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ جیسے اکابر، عبداللہ بن سبا کے ہمنوا ہو گئے۔

محمد بن ابی بکر، حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے تھے اور صحابہ اور عام مسلمانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان پر کسی کا حق تھا، اس کو حضرت عثمان نے حقدار کو دلوا دیا۔ یہ معمولی سا واقعہ حضرت عثمان سے ان کی برہمی کا سبب بن گیا، وہ مدینہ سے مصر چلے آئے۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے، حضرت عثمان ہی کی آغوش میں انھوں نے پرورش پائی تھی، انھوں نے حضرت عثمان سے کسی شہر میں اپنے عامل مقرر کئے جانے کی استدعا کی جس کو انھوں نے منظور نہیں کیا، یہ بھی ناراض ہو کر مدینہ سے مصر چلے آئے اور دونوں کھلے عام حضرت عثمان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ۳۱ھ ۶۵۲ء میں رومی بیڑوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مجاہدین جانے لگے تو یہ دونوں مجاہدین کی جماعت میں آئے اور کہنے لگے "تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کے لئے جا رہے ہو، حالانکہ اس وقت خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، اس ظالم (نعوذباللہ حضرت عثمان) کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اس نے سنت شیخین کو چھوڑ دیا ہے اور اکابر صحابہ کو

Marfat.com

معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے۔" جب مجاہدین لوٹ کر آئے تو ان لوگوں نے کہا "ہم اس جہاد میں کس طرح شریک ہو سکتے تھے، جس کا انتظام عثمان کے ایماء سے ہوا ہو اور جس کا امیر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہو۔" عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے جب ان لوگوں کو اس قدر حد سے تجاوز کرتے ہوئے دیکھا تو دونوں کو بلا بھیجا اور فہمائش کرتے ہوئے کہا "خدا کی قسم اگر امیر المومنین کا خیال نہ ہوتا تو تم دونوں کو ان مفسدہ پردازیوں کا مزہ اچھی طرح چکھا دیتا۔" لیکن یہ لوگ بھی حضرت عثمان کی فطرت سے واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی بال بیکا نہیں ہو سکتا، اس لئے ان لوگوں نے عبداللہ بن سبا کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں پوری طرح اس کا ساتھ دیا اور ان کی وجہ سے اس کے ہاتھ زیادہ مضبوط ہو گئے۔

شام میں فتنہ انگیزی کی ناکام کوشش شام کی عنانِ حکومت حضرت امیر معاویہ کے مضبوط ہاتھوں میں ہوشمندی کے ساتھ تھی۔ مصر میں عبداللہ بن سبا کو محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی جو ہمنوائی و معاونت حاصل ہوئی، اس سے اس کا حوصلہ بڑھا اور خود سفر کر کے مصر سے شام آیا اور یہاں خدا ترس اکابر صحابہ کرام حضرت ابوذر غفاری حضرت ابو درداء اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم سے فرداً فرداً ملا۔ حضرت ابوذر غفاری کی زندگی کمال زہد و ورع سے گزر رہی تھی، وہ سادہ لوح، نیک طبع اور خدا ترس صحابی تھے۔ عبداللہ بن سبا عقیدتمندی کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور باتوں باتوں میں اس نے ان کو سمجھایا کہ امیر معاویہ بیت المال کے سرمایہ کو اللہ کا مال کہتے ہیں، تاکہ وہ اس کو مسلمانوں کو نہ دیں، خود اپنے قبضہ میں رکھ سکیں، حالانکہ وہ تمام تر مسلمانوں ہی کا مال ہے۔ حضرت ابوذر کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور وہ اس کو صاف کرنے کے لئے امیر معاویہ سے جا کر ملے اور دریافت کیا کہ "یہ کیوں کہتے ہو کہ بیت المال کا خزانہ اللہ کا ہے، حالانکہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔" امیر معاویہ نے جواب میں کہا "تمام مخلوق

Marfat.com

اللہ کی ہے اور سارا مال بھی اللہ ہی کا ہے تو حضرت ابوذر نے فرمایا "مگر اس کو خاص طور پر اللہ کا مال نہ کہنا چاہیئے مسلمانوں کا مال کہنا چاہیئے" امیر معاویہ نے یہ جواب دے کر خاموش کیا کہ "یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق آئندہ سے اس کو مسلمانوں کا مال کہا کروں گا۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت ابوذر غفاری کے ذہن میں سرمایہ جمع رکھنا اور ذخیرہ اندوزی کرنے کے خلاف غلو پیدا ہوا اور وہ اپنے اس عقیدہ کی برملا تبلیغ کرنے لگے، کہ اسلام میں سرمایہ جمع کرنے کی ممانعت آئی ہے، دولتمندوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ سرمایہ اکھٹا کر کے غنی سے غنی تر ہوتے جائیں۔ حضرت ابوذر مسلمانوں میں غیر معمولی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جب ان کے یہ مواعظ برملا شروع ہوئے تو امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے، حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کو مدینہ طلب کیا، حضرت عثمان سے گفتگو کرنے کے بعد بھی وہ اپنے ان خیالات سے رجوع نہ کر سکے، تو حضرت عثمان نے انھیں ان خیالات کی اشاعت کرنے کی ممانعت کر دی اور ان سے فرمایا کہ وہ ان کے ساتھ مدینہ میں قیام فرمائیں، ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا ہے، حضرت ابوذر نے جواب میں فرمایا کہ "مجھے تمھاری دنیا کی ضرورت نہیں" اور مدینہ کی شہری آبادی کو چھوڑ کر مقام ربذہ میں اقامت گزیں ہو گئے اور یہیں انھوں نے ۳۲ھ ۶۵۲ء میں وفات پائی۔

عبداللہ بن سبا حضرت ابوذر کے علاوہ جن دوسرے صحابیوں سے ملا ان کی بارگاہ میں اس کو کوئی جزئی کامیابی بھی نہ ہو سکی۔ حضرت ابودرداء نے اس کی باتیں سنتے ہی فرمایا "میرا گمان ہے کہ تو یہودی ہے" یہ جواب سنتے ہی وہ خاموشی سے ان کی مجلس سے اٹھ آیا۔ تیسرے صحابی حضرت عبادہ بن صامت، شام میں تقسیم غنیمت کے منصب پر مامور تھے، وہ بھی اس کی باتیں سن کر سخت برہم ہوئے اس کے ساتھ اس کو اپنی

Marfat.com

مجلس سے جانے نہ دیا، پکڑ کر حضرت امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور فرمایا "یہی شخص ہے جس نے تم سے ابوذر کو لڑوایا ہے"۔ امیر معاویہ نے اس کو فوراً شام سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ ناکام و نامراد شام سے مصر واپس چلا آیا۔ اس طرح حضرت عبادہ بن صامت و امیر معاویہ کے بروقت اقدام سے شام کا مطلع غبار آلود ہونے سے محفوظ رہا۔

غلط فہمی پھیلانے کے لئے مراسلات اور افواہوں کی بھرمار

اس اثناء میں سبائیوں کی منظم خفیہ تحریک اپنے طریق کار پر جاری رہی۔ مختلف مقاموں سے وہاں کے داعیوں اور سبائی کارکنوں کے خطوط و مراسلات دوسرے مقاموں کے داعیوں اور سبائی کارکنوں کے پاس پہنچتے رہے اور ہر جگہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ ان کی تشہیر کی جاتی رہی، سادہ لوح مسلم عوام میں سے مثلاً اہلِ عراق اہلِ مصر پر اور اہلِ مصر اہلِ عراق پر ترس کھاتے اور شکر کرتے کہ وہ خود اپنے صوبہ میں امراء و عمالِ سلطنت کے ان بے پناہ مظالم سے محفوظ ہیں اور مدینہ کے لوگ جہاں ہر جگہ سے اس قسم کے خطوط و مراسلات پہنچ رہے تھے، سب کے حالات پر افسوس کرتے، بالآخر یہ خبریں مدینہ میں ممتاز صحابہ کے کانوں تک پہنچیں، انھوں نے حضرت عثمانؓ سے تذکرہ کیا، انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس تو ہر جگہ سے امن و امان اور خیر و عافیت کی اطلاعیں آئی ہیں، جب مراسلوں اور افواہوں کی کثرت حد سے زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمانؓ کو یقین آیا کہ ان کے خلاف ایک منظم سازش کام کر رہی ہے جھوٹے الزامات گڑھ گڑھ کر انھیں بدنام کیا جا رہا ہے، اور شام کو چھوڑ کر عراق و مصر خاص طور پر اس فتنہ کا مرکز ہیں۔

عمال سے مشورہ

اس نازک صورت حال کا اندازہ کرنے کے بعد حضرت عثمان نے صحابہ کرام کے مشورہ سے تمام صوبوں کے ولاۃ و عمال کو دار الخلافت میں طلب کیا، اسی سلسلہ کا ایک فرمان تھا جو کوفہ کے والی سعید بن العاص کو ملا تھا اور وہ دار الخلافہ پہنچ چکے تھے۔ حضرت عثمان نے والیوں کے آنے کے بعد شورش کے رفع شکایتوں کے ازالہ

اور اصلاح حال کی تدبیروں پہ غور کرنے کے لئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں سعید بن العاص کے علاوہ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ شریک تھے۔

حضرت عثمانؓ نے صورت حال بیان کرکے ان امراء سے مشورہ طلب کیا، مختلف امراء نے مختلف رائیں دیں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا، اس وقت کسی ملک پہ فوج کشی کردی جائے، لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے، توجہ ہٹ جائے گی اور فتنہ کی آگ آپ سے آپ سرد پڑ جائے گی۔ عبداللہ بن سعد نے کہا، شورش پسند حریص اور بندۂ زر ہیں، مال وزر سے ان کا منہ بند کیا جائے۔ سعید بن العاص سبائیوں کی مخفی تحریک اور اس کے مضمرات سے آگاہ ہو چکے تھے، انھوں نے تفصیل سے صورت حال کا نقشہ کھینچا پھر کہا، ابھی یہ جماعت مختصر سی ہے جس کو اس کے سرغنہ چلا رہے ہیں، اگر ان کے سرغنے پکڑ کے قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا۔ اشخاص کی آزادی اسی وقت تک قائم رکھی جاسکتی ہے جب تک ان کی فتنہ پردازیوں سے امت میں مزید فتنوں کے پھیلنے کا احتمال نہ ہو۔ امیر معاویہ نے بھی یک گونہ سعید بن العاص کی رائے کی تائید کی، لیکن انھوں نے اس طرح اپنی رائے ظاہر کی کہ ہمارے صوبہ شام میں تو کوئی بات نہیں ہے، میرے نزدیک ان امراء کی رائے زیادہ صائب ہے، انھیں اپنے اپنے صوبہ کا ذمہ دار قرار دیا جائے جس علاقہ میں مفسدین کی جماعت موجود ہو، ان کے سرغناؤں کو گرفت میں لانا اور دار وگیر کرکے ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ عمرو بن العاص نے مجلس میں حضرت عثمان کو مخاطب کرکے یہ رخ اختیار کیا کہ "امیر المومنین! آپ، لوگوں کے منشاء کے خلاف کام کرتے ہیں، یا تو عدل وانصاف سے کام لیجئے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے"۔ حضرت عثمان نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا "افسوس تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو"۔ عمرو بن العاص خاموش رہے۔ جب مجمع منتشر ہوا تو انھوں نے حضرت عثمان

سے کہا "آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں۔ میں نے برسرِ عام جو رائے دی وہ مصلحت پر مبنی تھی، مخالفین پسِ پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے، اس لئے میں نے یہ باتیں کہیں، تاکہ مفسدین مجھے اپنا ہمخیال سمجھ کر مجھے اپنا رازدار بنائیں اور مجھے ان کے شر سے آپ کو بچانے کا موقع مل سکے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ غیر معمولی نرمی برت رہے ہیں، اشخاص کی آزادی کو اسی حد تک قائم رکھنا چاہیئے جب تک اُمّت میں فساد پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ جو لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں اور تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے چشم پوشی کرنا حضرت عمر کا دستور نہ تھا، آپ کو بھی ان ہی کا طریقِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

عمال کی مجلس مشاورت میں اگرچہ مفید رائیں پیش کی گئیں، اگر سعید بن العاص، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کی رائیں اختیار کی جاتیں، تو صورتِ حال سنبھل سکتی تھی، ان لوگوں کے نقطۂ نظر میں فتنہ کے سدِّ باب کے لئے فتنہ پردازوں کے وجود سے آبادی کو پاک کرنا معاشرہ کی اصلاح اور امن و امان کے لئے ناگزیر تھا، لیکن حضرت عثمان اس رائے سے اپنی نرم خوئی کی وجہ سے متفق نہ ہو سکے، انھوں نے فرمایا "اگر میری جان بھی چلی جائے، تو میں اس کو مناسب سمجھوں گا، لیکن اس راہ میں ایک قطرۂ خون بھی نہ بہاؤں گا۔ ان کا خیال تھا کہ شرعی حدود کے قائم کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں، لیکن جہاں شریعت نے تصریح سے سختی کرنے کی ہدایت نہیں کی، وہاں نرمی سے کام لینا چاہیئے، اس لئے انھوں نے امراء کو مفسدین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ہدایت نہیں کی اور لوگ اپنے اپنے صوبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

کوفہ کے مفسدوں کا باغیانہ اقدام اور والی کا جدید عزل و نصب

عمرو بن العاص کے بیان سے معلوم ہوا کہ مخالفین پسِ پردہ مجلس کی کارروائی معلوم کرنے کے تجسس میں تھے، والیٔ کوفہ سعید بن العاص بارگاہِ خلافت میں اس لئے حاضری کا قصد رکھتے تھے کہ مفسدین کے خلاف کوئی اہم قدم اُٹھانے کی اجازت حاصل کریں، اسی اثنا میں خود بارگاہِ

Marfat.com

خلافت سے ان کی طلبی کا فرمان آگیا اور مجلس مشاورت میں انھوں نے سب سے پہلے مخالفین کے خلاف سخت اقدام کرنے کی رائے ظاہر کی، لیکن حضرت عثمان نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور سعید ناکام، کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے، مجلس کی یہ روداد کوفہ کے شرپسندوں کو بھی پس پردہ معلوم ہو چکی تھی، اب ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے، انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ سعید کو کوفہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، اور اسی شورش میں ان لوگوں نے سعید کے ایک غلام کو بھی قتل کر ڈالا اس کے بعد اشتر نخعی کی قیادت میں ان لوگوں کا ایک جتھا کوفہ سے نکل پڑا کہ سعید کی راہ روکیں، اور انھیں کوفہ میں داخل نہ ہونے دیں اور کوفہ کے قریب مقام جرعہ میں انھوں نے سعید کی راہ روکی، اور ان کے دستبردار ہونے اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کو والی بنائے جانے کے مطالبہ کا اظہار کیا سعید بن العاص اسی مقام سے مدینہ واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے، اب پھر اس کا موقع آیا تھا کہ مفسدوں کو ان کی حرکتوں کی سزا دی جاتی اور ایک مستحکم فوج کے ساتھ سعید بن العاص کو کوفہ واپس کیا جاتا، خصوصاً اس لئے کہ کوفہ کے عام باشندے ان مفسدوں کے ساتھ نہ تھے، لیکن حضرت عثمان نے دوسری راہ اختیار کی، سعید کو معزول کر کے ابو موسیٰ کا تقرر منظور کر لیا اور باغیوں کو لکھ بھیجا کہ "میں نے تمھاری خواہش کے مطابق سعید کو معزول کر کے ابو موسیٰ کا تقرر منظور کر لیا ہے، میں آخر وقت تک تمھاری اصلاح کی کوشش میں لگا رہوں گا، کسی وقت بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔"

حالانکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو وہ ایک مرتبہ خود بصرہ کے شورش پسندوں کے مطالبہ پر روایت سے معزول کر چکے تھے، ظاہر ہے کہ کوفہ کے فتنہ پردازوں کو اپنے قابو میں لانا ان کے لئے آسان کام نہ تھا، یہاں کی فضا روز بروز بگڑتی گئی، حکومت کا اثر و اقتدار کم ہوتا گیا اور ابو موسیٰ کوامن وامان قائم کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔

حضرت علی کی صلاحیت ۔۔ عہد عثمانی کے عمال کے متعلق جہاں بے شمار جھوٹی افواہیں مشہور کی جا رہی تھیں، وہاں بعض عمال سے واقعی کچھ بے عنوانیاں بھی سرزد ہوئی تھیں۔

Marfat.com

جس کی وجہ سے بعض صحابہ کو کچھ بجا شکایتیں بھی تھیں۔ جب شورش زیادہ بڑھی، تو صحابہ کرام نے ان بے عنوانیوں کو دور کرانا مناسب سمجھا، تاکہ بات آگے نہ بڑھے، اور انھوں نے اصلاح کے لئے قدم اٹھائے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت انصاری، ابو اسید ساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت نے حضرت علی رضؓ کو حضرت عثمان کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے تشریف لا کر فرمایا کہ لوگوں نے مجھے آپ سے باتیں کرنے کے لئے بھیجا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے ایسی بات کون سی کہوں جس سے آپ واقف نہیں ہیں۔ پھر انھوں نے حضرت عثمان کے فضائل گنا کر کہا کہ آپ کو یہ فضیلتیں حاصل ہیں، آپ عمل بالحق کے زیادہ مستحق ہیں، پھر حضرت علی رضؓ نے خوش آیند طریقہ سے اپنے خیالات پیش کئے، اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے، حضرت عثمان نے ان کی باتوں کا مناسب جواب دیا اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق لائق اطمینان تقریر کی۔

تحقیقاتی وفود صحابہ نے واقعی شکایات کے ازالہ کے بعد پھیلائی جانے والی افواہوں پر توجہ کی اور حضرت طلحہ وغیرہ صحابہ کرام کے مشورے کے مطابق مختلف جگہ معتبر صحابہ کے تحقیقاتی وفود بھیجنے کی رائے قرار پائی، جو وہاں کے حقیقی صورت حال کا جائزہ لیں اور لوگوں سے ان کی جائز شکایتیں معلوم کرکے ان کی رپورٹ دیں، چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، شام ومصر کی تحقیقات محمد بن مسلمہ، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر اور عمار بن یاسر کے سپرد کی گئی، اسی طرح کچھ اور لوگ کچھ اور مقاموں کے لئے بھیجے گئے، ان لوگوں نے وہاں کے اکابر و عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی، فتنہ وسازش کی تہ تو مخفی تھی، عام مسلمانوں میں کوئی خاص اضطراب نظر نہیں آیا اور کسی والی یا عامل کے خلاف کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ یہ سب کے سب بجز عمار بن یاسر کے مدینہ واپس آئے اور بیان کیا کہ ہم نے کسی جگہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی، اور نہ وہاں کے سربرآوردہ اور عام مسلمین کی نگاہ میں کوئی قابل

Marfat.com

اعتراض بات ہے۔ ہر جگہ امن وامان اور سکون و اطمینان قائم ہے یعنی ولاۃ و عمال اپنے فرائض منصبی دیانتداری سے ادا کر رہے ہیں، لیکن حضرت عمار بن یاسر مصر سے واپس نہیں آئے، وہ اپنے کمال زہد و تقویٰ کے ساتھ سادہ لوح بھی تھے، انھیں حضرت عثمان سے کچھ گلہ بھی تھا، وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ والیٔ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے حضرت عثمان کو مطلع کیا کہ "عمار بن یاسر یہاں آکر ایک جماعت میں شامل ہو گئے ہیں، جس کے سرگروہ عبداللہ بن سبا، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں"۔

لیکن یہ کیسی حسرت کی بات تھی، کہ مجرمین جانے پہچانے تھے اور انگلیوں پر گنے جا رہے تھے، مگر والیٔ مصر ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا، کہ یہ حضرت عثمان کی ہدایت کی خلاف ورزی ہوتی، اور بالآخر یہی مفسدین حضرت عثمان کی شمع حیات کو بجھا کر رہے۔

اعلان عام ان وفود کی تحقیقات سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی، کہ ولاۃ و عمال کے مظالم کی جتنی بھی داستانیں مشہور کی گئی ہیں، وہ سب گڑھی ہوئی اور فرضی ہیں۔ بایں ہمہ حضرت عثمان نے تمام ممالک محروسہ میں منادی کرائی کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے سپرد ہوئی ہے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے...... لیکن اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو تو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے۔ یا صدقہ کر دے کہ خدا صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ یہ اعلان ایسا مؤثر تھا کہ لوگ اس کو سن کر رو دیئے اور حضرت عثمان کے حق میں دعا کی۔

ولاۃ و عمال سے دوبارہ مشورہ اس اعلان کے ساتھ حضرت عثمان نے ولاۃ و عمال کو ۳۴ھ (۶۵۵ء) میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ طلب کیا کہ شاید کسی کی دادرسی کرنی ہو، لیکن کسی والی یا عامل کے خلاف کسی سمت سے کوئی آواز نہیں اٹھی۔ حضرت عثمان نے ولاۃ و عمال سے دوبارہ ان کے یہاں کے حالات پوچھے اور فرمایا "مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشین گوئی پوری کرنے والے تمہیں لوگ نہ ہو!" ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ خود افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں، تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی۔ پھر اس حج کے موقع پر بھی شکایت کا کوئی کلمہ کوئی بھی زبان پر نہیں لایا، یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں" حضرت عثمان نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس موقع پر سعید بن العاص بھی موجود تھے، انھوں نے دوبارہ اپنی وہی رائے پیش کی جس کو پہلے کہہ چکے تھے، عمرو بن العاص نے کہا "آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں عمر سے زیادہ لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، ابو بکر و عمر کے طریقہ کو اختیار کیجئے، سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے" یہ مشورہ سن کر اس پیکرِ حلم و عفو نے جواب دیا "ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ واقعہ سامنے آتا ہے، اس اُمت کے لئے جس حادثہ کا خوف ہے، وہ آکر رہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا، لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا، اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہیں رہے گی۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لئے بشارت ہے"

اکابر صحابہ سے مشورہ حضرت عثمان نے حج سے مدینہ واپس آکر حالات کو سدھارنے اور اصلاحات جاری کرنے کے لئے اکابر صحابہ حضرت علی، طلحہ و زبیر کو بلا کر پھر رائے لی، ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورہ دیا، حضرت عثمان نے ان پر کاربند ہونے کا فیصلہ کیا، اور ان بزرگوں نے بھی اپنی طمانیت ظاہر کی۔

امیر معاویہ کی آخری پیشکش اور حضرت عثمان کا جوارِ رسول کو نہ چھوڑنے کا عزم امیر معاویہ نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کرلی تھی، وہ مکہ سے حضرت عثمان

کے ساتھ مدینہ آئے تھے. شام واپس جاتے وقت انھوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابلِ اطمینان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں، حضرت عثمان نے جواب دیا کہ چاہے میرا سرتن سے جُدا ہو جائے، لیکن میں جوارِ رسول کو نہیں چھوڑ سکتا۔ امیر معاویہ نے کہا تو آپ کی حفاظت کے لئے وہاں سے فوجیں بھیج دوں، فرمایا اس سے اہلِ مدینہ کو تکلیف پہنچے گی۔ امیر معاویہ نے چلتے چلتے کہا، مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ اس جواب کے بعد امیر معاویہ مایوس ہو کر تنہا شام واپس چلے گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش | اُدھر حضرت عثمان اور صحابہ کرام اصلاح حال اور جائز شکایتوں کے دور کرنے میں مصروف تھے، دوسری طرف بصرہ، کوفہ اور مصر کے مفسدین اپنی مخفی سازشوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں مصروف تھے. سبائیوں کی تنظیم ایک منظم مخفی نقلابی جماعت کا کردار ادا کر رہی تھی، لیکن یہ لوگ اپنی بے شمار مخفی تدبیروں اور حضرت عثمان اور عمال حکومت کو بدنام کرنے کی کوششوں کے باوجود ممالک محروسہ کے سربرآوردہ اکابر و مسلم عوام کی حمایت و اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لئے مدینہ پر یورش کرنے کے لئے موسم حج کا انتظار کرنے لگے. جب ۳۵ھ ۶۵۶ء میں حج کا زمانہ آیا تو اپنے منصوبوں کے مطابق یہ جماعتیں کوفہ، بصرہ اور مصر سے حاجیوں کے لباس میں بظاہر مکہ معظمہ جانے کے لئے نکلیں، اور آگے پہنچ کر تینوں مقاموں کی جماعتیں یکجا ہو گئیں اور مکہ کی بجائے مدینہ منوّرہ کا رُخ اختیار کیا۔ اب باغیوں کا یہ مضبوط جتھا تھا جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا تاکہ وہ حضرت عثمان کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرے اور ان سے اپنے مطالبات منوائے۔

ان لوگوں نے مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل ادھر ہی قیام کیا اور ان میں سے چند سرکردہ شہر کے اندر داخل ہوئے اور حضرت طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور حضرت علی سے فرداً فرداً ملے، ان سے اپنے مدینہ آنے کی غرض بتائی اور ان سے درخواست کی کہ وہ حضرت عثمان کے پاس جا کر اپنی وساطت سے معاملات کو یکسو کرائیں اور تصفیہ کی کوئی شکل

پیدا کریں، لیکن ان کے مطالبات اس قدر ناروا، اور طریق کار اس درجہ لائقِ اعتراض تھا کہ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی ان کا واسطہ بننے کے لئے تیار نہیں ہوا، مگر جب خود حضرت عثمان کو ان لوگوں کے اچانک مدینہ آنے کی اطلاع ملی تو انھوں نے دو آدمیوں کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ ان کے آنے کی غرض وغایت دریافت کریں۔ جب صورت حال ان کے علم میں آئی، تو انھوں نے فتنہ وفساد کو دبانے، شکایتیں سننے، غلط فہمیاں دور کرنے اور اگر کچھ مطالبات صحیح ہوں تو ان کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور حضرت علی کو بلا بھیجا کہ وہ اس جماعت سے مل کر اُن سے باتیں کریں اور انھیں مطمئن کرکے واپس جانے پر آمادہ کریں۔ اس اثناء میں بلوائی جراُت کرکے مدینہ میں داخل ہوگئے اور برملا اعلان کیا کہ یا تو غلطیوں کی اصلاح کی جائے یا حضرت عثمان منصبِ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی منظور نہیں تو انھیں قتل کرکے راہ صاف کرلی جائے گی۔

حضرت عثمان پر حملہ اس اثناء میں جمعہ کا دن آیا، حضرت عثمان حسب معمول نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور جمعہ کا خطبہ شروع کیا کہ عین خطبہ کے وقت ایک شخص کھڑا ہوگیا اور زور سے چلایا "عثمان! کتاب اللہ کو اپنا شعار بناؤ"۔ اس پیکرِ علم نے نرمی سے کہا "بیٹھ جاؤ"۔ دوسری مرتبہ پھر اس کا اعادہ کیا اور یہی جواب ملا تھا کہ پتھروں کی بارش شروع ہوگئی، افراتفری مچ گئی اور ایک شورِ محشر برپا ہوگیا۔ حضرت عثمان پر اتنے پتھر برسائے گئے، کہ وہ منبر سے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ باغیوں کی اس جسارت اور بے ادبی پر بھی حضرت عثمان کے جذبۂ غیظ وغضب میں ہیجان نہ آیا نہ کوئی مفسد گرفتار کیا گیا، نہ کسی سے کوئی باز پرس عمل میں آئی۔ اس ناگہانی حادثہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت امام حسن، زید بن ثابت وابوہریرہ حضرت عثمان کی حفاظت کے لئے کاشانۂ خلافت پر پہنچے، لیکن اس پیکرِ حلم وعفو در اعنی برضائے الٰہی نے سب کو واپس کردیا۔

Marfat.com

صحابہ کا مشورہ اور حضرت عثمان کا نقطۂ نظر

اس کے بعد حضرت عثمان نے پھر صحابہ سے مشورہ کیا۔ ان بزرگوں نے یہی رائے دی کہ مفسدین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے لیکن حضرت عثمان نے پھر یہ رائے قبول نہیں کی اور اپنا نقطۂ نظر یہ ظاہر فرمایا کہ "قتل دو ہی صورتوں میں روا ہو سکتا ہے، یا تو اس سے کفر ظاہر ہو، یا ان پر حدِ شرعی واجب ہو"۔ اس طرح وہ قرآن شریف کی آیت وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ ع ۲۴) یعنی فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے کا مورد بھی کفار ہی کو سمجھتے تھے۔ بہرحال حضرت عثمان کسی حال میں بھی باغیوں کے خلاف کوئی سخت اقدام کرنے پر راضی نہیں ہوئے اور آخر لمحہ تک افہام و تفہیم ہی کو راہِ صواب سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے رہے۔

حضرت عثمان کے خلاف الزامات اور ان کے جوابات

چنانچہ اس کے بعد انھوں نے مدینہ کے مہاجرین و انصار اور یورش کرنے والے باغیوں کی پوری جماعت کو اکٹھا کیا، اب ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات و مطالبات شہرتِ عام حاصل کر چکے تھے، حضرت عثمان اتمام حجت کے لئے مجمع عام کے سامنے آئے اور ایک ایک اعتراض کو لے کر اس کا علیحدہ علیحدہ جواب دینا شروع کیا۔ وہ اعتراضات و شکایات اور ان کے جوابات بہ اختصار حسب ذیل ہیں :۔

صحابہ کرام کی معزولی و تادیب کے واقعات اور ان کی جگہ خاندان کے نا اہل نوجوانوں کا تقرر

۱۔ پہلا الزام جس کو زیادہ شہرت دی گئی یہ تھا کہ حضرت عثمان نے مختلف ولایتوں اور عہدوں سے اکابر صحابہ کو معزول کیا اپنے کنبہ کے نا اہل و نا تجربہ کار نوجوانوں کو مامور کیا اور بعض ممتاز صحابہ کی تادیب کی ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔

الف۔ حضرت عثمان نے جن صحابہ کو معزول کیا ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہ عمرو بن العاص، سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے اسی طرح عبداللہ

Marfat.com

ارقم جو تقسیم وظائف کی خدمت پر مامور تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود جو مہتمم بیت المال تھے معزول کئے گئے تھے، ان میں سے اوّل الذکر حضرت مغیرہ کی معزولی حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ حضرت سعد و ابوموسیٰ کی معزولی کے واقعات کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ سیاسی حکمتِ عملی و نظم و نسق کے طریق کے اصول کے لحاظ سے معزول کئے جانے کے واقعوں پر نظر ڈالی جائے تو دو رائیں ہو سکتی ہیں، لیکن اس کا تو شائبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خدانخواستہ اس لئے یہ معزولیاں عمل میں آئیں کہ اپنے کنبہ کے کسی فرد کو ان کا جانشین بنایا جائے، ورنہ دوسرے موقع پر وہ اپنے عزیز قریب سعید بن العاص کو معزول کر کے ان ہی حضرت ابوموسیٰ کا تقرر منظور نہ کرتے، حالاں کہ سیاسی مصالح کے لحاظ سے سعید کے عزل کے متعلق بھی دو رائیں ہو سکتی ہیں، حضرت عمرو بن العاص کی معزولی کی تفصیل بھی اوپر گذر چکی، خراج کی رقم کے اضافہ کے سوال پر یہ معزول کئے گئے اور جب ضرورت داعی ہوئی، تو دوبارہ مصر بھیجے گئے، عبداللہ بن ارقم کو ان کے منصبی فرائض سے سبکدوش کرنے کی وجہ حضرت عثمان نے خود اس مجمع میں جس کا ذکر اوپر گذرا، بیان فرمائی [" عبداللہ بن ارقم، ابوبکر و عمر کے زمانہ سے تقسیمِ وظائف کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن اب وہ بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے، اس لئے میں نے اس خدمت کو زید بن ثابت کے سپرد کر دیا۔"]

حضرت زید بن ثابت کاتبِ وحی رہ چکے تھے، پڑھنے لکھنے اور حساب کتاب میں امتیاز رکھتے تھے، اس لئے اگر عبداللہ بن ارقم کے ضعفِ پیری کے باعث ان کو سبکدوش کیا گیا اور زید بن ثابت کا تقرر عمل میں آیا تو یہ کون سی لائق اعتراض بات ہو سکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی معزولی کا واقعہ کسی غلط فہمی کے باعث پیش آگیا تھا، اس کو خطائے اجتہادی کہا جا سکتا ہے، ورنہ کسی اور سبب سے ان کو معزول کیا جاتا تو اسی وقت یہ بھی معزول ہو سکتے تھے جب بارگاہِ خلافت سے استصواب و علم کے بغیر

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص کو ایک خطیر رقم بطور قرض دے دی تھی اور اس کی وجہ سے حضرت سعد کو معزول کیا گیا تھا، پھر ولید بن عقبہ کے خلاف شراب نوشی کا جب الزام لگایا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی زبان سے غیر محتاط جملے نکلے تھے اس واقعہ کو بہانہ بنایا جاسکتا تھا۔

ب۔ صحابہ کے سلسلہ میں یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے بعض صحابہؓ کی تادیب کی، بلاشبہ اخلاقی و سیاسی مصالح کی بنا پر تادیب کی جاسکتی تھی، حضرت عمر نے جن کا حُسن تدبّر مشہور ہے، بعض صحابہ کو کوڑے لگوائے، بعض کے کرتے اتروا کر انھیں بکریاں چرانے کے لئے بھیجا، حضرت عثمان کے زمانہ میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا حضرت ابوذر غفاری، عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیز باتوں سے متاثر ہو گئے تھے، شام کے امن و امان کی خاطر انھوں نے ان کو شام سے مدینہ بلوالیا اور ان کے مصارف کا کفیل ہو کر اُن کو اپنے پاس رکھنا چاہا، مگر انھوں نے اس پیش کش کو خود قبول نہیں کیا، مقام ربذہ چلے گئے، نہ کہ انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت کی جلاوطنی کا واقعہ بھی صحیح نہیں ہے، وہ آخر عمر تک شام میں تقسیم غنائم کے عہدہ پر مامور رہے، البتہ حضرت عمار بن یاسر، جندب بن جنادہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے، لیکن ان میں ان کی تذلیل کا کوئی پہلو نہ تھا۔ عمار بن یاسر سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے تھے، وہ ایک سرکاری منصب یعنی تحقیقاتی وفد کے امیر ہو کر مصر گئے تھے، انھوں نے اس فرض کو ادا نہیں کیا، اس کی بجائے مفسدین کے حلقہ میں داخل ہو گئے، اس پر اگر ہلکی سی بازپرس ہوئی تو درحقیقت یہ بھی حلم و عفو عثمانی کا ایک نمونہ ہے، بلاشبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ بند کیا گیا، لیکن یہ واقعہ کسی غلط فہمی کے باعث پیش آیا، جس کے رفع ہونے سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود کا انتقال ہو گیا تو اُن کے وظیفہ کی باقی ماندہ رقم جو بیس پچیس ہزار تھی، بیت المال سے ان کے ورثہ

Marfat.com

کے حوالہ کر دی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اپنے مصحفِ قرآنی کا نسخہ حضرت عثمان کے طلب کرنے پر حوالہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ واقعہ وظیفہ کے بند ہونے کا سبب نہیں قرار پا سکتا۔ مصحفِ عثمانی کے جمع و اشاعت کا واقعہ عہدِ عثمانی کے آغاز کا ہے اور وظیفہ کے بند کئے جانے کا واقعہ ان کی زندگی کے آخر دور کا ہے۔

ج۔ نااہل و ناتجربہ کار نوجوان اعزہ کو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر مقرر کرنے کا بھی الزام لگایا گیا ہے، لیکن عمال کے عزل ونصب کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے، حضرت عثمان نے جن اعزہ کا انتخاب کیا وہ نااہل و ناتجربہ کار نہ تھے اس سلسلہ میں ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عبداللہ ابن عامر کے نام لئے جاتے تھے، یہ نوجوان ان عہدوں کے لئے موزوں ترین تھے۔ یہی تھے جنھوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دیئے تھے۔ بلاشبہ صحابہ کرام اور عہدِ فاروقی کے عمال کی طرح یہ لوگ زہد و اتقاء میں امتیاز نہیں رکھتے تھے، لیکن ان کے خدمات اور کارنامے ان کی اہلیت، تجربہ اور صلاحیت کے شاہد تھے، ولید بن عقبہ حضرت عمر کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے۔ سعید بن العاص طبرستان و آرمینہ کے فاتح تھے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح طرابلس، قبرص اور افریقیہ کو زیرنگیں لائے تھے۔ عبداللہ بن عامر اگرچہ کم سن تھے، مگر اسی نوجوان نے کابل، ہرات، نیشاپور وغیرہ دُور دراز ممالک میں اسلام کا عَلَم لہرایا اور زیرِ علم لایا۔ حضرت عثمان نے مجمع عام میں ان کی کم سنی کا اعتراف کیا، اس کے ساتھ فرمایا:

> "میں نے لیاقت، عقل، دیانتداری اور ایمان داری کو جانچ کر امیر مقرر کیا ہے۔ میرے نزدیک محض کسی کا نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں، مجھ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے، اُسامہ کو جن کی عمر صرف سترہ سال تھی، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا، پھر حضرت ابوبکر نے

Marfat.com

ان ہی کی امارت میں شام کی مہم روانہ کی۔"

پھر مجمع کو خطاب کر کے پوچھا "کیا میں بیجا کہتا ہوں؟" لوگ بول اُٹھے۔ "نہیں، آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔"

ہاں یہ صحیح ہے کہ ذمہ داری کے عہدوں پر اپنے اعزہ واقارب کو مامور کرنے کے معاملہ میں حضرت عثمان کی روش حضرت ابو بکر وعمر کے طریق سے مختلف رہی شیخین نے امور خلافت اور اس کے عہدوں اور منصبوں سے اپنے اعزہ واقارب کو یکسر الگ تھلگ رکھا لیکن حضرت عثمان نے بنی اُمیہ اور اموی نوجوانوں کو ممتاز عہدوں پر سرفراز کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان میں سے جن میں اعلیٰ صلاحیت موجود ہے، اہم خدمتوں کو ان کے سپرد کرنا زیادہ قرین مصلحت ہے، اس لئے کہ وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ خدمتیں انجام دے سکتے تھے۔ بایں ہمہ حضرت عثمان نے اس نمائندہ مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا:

"مجھے ان ہی لوگوں کو امیر بنا کر برسر اقتدار رکھنے پر کوئی اصرار نہیں ہے، اگر عوام ان کو پسند نہیں کرتے تو وہ ان کی بجائے دوسروں کو ان عہدوں پر مامور کر سکتے ہیں، جو ان سے زیادہ بہتر طریقہ سے کام کر سکیں۔"

اس طرح انھوں نے حکومت کے اعلیٰ مناصب اور ممتاز عہدوں کو بنو امیہ سے خالی کر لینے پر اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا اور یہ باغیوں کا سب سے بڑا اور اہم مطالبہ تھا جو منظور کر لیا گیا۔

بیت المال میں بیجا تصرف اور بیت المال کے سرمایہ سے اعزہ کو داد و دہش

۲۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ بیت المال کے سرمایہ میں بیجا تصرف کیا اور اس کے سرمایہ سے مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ واقارب کو فیاضانہ داد و دہش کی اور نعوذ باللہ اس قومی امانت کو اپنے اور اپنی اولاد پر صرف کیا۔

یہ الزام اس ذات گرامی پر تھا، جس نے اپنی بے دریغ دولت و ثروت اسلام کے عہد عسرت میں اسلام کی راہ میں لٹا دی، اور ایسے نازک موقعوں پر اپنے جود وسخا سے ملی ضرورتوں کو پورا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دی ہوئی اشرفیاں فرط مسرت سے اچھالتے اور فرماتے "آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا" وہ خود اپنے عہد خلافت میں بھی عرب کے ممتاز صاحب ثروت تھے، شیخین نے تو بقدر کفاف بیت المال سے اپنا گذارہ لیا مگر حضرت عثمان خود عظیم دولت و ثروت کے مالک تھے، انھیں اپنے واجبی مصارف کے لئے بھی بیت المال سے کچھ لینے کی حاجت نہ تھی، چہ جائیکہ وہ بیت المال کے سرمایہ میں نعوذ باللہ بیجا تصرف کرتے اور اپنی دولت کا انبار رہتے ہوئے وہ بیت المال کے سرمایہ سے جود وسخا اور فیاضانہ داد و دہش فرماتے۔ حضرت عثمان نے مسلمانوں کے جلسۂ عام میں اس الزام سے بھی اعتنا کیا اور ارشاد فرمایا:

"لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرتا ہوں، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا، میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں اور جو کچھ بھی فیاضی ہو سکتی ہے اس کو اپنے ہی مال تک محدود رکھتا ہوں، مسلمانوں کا مال (یعنی بیت المال کا سرمایہ) نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کو اس سے داد و دہش کرتا ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر و عمر کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیا کرتا تھا، حالانکہ وہ میری جوانی کا زمانہ تھا جب انسان بخیل و حریص ہوتا ہے، اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی کی شمع بجھنے والی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو یہ لوگ

Marfat.com

ایسی باتیں مشہور کر رہے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی شہر اور ملک پر
خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا
جائے، جو آمدنی ہوئی وہ ان ہی لوگوں کی ضرورت و فلاح میں صرف
ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے، اس میں سے بھی میں اپنے لئے
کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا، مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں
صرف کرتے ہیں، اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا۔ خدا کے مال میں
ایک پیسہ کا تصرف بھی میرے ہاتھ سے نہیں ہوا، میں خود اس میں سے
کچھ نہیں لیتا، یہاں تک کہ میرے کھانے پینے کے مصارف بھی میرے
ذاتی مال سے پورے ہوتے ہیں۔"

اعزہ پروری کے سلسلہ میں حضرت عثمان کے خلاف چند اور بے بنیاد الزامات کی تشہیر کی گئی تھی، ان میں سے ہر الزام کی تردید کی گئی اور غلط فہمیاں دور ہوئیں، مثلاً:

الف - ایک اموی حکم بن العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جرم کی پاداش میں مدینہ سے جلا وطن کر کے طائف بھیج دیا تھا، حضرت عثمان نے نہ صرف اس کو مدینہ میں بلوالیا، بلکہ بیت المال سے اس کو ایک لاکھ درہم عطا کئے۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخر عہد میں حضرت عثمان کی سفارش پر اس کی جلا وطنی کا حکم منسوخ فرما دیا تھا، اور یہ بات حضرت عثمان کے علم میں تھی۔ اگر ضرورت ہوتی تو عہد صدیقی یا فاروقی میں وہ مدینہ آسکتا تھا، لیکن اس کا موقع نہ آیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنے زمانہ میں مدینہ بلوایا اور اسی کے لڑکے مروان سے ان کی صاحبزادی کی شادی ہوئی اور اپنی جیب خاص سے صلۂ رحم کے طور پر حکم کو اور جہیز کے طور پر مروان کو ایک لاکھ درہم عنایت فرمائے۔ حضرت عثمان عرب کے دولتمند ترین شخص تھے اور شخصی وخاندانی وجاہت رکھتے تھے، اس لئے ان عطیات کا دیا جانا ان کا ایک ذاتی وخاندانی معاملہ تھا

Marfat.com

لیکن مفسدین نے ان ذاتی عطیات کو بیت المال کے سرمایہ کی طرف منسوب کرکے اس واقعہ کو ایک الزام بنا کر کھڑا کر دیا۔

ب۔ اسی طرح یہ الزام گڑھا گیا کہ مروان کو جس کو حضرت عثمان کی دامادی کا شرف حاصل ہو چکا تھا، افریقیہ کے مالِ غنیمت کا آیا ہوا پورا کا پورا خمس دے دیا حالانکہ حقیقت یہ تھی، کہ مروان نے اس کو جیسا کہ اوپر گذرا، پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا، اسی طرح عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو خمس دے دیا گیا تھا وہ اکابر صحابہ کے اعتراض کرنے پر اس سے جیسا کہ اوپر گذرا، واپس لے لیا گیا تھا، لیکن اس واپسی کے واقعہ کو چھپا دیا گیا اور خمس کے دے دیئے جانے کو شہرت دی جاتی رہی۔

ج۔ ایک دوسرے اموی عبداللہ بن خالد کے متعلق کہا گیا کہ اس کو تین لاکھ کا گراں قدر عطیہ بیت المال سے دے دیا گیا، اس کے متعلق حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ رقم انھوں نے بیت المال سے قرض لی ہے اور بیت المال سے قرضوں کے لئے جانے اور ان کے ادا کرنے کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

د۔ بیت المال کے سرمایہ میں بے جا تصرف کے سلسلہ میں چند اور رکیک الزامات کو بھی شہرت دی گئی، مثلاً بیت المال کے جواہرات انھوں نے اپنی صاحبزادی کو بخش دیئے یا انھوں نے خود بیت المال کے سرمایہ سے اپنے لئے عظیم الشان نیا محل تعمیر کرا لیا، جو وجود گرامی اپنے خورد و نوش کے مصارف کا بار تک بیت المال پر نہ ڈالتا ہو، جس کا اس کو پورا حق حاصل تھا اور جو خود عرب کا دولتمند ترین شخص تھا، اور جس نے اسلام کے عہد عسرت میں اسلام کی ایسی مدد کی تھی جو کسی دوسرے سے نہ ہو سکی تھی، اس کے متعلق ظاہر ہے کہ اس قسم کی لایعنی باتیں مشہور کرنا سراپا کذب، افترا اور بہتان تراشی کی آخری حد ہے۔

زید بن ثابت کو ایک لاکھ کی بخشش حضرت زید بن ثابت مہتمم بیت المال کے متعلق بھی الزام لگایا گیا کہ حضرت عثمان نے ان کو ایک لاکھ درہم بخش دیئے، حالانکہ واقعہ

کی سادہ صورت یہ تھی کہ بیت المال میں ایک لاکھ درہم کی بچت ہوگئی تھی حضرت زید ابن ثابت نے اس سے حضرت عثمان کو مطلع کیا، انھوں نے حکم دیا کہ اس رقم کو کسی رفاہِ عام کے کام میں صرف کر دیا جائے، چنانچہ عہدِ عثمانی میں مسجدِ نبوی کی توسیع و تعمیر کا کام اسی رقم سے انجام پایا۔

اعزّہ نوازی کے چند اور الزامات ۴۔ اعزہ واقارب پر بیت المال کے سرمایہ کو نعوذ باللہ بیجا صرف کرنے کے مذکورہ بالا الزاموں کے علاوہ اعزّہ نوازی کے چند اور الزامات بھی لگائے گئے اور حضرت عثمان نے ان کے جوابات دیئے۔

الف۔ اسی حکم بن العاص کے دوسرے بیٹے یعنی مروان کے بھائی حارث کے متعلق کہا گیا، کہ اس کو بازار میں فروخت شدہ مال کی قیمت میں سے عشر وصول کرنے کی اجازت دی گئی، حالانکہ یہ سرے سے گڑھی ہوئی بات تھی۔ کوئی بھی واقعہ اس سلسلہ میں کبھی پیش نہیں آیا۔

ب۔ اسی طرح بعض اعزّہ واقارب کو قطعات اراضی بخشنے کا الزام لگایا گیا۔ اس کی حقیقت یہ تھی، کہ یمن کے بعض باشندے وہاں اپنا گھر بار اور جائداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے، ان لوگوں کی سہولت کے خیال سے ان کی یمن کی جائداد سے مدینہ کی جائداد کا تبادلہ کیا گیا، حضرت طلحہ کو ایک قطعہ اراضی دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائداد لی گئی۔

ہاں یہ ضرور ہوا کہ جس طرح بہت سے قبیلوں کے لوگوں نے عراق کی پڑتی زمین کو آباد کیا اور اسلامی قانون کے مطابق وہ ان کی ملکیت قرار پائی، اسی طرح بنی امیہ کے خانوادہ کے لوگوں نے بھی غیر آباد زمینوں کو آباد کیا اور وہ ان کی ملکیت میں داخل ہوئی، اس لئے کہ اسلامی قانون یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں غیر آباد زمین پر اسی کا حق قائم ہوتا ہے جو اس کو آباد کرتا ہے، اور آباد کرنے والوں میں اموی و غیر اموی دونوں تھے، اس لئے کچھ

امویوں کو بھی زمین ہاتھ آئی، لیکن اس زمین پر نہ پہلے کسی کا حق تھا کہ کسی کی حق تلفی ہوئی ہو، اور نہ کسی جانبداری کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی قانون وانصاف سے انحراف کا۔

حضرت عثمان پر چند ذاتی الزامات

بعض چیزوں کی خرید و فروخت اپنے لئے مخصوص کرانا

۵۔ مذکورہ بالا الزاموں کے علاوہ چند الزام ایسے تھے، جن کا تعلق حضرت عثمان کی ذات سے وابستہ تھا مثلاً کہا گیا کہ بازار میں بعض چیزوں کی خرید و فروخت کو اپنے لئے مخصوص کرالیا، یہ الزام بھی صریح بہتان تھا۔ اس کی حقیقت صرف یہ تھی کہ جہاد کے لئے اونٹ پلے ہوئے تھے، وہ کھجور کی گٹھلیاں کھاتے تھے، حضرت عثمان نے انہی اونٹوں کے لئے گٹھلیوں کی خریداری کا حکم دیا تھا۔ یہ خریداری نہ ان کی کسی ذاتی ضرورت کے لئے تھی اور نہ اس حکم کے ساتھ کسی دوسرے کے لئے امتناعی حکم جاری ہوا تھا، سرکاری ضرورت کے لئے گٹھلیوں کی خریداری کی گئی، دوسروں کو بھی اجازت تھی کہ اگر انھیں ضرورت ہو تو بازار سے اس کی خرید کر سکیں۔

چراگاہ بقیع کی تخصیص

اسی طرح الزام لگایا گیا کہ انھوں نے اپنے لئے ایک چراگاہ مخصوص کرلی ہے، عوام کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ہے، مدینہ میں مقام بقیع میں یہ چراگاہ عہد رسالت سے قائم تھی، عہد فاروقی میں چراگاہوں میں مزید اضافہ ہوا۔ عہد عثمانی میں بھی بقیع کی چراگاہ میں چالیس ہزار سرکاری اونٹ چرتے تھے، حضرت عثمان نے اس چراگاہ سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا، اس سلسلہ میں انھوں نے حسب ذیل الفاظ میں مجمع عام میں غلط فہمی رفع کی کہ:

> "لوگ کہتے ہیں کہ تونے مخصوص چراگاہ بنائی ہے، حالانکہ خدا کی قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو پہلے سے مخصوص تھی..... اس وقت میرے پاس دو اونٹوں کے سوا اور کوئی مویشی نہیں، حالانکہ جس وقت میں نے خلافت کا بار گراں اپنے سر لیا تھا، اس وقت میں عرب میں سب سے

زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں، صرف حج کے لئے دو اونٹ رہ گئے ہیں۔"

مصحف عثمانی کی اشاعت | الزامات کی یہ آخری حلقہ ہے کہ عہد عثمانی کا دینی حیثیت سے جو سب سے اہم کارنامہ بن کر سامنے آیا، وہ بھی بلوائیوں کی زبان پر الزام کی شکل میں لایا گیا، کہ انھوں نے زید بن ثابت کے مصحف کے علاوہ قرآن مجید کے تمام دوسرے نسخے ضائع کر دیئے۔ حضرت عثمان نے اس کے جواب میں فرمایا کہ انھوں نے خود مصحف کے کسی نسخہ کو مرتب نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت ابوبکر نے اپنے زمانہ میں زید بن ثابت کے نسخے سے جو نسخہ مرتب کیا تھا، اسی کی نقلیں اسلامی ملکوں میں بھیج دی ہیں، تاکہ پوری اُمت افتراق سے محفوظ اور ایک قرآن پر متحد رہے، پھر صحابہ کو مخاطب کرکے پوچھا، کہ:

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس مصحف کو میں نے تیار نہیں کیا، میں نے نقل نہیں کیا، بلکہ معتبر و معتمد صحابہ نے اس کو نقل کیا، میرا کام صرف اس قدر رہا کہ ان کے نقل کئے ہوئے قرآن مجید کے نسخوں کو دیار و امصار میں بھجوا دیا اور دوسرے مصاحف کی، جو الگ نقلیں تھیں، ان کی اشاعت روک دی۔"

صحابہ نے مجمع عام میں، اس کی تصدیق کی، حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت عثمان کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارِ احسان سے اُمتِ محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

حدود کے اجراء میں تغافل | حضرت عثمان پر حدود کے اجراء میں تغافل برتنے کا الزام بھی لگایا گیا۔ اس سلسلہ میں ہرمزان کے واقعہ قتل کو بیان کیا جاتا تھا جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن موقع مصلحت اور شرعی لحاظ سے اس سلسلہ میں اس سے بہتر فیصلہ جو انھوں نے کیا تھا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس وقت صحابہ کرام کی جماعت موجود تھی جس نے اس کی تحسین کی تھی اور کوئی آواز مخالفت میں نہیں اٹھی تھی۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں دوسرا الزام ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کی حد جاری کرنے میں تاخیر سے کام لینے کو بیان کیا جاتا تھا، یہ واقعہ بھی پوری تفصیل سے اوپر گذر چکا ہے اس کا امکان بھی موجود تھا کہ ولید پر یہ الزام سازش سے لگایا گیا ہو، اس کے باوجود اس کو فوراً معزول کیا گیا، لیکن شرعی حد اس وقت تک جاری نہیں کی جا سکتی تھی جب تک شرعی شہادت نہ گذر جاتی۔ الزام لگانے والے مخالفین نے شرعی شہادت کے گذارنے میں تاخیر کی، اس لئے حد کے اجراء میں بھی تاخیر عمل میں آئی۔

منیٰ میں خلاف سنت چار رکعتیں نماز پڑھنا ایک شرعی الزام یہ بھی تھا کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں قصر کی دو رکعتیں پڑھنے کی بجائے خلاف سنت چار رکعتیں نماز پڑھیں، اس کے جواب میں حضرت عثمان نے ارشاد فرمایا:

"صاحبو! جب میں مکہ پہنچا، تو وہاں اقامت کی نیت کر لی تھی، میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں اقامت کی نیت کر لے، اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔"

پھر صحابہ کو مخاطب کر کے پوچھا "کیا یہ صحیح نہیں ہے؟" مہاجرین و انصار نے کہا "صحیح ہے۔" اسی طرح اوپر کے ہر الزام کا جواب دے کر مجمع سے تصدیق چاہی اور ہر موقع پر مہاجرین و انصار صحابہ کرام نے اثبات میں جوابات دیئے۔

رائے عامہ کی تائید حضرت عثمان کے حق میں جب حضرت عثمان کی تقریر ختم ہوئی اور ہر الزام کے جواب کی صحت کی تصدیق صحابہ کرام نے مجمع عام میں بلند آواز سے کی تو رائے عامہ پورے طور پر تیار ہو گئی کہ سارے الزامات بے بنیاد ہیں، کچھ غلط فہمی میں مشہور ہو گئے اور بیشتر کذب و افترا، اور بہتان پر مبنی ہیں۔ مجمع میں حضرت عثمان کے جوابوں اور رائے عامہ کی تائید کو دیکھ کر مفسدین اور باغیوں کے ہوش اڑ گئے۔ وہ اپنی جگہ مبہوت دم بخود بیٹھے رہے کسی میں یہ جرأت نہ ہو سکی کہ ان میں سے کوئی ایک کسی ایک ہی الزام

Marfat.com

کی صحت پر اصرار کرتا یا حضرت عثمان کے کسی جواب پر کسی رُخ سے اپنی بے اطمینانی ظاہر کر سکتا۔ بالآخر جلسہ برخاست ہوا اور مجمع منتشر ہو گیا۔

حضرت علی کے توسّط سے باغیوں کو افہام و تفہیم

اس کے بعد حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلا کر کہا کہ وہ ان بلوائیوں کے پاس جائیں اور انھیں سمجھا بجھا کر واپس کریں، کہ ان کے جائز مطالبات تسلیم کئے جاتے ہیں، وہ امن و سکون سے اپنے وطن واپس لوٹ جائیں اور دار الخلافت کے آئندہ اقدامات و طریق کار کے معلوم کرنے کا انتظار کریں۔

باغیوں کی وقتی واپسی

حضرت علی کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی، انھیں سمجھا بجھا کر مدینہ سے واپس جانے پر آمادہ کیا اور وہ لوگ مدینہ سے رخصت ہو گئے۔

اصلاحات کی چند تجویزوں کا اعلان

اس کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مشورہ سے جمعہ کے دن مسلمانوں کے مجمع میں ایک مؤثر تقریر کی جس میں اصلاح کے لئے اپنی نئی تجویزوں کو عمل میں لانے کا اعلان کیا، جس میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ بنو اُمیہ کے جو افراد مختلف مقاموں پر جن ممتاز اور اہم عہدوں پر فائز ہیں، ان میں ردّ و بدل کیا جائے گا اور ایسے اقدامات کئے جائیں گے، کہ کسی کو کسی شکایت کا موقع باقی نہ رہے، یہ تقریر ایسی اثر انگیز تھی کہ لوگوں کے آنسو جاری ہو گئے اور ایک عام اُمید بندھ گئی کہ ایک طرف بنو اُمیہ کے غلبۂ و استیلاء کا خاتمہ ہوگا اور دوسری طرف فتنۂ و فساد اور سازشوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور ممالک محروسہ میں امن و امان کی فضا پیدا ہو جائے گی۔

مدینہ پر باغیوں کی دوبارہ یورش

لیکن ابھی اس غنچۂ امید کے کھلنے کا موقع نہ آیا تھا، کہ اچانک اُمنڈ تا ہوا طوفان مدینہ کے اُفق پر پھر آیا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ بلوائیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے مدینہ کی گلیوں میں ایک شور برپا ہوا۔ اہلِ مدینہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے، اور دیکھا کہ بلوائیوں کی جماعت دوبارہ آگئی ہے اور "انتقام" "انتقام" کی صدا دے رہی

Marfat.com

سے ایک شورِ قیامت برپا ہے۔

حضرت علیؓ نے محمد بن مسلم کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا، پھر خود ان کے ساتھ ان سے ملنے گئے۔ باغیوں نے کہا ہم کو راہ میں دربارِ خلافت کا ایک قاصد مصر کی جانب تیزی سے جاتے ہوئے دکھائی دیا، اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی ہوئی۔ پکڑ کر تلاشی لی تو اس کے قبضہ سے حضرت عثمان کا ایک فرمان والیٔ مصر کے نام برآمد ہوا، جس میں ہم لوگوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم ہے۔ ایک طرف تو آپ نے ہم لوگوں کو اصلاحات کا اطمینان دلاکر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، ہم اس بدعہدی اور فریب کا انتقام لینے کیلئے لوٹ آئے ہیں۔ حضرت علی نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے اور محمد بن مسلم کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس جاکر اس کی حقیقت دریافت کی۔ انھوں نے اس سے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، کہ نہ ایسا حکم میں نے لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم ہے۔" حضرت علی نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی، لیکن میں اب آئندہ کسی معاملہ میں نہیں پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت گزیں ہوگئے۔ حضرت عثمان کی صداقت پر باغیوں کو بھی اعتماد تھا، ان کے انکار کرنے کے بعد لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے لیکن اب ان لوگوں نے اس کو بھی اپنے استدلال میں پیش کرنا شروع کیا کہ "جس شخص کی طرف سے ایسے فرامین لکھے جائیں، ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور دربارِ خلافت کا قاصد اسے لے کر جائے اور خلیفہ کو اس کی مطلق خبر تک نہ ہوسکے تو ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا اسلئے اب بہر صورت ان کو خلافت سے دستبردار ہو جانا ہے۔" حضرت عثمان تک یہ بات پہنچائی گئی تو انھوں نے فرمایا "خدا نے جو خلعت مجھے پہنائی ہے اُسے میں اپنے ہاتھ سے نہ اُتاروں گا، البتہ جو کچھ ہوچکا، اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہوں" لیکن باغی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انھوں نے کہا "اگر تم خلافت سے دستبردار نہیں ہوئے تو ہم تم کو قتل کر ڈالیں گے اور جو شخص مزاحم ہوگا، اس کا مقابلہ کریں گے"۔ حضرت عثمان نے فرمایا:

"میں سر دے دوں گا، لیکن خدا کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا۔ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں، میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا، جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا، اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔"

اب باغی پہلے سے زیادہ جری اور بے باک تھے، انھیں حضرت عثمان کے آئندہ ارادوں کا حال بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جنگ و خوں ریزی کی اجازت کسی حال میں نہیں دیں گے لیکن وقتی طور پر حضرت علی باغیوں کو یہاں پر سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے، اور اس دن کوئی بات آگے نہ بڑھ سکی۔

جانشین کی تلاش اب باغی پختہ عزم کر چکے تھے کہ وہ مسند خلافت کو ہر حال میں حضرت عثمان سے خالی کرائیں گے، اس لئے انھوں نے جانشین متعین کرنے کی سعی شروع کی۔ سب سے پہلے وہ حضرت علی کے پاس آئے، وہ پہلے ہی انکار کر چکے تھے۔ اس موقع پر بھی شدت سے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کیا اور باغیوں کو سمجھانا شروع کیا۔ ان سے مایوس ہو کر وہ حضرت طلحہ پھر حضرت زبیر کے پاس آئے، ان دونوں نے بھی کسی حال میں آمادگی ظاہر نہیں کی اور تینوں بزرگوں نے اس آگ کو بجھا کر بلوائیوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا، مگر کسی نے ان میں سے کسی کی کوئی بات نہیں سنی۔

کاشانۂ خلافت کا محاصرہ جب باغی کسی کو جانشین بننے پر آمادہ نہ کر سکے تو انھوں نے اپنی حکمت عملی بدلی اور پہلے منصب خلافت کی مسند کو خالی کرا لینے کا فیصلہ کیا، اب ان کے سروں پر خون سوار ہو چکا تھا۔ آگے بڑھ کر پوری طاقت و شدت سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور قصر عثمانی کا رابطہ بیرون قصر سے بالکل منقطع ہو گیا۔ محاصرہ کی شدت کا عالم

ایک[۱] روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی نے کوفہ اور بصرہ والوں سے فرمایا کہ تمہارا راستہ مصر والوں (باقی ...

Marfat.com

یہ تھا کہ اندر پانی تک پہنچانا ممکن نہ تھا۔ ام المومنین حضرت اُمّ حبیبہ خود اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر آئیں، مگر شقیوں نے حرم نبوی تک کا ادب واحترام نہ کیا۔ وہ دروازہ تک آئیں مگر باغیوں نے بے ادبی کے ساتھ ان کی شان میں نا ملائم باتیں کہیں۔ ان کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا۔ چند آدمی انھیں بہ مشکل واپس لے گئے۔ ہمسایہ کے گھروں سے بالا بالا چھت کے ذریعے کچھ سامانِ رسد پہنچ سکا جو سدِ رمق کے کام آتا رہا۔

رفتہ رفتہ مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی۔ باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا۔ مفسدوں کی خیرہ سری اتنی بڑھی کہ ممتاز صحابہ کرام حضرت سعد بن وقاص، زید بن ثابت، عبداللہ بن

(حاشیہ ص۴۶۸ کا بقیہ) کے راستہ سے الگ ہے۔ تین منزل پہنچنے کے بعد تمھیں اس فرمان کا علم کیسے ہوا کہ لوٹ آئے، یہ تو پہلے سے مرتب سازش معلوم ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا جو چاہیں آپ خیال کریں۔ اب ہمیں اس خلیفہ کی ضرورت نہیں، اس کا خون بہانا حلال ہے، آپ ہمارا ساتھ دیں۔ حضرت علی نے فرمایا، میں کبھی تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ بعض لوگوں نے کہا، پھر آپ نے ہمیں لکھا کیوں؟ حضرت علی نے فرمایا، میں نے کبھی کسی کو اس سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا، یہ سُن کر وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ حضرت علی نے بہت کچھ سمجھانا چاہا، مگر ان لوگوں نے اس فرمان کی آڑ لے کر کچھ نہیں سُنا۔

مگر اس روایت کی تفصیلات درایۃً صحیح نہیں معلوم ہوتیں، اوّلاً اگر مصر والوں نے سرکاری قاصد کو پکڑ کر واپسی کا ارادہ کیا تو وہ آسانی سے ایک تیز رَو قاصد کو دوڑا کر بصرہ و کوفہ والوں کو بلا سکتے تھے، پھر حضرت علی کے خط لکھنے کی بات اگر ہوتی تو وہ اس موقع پر نہیں آسکتی تھی، وہ اپنی پہلی آمد کے موقع پر اس کو حضرت علی سے کہتے، نہ کہ اس وقت، جبکہ اثنائے راہ سے قافلے لوٹے تھے، پھر حضرت عثمان کے خون کے حلال ہونے کا ذکر بھی اس موقع پر لایا جانا، تاریخ کی دوسری روایتوں کے خلاف ہے۔ باغیوں نے اس کا فیصلہ محاصرہ کے ۲۲ دنوں کے بعد کیا ہے۔ ان کی پہلی کوشش یہی رہی، کہ حضرت عثمان منصب خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

Marfat.com

سلام اور حضرت ابوہریرہ وغیرہ کی شان میں گستاخیاں اور توہین کی گئی، حضرت علی کا جب تک بس چل سکا، وہ باغیوں کو سمجھاتے رہے، آخر میں وہ بھی مجبور ہو کر عملاً عزلت گزین ہو گئے، جب حضرت عثمان نے اپنے یہاں ان کو بلا بھیجا تو وہ اس کی تعمیل میں اپنے گھر سے قصر عثمانی تک آئے، لیکن لوگوں نے اندر جانے سے زبردستی ان کو بھی روک دیا۔ انھوں نے اپنا سیاہ عمامہ اُتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا "جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو" یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے، حضرت عائشہ حج کے لئے روانہ ہو گئیں۔ بہت سے لوگوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، لیکن حضرت علی، طلحہ و زبیر مدینہ میں موجود اور پُر آشوب حالات پر قابو پانے کی ناکام کوششوں میں مصروف رہے، پھر حضرت علی عملاً اپنے گھر کے اندر نظر بند کر دیئے گئے، ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ ہو سکا کہ وہ فتنوں سے بچنے کے لئے مدینہ سے کہیں باہر چلے جائیں،[1] پھر بھی ایک جماعت سربکف حضرت عثمان کی حفاظت میں سینہ سپر ہوئی، لیکن حضرت عثمان نے سب کو بہ اصرار واپس کیا۔ ناچار حضرت علی، زبیر، و طلحہ رضی اللہ عنہم نے اپنے جگر گوشوں کو کاشانۂ خلافت پر سینہ سپر رہنے کی ہدایت کی، چنانچہ چند نوجوان حضرت امام حسن و حسین، ابن عباس، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ کاشانۂ خلافت سے جدا نہ ہوئے اور حضرت امام حسن صدر دروازہ پر تعینات رہے کہ کوئی انھیں گزند پہنچا ہی کر اندر داخل ہو سکتا تھا۔

اتمام حجت کیلئے تقریریں محاصرہ کی یہ حالت قائم رہی۔ حضرت عثمان نے اس حالت میں بھی باغیوں کو سمجھانے اور در اصل اتمام حجت کرنے کی بار بار کوشش کی اور فرمایا کہ اگر تم نے

[1] جب حضرت حسن نے اس زمانہ میں جبکہ مخالفین حضرت علی سے قصاص عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے، حضرت علی سے فرمایا کہ اگر آپ اس زمانہ میں مدینہ سے باہر چلے جاتے تو مخالفین کو اس کا موقع ہاتھ نہ آتا، تو حضرت علی نے جواب میں ان سے فرمایا کہ

"تمھیں کیا معلوم کہ میں اس زمانہ میں آزاد تھا یا مقید"

Marfat.com

مجھے قتل کر ڈالا تو فتنہ کا جو دروازہ کھل جائے گا، وہ اسلام کے لئے پھر کبھی بند نہ ہوگا۔ یہ تقریریں انھوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ بالاخانہ پر چڑھ کر باغیوں کے سامنے آکر کہیں، لیکن باغیوں کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا، انھوں نے مجمع کو مخاطب کرکے پوچھا:

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمھارا والی اور مسلمان بھائی ہوں۔ خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا، میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی، لیکن بہرحال انسان ہوں، اصابتِ رائے کے ساتھ لغزشیں بھی سرزد ہوئیں۔ یاد رکھو! بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے نہ ایک ساتھ جہاد کر سکو گے"

ایک دوسری تقریر میں انھوں نے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا:

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ نے فرمایا کہ اس زمین کے قطعہ کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ اس وقت میں نے ہی اس ارشاد کی تعمیل کی اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا۔ آج تم اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے مجھے روکتے ہو!

میں خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں موجود نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے اور اس کے صلہ میں جنت لیتا ہے، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا، اور آج تم مجھے اسی کنویں کے پانی سے روکتے ہو؟"

Marfat.com

پھر اسی طرح انھوں نے جیش عسرت کے لئے سامان مہیا کرنے کا ذکر کیا اور لوگوں نے اس کی تصدیق کی، اور ایک دوسری تقریر میں بیعت رضوان کے واقعہ کا تذکرہ کیا، اور لوگوں نے کہا "ہاں سچ ہے"۔

امیر حج کا تقرر، باغیوں کو مکہ میں خبر کے پھیلنے کا اندیشہ اور حضرت عثمان کو جلد قتل کرنے کا فیصلہ

باغیوں پر ان تقریروں کا کوئی اثر نہیں ہوا، اب حج کا زمانہ قریب آچکا تھا حضرت عثمان کے لئے محاصرہ سے نکل کر حج کے لئے جانا ممکن نہ تھا، اس لئے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو امیر حج مقرر کیا اور اپنی پوری کیفیت قلمبند کر کے ان کے حوالہ کی کہ مکہ میں مسلمانوں کو سنادی جائے۔ اُدھر باغیوں نے یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند دنوں میں ختم ہوتا ہے، ایک دوسرے شخص کو امیر حج بنا کر بھیجا جا چکا ہے، لوگ مدینہ کی خبر سُن کر حج ختم ہوتے ہی ادھر ٹوٹ پڑیں گے، اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لئے قتل کے منصوبہ کو اب جلد سے جلد پورا کر لینا چاہیئے۔

حضرت عثمان کی آخری تقریر

حضرت عثمان نے باغیوں کی یہ گفتگو اپنے مکان کے اندر سے خود اپنے کانوں سے سُنی، اب ان کا آخری منصوبہ پوری طرح معلوم ہو چکا تھا لیکن وہ طے کئے تھے کہ جان دے دیں گے قطرۂ خون نہ بہائیں گے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں باغیوں کو پھر مخاطب کرنے کے لئے بالاخانہ پر چڑھے اور باغیوں سے آخری مرتبہ فرمایا:

> "لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ صرف تین صورتوں میں کسی مسلمان کا خون بہانا جائز ہے، یا تو بدکاری کی ہو یا کسی کو ناحق قتل کیا ہو یا وہ مرتد ہو گیا ہو۔ خدا کی قسم میں نے نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں بدکاری کی۔ نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا۔ میں اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں"

لیکن باغیوں پر یہ آخری تقریر بھی کوئی اثر نہ کر سکی۔

Marfat.com

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کیلئے اجازت طلبی حضرت عثمان کا انکار

درحقیقت یہ مٹھی بھر باغی تھے جو مصر، کوفہ اور بصرہ سے آئے ہوئے تھے، مدینہ میں اہلِ سیف کی کمی نہیں تھی۔ خود کاشانۂ خلافت کے اندر سات سو جوان موجود تھے، جن کے امیر نامی فاتح افریقیہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے، لیکن اسلامی قانون کے مطابق اسلامی جمعیت کی تلوار اسی وقت بے نیام ہوسکتی ہے جب امامِ وقت اس کی اجازت و حکم دے دے، تنہا یہ جمعیت باغیوں سے نپٹ سکتی تھی، اور اس کے لئے بیتاب تھی۔ عبداللہ بن زبیر خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم لوگوں کی خاصی تعداد قصر کے اندر موجود ہے اجازت دی جائے کہ نکل کر جانبازی کے جوہر دکھائیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا "خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لئے خون ریزی نہ کی جائے"۔

اسی طرح دوسرے ہوا خواہانِ اُمت نے حاضر ہوکر جان نثاری کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابت انصار کی جماعت لے کر آئے اور عرض کیا "انصار دروازہ پر حاضر ہیں اور اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں"۔ حضرت عثمان نے فرمایا "اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا، اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اُٹھائے"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا کہ "آپ امامِ اُمت ہیں اور اس حال میں مبتلا ہیں، تین صورتیں ہیں ان میں سے کسی ایک کو قبول کیجیے، آپ کے جان نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلیے اور باغیوں کا مقابلہ کرکے ان کو نکال دیجیے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو جس پر باغیوں کا ہجوم ہے، چھوڑ کر ہم آپ کے لئے عقب سے دروازہ توڑ دیتے ہیں، اس محاصرہ سے نکلیے اور سواری پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جایئے۔ وہاں حرم میں یہ لوگ جنگ نہیں کریں گے، یا پھر شام چلے جایئے، وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور وہاں معاویہ موجود ہیں"۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ "میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا، جس کے ہاتھوں آپ کی اُمت کی خوں ریزی کا آغاز ہو اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو یہ خیرہ سر وہاں بھی خون ریزی سے باز نہ آئیں گے اور بیت اللہ کی حرمت

Marfat.com

ٹوٹے گی اور توہین ہوگی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا جو مکہ جاکر اس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا، اور شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں موجود ہیں لیکن دار الہجرۃ اور جوارِ رسول کو نہیں چھوڑ سکتا "۔

شہادت

شہادت کی تیاری اب محاصرہ کی مدت ایک مہینہ سے زیادہ گذر چکی تھی، حاجیوں کی واپسی کا زمانہ بھی قریب آگیا تھا۔ امام امت کے محصور کئے جانے کی خبر دیار و امصار میں پہنچ رہی تھی، بعض مقاموں کے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لئے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمان کی شمع حیات کو بجھا دینے کا فیصلہ کیا، دوسری طرف حضرت عثمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اپنی شہادت کا یقین تھا۔ باغیوں سے وہ اتمام حجت کر چکے تھے، ان کے فیصلہ سے بھی باخبر تھے، جان نثاروں سے فرما چکے تھے کہ ان کی سب سے بڑی مدد یہی ہے کہ ان کے لئے تلوار نہ نکالی جائے، اس لئے صبر واستقامت کے ساتھ جام شہادت نوش کرنے کے لئے تیار و ہمہ تن انتظار تھے، چنانچہ شہادت کی تیاری شروع کر دی، سب سے پہلے اپنے بیس ۲۰ غلاموں کو آزاد کیا، جمعہ کا دن تھا، روزہ سے تھے، آنکھ لگ گئی، خواب میں دیکھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں "عثمان! جلدی کرو، تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں"۔ بیدار ہوئے تو لوگوں سے خواب بیان کیا اور اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا "میری شہادت کا وقت آگیا، باغی جلد ہی مجھے قتل کر ڈالیں گے" پھر ایک پائجامہ، اور پائجامہ آج تک کبھی پہلے نہیں پہنا تھا، منگا کر زیب تن کیا بعض غلام جو رہ گئے تھے، انہیں بھی بلا کر آزاد کیا۔ اس وقت عصر کا وقت تھا، نماز پڑھ کر قرآن مجید کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

حملہ اور شہادت ادھر باغیوں نے حملہ کی تیاری کی، قصر خلافت کے صدر پھاٹک پر حضرت امام حسن، عبداللہ بن زبیر، محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے متعین تھے، باغیوں نے

Marfat.com

گھسنے کی کوشش کی، ان صحابہ زادوں نے راہ روکی، حضرت امام حسینؓ زخمی ہو گئے، مگر باغیوں کے اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نہیں نکل سکی، تو پھاٹک میں آگ لگادی اور چند شقی پڑوس کے مکان سے دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے، حضرت عثمانؓ کو تلاوت میں مصروف دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑی، پھر حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر نے جنھیں حضرت عثمانؓ سے شدید عداوت تھی، پیش قدمی کی اور ریش مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا "بھتیجے! اگر تمھارے والد زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا"، یہ سن کر وہ محجوب ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

یہ دیکھ کر دوسرا شقی غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا، قرآن پاک کو ٹھکرایا اور چہرے سے وار کیا، پھر ایک اور شقی کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے اور زبانِ مبارک سے "بسم اللہ توکلت علی اللہ" نکلا، سودان بن حمران مرادی نے ایک دوسری ضرب لگائی، جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا جس کی وجہ سے کلام اللہ کا کھلا ہوا ورق خون ناب ہوا، جو آج بھی موجود ہے اور ان شقیوں کی شقاوت اور شہید کی مظلومی کا گواہ ہے، اس کے بعد ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل وار کئے جن سے نیزے کے نو زخم لگے، زوجہ محترمہ حضرت نائلہ سے نہ دیکھا گیا تو بے تابانہ بچانے کے لئے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، پھر سودان بن حمران نے لپک کر تلوار کا وار کیا اور گردن مبارک جسم اطہر سے جدا ہوئی اور ذوالنورین کی شمع حیات بجھ گئی۔ شہادت کے وقت یہ آیت تلاوت میں تھی، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

تجہیز و تکفین | شہادت کا یہ حادثہ جمعہ کے دن، عصر کے وقت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو پیش آیا۔ محاصرین نے چالیس دن محاصرہ جاری رکھا اور واقعۂ شہادت سے بائیس دن پہلے وہ قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، اب مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہیں پڑی، لاش مبارک دو دن تک بے گور و کفن پڑی رہی

Marfat.com

سینچر کی شام کو جان بحق تسلیم کر چکے۔ آدمیوں نے تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور اسی خون آلود پیرہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا حضرت زبیر بن عوام یا حضرت جبیر بن مطعم نے نماز پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرماں رواؤں (صرف سترہ آدمیوں) کی مختصر جماعت نے باغیوں کے خوف سے جنت البقیع کے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور قبر کا نشان چھپایا یہ مقام پھر جنت البقیع کی دیوار کو توڑ کر اس میں داخل کر لیا گیا۔ بقیع کے سب سے آخر میں یہ مزار مبارک اب بھی موجود ہے۔

واقعہ شہادت پر صحابہ کے تاثرات حضرت عثمان کی شہادت عظمیٰ کے حادثہ کے پیش آجانے سے ہر مسلمان دم بخود، صحابہ مضطرب و بے قرار اور مخالفین و معاندین بھی نادم و پشیمان تھے۔ لوگوں کو یقین نہ تھا کہ باغی اس حد تک کر گذریں گے۔ جس نے یہ خبر سُنی بے تاب ہو گیا۔ حضرت علی مسجد سے نکل کر حضرت عثمان کے گھر کی طرف آرہے تھے، راہ میں شہادت کی خبر سُنی تو بیتاب ہو گئے۔ انھیں وہم بھی نہ تھا کہ شہادت تک نوبت پہنچ جائے گی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حقوق طلبی کا مظاہرہ کسی نہ کسی شکل میں طے ہو جائے گا۔ بیتابانہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "خداوندا میں عثمان کے خون سے بَری ہوں" حضرت سعد بن وقاص نے شہادت کی خبر سُنی تو وہ بے تابی سے قصر عثمانی تک آئے۔ جذبۂ غضب میں حضرت امام حسن و حسین کو مارا، محمد بن طلحہ و عبداللہ بن زبیر کو بُرا بھلا کہا۔ کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا "اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی، تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے" حضرت سعید بن زید نے فرمایا "لوگو! اگر کوہ اُحد تمھاری اس بداعمالی پر پھٹ کر گر پڑے، تو بجا ہے" حضرت زید کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ حضرت ابوہریرہ دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا "عثمان دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک و صاف گئے" عمار بن یاسر مخالفین میں تھے، حادثہ کی خبر سُنی تو حضرت عثمان کے مخالفین سے کہا "ہم لوگوں نے ابن عفان کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ ہم راضی تھے، تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کر دیا" عبداللہ بن حکیم

Marfat.com

ہمیشہ حضرت عثمان کی برائیاں کرتا رہا، شہادت کے بعد تاعمر نادم و شرمسار رہا۔

شہادت عثمانی کے نتائج حضرت عثمان کی شہادت، تنہا ان کی شہادت کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی برہمی کا حادثہ تھا حضرت حذیفہ بن یمان نے فرمایا "عثمان کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہوگیا جسے پہاڑ بھی بند نہیں کرسکتا" وحدت اسلامی کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ مسلمان شیعہ، سُنّی، خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے، اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی، وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی، اور جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا، اس کا خاتمہ آج تک نہ ہوسکا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے حادثۂ شہادت کی خبر سن کر فرمایا تھا" آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا" حضرت ثمامہ بن عدی نے فرمایا" افسوس رسول اللہ کی جانشینی جاتی رہی، اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا۔"

چنانچہ حضرت عثمان کا خون سے رنگین کرتا اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتا مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لٹکائی گئیں تو ماتم اور "انتقام" کی صداؤں سے ایک شورِ قیامت برپا ہوگیا۔

فضل و کمال، اخلاق و عادات، ازواج و اولاد

علم و فضل و کمال حضرت عثمان کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، عہدِ جاہلیت میں اپنے تجارتی کاموں میں اس سے کام لیتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد کتابت وحی کی جلیل القدر خدمت انھیں تفویض ہوئی، عہد عثمانی کے ان کے جو فرامین و خطوط محفوظ ہیں، ان سے ان کے بلند پایہ اسلوب تحریر اور کلام میں فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے، خطابت سے طبیعت کو زیادہ مناسبت نہ تھی، شاید طبیعت میں شرم و حیا کے غلبہ کی وجہ سے خطابت میں بانکپن نہ آیا خلافت کا پہلا خطبہ دینے کھڑے ہوئے، تو زبان نے جیسا کہ اوپر گذرا، یاوری نہ کی، چند کلمات کہہ کر منبر سے اتر گئے۔ بایں ہمہ تقریر گو مختصر ہوتی تھی مگر وہ فصیح و مؤثر ہوتی تھی۔

Marfat.com

قرآن مجید سے والہانہ عشق تھا، حافظِ قرآن تھے، زیادہ وقت تلاوت میں گذارتے شہادت کے وقت بھی جب قاتل شمشیر بکف سامنے تھے، قرآن مجید کی تلاوت جاری تھی، آیات کی شانِ نزول پر عبور حاصل تھا، احادیث کی روایت میں احتیاط برتتے تھے۔ ان سے کل ۱۴۶ مرفوع حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے تین بخاری و مسلم دونوں میں، آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔ فقہ و اجتہاد میں گو ان کا پایہ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت علی کی مانند نہ تھا تاہم شرعی مسائل میں ان کے اجتہاد اور فیصلے کتب آثار میں موجود ہیں بعض اجتہادی مسائل میں، مجتہد جماعت صحابہ میں امتیاز حاصل تھا۔ عہدِ صدیقی و فاروقی میں وراثت کے مسائل و معاملات و تنازعات حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت کے پاس بھیجے جاتے تھے، عہدِ صحابہ میں یہی دونوں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ بعض لوگ کہتے کہ ان دونوں کے اٹھ جانے کے بعد علم فرائض جاتا رہے گا۔

اخلاق و عادات و طرز بود و ماند حضرت عثمان حسن صورت و سیرت و اخلاق حسنہ کے پیکر تھے اور طبعاً عفیف، پارسا، دیانتدار، راست باز تھے۔ شرم و حیا اور نرمی و رحمدلی ان کی خاص شان تھی، ایامِ جاہلیت میں بھی پاکباز زندگی گذاری۔ کذب و افتراء، فسق و فجور، لہو و لعب، مے نوشی و قمار بازی سے کنارہ کش رہے۔ متانت و سنجیدگی، وقار و تمکنت، تواضع و خاکساری، قناعت و سیر چشمی، فیاضی و ایثار، صبر و تحمل، اعزہ و احباب کے ساتھ حسن سلوک و مدارات ان کے اوصاف خاص تھے، طبیعت میں نفاست و پاکیزگی تھی، اچھے بیش قیمت کپڑے پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے، رقیق القلب تھے، خشیتِ الٰہی کا دل پر غلبہ رہتا تھا۔ مقبروں سے گذرتے تو اس قدر رقت طاری ہوتی کہ داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ جذبۂ حبِّ رسول سے سرشار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی سے بے قرار رہتے اور وہ اکثر آپ کی خدمت میں ہدیے و تحائف بھیجا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا یہ حال تھا، کہ جس ہاتھ سے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، اس کو محض نجاست سے کبھی مس نہیں

Marfat.com

ہونے دیا۔ آپ کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات کا کمال اتباع کرتے تھے، طبیعت میں زہد و ورع تھا، عبادت و ریاضت کا یہ عالم کہ دن کے اوقات تو امورِ خلافت کی نذر ہوتے، رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، دوسرے تیسرے دن روزہ رکھتے، کبھی مہینوں روزہ رکھتے رہتے تھے، حج کے لئے ہر سال تشریف لے جاتے اور امیرِ حج کے فرائض خود انجام دیتے تھے۔

حضرت عثمان عہدِ جاہلیت سے صاحبِ ثروت تھے، لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا، اسلام لانے کے بعد ان کی دولت و ثروت کا بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے صرف ہوتا رہا۔ وہ اپنے زمانہ میں عرب کے دولتمند ترین شخص تھے، ہر دور میں ہزاروں بیکسوں اور محتاجوں کی مدد کرتے رہے، ناز و نعم میں پرورش پانے کی وجہ سے اگرچہ خوش پوشاک و خوش غذا تھے، لیکن زیب و زینت اور آرائش سے اجتناب کرتے تھے، رومی وضع کے اچھے کپڑے جو عرب میں اربابِ ثروت کا لباس تھا، ان کے استعمال سے پرہیز رکھتے تھے اور کبھی کل چار یا پانچ درہم کی تہمد پہن کر مسجد میں آتے تھے، اپنے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی کے قریب ایک محل بنوایا تھا جو مدینہ کی تمام عمارتوں میں سب سے ممتاز تھا۔ آج کل "کتب خانہ سیّدنا عثمان" اسی احاطہ میں ہے۔ ایک مکان کے دروازہ پر "مشہد سیّدنا عثمان" کا کتبہ بھی ہے، ذریعۂ معاش تجارت و زراعت تھا، اپنے کھیتوں کی کاشتکاری بٹائی پر بھی کراتے تھے، دو تہائی کاشتکار کو اور ایک تہائی خود لیتے تھے۔

ازواج و اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ان کے عقد میں آئیں پہلے حضرت رقیہ سے شادی ہوئی، ۲ھ/۶۲۳ء میں انہوں نے وفات پائی تو پھر ۳ھ/۶۲۴ء میں آپ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم سے ان کا نکاح ہوا اور ۹ھ/۶۳۰ء میں انہوں نے وفات پائی، حضرت رقیہ سے ایک بچہ تولد ہوا تھا، بچپن ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ محبوب تھے، آپ نے فرمایا "اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ بیاہتا جاتا" ان دونوں ازواج کے علاوہ چھ عورتیں ان کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ وہ

Marfat.com

اوران کے بطن کی اولادیں حسب ذیل ہیں :

۱۔ فاختہ بنت غزوال — ان کے بطن سے ایک بچہ عبداللہ تولد ہوا، وہ بچپن میں فوت کر گیا۔

۲۔ ام عمرو بنت جندب — ان سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم تولد ہوئے۔

۳۔ فاطمہ بنت ولید — ان سے دو صاحبزادے ولید اور سعید پیدا ہوئے۔

۴۔ ام البنین بنت عیینہ — ان سے عبدالملک مولود ہوئے، بچپن میں وفات پائی۔

۵۔ رملہ بنت شیبہ — ان کے بطن سے عائشہ، ام ابان اور ام عمرو تولد ہوئیں۔

۶۔ نائلہ بنت فرافصہ — ان سے ایک لڑکی مریم ہوئی۔

ان میں سے حضرت نائلہ شہادت کے وقت موجود تھیں۔ حضرت عثمان کی اولادیں سے ابان بن عثمان نے عہد اموی میں امتیاز حاصل کیا۔

عہدِ عثمان پر ایک نظر اور اس دور کی مدنیت

حضرت عثمان کا زمانۂ خلافت ماہ محرم ۲۴ھ / ۶۴۵ء سے ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ / ۶۵۶ء تک چند دن کم بارہ سال قائم رہا۔ اس عہد کے آغاز میں ممالک محروسہ میں بغاوتوں کا زور رہا اور آخر دور داخلی فتنہ و فساد، سازش اور ان کے مہلک نتائج کی نذر ہو گیا، ان دونوں کے درمیان جس زمانہ میں سکون و اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع ملا، وہ عہد عثمانی کا درخشاں دور ہے۔ حضرت عمر فاروق کے حسنِ تدبیر و قوتِ عمل سے روم و ایران کی دولت و مملکت فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی تھی، دولت کیانی مٹ چکی تھی، پورا ایران مسخر ہو چکا تھا، شام و مصر کے رومی مقبوضات پر اسلامی پرچم لہرا چکا تھا، لیکن ان کی آنکھوں کے بند ہوتے ہی مفتوح قوموں نے انگڑائی لی، بغاوت کی شورشیں اٹھیں اور اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات و سلطنت کی بازیافت کے منصوبے بنائے، لیکن حضرت عثمان کے حسن تدبر سے تمام بغاوتیں فرو ہوئیں اور اپنی اور عمال کی نرم و کریم حکمتِ عملی سے مفتوحوں کے دل جیت لئے۔ مفتوحین میں ایک بڑا طبقہ حلقۂ اسلام میں بھی داخل ہوا، اور جو اپنے دین و مذہب پر قائم رہے، وہ بھی سچائی سے اسلامی مملکت کے وفادار بن گئے۔

Marfat.com

طرح عہد فاروقی کی پُرعظمت وسطوت سلطنت کا نظام عہد عثمانی میں نئے سرے سے قائم ہوگیا۔

فتوحات کی وسعت بغاوتوں کے استیصال کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا۔ ایک طرف ایران سے ملے ہوئے ممالک افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرنگیں ہوا، دوسری سمت اسلامی مملکت کی سرحد کوہ قاف سے مل گئی، اور ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں ملا لیا گیا۔ تیسری طرف مصر سے آگے بڑھ کر الجزائر، طرابلس اور مراکش تک پیش قدمیاں ہوئیں اور کابل سے مراکش تک کا علاقہ زیرنگیں ہوگیا، پھر بحری فتوحات کا آغاز اسی دور میں ہوا، مضبوط اسلامی بیڑے تیار کیے گئے، اس عہد میں ایک طرف اسلامی بیڑے بحرِ ہند میں ساحل ہند سے ٹکرائے تو دوسری طرف بحرِ روم میں قبرص پر اسلامی جھنڈا لہرایا اور اس بحرِ ذخار میں رومیوں کے عظیم بیڑے کو شکست دے کر عرب گویا بحرِ روم کے مالک بن گئے اور سسلی و اسپین کے دور دراز جزیرہ و جزیرہ نما تک پہنچ کر ان کی سطح زمین عربی گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالی۔ اسی کا خوشگوار اثر تھا کہ آگے چل کر یورپ کے ان دونوں مقاموں میں اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں جہاں ایک نئی تہذیب و تمدن کی بناء پڑی، انہی راستوں سے یورپ نئی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون سے آشنا ہوا اور عہدِ وسطیٰ کے یہی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن دورِ حاضر کی جدید ترقیوں کا سرچشمہ بنے۔

نظامِ خلافت خلافت کے جس نظام کی داغ بیل عہدِ صدیقی میں ڈالی گئی اور جس کا واضح نقشہ عہد فاروقی میں مکمل ہوا، عہدِ عثمانی میں ابتداءً وہی قائم رہا اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی، ترقی دی، لیکن آگے چل کر عہدِ عثمانی میں وہ نظام علیٰ حالہٖ برقرار نہ رہ سکا۔

مجلسِ شوریٰ چنانچہ آغاز عہد میں مجلس شوریٰ کا اہتمام عہد فاروقی کی طرح قائم رکھا گیا، بلکہ حضرت عثمان نے صوبوں کے والیوں اور عمال کی مجلس شوریٰ بھی قائم کی، اور

Marfat.com

ان کی تحریری رائیں دارالخلافت میں طلب کی گئیں، لیکن جب حضرت عثمان کی نرمی اور نیکی سے فائدہ اٹھا کر بنوامیہ حکومت کے معاملات میں زیادہ دخیل ہوگئے، تو مجلس شوریٰ کا نظام صحیح معنوں میں برقرار نہ رہ سکا اور مرکز میں خاص طور پر سارے اختیارات حضرت عثمان کے چچازاد بھائی اور داماد مروان بن حکم نے اپنے ہاتھ میں لے لئے اور نظام خلافت میں برہمی و ابتری پیدا ہوگئی، جب حالات قابو سے باہر ہوگئے اور فتنہ وفساد کا زمانہ آیا تو حضرت عثمان نے بار بار پھر صحابہ سے مشورے شروع کئے اور ممکن تھا کہ ابتر حالات سدھر جاتے، لیکن مروان بن حکم نے حضرت عثمان کے علم کے بغیر وہ فرمان جاری کر کے جس کو مصری ہرکارہ سے چھین کر لائے تھے، اصلاح وقیام امن کی ساری کوششوں کو برباد کر دیا، اس لئے مروان بن حکم ہی پر حالات کے سدھرنے کے بعد ان کے بگڑنے اور شہادت کے سانحہ عظمیٰ کے پیش آنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس سے وہ سبکدوش نہیں سمجھا جا سکتا، لیکن اگر حضرت عثمان نے مدافعت اور مقابلہ کی اجازت اپنے جاں نثاروں اور بہی خواہان امت کو دے دی ہوتی تو ان مٹھی بھر باغیوں کا قلع قمع کیا جا سکتا تھا، لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ شہادت کا یہ سانحہ عظمیٰ پیش آکر رہے۔

صوبوں کی تقسیم | عہد عثمانی میں صوبوں کی تقسیم بھی وہی قائم رہی جو عہد فاروقی سے آرہی تھی، لیکن پھر حضرت عثمان نے اس میں بھی اہم ردّو بدل کیا، صوبہ شام عہد فاروقی میں حمص، دمشق، اردن اور فلسطین چار صوبوں میں تقسیم تھا، حضرت عثمان کے عہد میں نہ صرف یہ چاروں صوبے یکجا کئے گئے، بلکہ ایشیائے کوچک کے کچھ حصے بھی اس میں ملائے گئے، اب شام ایک عظیم تر صوبہ بن گیا، جس کے امیر حضرت معاویہ بن ابی سفیان تھے، پھر عہد عثمانی میں نئی فتوحات سے چند نئے صوبے طرابلس، قبرص، آرمینہ اور طبرستان قائم ہوئے، اس طرح مجموعی طور پر اس عہد میں تیرہ حسب ذیل صوبے قائم ہوئے جو مختلف والیوں کی ولایت میں رہے۔

۱۔ مکہ: عبداللہ بن حضرمی	۲۔ طائف: قاسم بن ربیعۃ ثقفی
۳۔ صنعاء: یعلی بن عتبہ	۴۔ جند: عبداللہ بن ربیعہ

Marfat.com

۵۔ بصرہ: عبداللہ بن عامر　　　۶۔ کوفہ: سعید بن العاص

۔ شام: امیر معاویہ　　　۸۔ قنسرین: حبیب بن سلمہ فہری

۔ مصر: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح　　　۱۰ تا ۱۳۔ طرابلس، قبرص، آرمینیہ، طبرستان

ان میں سے پانچ صوبوں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور ہر ایک کے ساتھ ایک وسیع علاقہ تابع تھا:

۱۔ بصرہ: اس کے تابع شام، مشرقی مقبوضات تا کابل تھے۔

۲۔ کوفہ: رے اور آذربائیجان کا بھی یہی دارالحکومت تھا۔

۳۔ قنسرین: اس کے ماتحت سارا آرمینیہ تھا۔

۴۔ مصر: تمام افریقی مقبوضات کا مرکز تھا۔

۵۔ شام: حمص، دمشق، فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔ ایشیائے کوچک کا مفتوحہ علاقہ بھی اس میں داخل تھا اور بحری طاقت کی اعلیٰ کمان بھی والیٔ شام یعنی حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ میں تھی۔

ولاۃ و عمال کا تقرر ان پانچ صوبوں میں سے اکثر کے والی حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار تھے اور وہی لوگ اپنے ماتحت عمال کو مقرر کرتے تھے، اس طرح ان تمام ممالک محروسہ میں مختلف شہروں کی امارتوں اور اعلیٰ منصبوں پر بنو امیہ پھیل گئے اور فتنہ انگیزوں نے اس کو ایک بہانہ بنا کر ایک طوفان کھڑا کیا۔ حضرت عثمان نے توجہ دلانے پر نظامِ خلافت میں اس پیدا ہونے والی کمزوری کا احساس کیا اور صدق دل سے اصلاح کی تدبیریں سوچیں، نقشہ تیار کیا اور اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا، اور لوگ بظاہر مطمئن دارالخلافت سے واپس گئے لیکن جعلی فرمانِ خلافت کے ایک ناشدنی واقعہ سے مدینہ میں پھر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور بالآخر شہادت کا المناک حادثہ پیش آ گیا۔

عمال کا احتساب حالانکہ حضرت عثمان نے اپنے ابتدائی دور میں ولاۃ و عمال کی کارگزاریوں کے احتساب کا نہایت معقول نظم کیا تھا، حج کے موقع پر عام منادی تھی، کہ

جس کو کوئی عرضداشت پیش کرنی ہو، وہ براہِ راست حضرت امیر المومنین کے سامنے پیش کرے اور جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف لے جاتے تو مدینہ میں آئے ہوئے نوواردوں سے ان کے ملکوں کا حال پوچھتے، اور کوئی بات معلوم ہوتی تو فوراً اس کا تدارک فرماتے تھے، لیکن یہ نظم زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا اور حالات روز بروز بگڑتے گئے، جن کی اصلاح کی کوششیں کی گئیں، مگر جیسا کہ اوپر گذرا، وہ بروئے کار نہ آسکیں۔

حکومت کے مختلف شعبے شعبۂ انتظامی و عسکری کی علیحدگی حضرت عثمان نے حکومت کے ان مختلف شعبوں کو جو عہد فاروقی میں قائم ہو چکے تھے، برقرار رکھا۔ انھوں نے ان میں صرف ایک تبدیلی کی کہ شعبۂ انتظامی سے شعبۂ عسکری کو علیحدہ کر دیا اور ہر صوبہ میں ایک والی کے ساتھ جو انتظامی نظم و نسق کو برقرار رکھتا تھا، ایک امیرِ عسکر کا منصب بڑھا دیا تھا۔

شعبۂ مالیات عہدِ عثمانی میں بھی مالیات کا نظام وہ برقرار رہا جو عہدِ فاروقی میں تھا جس کا مفصّل نقشہ پہلے گذر چکا ہے۔ شعبۂ مالیات میں مہتمم بیت المال کو والیٔ صوبہ سے جداگانہ مستقل اختیارات حاصل تھے، کوفہ کے والی حضرت سعد بن ابی الوقاص اور مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعود میں جو نزاع ہوئی تھی، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس واقعہ سے بیت المال کے مہتمم کے اختیارات اور اثر و رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرکزی بیت المال دارالخلافہ مدینہ میں قائم تھا، مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص منصبِ اہتمام پر فائز ہوئے۔ بعض عہدہ داروں کے سپرد تقسیم وظائف کی خدمت تھی، دارالخلافت میں فتوحات کا پانچواں حصہ آیا کرتا تھا اور وہ لاکھوں لاکھ ہوتا تھا۔ عہد فاروقی کی طرح لوگوں کے سالانہ وظائف مقرر تھے، عہدِ عثمانی میں عہد فاروقی سے وظائف کی رقم دو گنی ہو گئی تھی، یعنی جس کا وظیفہ مثلاً دو ہزار سالانہ تھا، عہدِ عثمانی میں وہ چار ہزار ہو گیا تھا اور جن لوگوں کو رمضان کے بعد وظائف ملتے تھے، ان کا کھانا بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ

بہت سے نئے ملک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی، اس کے علاوہ حضرت عثمان کی توجہ سے عمال کے حُسن انتظام سے پُرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوگیا تھا، جیسا کہ گذرا، مصر کے خراج کی رقم بیس ہزار سے چالیس ہزار ہوگئی تھی، لیکن حضرت عثمان نے زکوٰۃ کی تحصیل کے نظام میں تبدیلی کردی۔ انھوں نے زکوٰۃ کا نکالنا خود مسلمانوں کے سپرد کردیا، حالانکہ اس کی تحصیل خود امام کا فرض تھا۔

بیت المال کی آمدنی پس انداز نہیں کی جاتی تھی، جتنی ہوتی سال کے سال تقسیم کردی جاتی تھی، اگر کسی سال مقررہ وظائف سے کوئی معتدبہ رقم بچ جاتی تھی تو اس کو رفاہِ عام کے کسی دینی و ملی خدمت میں صرف کردیا جاتا تھا۔

شعبۂ عسکری شعبۂ عسکری کا تفصیلی نظام بھی وہی برقرار رہا جو عہد فاروقی میں قائم ہوا تھا، لیکن عہد عثمانی میں والیانِ صوبہ سے علیحدہ امرائے عسکر مقرر کیے گئے، جن کو کچھ زیادہ اختیارات حاصل ہوئے، ہر امیرِ عسکر جہاد و پیش قدمیوں کا خلیفہ کی ہدایات کے ماتحت مجاز کل ہوتا تھا اور ہر صوبہ کا امیرِ عسکر اپنے علاقہ سے متصل ممالک کی تاختوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

شعبۂ عسکری میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری بیڑے کا قیام ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، عہد اسلام میں بحری بیڑوں کے ضابطہ کا آغاز عہدِ عثمانی ہی میں ہوا۔ لبنان کے جنگلوں سے درخت کاٹ کر دارالصناعہ یعنی جہاز کے کارخانوں میں پہنچائے جاتے تھے اور اس کی لکڑیوں سے کشتیاں تیار کی جاتی تھیں، بحری بیڑوں کی تیاری کے بعد ایک نیا عہدہ امیرالبحر کا بنایا گیا جو اسلامی بیڑوں کا سربراہ ہوتا تھا، بحری بیڑوں کی اعلیٰ کمان والیٔ شام حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی، اور جیسا کہ اوپر گذرا، اسلامی بیڑے بحرِ روم سے رومی بیڑوں کو نکالنے میں کامیاب ہوگئے اور بحرِ روم گویا اسلامی بیڑوں کے زیر اقتدار آگیا تھا۔

آمدنی کی وسعت سے شعبۂ عسکری میں بھی ترقیاں ہوئیں۔ سپاہیوں کی تنخواہوں

Marfat.com

میں سو سو روپیہ کا اضافہ ہوا۔ ایشیائے کوچک کے علاقہ میں جو مقامات فتح ہوئے امیرمعاویہ نے وہاں انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی آبادیاں بسا دیں، جہاد کے گھوڑوں اور مویشیوں کے لئے عہد فاروقی میں جو چراگاہیں تھیں، حضرت عثمان نے ان میں بھی اضافہ کیا اور مویشیوں کے پانی پینے کے لئے چشمے جاری کرائے، چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

شعبۂ عدالت | شعبۂ عدلیہ کا سابق نظام بھی برقرار رہا مرکز، ولایتوں اور شہروں میں قاضی مقرر تھے جو مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔

تعمیرات و رفاہ عام کی خدمات | عہد عثمانی میں حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا تعمیرات کے کام بھی بڑھتے گئے۔ مختلف صوبوں میں مختلف دفاتر کے لئے عمارتیں تعمیر کرائیں، رفاہِ عام کے لئے سڑک، پل اور مسجدیں بنائی گئیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے بنوائے گئے، ملکی انتظام اور عوامی سہولت کے لئے دار الخلافہ کو آنے والے تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنایا گیا۔ راستوں میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں بنوائیں، پانی کے چشمے جاری کرائے۔ کہیں کہیں مختصر بازار بھی بسائے گئے۔ اس عہد میں تعمیرات کے سلسلہ میں دو خدمتیں زیادہ نمایاں انجام پائیں۔

بند مہروز | مدینہ خیبر کی سمت سے نشیب میں واقع ہے، یہاں کبھی کبھی خیبر کی سمت سے سیلاب آجایا کرتا تھا، حضرت عثمان نے اس کے تدارک کے لئے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مقام عدوی کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر پانی کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔ یہ بند بند مہروز سے موسوم ہے، جو عہد عثمانی کا عظیم کارنامہ ہے۔

مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر | اس عہد کا دوسرا اہم تعمیری کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر ہے، عہد نبوی میں حضرت عثمان ہی نے زمین خرید کر اس کے کشادہ ہونے کا موقع پیدا کیا تھا، حضرت عمر نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے اس میں توسیع کرائی، لیکن نمازیوں کی کثرت سے مسجد تنگ ہوتی گئی تو حضرت عثمان نے ۲۹ھ/۶۵۰ء میں اس کی جدید تعمیر میں ہاتھ لگایا۔ عمارت کیلئے

Marfat.com

چونا اور پتھر بطن نخل سے منگایا، ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کئے اور ستونوں کو سیسہ سے مضبوط کیا گیا۔ دس مہینے میں اینٹ، چونا اور پتھر کی نہایت مستحکم اور خوشنما عمارت تیار ہو گئی۔ عہد فاروقی میں اس کا طول ایک سو چالیس گز اور عرض ایک سو بیس گز تھا، حضرت عثمان نے طول میں بیس اور عرض میں تیس گز کا اضافہ کیا۔ اب مسجد کی وسعت طول میں ایک سو ساٹھ اور عرض میں ایک سو پچاس گز ہو گئی۔ تعمیر کا یہ کام بیت المال کے مہتمم حضرت زید بن ثابت کے اہتمام میں انجام پایا جنھوں نے وظائف کی تقسیم کے بعد بیت المال کی پسماندہ ایک لاکھ کی رقم حضرت عثمان کے حکم سے اس میں صرف کی۔

دینی امامت و پیشوائی کے خدمات | حضرت عثمان خلافت کی خدمات کے ساتھ منصب امامت اور پیشوائی کے فرائض بھی پوری توجہ سے انجام دیتے رہے۔ مساجد کا نظام عہد فاروقی کے طریق پر قائم رہا۔ مسجدوں کے لئے انھوں نے تنخواہ دار مؤذن مقرر کئے، جہاد میں جو لوگ گرفتار کرکے لائے جاتے، ان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کرتے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی تلقین فرماتے تھے اور ان میں سے نو مسلموں کو دین کے مسائل خود سکھلاتے اور دوسروں کو اس خدمت پر مامور کرتے تھے۔

مصحف صدیقی کی اشاعت | دینی و ملی خدمتوں کے سلسلے میں جو سب سے اہم کارنامہ حضرت عثمان کے ہاتھوں انجام پایا، وہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا، اور مسلمانوں کو ایک قرائت اور حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں مرتب شدہ مصحف قرآن پر متحد کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے مشورہ سے اہتمام کے ساتھ جو مصحف قرآن کو تیار کرایا تھا، اس عہد میں اس کی عام اشاعت نہ ہو سکی تھی، حضرت حفصہ اور دوسرے صحابہ کے پاس اس کے نسخے موجود تھے، اس کے ساتھ پہلے کے اور دوسرے مصاحف بھی اپنی جگہ برقرار رہے، جن میں کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے تھا لیکن اس اختلاف املا و تلفظ کا کوئی اثر معانی پر نہیں پڑ سکتا تھا، اس لئے عربوں کے نزدیک جن کی

Marfat.com

مادری زبان عربی تھی، اس خفیف اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی، لیکن نومسلم عجمیوں کے ہاتھ میں جب قرآن مجید کے نسخے آئے تو ان میں سے جس کو جو نسخہ بھی ملا، وہ اسی کو صحیح اور دوسرے املا و تلفظ کو غیر صحیح سمجھنے لگا، اس طرح ایک مقام کے نومسلم اپنے یہاں کے مصحف کی قراءت کو صحیح اور دوسری قراءت کو غلط سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہ بن یمان ایک جہاد میں شریک ہوئے تو انھوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا اور حضرت عثمان سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر اس کا تدارک جلد نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی خدا کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں گے۔

حضرت عثمان نے صورت حال کی نزاکت کا اندازہ فرمایا اور عہد صدیقی کے مرتب کیے ہوئے نسخہ کو حضرت حفصہ سے منگایا اور مستند صحابہ سے جن میں کچھ لوگ کاتب وحی بھی رہ چکے تھے، اس مصحف صدیقی کی متعدد نقلیں کرائیں اور تمام ممالک محروسہ میں ان کو بھجوا دیا اور کلام اللہ کے اس کے علاوہ اور مختلف مصاحف اور ان کی نقلوں کے جو دوسرے نسخے تھے، سب کو حاصل کر کے ان میں سے ہر ایک کو تلف کرا دیا اور یہ حضرت عثمان کے ہاتھوں اسلام کی عظیم ترین خدمت انجام پائی، کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق قرآن مجید کے ایک ہی مصدقہ نسخہ پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا[1] اور حضرت عثمان درحقیقت جامع آیات القرآن نہیں، ناشر نسخ القرآن ہیں، اور یہی درحقیقت ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] مآخذ: اصابہ ج ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز تذکرہ حکم بن العاص، استیعاب ج ۲ ص ۴۸۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸، اسد الغابہ تذکرہ عثمانؓ ج ۲ ص ۳۲۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۷۲، ۳۰۲، ۳۱۵، ۳۷۶، ۳۷۹، ۳۷۷، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۴۔ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۲۴، روضۃ النظرہ تذکرہ عثمانؓ، فتح الباری ابواب جمع القرآن، مناقب عثمانؓ ج ۷، صفحہ ۴۵، وفاء الوفا جلد ۲، ص ۲۱۷، ۲۵۲، تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۴۸، ترمذی مناقب عثمانؓ، بخاری، مناقب عثمان باب جمع القرآن، کتاب الغسل، کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب

کتاب الفتن، ابن سعد حصہ ۳ ق ۱۔ ص ۳۸، ۳۹، ۴۱ تا ۴۳، ۴۷ تا ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۵
تا ۵۸۔ ج ۱ ق ۳ ص ۲۰۹۔ حصہ ۴ ق ۱ (ص ۱۴۷، ۵۳)۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹، ۳۱ تا ۳۳، ۲۲،
۴۷، ۴۵، ۱۰۲، ۳۷، ۵۲، ۵۵، ۵۷، ۶۱، ۲۹، ۳۶، ۳۹، ۶۶، ۶۸، ۱۰۷، ۹۱، ۱۰۸،
۹۲، ۱۲۷، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۸، ۱۲۹۔ فتوح البلدان بلاذری، ذکر فتح قبرص، ص ۱۵۸، ۲۰۶،
۲۳۵، ۵۹، ۲۶۰، ۲۲۳۔ یعقوبی جلد ۲، ص ۸۹، ۱۸۵۔ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۶۔ طبری جلد ۶۔
ص ۲۹۲۴، ۲۹۳۲، ۲۹۳۳، ۲۹۳۶، ۲۹۳۷، ۲۹۳۰، ۲۹۴۲ تا ۲۹۴۶، ۲۹۴۹، ۲۹۵۲ تا
۲۹۵۴، ۲۹۵۶ تا ۲۹۶۴، ۲۹۹۴، ۲۹۹۶، ۲۹۹۷، ۳۰۱۰، ۳۰۲۱، ۲۹۲۸، ۳۰۶۲۔ جلد ۵ ص
۲۸۰۲ تا ۲۸۰۴، ۲۸۰۸، ۲۸۲۸، ۲۸۱۱، ۲۸۱۵، ۲۸۱۳، ۲۸۴۲۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۔ الوفاء
باخبار دار المصطفیٰ ۱۵۶، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۹، ۷۰ تا ۷۴، ۶۵ تا ۶۸، ۵۷، ۵۸،
۶۲، ۶۳، ۷۶، ۱۰۰، ۹۲۲۔ ابوداؤد باب صفۃ وضوء النبی صلعم، ادب المفرد باب خفض المرأۃ۔
کتاب الخراج مصر ص ۹۲۔ تاریخ اسلام ج ۱ (خلفائے راشدین دار المصنفین) تاریخ الامت
(جامعہ ملیہ) الاعلام (مصر)

Marfat.com

عہدِ مرتضوی

سنہ ۳۵ھ ۶۵۶ء　سنہ ۴۰ھ ۶۶۱ء

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۳ ق ھ ۶۰۰ء　سنہ ۴۰ھ ۶۶۱ء

نام ونسب | علی نام، ابوالحسن، وابوتراب کنیّت، حیدر و مرتضیٰ لقب۔ اور سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف الی آخرہ۔ حضرت علی کے والد حضرت ابوطالب کی شادی چچازاد بہن فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف سے ہوئی تھی، اس لئے حضرت علی نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

پیدائش وآغوش محمدی میں پرورش | حضرت علی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت علی رضہ کے والد حضرت ابوطالب کے سایۂ شفقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت بسر ہوئے۔ سن رشد کے بعد جب ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کے لئے آبائی پیشہ تجارت کو اختیار فرمایا اور حضرت خدیجہ کے مال تجارت کی فروخت سے خوش حالی آئی اور دوسری طرف حضرت ابوطالب کے لئے کبرسنی، عیال کی کثرت اور قحط اور خشک سالی سے معاشی تنگ حالی کا دور آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہا اور دوسرے چچا حضرت عباس سے مشورہ کیا، بڑے صاحبزادے جعفر کی کفالت حضرت عباس نے اپنے ذمہ لے لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب علی رضہ پر پڑی اور وہ مستقل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ شفقت میں آگئے اور آپ کے ساتھ رہنے لگے اور ان کی کفالت

Marfat.com

کی ساری ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر رکھی، اس لئے جب حضرت علی نے ہوش سنبھالا تو انھوں نے اپنے کو آغوشِ محمدیؐ میں پایا، اور یہ فخر و امتیاز کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہ تھا۔

حضرت علی کا قبولِ اسلام اسلام کا آفتاب علیؓ کے گھر میں اترا تھا طلوع اسلام کے مناظر سب آنکھوں کے سامنے تھے۔ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین خدیجہ کو مصروفِ عبادت دیکھا، نظارہ مؤثر تھا، استعجاب سے پوچھا "آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ ایسی باتیں کبھی وہم و گمان میں نہیں آئی تھیں۔ متحیر ہو کر کہا "والد سے اس کے متعلق دریافت کروں گا" ابھی اسلام کی علانیہ دعوت کا وقت نہیں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا "اگر تمھیں کچھ تامل ہو تو خود غور کرو۔ ابھی کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ شفقت میں پرورش پانے سے فطرت سنور چکی تھی، دوسرے دن خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضرت علی نوعمروں میں سب سے پہلے صاحب ایمان ہوئے جن کا دامن زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پہلے ہی سے پاک تھا۔

والدین کی رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو تھی، کہ ابو طالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے، کیونکہ انھوں نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت کی اور طلوعِ اسلام کے بعد کفار کے مقابلہ میں جس ثبات و استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کی اور جس سے بالواسطہ اسلام کو فروغ حاصل ہوا، اس کے صلہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی دولت حاصل ہو، لیکن مستند روایتوں میں آیا ہے کہ ابو طالب نے کہا "جانِ عم، اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمھاری دعوت قبول کر لیتا" ابو طالب نے جیسا کہ اوپر گذرا، سنہ نبوی میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کلمۂ توحید کی تلقین فرما رہے تھے، ابو طالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا، لیکن حضرت عباس کی ایک روایت ہے، اگرچہ اس کے راوی زیادہ مستند نہیں، کہ "نزع کی حالت میں کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا"

حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ نے بھی ماں کی طرح شفقت و محبّت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی، مستند روایت کے مطابق وہ اسلام لائیں، ہجرت کی، مدینہ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی، اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرّک کیا اور فرمایا "ابو طالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں"۔

مکّہ کی زندگی حضرت علی شب و روز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہتے تھے اس لئے اسلام کے آغاز سے مشورہ کی مجلسوں، تعلیم و ارشاد کے مجمعوں اور کفّار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت و پرستش کے موقعوں پر غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے، جیساکہ اُوپر گذرا، ایک موقع پر ان کے والد ابو طالب نے انھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی میں عبادت کرتے دیکھ لیا، استفسار کے بعد جب حال معلوم ہوا تو اس کی تحسین اور دلدہی کی، اس وقت اسلام کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت علی کسی کسی دن خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور تقاضائے سن سے بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیا۔

جب اسلام کے اعلان کا حکم آیا اور آپ نے بنو عبدالمطلب کو مدعو کرنے کے لئے انھیں ایک دعوت کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا۔ دعوت میں پورا خاندان جو چالیس افراد پر مشتمل تھا، شریک تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے، جیساکہ تفصیل سے اُوپر گذرا، خاندانِ عبدالمطلب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اس کے جواب میں سب خاموش رہے، صرف شیر خدا علی مرتضیٰ رضؓ کی آواز بلند ہوئی کہ میں آپ کا یار و دست و بازو بنوں گا۔ تین مرتبہ آپ نے مجمع کو مخاطب کیا اور تینوں مرتبہ حضرت علی ہی نے جواب میں لبیک کہا، آپ نے تیسری مرتبہ بھی انھیں بیٹھ جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا "بیٹھ جاؤ، تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو"

ہجرت پھر جیساکہ اُوپر گذرا، جب ہجرتِ نبوی کا وقت آیا تو حضرت علی ہی تھے جنھوں نے

Marfat.com

ارشادِ نبوی کے مطابق بسترِ نبوی پر شب بسر کی۔ کفار کو جب علم ہوا کہ وہ جس ذاتِ گرامی کی شمعِ حیات گل کرنے آئے تھے، اس کی بجائے بستر پر حضرت علی استراحت فرما رہے ہیں تو انھیں پکڑ لیا، خانہ کعبہ میں لائے، پھر چھوڑ دیا۔ اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ودیعت کی ہوئی امانتیں لوگوں تک پہنچا دیں، پھر چند دن کے بعد مکہ سے روانہ ہو کر قبا پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں فروکش ہو گئے۔

مدینہ میں اخوت کا نیا رشتہ مدنی زندگی کا جب دور شروع ہوا اور مہاجرین و انصار میں اخوت کے رشتے جوڑے جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وابستگی مہاجر و انصار دونوں گروہوں سے تھی، آپ نے انصار کی نمائندگی کر کے جس مہاجر کو اپنا بھائی بنایا وہ علی بن ابی طالب تھے۔ تمام مہاجرین اپنے دینی بھائی انصار کے گھروں پر جا کر فروکش ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نئے رشتہ سے بھی کاشانۂ نبوت ہی سے وابستہ رہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں شرکت ہجرت کے چند ماہ کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر کا موقع آیا تو تمام صحابہ والہانہ جوش و عقیدت کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علی بھی اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے اور سرخوشی کے عالم میں ایک رجز پڑھتے جاتے تھے۔

غزوۂ بدر میں حضرت علی کے کارنامے غزوۂ بدر میں دو سیاہ علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ رزمگاہ بدر کے قریب پہنچ کر غنیم کا پتہ چلانے کے لئے حضرت علی ہی چند جانبازوں کے ساتھ بھیجے گئے، معرکہ کی ابتدا میں جب تین نامی بہادر مشرکین نکل کر مبارز طلب ہوئے اور اپنے مقابلہ میں اپنے ہمسروں کو طلب کیا، تو جیسا کہ اوپر گذرا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین عزیزوں کو مقابلہ کے لئے بھیجا، جن میں سے ایک حضرت علی تھے جنھوں نے ایک ہی وار میں اپنے حریف ولید کو تہ تیغ کر دیا، پھر جھپٹ کر عبیدہ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کا کام تمام کیا، پھر شیرِ خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک کر اعدائے اسلام کے خرمنِ ہستی کو جلا دیا اور مسلمان مظفر و منصور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹے، مالِ غنیمت

Marfat.com

میں سے حضرت علی کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

حضرت فاطمہ سے نکاح غزوۂ بدر کے بعد اسی سال ۲ ہجری میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت علیؓ کے عقدِ نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا، حضرت علی سے پوچھا، تمھارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ زرہ فروخت کر دو۔ حضرت علی نے اس کو حضرت عثمان کے ہاتھ چار سو اسّی درہم میں بیچا، اور قیمت لاکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں، اور خود نکاح پڑھایا اور دولھا دُلہن دونوں پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دُعا دی۔

نکاح کے تقریباً دس گیارہ مہینے کے بعد رخصتی کا وقت آیا، اس وقت تک حضرت علی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، ارشاد ہوا، کرایہ کا کوئی گھر لے لو، حارث بن نعمان کا گھر ملا، حضرت علی نے اسی مکان میں رخصتی کرائی، ملکۂ جنتؓ کو جہیز میں جو سامان شہنشاہ کونینؐ کے دربار سے ملا تھا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی، اس کے بعد حضرت علی اپنی عسرت کے باعث پھر اس سامان میں حضرت فاطمہ کی زندگی تک اور کوئی اضافہ نہ کرسکے، حضرت علی فقیرانہ زندگی گذارتے تھے، اس وقت ملکیت میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک قسم کی گھاس اذخر کو لاد کر تجارت کرنے اور کچھ رقم جمع کرکے ولیمہ کا سامان کرنا چاہتے تھے، حضرت حمزہ نے اس کو ان کی لاعلمی میں ذبح کرکے کباب سیخ بنا لیا، اس لئے فروخت شدہ زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرکے جو رقم بچ رہی تھی، اب ولیمہ کے لئے وہی پونجی رہ گئی تھی، اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان کیا گیا۔ جس میں جَو کی روٹی، ایک خاص قسم کا شوربہ، پنیر اور کھجور تھی، یہ ایک پُر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں، اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا تھا۔

دیگر غزوات میں اہم خدمات حضرت علی غزوۂ تبوک کے سوا، ایک غزوہ کے جس میں انھیں مدینہ میں قیام

Marfat.com

کرنے کی ہدایت کی گئی، تمام غزوات میں شریک رہے، اور اہم خدمات انجام دیتے، نیز اُن کی سرکردگی میں مختلف سریے انجام پائے، غزوۂ اُحد میں جب معرکہ سر ہوجانے کے بعد مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا اور آپکی شہادت کی افواہ پھیل گئی تو بڑے بڑے جاں بازوں کے قدم اکھڑ گئے، لیکن حیدر کرار نہ صرف ثابت قدم رہے، بلکہ علمبردار مصعب بن عمیر کی شہادت کے بعد بڑھ کر انھوں نے علم سنبھال لیا اور بے جگری سے دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا تو شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ فرش خاک پر تڑپنے لگا، بدحواسی کے عالم میں وہ ننگا ہو گیا تو حضرت علی اس کو زندہ چھوڑ کر دوسری طرف نکل گئے، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر آئے تو حضرت فاطمہ نے زخم دھویا، حضرت علی نے ڈھال میں بھر بھر کر پانی گرایا، پھر حضرت فاطمہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا، غزوۂ احد کے بعد جب بنو نضیر کی بدعہدی کی وجہ سے ان کا محاصرہ کیا گیا تو اس موقع پر بھی عَلَم حضرت علی ہی کے ہاتھ میں تھا، پھر جب غزوۂ خندق کا موقع آیا، تو جیسا کہ اوپر گذرا، سواروں کے نامی سردار عمرو بن عبدود کا ان ہی نے کام تمام کیا، پھر جب بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کی گئی تو اس موقع پر لشکر کا عَلَم حضرت علی ہی کے ہاتھ میں تھا، اور انھوں نے قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی، اس کے بعد ۶ھ ۶۲۷ء میں حضرت علی یہود خیبر کے معاون بنو سعد کی سرکوبی کے لیے ایک سو کی جمعیت کے ساتھ مامور ہوئے۔ اس سریہ میں بھی انھیں کامیابی ہوئی، بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے، اس کے بعد صلح حدیبیہ کا موقع آیا، معاہدۂ صلح کو حضرت علی ہی نے قلمبند فرمایا جس میں مشرکین کے نمائندہ نے لفظ "رسول اللہ" کے قلمزد کرنے کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مٹانے کا حکم دیا لیکن حضرت علی کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس کو مٹا دیا، اس کے بعد ۷ھ ۶۲۸ء میں خیبر پر فوج کشی کی گئی، اور جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا، شیر خدا حیدر کرار کو یہ عزت حاصل ہوئی، کہ خیبر کی فتح کا علم بڑے بڑے

Marfat.com

کے ناکام ہونے کے بعد انھیں عطا کیا گیا اور میدانِ جنگ میں اُترنے کے بعد یہود کے معزز و متکبر سردار مرحب پر جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور فاتح خیبر کے لقب سے شہرت پائی۔

کعبہ کے اندر آخری بُت شکنی اور وارثِ نبیؐ، نبیؐ کے دوشِ مبارک پر | رمضان ۸ھ ۶۲۹ء میں مکہ فتح ہوا جب تطہیرِ کعبہ کا وقت آیا تو پہلے کعبہ کے اردگرد کے سب بُت توڑ دیئے گئے۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے پہلے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مورتوں کو الگ کرایا، پھر کعبہ کے اندر جتنے بھی بُت تھے وہ باہر کر دیئے گئے، آخر میں تانبے کا ایک سب سے بڑا بُت باقی رہ گیا جو لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین سے بلندی پر نصب تھا، اس کو گرانے کے لئے پہلے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود شیرِ خدا حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھے، لیکن وہ جسمِ اطہر کے بار کو جو منصبِ نبوت کے فیضان سے بھی گراں بار تھا، سنبھال نہ سکے۔ آپ بُت شکن حضرت ابراہیم کے وارث تھے اور ان کے بنائے ہوئے گھر کو بتوں سے پاک کر رہے تھے، آپ نے بُت شکنی کی آخری رسم اپنے وارث شیرِ خدا حیدرِ کرارؓ کے ہاتھوں سے انجام دلانے کے لئے ان کو اپنے شانۂ اقدس پر چڑھایا اور اس بُت کو گرانے کا حکم دیا آخر حضرت علیؓ نے دوشِ نبی پر چڑھ کر اس کو سلاخ سے اُکھاڑا اور ارشادِ نبوی کے مطابق اس کو پاش پاش کر ڈالا، اس طرح خانۂ کعبہ کی آخری و کامل تطہیر عمل میں آئی۔

بنو خزیمہ کی دادرسی | فتح مکہ کے بعد جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت خالد کی غلط فہمی سے بنو خزیمہ کے کچھ لوگ قتل کر دیئے گئے اور کچھ گرفتار کر لئے گئے، حالانکہ درحقیقت وہ اسلام لا چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علی کو اس غلطی کی تلافی کیلئے بھیجا، انھوں نے جاکر تمام قیدیوں کو آزاد کیا اور مقتولین کا خوں بہا ادا کیا۔

غزوۂ حُنین کو سنبھالنا | اس کے بعد اسی سال غزوۂ حُنین پیش آیا، اوپر تفصیل گذر چکی ہے کہ مجاہدین ایک ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، ان میں ایک حضرت علی بھی تھے، جو نہ صرف پامردی کے ساتھ قائم رہے بلکہ انھوں نے

اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر لشکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، بالآخر دشمنوں کو شکست ہوئی۔

موسیٰ و ہارون کی نسبت کی مثال سنہ ۹ھ / ۶۳۰ء میں غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے حضرت علی کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ حضرت علی کو شرکت جہاد سے محرومی کا غم ہوا، تو آپ نے ان سے فرمایا "علی! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو، جو ہارونؑ کا موسیٰؑ کے نزدیک تھا؟"

آنحضرت صلعم کے قائم مقام کی حیثیت سے نقیب اسلام اس کے بعد جب سنہ ۹ھ / ۶۳۰ء میں حضرت ابوبکر امیر حج بنا کر مکہ بھیجے گئے تو حضرت علیؓ کو نقیب کا منصب عطا فرمایا گیا حج کے موقع پر سورہ براۃ کی آیتیں سنانے کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔" چنانچہ حضرت علی نے حج کے موقع پر سورۂ برأت کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔"

یمن میں اشاعت اسلام اس کے بعد جب سنہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں عرب کے مختلف خطوں میں تبلیغ اسلام کے لئے وفود بھیجے گئے، تو حضرت خالدؓ کو یمن بھیجا گیا تھا، مگر انھیں یمن میں اسلام کی اشاعت کرنے میں چھ مہینے کی جدوجہد کے باوجود کامیابی نہ ہو سکی تو ماہ رمضان سنہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا اور قضاوت کا منصب عطا فرمایا۔ حضرت علی کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بدل گیا، وہ حضرت علی کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور یہاں کا ممتاز قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا، یمن میں یہ قبیلہ اسلام لایا اور مدینہ میں آپ کی زبان مبارک سے نکلا "السلام علی ھمدان"۔

تاج فخر پھر حضرت علی یمن سے حجۃ الوداع میں شریک ہونے کے لئے مکہ معظمہ آئے۔ واپسی میں جیسا کہ تفصیل سے گزرا خم غدیر کے مقام پر آپ نے خطبہ دیا جس میں آپ نے حضرت علی کو تاج فخر پہنایا کہ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ عَلِيٌّ مَوْلَاهُ "یعنی میں جس کا آقا ہوں، علی اس کے آقا ہیں۔"

Marfat.com

رسالت مآبؐ سے جُدائی اور آخری خدمت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات میں حضرت علی ہمہ دم آپ کے پاس موجود رہے۔ ایک دن آپ نے ان سے سرگوشی بھی فرمائی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں سے مفارقت فرمائی، تو آپ کے غسل، تجہیز و تکفین کے تمام مراسم حضرت علی ہی کے ہاتھ سے انجام پائے اور ان ہی کے ہاتھوں آپ قبر میں اُتارے گئے اور آسودۂ خواب ہوئے۔

حضرت علی کی خدمات خلفائے ثلاثہ کے دور میں جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا، حضرت علی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ مہینے خانہ نشین رہ کر جمع قرآن کی خدمت اور حضرت فاطمہ کی سوگوار زندگی میں ان کی دلدہی کرتے رہے۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد خلیفۂ اوّل ان کے گھر پر آئے، دونوں میں مخلصانہ باتیں ہوئیں، انھوں نے حضرت ابوبکر سے ان کے فضل کا اعتراف کر کے ان کی بیعت کی، اس کے بعد مہماتِ خلافت میں ان کے مشیر رہے۔

پھر جب عہدِ فاروقی آیا، تو حضرت عمر بڑی مہمات میں حضرت علی کے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، نہاوند کے معرکہ میں حضرت عمر نے ان کو سپہ سالار بنانا چاہا، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، جب وہ بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت حضرت علی ہی کے ہاتھ میں دیکر گئے۔ اتحاد و یگانگی کا آخر مرتبہ یہ آیا، کہ باہم رشتۂ مصاہرت قائم ہوا اور حضرت علی کی صاحبزادی حضرت امّ کلثوم، حضرت عمر کے عقد نکاح میں آئیں اور حضرت عمر نے جن چھ صحابہ کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کیا، ان میں پہلا نام حضرت علی کا تھا۔

حضرت عثمان کے دورِ اول میں بھی حضرت علی مجلسِ شوریٰ کے رُکن رہے، جب بنو امیہ کا استیلاء ہوا تو صحابہ سے مشورت کا سلسلہ ٹوٹ گیا، جب دورِ فتن آیا تو حضرت علی نے فتنہ و فساد کے اسباب پر گفتگو کر کے ان کے دور کرنے کے متعلق حضرت عثمان کو مفید مشورے دیئے اگر اسی وقت ان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا تو صورتِ حال بدل سکتی تھی، پھر جب ہنگامہ

Marfat.com

تیزی سے برپا ہوگیا، تو حضرت عثمان نے حضرت علی سے اصرار کیا کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرائیں، وہ بالآخر مجبور ہوکر اس معاملہ میں پڑے اور اپنی ذمہ داری پر اصلاحات کا وعدہ کر کے بلوائیوں کو واپس کیا، لیکن مروان بن حکم کے جعلی فرمانِ خلافت کے ناشدنی واقعہ سے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا، کہ بات اتنی آگے بڑھ گئی، کہ شہادتِ عثمانؓ کا المناک حادثہ پیش آگیا اور اس سے متاثر ہو کر حضرت علی نے اپنے جوان بیٹوں اور نبیؐ کے چہیتوں امام حسنؑ و حسینؑ تک کو زد و کوب فرمایا۔

خلافت

بیعتِ خلافت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی مدینہ میں شورِ قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، اکابر صحابہ میں ایک حضرت علی کی ذاتِ گرامی ایسی تھی، جس پر سب کا اتفاق ہوسکتا تھا اور باغی حضرت عثمان کی زندگی میں اس منصب کو قبول کرنے پر اُن سے اصرار کر چکے تھے۔ مہاجرین و انصار نے جن میں حضرت طلحہ و زبیر بھی تھے، حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی، حضرت علی نے پہلے کی طرح اب بھی اس سے انکار کیا اور فرمایا کہ جس کو منتخب کر لیا جائے گا وہ اس کو قبول کرلیں گے، صحابہ نے مزید اصرار کیا تو حضرت علی نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر جب صحابہ اور عام مسلمانوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے مفاد کی خاطر اس منصب کو قبول فرمالیا، چنانچہ واقعۂ شہادت کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ ۶۵۶ء یوم دوشنبہ کو مجمع عام میں مسجد نبوی کے اندر اُن کے دستِ اقدس پر بیعت کی رسم انجام پائی، اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ جو موجود تھے شریک ہوئے اور وہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۳۰۶۶، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۸۴، ابن سعد جلد ۳ ق ۱ صفحہ ۲)

قاتلینِ عثمانؓ کی تلاش و تعیین، مقدمہ کی سماعت و ناکامی مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام

حضرت عثمان کے قاتلین کی تلاش وتعیین اور مقدمہ کی سماعت کے بعد ان کو قتل کی پاداش میں قصاص لے کر سزا دینا تھا۔ حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمان کی بیوی حضرت نائلہ تھیں، مقدمہ کی ابتدائی سماعت میں حضرت نائلہ نے بیان کیا کہ محمد بن ابی بکر دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے، لیکن محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے، قتل میں شریک نہیں ہوئے، حضرت علی رضؓ نے محمد بن ابی بکر کو پکڑا تو انھوں نے قسم کھا کر برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے، لیکن حضرت عثمان کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ گئے، البتہ اُن دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں پہچانتے تھے کہ کون تھے؟ چونکہ حضرت نائلہ نے بھی محمد بن ابی بکر کے بیان کی تصدیق کی، اس لئے وہ قتل کے الزام سے بری قرار پائے اور کسی دوسرے قاتل کی تعیین و تصدیق نہ ہوسکی، یوں تو تاریخ کے اوراق میں مختلف قاتلوں کے نام آئے ہیں، جن کا ذکر اوپر گذر چکا، لیکن شرعی قانون شہادت کے مطابق جب تک ان کا نام پیش نہ ہوتا اور ان کے ارتکاب جرم کی شرعی شہادت نہ گذرتی، وہ شرعی وقانونی حیثیت سے مجرم قرار نہیں پا سکتے تھے، اس لئے مزید تحقیق وتفتیش واثبات مقدمہ کے لئے مقدمہ کی سماعت ملتوی ہوگئی اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضؓ کے لئے سردست کسی مزید کارروائی کے کرنے کا امکان نہ رہ سکا۔

قصاص عثمان کے لئے عام اضطراب دوسری طرف حقیقت یہ تھی، کہ قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، اس وقت تک اس گروہ کا غلبہ مدینہ پر تھا، وہ اگرچہ اس وقت حضرت علی کے ہمنوا تھے، لیکن اس وقت تک حضرت علی کا درحقیقت ان پر کوئی قابو نہ تھا، اس لئے اس وقت حضرت علی بھی عالم بے بسی میں تھے، لیکن حضرت عثمان کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ نہ صرف مدینہ کے عوام، بلکہ اکابر صحابہ تک صرف قصاص چاہتے تھے، اور حضرت علی کی مجبوریوں پر اُن کی نظر نہیں جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہ وزبیر اور چند صحابہ نے جاکر حضرت علی رضؓ سے کہا کہ عثمان رضؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص

Marfat.com

لینا ضروری ہے، انھوں نے فرمایا "تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میں اس سے غافل نہیں ہوں لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں، جس پر میرا ابھی کوئی قابو نہیں ہے"

حضرت طلحہ و زبیر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور مایوس ہو کر حضرت علی سے اجازت لے کر مدینہ سے مکہ چلے گئے۔

ولاۃ عمال کے عزل و نصب کا قصد اور خیر خواہوں کے مفید مشورے

اس کے بعد حضرت علی رضنے کاروبار خلافت کی انجام دہی کی طرف توجہ کی اور اپنے خیال میں انھوں نے اس سلسلہ میں کام کا آغاز وہاں سے کیا، جہاں تک عہدِ عثمانی میں بلوائیوں کی آخری یورش سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ یاد ہوگا، حضرت عثمانؓ نے اصلاحات کے نافذ کرنے کا اعلان کیا تھا اور اس سلسلہ میں وہ صحابہ کے مشورہ سے ولاۃ و عمال کا عزل و نصب بھی کرنے والے تھے اور جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت علیؓ کے نزدیک بھی شورش و فتنہ کا اصل سبب ولاۃ و عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور سبائیوں کی منظم مخفی سازش تحریک کے علاوہ بڑی حد تک یہ سبب صحیح بھی تھا اس لئے انھوں نے سب سے پہلے اسی پر توجہ کی اور عثمانی دور کے ولاۃ و عمال کو معزول کر کے نئے ولاۃ و عمال مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔

لیکن سیاسی حکمتِ عملی کے لحاظ سے حضرت علی رضہ کا یہ فیصلہ عاجلانہ تھا، چنانچہ ان کے بعض دور اندیش خیر خواہوں نے اس فیصلہ پر عمل کرنے سے انھیں باز رکھنا چاہا اور اس کے نتائج و عواقب کی طرف کھل کر توجہ دلائی، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہ کے ہم پایہ تھے، حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ "ابھی آپ امیر معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو اُن کے عہدوں سے برطرف نہ کریں۔ جب وہ آپ کی خلافت کی بیعت کر لیں، اس کے بعد جو مناسب سمجھیں اس پر عمل کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی آکر عرض کیا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے، تو پھر انھیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ خلافت کی مسند پر کون متمکن ہے، لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے،

Marfat.com

توعثمان کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے لیکن حضرت علی نے ان دونوں کے مفید مشوروں کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ وہ مذہبی و روایتی حیثیت سے مدینہ کے مہاجرین و انصار کی بیعت کو استقرارِ خلافت کے لئے کافی سمجھتے، ان کے نزدیک ولاۃ کا بیعت کرنا ضروری نہ تھا اور نہ اس وقت تک اس پر عمل کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی رض کی نگاہ وقت کی سیاسی حکمتِ عملی کی طرف نہیں گئی، جس کا تذکرہ حضرت مغیرہ و ابن عباس دونوں نے کیا تھا اور نہ یہ خیال شریف میں آیا کہ مدینہ کے مہاجرین و انصار میں سے بھی بعض ممتاز صحابہ مدینہ کی فضا کے پُرفتن ہو جانے کی وجہ سے باہر نکل گئے ہیں، یہ دونوں پہلو ایسے تھے کہ انھیں اس وقت ان دونوں بزرگوں کے مفید مشوروں کو قبول فرمالینا تھا، تو شاید حالات وہ رُخ اختیار نہ کرتے، جو بعد میں واقعات کی شکل میں ظاہر ہوئے۔

ولاۃ کی معزولی و تقرری چنانچہ حضرت علی رض نے ولاۃ کے عزل و نصب کا فرمان جاری کیا اور عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن حسان کو کوفہ، عبیداللہ ابن عباس کو یمن اور سہیل بن حنیف کو حکومتِ شام کی امارت کا پروانہ تقرر دے کر بھیج دیا۔

عثمانی عہد کے والی بصرہ عبداللہ بن عامر حج کے لئے مکہ گئے ہوئے تھے، عثمان بن حنیف علوی امیر نے بصرہ کی زمام حکومت سنبھال لی، اگرچہ یہاں اُموی جماعت موجود تھی، مگر مزاحمت نہ کر سکی، عمارہ بن حسان، کوفہ کی ولایت پر جا رہے تھے، راہ میں طلحہ بن خویلد اسدی ملے، وہ واقعۂ شہادت کی خبر سُن کر داعیینِ قصاص کی جماعت میں ملنے کے لئے جا رہے تھے، انھوں نے عمارہ سے کہا "یہیں سے لوٹ جاؤ، ورنہ تمہارا سر کاٹ لیا جائے گا" اس لئے کوفہ پر عثمانی عہد کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری برقرار رہے، یمن کے عثمانی عہد کے والی یعلی بن منیہ نے حضرت عبیداللہ بن عباس کے ورود کی خبر سُنی، تو وہ موقع پا کر خراج کی کل رقم لے کر مکہ معظمہ فرار ہو گیا۔ قیس بن سعد بن عبادہ جب مصر پہنچے تو گو وہاں مخالفین بھی موجود تھے، بایں ہمہ انھوں نے جس تدبر سے مصر کی طاب

کی زمام ہاتھ میں لی اور مصر کے بجز ایک مقام خرتبا کے پورے مصر میں خلافت علوی کی بیعت لے لی گئی۔

امیر معاویہ کی مزاحمت شام کی صورت حال دوسری سامنے آئی، یہاں امیر معاویہ بیس بائیس سال سے والی چلے آ رہے تھے، ان کا گہرا اثر و اقتدار قائم تھا۔ ان کا اپنی معزولی کو قبول کر لینا آسان نہ تھا۔ انھیں سہیل کے تقرر کی اطلاع مل گئی۔ سہیل ابھی تبوک کے قریب پہنچے تھے، کہ امیر معاویہ کے سوار ان کے مزاحم ہوئے اور انھیں مدینہ واپس کر دیا۔

امیر معاویہ کا قصد خروج اور مطالبۂ قصاص عثمان رض کی علمبرداری حضرت ابن عباس و مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کے متعلق جو خدشہ ظاہر کیا تھا، حضرت علی رض نے اس کی آزمائش کے لئے امیر معاویہ کے پاس ایک قاصد بھیج کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا، جو غالباً سہیل بن حنیف کے واقعہ کے بعد وہاں پہنچا تھا۔ امیر معاویہ اسلامی مملکت کے ایک وسیع خطہ پر حکمرانی کر رہے تھے اور عہد عثمانی میں عملاً خود مختار رہے تھے، اگر وہ شام کی ولایت پر برقرار بھی رکھے جاتے، تو عملی طور پر ان کے لئے کسی امیر کی اطاعت دشوار ہوتی؛ بجز اس کے، کہ ان کا وہ مرتبہ جو عہد عثمانی میں تھا، برقرار رکھا جاتا تو پھر شاید حضرت عبداللہ بن عباس کے خیال کے مطابق انھیں پرواہ نہ ہوتی، کہ مسند خلافت پر کون متمکن ہے، لیکن حضرت علی کی افتاد طبع سے انھیں توقع نہیں ہو سکتی تھی، کہ وہ ان کی وہ خود مختاری جو عہد عثمانی میں انھیں حاصل تھی، برقرار رہنے دیتے، چہ جائیکہ حضرت علی رض نے اپنے بہی خواہوں کے مشوروں کے خلاف امیر معاویہ کو قبل از وقت معزولی کا پروانہ بھیج دیا اور حضرت علی کی اس وقتی سیاسی مسامحت سے امیر معاویہ کی رہی سہی امید منقطع ہو گئی اور مستقبل کا پورا نقشہ ان کے سامنے آ گیا، اس لئے انھوں نے مملکت شام کو خلافت کے ربقۂ اطاعت سے آزاد رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں اپنی مشہور دانائی، ہوش مندی اور سیاسی حکمت عملی کے ذریعہ وقت کی موجودہ فضا سے فائدہ اٹھا کر حضرت علی رض کے خلاف اور اپنے موافق فضا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان دنوں بڑے

Marfat.com

بڑے ممتاز صحابہ حضرت عثمان کی دردناک شہادت سے بے حد متاثر تھے۔ امیر معاویہ نے اسی کو اپنا وسیلہ بنایا اور اس جذبہ کو ابھارا، اور مسلم عوام کے جذبات کو ابھارنے اور اپنی تحریک قصاص عثمان رضی کی راہ ہموار کرنے کے لیے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے انھوں نے مدینہ سے حضرت عثمان کا خون آلود پیرہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرادیں۔ شامی جوق جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے اور شام میں حضرت امیر المومنین کے خلاف اور امیر معاویہ کے موافق فضا تیار ہوتی جاتی امیر معاویہ نے حضرت علی کے قاصد کو روک لیا تھا اور یہ منظر دکھانے کے بعد رخصت کیا اور اس کے ہمراہ اپنے ایک قاصد کو ایک لفافہ دے کر حضرت علی کے پاس بھیجا جس میں صرف "از معاویہ بنام علی" مکتوب تھا۔ شامی قاصد سے پوچھا گیا کہ شام میں کیا حال ہے، تو اس نے کہا، وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمان رضی کے پیرہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں۔ قاصد کا یہ بیان خالد بن زفر عبسی کو ناگوار گذرا انھوں نے فوراً کہا "تمھارا برا ہو۔ کیا تم مہاجرین وانصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمان رضی قمیص یوسف ع ہے اور نہ معاویہ، یعقوب ع کی طرح غم سے نڈھال ہیں، اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے، کہ اہل عراق اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں"۔

یہ پہلا موقع ہوا کہ عراقی و شامی مسلمان ایک دوسرے کے حریف قرار پائے۔

حضرت علی کی جوابی تیاریاں اور اکابر صحابہ کا تردّد اور غیر جانبداری

اب حضرت علی رض کو واقعات کا پورا اندازہ ہوگیا تھا، انھوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی تھیں، اکثر صحابہ اس میں شرکت کے بارے میں متردد تھے، بعضوں نے مخالفت کی اور بعضوں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت علی رض نے ان سے پوچھا کہ "مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں، کیا واقعہ ہے؟" حضرت سعد بن ابی وقاص نے جواب میں فرمایا "اگر اس جنگ میں میری

Marfat.com

شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے، جو کافر و مسلم میں امتیاز کر سکے" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "ایسی چیز میں شرکت کے لئے مجھے مجبور نہ کیجئے، جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا" حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا "مجھے معاف رکھا جائے۔ میں نے عہد کیا ہے کلمۂ شہادت پڑھنے والوں سے جنگ نہیں کروں گا" حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے لڑنے کا وقت آئے تو اس کو کوہِ اُحد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں، کل میں نے اس کو توڑ دیا" حضرت طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ جا چکے تھے۔ تاہم بعض صحابہ نے اپنی خدمات پیش کیں اور وہ حضرت علیؓ کی فوج میں شریک ہوئے جن میں بدری صحابہ بھی تھے۔

جنگ جمل کی تمہید حضرت عائشہ کی قصاص عثمانؓ کے لئے تیاری

ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہ کے خلاف تیاری میں مصروف تھے، کہ اچانک اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورتِ حال سامنے آگئی، یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قصاص عثمان کی دعوت لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ مدینہ پر بلوائیوں کی یورش کے زمانہ میں حج کے لئے مدینہ سے مکہ چلی گئی تھیں، وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ اس کے نتیجہ میں حضرتِ عثمان کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آجائے گا۔ حج سے واپس آرہی تھیں کہ انھیں راہ میں اس اندوہناک حادثہ کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لی گئی ہے اور قاتلینِ عثمانؓ اُن کے ہمنواؤں میں ہیں، اور ان سے کوئی قصاص نہیں لیا گیا، یہ حالات سنتے ہی وہ مکہ معظمہ لوٹ آئیں۔ واپس آنے کی خبر سُن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے، ان کے سامنے انھوں نے جذبات سے بھری ہوئی پُرجوش تقریر کی، جس میں انھوں نے قصاص عثمان کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی اور آخر میں کہا "میں اس لئے واپس آئی ہوں کہ ...... عثمانؓ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو۔"

اس دعوت پر ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لئے تیار ہوگئے، اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے اور جن میں معززین و رؤسا اور صاحب ثروت تھے، حضرت عائشہ کے ساتھ ہوگئے۔ عثمانی عہد کے والی مکہ عبداللہ بن عامر حضرمی نے اعلان کیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادراہ کا سامان نہ ہو وہ سب پورا کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے چھ سو آدمیوں کے لئے سواری اور دوسرے سامان و زادراہ کا انتظام کیا۔ ایک دوسرے اموی رئیس یعلی بن امیہ نے بھی چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے اور تین ہزار فوج تیار ہوگئی، محتاط صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ بھی پہنچ گئے تھے، حضرت عائشہ نے ان کی معاونت چاہی، مگر انھوں نے ان سے بھی شریک ہونے سے معذوری ظاہر کی کہ وہ اہلِ مدینہ کی تقلید کریں گے، حق و ناحق کا فیصلہ مشکل ہے۔ ایک طرف مظلوم خلیفہ کے خونِ بے گناہی کے قصاص کی دعوت ہے، دوسری طرف خلیفہ برحق حضرت علی مرتضیٰ رضہ ہیں۔ لیکن حضرت طلحہ و زبیر قصاص عثمان سے مایوس ہو کر حضرت عائشہ کے ہمنوا ہوگئے۔ مدینہ سے بنی امیہ کے مفرور لوگوں میں مشہور فتنہ پرداز مروان بن حکم اور سابق والی کوفہ سعید بن العاص بھی مکہ میں موجود تھے، انھوں نے نہایت جوش و خروش سے اس تحریک کو پھیلایا، مکہ کا بیت المال تو قبضہ میں تھا ہی، اور دوسرے مقامات بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری آبادیوں میں تحریک کی اشاعت کی اور یہ طے کیا کہ پہلے مالی سہولت حاصل کرنے کے لئے ہر جگہ بیت المال کو قبضہ میں لایا جائے، چنانچہ ان مقامات میں بھی اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش شروع کر دی گئی۔

حضرت ام المومنین عائشہ بصرہ کی سمت | چنانچہ ان ہی وجوہ سے حضرت عائشہ اور ان کے گروہ نے مدینہ جانے کی بجائے جہاں قاتلین عثمان اور ان کے ہمنواؤں کی جماعت موجود تھی، بصرہ جانے کا فیصلہ کیا، چنانچہ حضرت عائشہ ماہ صفر ۳۶ھ میں مکہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ روانگی کے وقت نہایت پر اثر منظر تھا۔ لوگ اسلام کی اس نازک

گھڑی پر اس قدر زار زار روئے کہ اس دن کا نام "یوم گریہ" پڑ گیا۔ اس گروہ میں مخلص و اصلاح پسند مسلمان اور مفسدین دونوں تھے۔ راستہ میں چشمۂ حواب پر قافلہ پہنچا تو کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ نے پوچھا، "یہ کون سا چشمہ ہے؟" چشمہ کا نام حواب معلوم ہوا تو انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یاد آیا، اور فرمایا کہ مجھے یہیں سے واپس کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں گے، لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حواب کا چشمہ نہیں ہے۔ اس کے بعد قافلہ آگے بڑھا۔

جب حضرت عائشہ بصرہ کے قریب پہنچیں تو بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف نے جن کو حضرت علی نے مقرر کیا تھا، عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، انھوں نے آکر حضرت عائشہ سے آنے کا سبب پوچھا، تو انھوں نے حضرت عثمان رضی کی دردناک شہادت اور فتنہ و فساد کے پھیلنے کا ذکر کر کے کہا "میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان مفسدین سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے.... ہم اصلاح کے لئے اٹھے ہیں..... یہی ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کرنا ہے اور ان لوگوں کی برائی سے تم کو بچانا چاہتے ہیں۔"

والیٔ بصرہ و حضرت عائشہ کی فوجوں میں جنگ

حضرت عائشہ کی پوری تقریر پُر اثر تھی۔ والیٔ بصرہ کے ایک قاصد عمران بن حصین اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ غیر جانب دار بن کر گھر بیٹھ رہے، والیٔ بصرہ نے حضرت عائشہ کو بزور روکنا چاہا۔ بصرہ کے کچھ لوگوں نے جو نرمی اور صلح و آشتی سے کام لینا چاہتے تھے، والیٔ بصرہ کو اپنے ارادہ سے کم از کم اس وقت تک باز رہنے کا مشورہ دیا جب تک حضرت علی رض یہاں تشریف نہ لے آئیں۔ والیٔ بصرہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور فوج کے ساتھ مقابلہ کر کے بصرہ میں ان کو داخل ہونے سے روکنا چاہا، ادھر حضرت طلحہ و زبیر اپنی کمان میں فوج لے کر آگے بڑھے، جب دونوں فوجیں

Marfat.com

مقابل آئیں، تو حضرت عائشہ نے اس موقع پر پھر ایک مؤثر تقریر کی، جس میں انھوں نے کہا "..... خبردار پیچھا ہو، کہ جو کام تمھیں کرنا ہے، اور جس کے خلاف کرنا نامزا ہے، وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ " یہ پوری تقریر بھی ایسی دل نشین تھی، کہ خود عثمان بن حنیف والی بصرہ کی فوج کے ایک حصّے نے یہ کہہ کر کہ "امّ المومنین سچ کہتی ہیں" اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر بھی والی بصرہ عثمان بن حنیف اپنے ارادہ پر قائم رہا اور شہر کو مخالفین کے استیلاء سے بچانے کے لئے جنگ چھیڑ دی اور بڑی خوں ریز لڑائی ہوئی، لیکن عثمان بن حنیف اور ام المومنین کا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا جبکہ حضرت طلحہ و زبیر جیسے آزمودہ اکابر صحابہ بھی امّ المومنین کے ساتھ تھے۔ عثمان بن حنیف کو شکست ہوئی، وہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس شکست کے بعد حضرت عائشہ کی فوج نے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے بہت سے آدمیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا مقتولین میں حکم بن جبلہ بھی تھا جس کے یہاں عبداللہ بن سبا پہلی مرتبہ بصرہ میں آکر ٹھہرا تھا۔ اس قتل و غارتگری کی وجہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت عائشہ کے خلاف ہو گئی۔ حضرت عائشہ نے والی بصرہ عثمان بن حنیف کو رہا کرنے کا حکم دیا کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں، وہ رہا ہو کر مدینہ میں حضرت علی کے پاس آگئے۔

حضرت امیر کا قصد عراق اور بعض صحابہ کی مخالفت

ادھر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، امیر معاویہ کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، اور اُن کی ساری توجّہ اس طرف مبذول تھی، کہ انھیں مکّہ کے حالات، پھر حضرت عائشہ کے قصاص عثمان کی دعوت میں اٹھ کھڑے ہونے اور مخلصین و مفسدین کی جماعت کو ساتھ لے کر بصرہ جانے کی خبر ملی، اس لئے حضرت علی نے سر دست امیر معاویہ کے معاملہ سے یکسو ہونے کے ارادہ کو ملتوی کیا اور عراق جانے کی تیّاری شروع کی تاکہ وہاں کے بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو اطاعت پر قائم رکھیں، اسی اثناء میں والی بصرہ عثمان بن حنیف

Marfat.com

مدینہ آگئے تھے۔

جب انصار کرام کو حضرت علی کے اس ارادہ کی خبر ہوئی، تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ بدری صحابی حضرت عقبہ بن عامر نے انصار کی جانب سے گذارش کی، کہ اس وقت دار الخلافہ کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں عہد فاروقی میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، حضرت عمر کبھی باہر نہیں نکلے، بلکہ حضرت ابوعبیدہ جیسے جانباز اس وقت بھی موجود ہیں حضرت علی نے فرمایا یہ صحیح ہے مگر عراق پر مخالفین کے تسلط سے بڑی دشواری پیش آجائے گی عراق مسلمانوں کی بڑی نوآبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی لاکھوں روپے پر ہیں میرا وہاں موجود رہنا زیادہ ضروری ہے۔

حضرت امیر کا سفر عراق اور بصرہ پر مخالفین کا استیلاء

چنانچہ حضرت علی ماہ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے، چند مخلص صحابہ کے سوا اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے بصرہ و کوفہ کے لوگوں کی بھی بڑی تعداد تھی۔ تقریباً سات سو آدمی حضرت علی کے ہمراہ تھے قافلہ کی روانگی کے وقت مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام حاضر ہوئے اور حضرت علی کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا "امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلیے، اگر اس وقت نکلے تو پھر خدا کی قسم آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا"، مگر حضرت علی اپنی رائے پر قائم رہے اور مقام ذی قار پہنچ کر منزل کی۔ یہاں مزید حالات علم میں آئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ وزبیر سبقت کرکے اہل بصرہ سے بیعت لے چکے ہیں اور بنو سعد کے سوا تمام اہل بصرہ بیعت کرچکے ہیں۔

حضرت امام حسن کا کوفہ میں ورود اور دس ہزار فوج کا مجتمع ہونا!

ذی قار میں یہ حالات سننے کے بعد حضرت علی نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کے ساتھ کوفہ بھیجا تاکہ لوگوں کو خلیفہ برحق کی اعانت پر آمادہ کریں۔ امام حسن وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ کوفہ کے والی حضرت ابوموسیٰ اشعری ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے مسجد کوفہ میں

Marfat.com

لوگوں کو جنگ میں شرکت سے باز رکھنے کے لئے تقریر کر رہے ہیں، کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا، وہ سر پر ہے، اس لئے ہتھیار بیکار کر دو اور خانہ نشین ہو جاؤ۔ مجمع ان کے وعظ سے بہت متاثر ہو رہا تھا، اس لئے حضرت امام حسن آگے بڑھے، اور ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ" اس کے بعد خود منبر پر چڑھے اور اپنی پُراثر تقریر میں لوگوں کو امیر المومنین کی حمایت پر آمادہ کیا۔ کوفہ کے ایک معزز و ذی اثر بزرگ حجر بن عدی کندی نے کھڑے ہو کر حضرت امام حسن کی تائید کی اور فرمایا "صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو، علمِ حیدری کے نیچے جمع ہو جاؤ اور فتنہ و فساد کی آگ کو سرد کر دو۔ میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں" حضرت امام حسن و حجر بن عدی کی تقریروں سے مجمع کا رنگ بدل گیا۔ ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت و فرماں برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دس ہزار جاں بازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں آ کر امیر المومنین کی فوج سے مل گئی اور حضرت امیر نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کی سمت کوچ کیا۔

حضرت امیر کی طرف سے مصالحت کی کوشش

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علیؓ نے ایک صحابی حضرت قعقاع ابن عمر کو حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر کے پاس مصالحت کی کوشش کے لئے بصرہ بھیجا۔ بصرہ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم تھا۔ ایک حلقہ غیر جانبداروں کا تھا، جو امن و سلامتی اور مصالحت کا جویاں تھا، دوسرا گروہ حضرت علی کا طرفدار تھا اور تیسرا عثمانی تھا جو حضرت عائشہ و طلحہ وغیرہ کا حامی تھا۔ قعقاع، بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہ سے ملے، پھر یہیں حضرت طلحہ و زبیر کو حضرت عائشہ سے کہہ کر بلوایا۔ ان تینوں سے قعقاع نے گفتگو شروع کی، قعقاع نے کہا "آپ لوگوں کے بصرہ تشریف لانے کی غرض، جیسا کہ ام المومنین نے فرمایا "اصلاح" ہے، اس "اصلاح" کا طریقہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم ضرور اصلاح کریں گے" حضرت طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ "قاتلینِ عثمان کا قصاص ــــ اگر اسے چھوڑ دیا

گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا، اگر اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔"

اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلینِ عثمانؓ کو قتل کر چکے، اگر اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو آپ کا دعویٰ زیادہ قوی ہوتا۔ پھر جب آپ نے ان میں سے حرقوص بن زبیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے ہیں، کیا یہ قرآن کو پسِ پشت ڈالنا نہیں ہے؟ پھر جس پر خود عمل نہ کر سکے، اس کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہیں، اگر آپ نے جنگ کا ارادہ ترک نہیں کیا تو بصرہ کے وہ لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، وہ بھی آپ کے خلاف لڑیں گے" یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ "پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" قعقاع نے جواب میں کہا "میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن و سکون پیدا کرنا ہے، جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے، تو ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے، اگر آپ لوگ امیرالمومنین کی بیعت کر لیں تو یہ امت کے لئے فالِ نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے، ورنہ نہ امن و امان قائم ہوگا، نہ قصاص لیا جا سکے گا جس طرح آپ لوگ امت کے لئے امن و عافیت کی کلید تھے ویسے ہی اب بھی بنیئے، ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجیے۔ ایسی آزمائش ہم دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا خاندان کا معاملہ نہیں، بلکہ ساری اُمت کا معاملہ ہے، اس میں غور و فکر سے کام لیجیے اور ایسی روش اختیار کیجیے، کہ ہم، آپ اور ساری امت جو حوادث کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی ہے، مامون و محفوظ رہے۔"

قعقاع کی گفتگو دل نشیں تھی۔ حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر تینوں نے اس کو پسند کیا اور کہا علیؓ کے پاس جا کر ان کی رائے لو، اگر وہ تمھارے ہم خیال ہیں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائینگے، قعقاع نے واپس آکر حضرت علی کو یہ مژدہ سنایا، وہ بہت مسرور ہوئے، دونوں جماعتوں میں مخلصین کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لئے تیار ہو گئی۔

لیکن دونوں جماعتوں میں مفسدین کا عنصر بھی موجود تھا۔ حضرت عائشہ کے زیرِ علم

Marfat.com

بنو امیہ کے ممتاز افراد تھے، بنو امیہ اور بنو ہاشم کی قدیم رقابت جاگ چکی تھی، اموی کسی حال میں حضرت علی کی اطاعت قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے، دوسری طرف مخفی تنظیم جماعت سبائی اور قاتلین عثمان اور ان کے قبیلوں کے لوگ تھے جو سمجھتے تھے، کہ صلح و صفائی کے بعد سکون پیدا ہوتے ہی قصاص عثمان رض کا معاملہ اٹھے گا۔ حضرت علی رض کی دین داری اور کمال تقویٰ سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی کہ الزام قتل کے ثبوت کے بعد وہ قاتلوں کو صرف اس وجہ سے چھوڑ سکیں، کہ وہ ان کی جماعت کے اور ان کے ہمنوا ہیں، اس لئے اس مسئلہ کو صلح و آشتی کی بجائے طاقت ہی کے ذریعے حل کیا جائے۔ پھر اتفاق سے قعقاع نے عام مسلمانوں کے سامنے آئندہ صلح ہو جانے اور فوجی اجتماع کے کل دوسرے دن تک منتشر ہو جانے کی خوشخبری سنانے کے لئے جو تقریر کی، اس میں اپنے کمال تدبر، دانائی اور ہوش مندی کے باوجود آخر میں یہ بھی کہہ گئے، کہ:

"لیکن جن لوگوں نے عثمان کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انھیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیئے، اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیئے۔"

جماعت سبائی و مخالفین عثمان میں اضطراب اور مخفی مشورہ

قعقاع کے اس اعلان سے علوی لشکر میں جماعت سبائی اور حضرت عثمان کے مخالفین کے اس گروہ میں جس نے ان کے قصر کا محاصرہ کیا تھا، سخت اضطراب و انتشار پیدا ہوا۔ ان کے سربرآوردہ رہنماؤں نے باہمی مخفی مشورہ کیا جس میں یہ واضح طور پر بیان کیا گیا کہ علی، مدعیان قصاص کی بہ نسبت کتاب اللہ سے زیادہ واقف ہیں، وہ حالات کی سکون پذیری کے بعد خون عثمان کا قصاص لے کر رہیں گے، طلحہ و زبیر کی رائے پہلے سے معلوم ہے، اس لئے زیادہ بہتر ہے کہ علی و طلحہ و زبیر سب کو عثمان کے پاس پہنچا دیا جائے۔ لیکن اس رائے پر اتفاق نہ ہو سکا اور بالآخر یہ طے پایا کہ مصالحت کی تکمیل سے پہلے کسی طرح فوج کو لڑا کر جنگ چھیڑ دی جائے، جب شعلہ بھڑک جائیگا تو اس کی لپیٹ میں سب ہی آجائیں گے اور مصالحت کی تجویز کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔

Marfat.com

حضرت علی سے پیش قدمی کا مطالبہ اس مخفی مشورہ کے بعد ان کے سربرآوردہ لوگوں نے فوج کے لوگوں سے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے سازباز کی اور حضرت علی کے لشکر کے جنگجو سپاہی پیش دستی کے لئے بے چین ہو گئے۔ حضرت علی سے جنگ کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے فرمایا "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں، ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ جنگ کو ختم کرکے امت کا شیرازہ مجتمع کر دے۔" اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا کہ "اگر وہ لوگ صلح کا پیام نہ دیں، یا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں؟" حضرت علی نے فرمایا "اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کریں گے اور اپنی مدافعت کریں گے۔"

قصاص و جنگ کے متعلق حضرت علی کی شرعی رائے معلوم کرنے کی کوشش اس کے بعد ابو سلامہ درلانی نے حضرت علی سے استفسار کیا کہ اگر ان لوگوں کے دعوئ قصاص میں اخلاص و حسنِ نیت ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا؟ فرمایا "کیوں نہیں" ابو سلامہ نے کہا "تو اس کی تاخیر میں آپ کے لئے کیا حجت ہے؟" فرمایا "جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو، اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیئے جو زیادہ وسیع ہو اور جس کا فائدہ زیادہ عام ہو۔" ابو سلامہ نے کہا "کل ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟" فرمایا "دونوں میں سے جو بھی خالصۃً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔" (طبری جلد ۶ صفحہ ۳۱۶۷)

فوج کو حضرت امیر کی صبر و سکون کی تلقین اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو پُرامن اور صبر و سکون سے رہنے کی تلقین کے لئے ایک تقریر فرمائی، جس کے آخر میں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "پیش آنے والے واقعات کا صبر سے انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو۔ آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا، کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔"

حضرت طلحہ و زبیر کی مصالحانہ روش دوسری طرف حضرت عائشہ کے لشکر میں اموی و دوسرے مخالفین علی تھے جو مصالحت کے خواہاں نہ تھے۔ حضرت علی ذی قار میں تھے، وہ وہاں سے کوچ کرکے بصرہ کے قریب آنا چاہتے تھے۔ دو آدمی باری باری سے حضرت طلحہ و زبیر سے ملے، کہ ان

Marfat.com

وقت جنگی مصلحت کا تقاضا ہے کہ قبل اس کے کہ علی اپنی فوج سے ملیں، ایک ہزار آدمی اُن کو روکنے کے لئے بھیج دیئے جائیں۔ حضرت طلحہ نے کہا "جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں، لیکن انھوں نے مصالحت کی ہمیں دعوت دی ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔"

حضرت علی کی بصرہ کے قریب منزل اور مصالحت کیلئے نامہ و پیام اس کے بعد حضرت علی نے اپنی جماعت کے ساتھ ذی قار سے اٹھ کر بصرہ کے قریب آکر منزل کی اور مصالحت کی تکمیل کے لئے نامہ و پیام شروع ہو گیا۔

صلح کا انعقاد اس کے بعد حضرت علی و طلحہ و زبیر میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی۔ مختلف فیہ مسائل پر بحث و تمحیص کے بعد ان ہی بنیادی باتوں پر جو قعقاع کی ابتدائی گفتگو میں طے پا چکی تھیں، مصالحت کی تکمیل عمل میں آگئی۔ انعقادِ صلح کے بعد فریقین مسرور و مطمئن اپنے اپنے لشکر گاہوں میں واپس آئے، کہ طلوع صبح کے بعد صلح کا اعلانِ عام کیا جائے، صلح کی شرطوں پر عمل کیا جائے، اور دونوں طرف کے لشکر منتشر کر دیئے جائیں۔

شرانگیزوں کا جنگِ جمل برپا کر دینا لیکن رات کا یہ خواب ابھی صبح کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے پایا تھا کہ رات کی تاریکی ہی میں شرانگیزوں نے اچانک فتنہ کے فلیتہ کو جلا دیا اور اپنے سوچے سمجھے ہتھکنڈوں کے مطابق دونوں طرف کے اشرار نے ایک دوسری جماعت پر شبخوں مارا۔ لوگ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور صبح ہوتے ہوتے ایک قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اس حملہ سے دونوں فریق گھبرا گئے۔ ایک طرف کے سپاہیوں نے دوسری طرف کے سپاہیوں پر ابتداء کرنے کا الزام لگایا، پھر ہر ایک کو گمان ہوا کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کے ساتھ بدعہدی کی، لیکن حضرت عائشہ و علی دونوں نے اس عالم میں بھی اپنے حواس بجا رکھے اور ایک دوسرے پر اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچایا۔

حضرت عائشہ اونٹ[1] پر آہنی ہودج میں بیٹھ کر میدان میں نمودار ہوئیں کہ اپنی فوج کو اس حملہ سے

---

[1] عربی میں اونٹ کو "جمل" کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یہ لڑائی جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہوئی۔

Marfat.com

روک سکیں، دوسری طرف حضرت علی رضؓ نے پکار پکار کر آواز دی کہ "لوگو! رُک جاؤ۔ لوگو! رُک جاؤ"۔ لیکن اس ہنگامہ میں کون کس کی سُنتا! لڑائی تیزی سے جاری رہی اور بڑھتی بڑھتی ایسی ہولناک ہوگئی، کہ امن وصلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہوئے، اور فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آرا ہوگئے اور ضابطہ کی خوں ریز جنگ شروع ہوگئی بصرہ کا شہسوار عمرو بن یثرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا، کہ حضرت علی کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا۔ اس کی زبان پر ام المومنین کی ستائش میں رجز جاری تھا۔ آخر عادی لشکر کے ایک مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تیغ و سنان کے ردوبدل کے بعد دونوں ایک، دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہوگئے۔

<u>جنگ سے حضرت زبیر و طلحہ کی علیحدگی اور شہادت</u> عین ہنگامۂ کارزار میں حضرت علی گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آئے، جہاں پر حضرت زبیر موجود تھے، ان سے فرمایا "ابوعبداللہ! تم کو یاد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا، کہ تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے؟" حضرت زبیر نے فرمایا "ہاں، مجھے یاد آگیا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی یاد آتے ہی حضرت زبیر نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ علی رضؓ نے ایک بات یاد دلادی ہے، جو میرے ذہن سے اُتر گئی تھی، اس لئے اب میں واپس جاتا ہوں، تم بھی لوٹ چلو۔ لیکن عبداللہ اپنی خالہ جان حضرت عائشہ کی حمایت میں پیش پیش تھے، میدانِ جنگ نہ چھوڑ سکے، حضرت زبیر تنہا لوٹ گئے، کہ بصرہ جاکر سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں۔

حضرت زبیر کو میدانِ جنگ سے واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہ نے بھی واپسی کا قصد کیا، انھوں نے جیسے ہی پیٹھ پھیری، اموی نابکار مروان بن حکم نے دیکھا کہ ان دونوں کے میدان سے ہٹنے کے بعد لڑائی کا رنگ بدل جائے گا، اس نے حضرت طلحہ پر تیر کا نشانہ لگایا وہ ان کے

Marfat.com

گھٹنے میں پیوست ہوگیا۔ تیر زہر میں بجھایا ہوا تھا، وہ سم قاتل بنا اور اسی جگہ ان کی جانِ جانِ آفریں کے سپرد ہوگئی۔

اُدھر حضرت زبیر کی واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز ساتھ ہوگیا۔ حضرت زبیر وادی سباع میں نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے بھی نماز میں ان کی اقتدا کی، وہ جیسے ہی سجدہ میں گئے، ابن جرموز نے ایسا وار کیا، کہ ایک ہی وار میں ان کا کام تمام ہوگیا۔ شہادت کے بعد ابن جرموز اپنی کارگذاری دکھانے کے لئے ان کی تلوار، زرہ، گھوڑے اور سر کو اپنے ساتھ لئے خوش خوش حضرت علی کے پاس پہنچا، حضرت امیر یہ دیکھ کر غم سے نڈھال ہوئے، فرمایا ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت ہو" پھر حضرت زبیر کی تلوار کی طرف اشارہ کرکے فرمایا" یہ اس شخص کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کئے ہیں" ابن جرموز، حضرت علی و زبیر کے مابین میدانِ جنگ میں جو آخری گفتگو ہوئی تھی، اس سے آشنا نہ تھا، اس نے حضرت علی سے کہا" میری جاں نثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں!"

اُم المومنین کے ہودج کی قربان گاہ پر جان نثاروں کی قربانیاں

جنگ میں فریقین پامردی سے ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے، حضرت عائشہ اونٹ کے ہودج پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش تھی، سبائی انھیں گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ لڑائی کا پورا زور سمٹ کر اسی سمت آگیا، حضرت عائشہ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، ان کی حفاظت کے لئے ان کے جان نثاروں میں سے بوجنہ اپنی لاشوں پر لاشیں قربان کر رہے تھے اور ام المومنین کی ستائش میں رجز پڑھتے جاتے تھے۔ بوجنہ کے ساتھ بکر بن وائل اور ازدبھی اونٹ کو حلقہ میں لے کر جوش و ثبات و وارفتگی سے لڑ رہے تھے حضرت عبداللہ بن زبیر اونٹ کی نکیل پکڑے تھے، زخمی ہوکر گرے، تو فوراً دوسرے نے پکڑ لی، اور یکے بعد دیگرے ستر جاں نثاروں نے اپنی زندگی قربان کر دی۔ اونٹ کو حصار میں لئے

Marfat.com

ڈو ہزار سات سو ازدی اور ڈو ہزار بنی جنہ مارے گئے او ہودج میں تیر آکر اس قدر پیوست ہوئے تھے کہ وہ کانٹوں کا گچھا معلوم ہونے لگا۔

جنگ کا خاتمہ حضرت علی نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بیٹھا نہیں دیا جاتا، خون ریزی بند نہیں ہوگی، انھوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کرکے اس کو گرا دیا جائے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے، وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی، لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت علی نے اعلان کرایا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے، نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے، اور نہ کسی کا مال لوٹا جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ مامون ہے، نہ کوئی مسلمان قیدی بنایا جا سکتا ہے، اور نہ اس کا مال، غنیمت قرار پا سکتا ہے۔

اس جنگ میں فریقین کے تقریباً دس ہزار آدمی کام آئے۔

حضرت علی کی طرف سے حضرت ام المومنین کی خبر گیری جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت علی نے فوراً حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ حضرت ام المومنین کو چشمِ زخم تو نہیں پہنچا اور انھیں لے جا کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر نے آکر ہودج کی رسیاں کاٹیں اور اس کو اٹھا کر فوج کے حلقہ سے نکال کر الگ لے جا کر رکھا۔ پھر حضرت امیر کے مشورہ کے مطابق انھیں بصرہ لے گئے۔

حضرت علی حضرت ام المومنین کی خدمت میں اس کے بعد حضرت علی خود مزاج پرسی کیلئے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پوچھا "مزاج کیسا ہے؟" فرمایا "اچھی ہوں۔" حضرت علی نے فرمایا "خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے۔" حضرت عائشہ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔

حضرت ام المومنین عائشہ مکہ کو روانگی حضرت ام المومنین کے بصرہ میں چند دنوں آرام کرنے کے بعد حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ انھیں عزت و احترام

Marfat.com

سے مکہ پہنچا دیں، پھر جب چاہیں وہاں سے مدینہ تشریف لے جائیں بسواری، زاد راہ اور نقد جنس وغیرہ کا انتظام کر دیا گیا اور حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں واپسی کی اجازت دی۔ بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کے ہمرکاب کیا۔ چنانچہ یہ قافلہ یکم رجب ۳۶ھ کو بصرہ سے روانہ ہوا۔ روانگی کے وقت رخصت کرنے کے لئے حضرت علی خود حاضر ہوئے حضرت ام المومنین عائشہ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے کہا "میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیئے میرے اور علی کے درمیان بجز ان شکووں کے جو رشتہ داروں میں ہوتے ہیں، اور کوئی رنجش نہیں تھی، وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں" حضرت علی نے فرمایا "ام المومنین صحیح فرماتی ہیں، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی، وہ دنیا و آخرت دونوں میں محترم اور ہمارے نبی کی حرم ہیں"

اس صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی نے چند میل تک خود مشایعت کی اور حضرت امام حسن و حسین کو ایک منزل تک مشایعت میں جانے اور محمد بن ابی بکر کو ساتھ رہ کر مکہ پھر وہاں سے مدینہ تک پہنچا دینے کی ہدایت فرما کر واپس آ گئے۔

جنگ جمل پر ایک نظر اس جنگ کی بنیاد شہادت عثمان کے ردِ عمل میں جذبات کے ابھر جانے، غلط اطلاعوں کے پھیلنے اور غلط فہمیوں کے پیدا ہو جانے سے پڑی۔ حضرت عائشہ و زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان کے خون کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے، یہ ظاہر ہے کہ قصاص لینے کا حق صرف امام کو حاصل ہے، پھر ایک طرف انہوں نے حضرت علی کی خلافت تسلیم نہیں کی، دوسری طرف ان ہی سے قصاص کا مطالبہ کیا، حالانکہ اس صورت میں پہلے خلافت و امامت کا فیصلہ ہونا تھا، نہ کہ اقامت حد کے سوال کا اٹھنا تھا۔ پھر ان کی نگاہ حضرت علی کی وقتی معذوریوں پر بھی نہیں گئی، پھر مقدمۂ قتل میں قاتلوں کی تعیین شخصی و شناخت نہ ہو سکی تھی، اگرچہ یہ حقیقت معلوم تھی، کہ وہ اسی گروہ سے وابستہ تھے جس نے حضرت عثمان کے قتل

Marfat.com

کا محاصرہ کیا تھا اور اس وقت حضرت علی کے لشکر میں موجود تھا، لیکن وہ اشخاص کون تھے، یہ معلوم نہ تھا، یا شرعی شہادت سے ان کے نام متعیّن نہیں تھے، پھر اسی جماعت میں سے جو قوم سمجھا جاتا تھا جس کو حضرت عائشہ کی جماعت والی بصرہ پر فتحمندی کے بعد گرفتار کر سکتی تھی، مگر عوامی جذبات کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسی حقیقت کی طرف قعقاع نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا اور وہ حضرت عائشہ وغیرہ کے نزدیک دلنشیں بات قرار پائی اور صلح و آشتی کی فضا پیدا ہوئی، یہاں تک کہ مخالفین کی معاندانہ روش کے باوجود صلح کا انعقاد ہو گیا اور معاملات کے رفع دفع ہونے کی نوبت آگئی، لیکن سبائیوں کا فتنہ پرور گروہ اور قبائلی عصبیت زدہ اموی، دونوں فوجوں میں موجود تھے اور مشترک مقصد یعنی صلح کے منعقد نہ ہونے دینے میں دونوں دشمن عملاً ایک دوسرے کے معاون ہو گئے اور جنگ اچانک پھوٹ پڑی۔ شعلہ بھڑکا اور امن و امان غارت ہو گیا، خون ریزی ہوئی جس کو روکنے کی دونوں طرف کے سربراہوں نے کوشش کی، مگر وقت کے حالات کی چکّی کی رفتار تیز تھی۔ جنگ کا شعلہ بھڑکتا گیا اور وہ بالآخر حضرت عائشہ و حضرت علی دونوں کے نہ چاہنے کے باوجود برپا ہو گئی۔

اس لئے حضرت عائشہ کو اس حادثہ پر زندگی بھر افسوس رہا، جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار زار رونے لگتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ "کاش! آج سے بیس برس پہلے دنیا سے اُٹھ گئی ہوتی۔"

حضرت علی کا ورود کوفہ حضرت علیؓ نے بصرہ میں چند دنوں قیام کے بعد کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ ۶۵۷ء یوم دوشنبہ کو کوفہ میں داخل ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد و قناعت کے گلیم پوش تاجدار نے فرمایا "مجھے اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لئے کافی ہے۔" محل میں فروکش نہیں ہوئے، مسجد کوفہ میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر جمعہ کے دن خطبہ دیا جس میں لوگوں کو اتقاء و پرہیزگاری اور وفاشعاری کی تلقین فرمائی۔

مرکز خلافت کی منتقلی کوفہ میں حضرت علیؓ نے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور مدینہ

Marfat.com

کی بجائے کوفہ کو مرکزِ خلافت قرار دیا، اس طرح حضرت عبداللہ بن سلام کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو انھوں نے حضرت علی سے کی تھی، کہ "اگر اس وقت نکلے تو پھر خدا کی قسم یہاں واپس نہ آئینگے مرکزِ خلافت مدینہ سے نکل جائے گا۔" دار الخلافہ کی اس تبدیلی کی دو وجہیں کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ مدینہ کے احترام میں آئندہ فرق نہ آئے، سیاسی انقلابات وشورش وفتن سے محفوظ رہے۔ دوسرے کوفہ کے لوگ حضرت علی کے لئے اپنی جاں نثاری کا مظاہرہ کر چکے تھے، اور یہاں ان کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ومرکزیت جاتی رہی اور خود حضرت علی اسلام کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، ان کے مخالفین کو یہاں غلبہ حاصل کرنے کا موقع ملا، جن کے ہاتھوں ایک سے زائد مرتبہ مدینہ کی حرمت بھی باقی نہیں رہی۔

حکومت کا جدید نظم ونسق وعمال کا تقرر | حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر حکومت کا نیا نظم ونسق قائم کیا۔ مختلف مقامات کے لئے نئے والی مقرر کئے، جنھوں نے اپنے اپنے علاقہ میں جاکر حکومت کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ بعض مقاموں پر سابق ولاۃ برقرار رہے، اس تقرر کے لئے مختلف ولاۃ اور ان کی ولایات کا نقشہ حسب ذیل ہے:

ولاۃ	ولایات	ولاۃ	ولایات	ولاۃ	ولایات
۱۔ سہل بن حنیف	مدینہ	۲۔ قیس بن سعد	مصر	۳۔ عبداللہ بن عباس	بصرہ
۴۔ اشعث بن قیس	آذربائیجان	۵۔ یزید بن قیس	مداین	۶۔ عمرو بن سلمہ	بحرین
۷۔ مصقلہ بن ہبیرہ	اردشیر	۸۔ منذر بن جارود	اصطخر	۹۔ زیاد بن ابیہ	فارس
۱۰۔ قوامہ بن عجلان	کسکر	۱۱۔ عدی بن حاتم	بہرہ شیر	۱۲۔ ربعی بن کاس	سیستان
۱۳۔ خلید بن کاس	خراسان	۱۴۔ محمد بن سلیم	اصفہان	۱۵۔ عبیداللہ بن عباس	یمن
۱۶۔ اشتر نخعی	موصل، نصیبین، سنجار، آمد، ہیافارقین، عانات وشام ومتصل علاقہ جات				

خراسان کی بغاوت کا استیصال | ان ولاۃ میں سے صرف خراسان کے والی خلید اور موصل کے والی اشتر نخعی کو نئے حالات کا سامنا ہوا، ورنہ ہر جگہ ولاۃ نے بسہولت اپنے علاقہ کے نظم ونسق

Marfat.com

کو سنبھال لیا۔ خلید جب خراسان پہنچے، تو معلوم ہوا خاندانِ کسریٰ کی کسی لڑکی نے نیشاپور میں بغاوت کرادی ہے۔ خلید نے فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس لڑکی کو گرفتار کر کے بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا، حضرت علی نے اس کو آزاد کر دیا اور اس کو اختیار دیا کہ جہاں چاہے وہ قیام کرے اور جس سے چاہے اپنا بیاہ کرے۔

اشتر نخعی کی پیش قدمی اشتر نے اپنی ولایت کی زمام سنبھالنے کے بعد آگے بڑھ کر شام کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر معاویہ کے عامل ضحّاک بن قیس نے حران و رقہ کے درمیان ان کا مقابلہ کیا، امیر معاویہ نے عبدالرحمٰن بن خالد کو ضحّاک کی مدد کے لئے بھیجا، اشتر موصل لوٹ آئے، شامی فوج سے ان کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی، مگر انھوں نے شامی فوج کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

جنگِ صفین کی تمہید، امیر معاویہ کو بیعت کی دعوت اور اُن کا اِعراض حضرت علی نے ملکی نظم و نسق سے فارغ ہونے کے بعد امیر معاویہ کے معاملہ پر توجہ دی، جس کو حضرت عائشہ سے نزاع پیش آجانے کی وجہ سے ملتوی کر دیا تھا، جیسا کہ اوپر گزرا، امیر معاویہ نے بیعت کرنے سے کھل کر انکار نہیں کیا تھا، صرف ایک کاغذ پر " از معاویہ بنام علی " لکھ کر بھیج دیا تھا اور ان کے قاصد کو ان تیاریوں کا منظر دکھا دیا تھا جو شام میں قصاص عثمانؓ کے لئے کی جا رہی تھیں، اس لئے انھیں اتمامِ حجت کے لئے بیعت کی دعوت ایک مرتبہ پھر دینی تھی، چنانچہ انھوں نے جریر بن عبداللہ بجلی کو امیر معاویہ کے نام ایک خط دے کر بھیجا کہ:

"جن لوگوں نے ابوبکر و عمر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، انھوں نے میری بیعت کر لی ہے، اس کے بعد کسی کے لئے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے، ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا، اس سے بزور بیعت لی جائے گی، مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو، عافیت اور سلامتی

Marfat.com

اسی میں ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

قاتلینِ عثمان کو بہت آڑ بنا چکے، بیعت کے بعد مقدمہ پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ محض خدع و فریب ہے "

اس وقت امیر معاویہ چند در چند مشکلات میں تھے، رومی سواحل شام پر حملہ آوری کے لئے فوجیں جمع کر رہے تھے، انھیں یہ بھی احساس تھا، کہ نہ صرف عالم اسلام بلکہ شام کے مختلف علاقوں میں ان کو حضرت علی کے مقابلہ میں کوئی قبول نہیں کرے گا، خصوصاً جنگِ جمل کے بعد ممتاز ترین صحابہ میں سے اب حضرت علی کا کوئی مخالف نہیں رہ گیا اور حضرت معاویہ کے شدید مخالف محمد بن حنفیہ ان کی قید سے فرار ہو گئے ہیں جو اُن کے خلاف شام میں بھی فضا تیار کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہ و عمرو بن العاص میں ساز باز اور مصری حکومت کے لئے معاہدہ

اس وقت عرب میں اپنی ذہانت، سیاسی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی میں تین مدبّر مانے جاتے تھے، وہ امیر معاویہ، عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ تھے۔ مغیرہ بن شعبہ اس وقت تک حضرت علی کے ساتھ تھے، لیکن حضرت علی نے ان کے تدبّر و دُور اندیشی سے فائدہ نہیں اُٹھایا، اور ان کے مشوروں کو وقعت نہ دے کر اپنی رائے کے مطابق عمل کیا، جس کی وجہ سے وہ ان سے دل برداشتہ تھے، مگر اس وقت تک امیر معاویہ کے پاس بھی نہیں آئے تھے، امیر معاویہ کی نگاہ اس موقع پر عمرو بن العاص پر پڑی اور انھوں نے ان کو ان مشکل حالات میں حضرت علی کے تہدید آمیز خط کے آجانے پر بلایا اور دونوں میں کھل کر باتیں ہوئیں، عمرو بن العاص نے امیر معاویہ سے ان کی باتوں کے جواب میں کہا۔

" محمد بن حنفیہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں، وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو، وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا۔ علی بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس پر امیر معاویہ نے قتل عثمان میں حضرت

Marfat.com

علی کی اعانت کا حوالہ دیا تو عمرو بن العاص نے کہا "کچھ بھی ہو، لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی کا شرف حاصل نہیں"، پھر برجستہ کہا "اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟" معاویہ نے کہا "آخر کیا چاہتے ہو؟" عمرو بن العاص نے کہا "مصر کی حکومت" معاویہ نے کہا "مصر بھی تو عراق سے کم نہیں" عمرو بن العاص نے جواب دیا "لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے، جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہو گی"۔ عمرو بن العاص سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے، امیر معاویہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ غور و فکر کے بعد ان کو مصر کی حکومت دینے کا ان سے تحریری معاہدہ کر لیا۔

(اخبار الطوال ص ۱۶۸)

شام میں حضرت علی کے خلاف فضا تیار کرنا

اس عہد و پیمان کے بعد عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ علیؓ جیسے شخص کی مخالفت آسان نہیں، پہلے ان کے خلاف یہ یقین پیدا کیا جائے کہ عثمان کے قتل میں ان کی شرکت ہے، پھر کام آسان ہو گا۔ اس سلسلہ میں شام کی سب سے زیادہ با اثر شخصیت شرجیل بن سمط کندی کو باور کرانا ہے، امیر معاویہ نے ان سے رابطہ پیدا کیا اور چند دنوں میں شرجیل کو اس قدر یقین آگیا کہ انھوں نے امیر معاویہ سے کہا کہ اگر تم نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی، تو ہم تم کو شام سے نکال دیں گے۔ معاویہ نے کہا "آپ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گا"۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے شرجیل سے کہا کہ جب تک رائے عامہ تیار نہ ہو جائے، یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، اس لئے شرجیل نے امیر معاویہ کے کہنے کے مطابق شام کے ہر شہر اور گاؤں کا دورہ کیا اور ہر جگہ اس کی اشاعت کے لئے خطیب مقرر کئے، حضرت عثمان کے خون آلودہ پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کو شام کے گاؤں گاؤں میں گشت کرایا گیا اور پورے شام میں اس تصور کی لہر دوڑ گئی، کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرایا، مسند خلافت اور پورے ملک پر قبضہ کر لیا، اب صرف صوبہ شام رہ گیا ہے، وہ شمشیر بکف یہاں بھی آرہے ہیں۔

Marfat.com

معاویہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، وہی اس خون کا قصاص لے سکتے ہیں اور علی کے ہاتھوں سے خلافت کی مسند چھین سکتے ہیں، چند دنوں میں شام کی فوج سے لے کر عوام و امراء تک سب کے جذبات حضرت علی کے خلاف اس قدر بھڑک اٹھے، کہ اہلِ شام نے قسم کھالی کہ جب تک علیؓ سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں گے، نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ بیویوں کے قریب جائیں گے، یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔

چند مصلحین اُمّت کی ناکام مصالحانہ کوشش

جریر بن عبداللہ بجلی کی سفارت کی ناکامی کے بعد دونوں جماعتیں شمشیر بکف ہونے والی تھیں، جنگِ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون بہہ چکا تھا، اب اس سے بھی زیادہ ہولناک جنگ کا سماں پیدا ہو گیا۔ اُمّت کے چند درد مند افراد، اس عہد کے عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی کی سرکردگی میں امیر معاویہ کے پاس پہنچے، یہ شام میں ابھی تک علیؓ کے مرتبہ شناس تھے، انھوں نے معاویہ سے کہا "تم علیؓ سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو، تم کو سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہیں، پھر اُن سے تمھاری برابری کا دعویٰ کس بنیاد پر ہے؟ معاویہ نے کہا، میں فضیلت میں ان کی برابری کا دعویدار نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں، کہ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے، ہم علیؓ کی خلافت تسلیم کر لیں گے۔ ابو مسلم خولانی نے کہا "تم یہ تحریر لکھ کر ہمیں دے دو۔ ہم علیؓ سے جا کر ملتے ہیں۔" معاویہ نے ذیل کا مکتوب لکھ کر حوالہ کر دیا:

> "اما بعد! خلیفہ عثمان تمھارے یہاں تمھاری موجودگی میں قتل کیے گئے تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا، میں سچّی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچّائی اور اخلاص سے اس کی مدافعت کرتے تو ہم میں سے کوئی بھی تمھاری مخالفت نہ کرتا،
>
> دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلینِ عثمان کو پناہ دی اور اس وقت وہ تمھارے قوتِ بازو، اعوان و انصار اور مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی

معلوم ہوتا ہے کہ تم عثمان کے خون سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہو، اگر
تم اس میں سچے ہو، تو قاتلوں کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کر دو۔
ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لئے تیار ہیں۔
اور اگر ایسا نہیں کرتے، تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار
ہے، خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمان کے قاتلوں کو تلاش
کر کے قتل کریں گے، یا خود جان دے دیں گے۔"

ابو مسلم یہ خط لے کر دربارِ خلافت میں پہنچے اور عرض کیا کہ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، اگر عثمانؓ کے قاتل حوالہ کر دیئے جائیں تو تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر اس کے بعد کوئی شخص آپکی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا "کل اس کا جواب دوں گا۔" دوسرے دن ابو مسلم مسجد کوفہ میں حضرت علی سے ملے، یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔" ابو مسلم نے کہا "معلوم ہوتا ہے ان لوگوں نے باہم سازش کر رکھی ہے۔" حضرت علی نے فرمایا "ہر چند میں نے اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن دیکھ لو کہ عثمان کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے، اور امیر معاویہ کو جواب میں لکھا کہ:

"ناحق ضد سے باز آؤ، عثمان کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں میں نے
کسی کو اُن کے خلاف نہیں بھڑکایا، البتہ جب ہنگامہ زیادہ برپا ہوا، تو
میں خانہ نشین ہو گیا، مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلینِ عثمان کے حوالہ کرنے
کے مطالبہ کو تم اپنے حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اگر تم اس
فتنہ انگیزی اور بے راہروی سے باز نہ آئے، تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ
کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔"

اس کے ساتھ حضرت علی نے ایک مختصر مکتوب امیر معاویہ کے دستِ راست عمرو بن العاص کو لکھا کہ:

Marfat.com

"دُنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرزِ عمل سے باز آؤ، حق کی حمایت کرو،
اور معاویہ کی غلط روی میں اُن کا ساتھ دے کر اپنے اعمال کو برباد نہ کرو"

لیکن ان خطوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ امیر معاویہ اپنی ضد اور عمرو بن العاص اپنی روش پر قائم رہے، اور مصالحت کی یہ کوشش بھی ناکام رہی، اور حضرت علی کے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ لڑائی کی تیاری کر کے امیر معاویہ کو بزورِ اطاعت قبول کرنے پر مجبور کریں۔

جنگ کی تیاری ان حالات سے مجبور ہو کر حضرت علی نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی، دور دراز دیار و امصار کے ولاۃ و عمال کو اس جنگ میں اپنی طاقت کے ساتھ شریک ہونے کے لئے بلایا اور رفتہ رفتہ اسّی ہزار فوج شام پر حملہ آوری کے لئے تیار ہو گئی جس میں ستّر بدری صحابہ، سات سو بیعتِ رضوان کے جان نثار اور چار سو دیگر مہاجرین و انصار تھے، اس طرح گیارہ سو ستّر[۱۱۷۰] صحابہ کرام بھی حضرت علی کے جلو میں میدانِ کارزار میں اُترنے کیلئے تیار ہو گئے۔

امیر معاویہ کے اعوان و انصار امیر معاویہ کے اعوان و انصار میں سب سے اہم شخصیت عمرو بن العاص کی تھی، جیسا کہ اوپر گزرا مصر کی حکومت کا عہد لے کر وہ اپنے تدبّر، فراست، تجربہ اور حکمتِ عملی سے ان کے سب سے بڑے اور اہم مشیرِ کار بن گئے تھے، پھر عرب کے بعض دوسرے مدبّر بھی حضرت علی سے ناراض ہو کر معاویہ کے پاس آ گئے تھے، پھر حضرت عمر کے صاحبزادے عبید اللہ جنھوں نے ہرمزان کو قتل کیا تھا، یہیں آ گئے تھے۔ بنوامیہ و بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک کے تازہ ہو جانے کی وجہ سے نہ صرف عہدِ عثمانی کے وہ اُموی عمال جن کو حضرت علی نے معزول کر دیا تھا، خانوادہ بنی اُمیہ کے بیشتر افراد یہیں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پھر امیر معاویہ کی شاہانہ داد و دہش سے عرب کے اور دوسرے قبائل بھی کھنچ کر شام آ گئے تھے اور معاویہ کے دست و بازو تھے اسی طرح شام کا وسیع خطہ جس میں حضرت علی کے خلاف عام بیزاری پیدا کی گئی تھی، اُمنڈ کر معاویہ کی ..... آ گیا تھا، اس لئے امیر معاویہ کو بھی لشکرِ گراں تیار کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

Marfat.com

امیر معاویہ کی رومیوں سے عارضی صلح | روم و عرب کی جنگ چھڑی ہوئی تھی ۳۳ھ/۶۵۴ء

میں صقلیہ پر اور ۳۴ھ/۶۵۵ء میں افریقہ پر اسلامی تاختوں کے جواب میں ۳۵ھ/۶۵۶ء میں شہنشاہ قسطنطین دوم شام پر حملہ آور ہوا تھا لیکن رومی بیڑا سمندر کی نذر ہو گیا تھا، اور شہنشاہ قسطنطنیہ صیقلیہ میں بیٹھ کر دوسرے جوابی حملے کے لئے جنگی تیاریوں میں مصروف تھا کہ امیر معاویہ نے حضرت علی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور عمرو بن العاص کے مشورہ سے رومیوں سے صلح کر لینے کی تجویز قرار پائی، چنانچہ بہ عجلت نامہ و پیام کیا گیا، رومی قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا اور امیر معاویہ نے ایک عارضی صلح رومیوں سے کر لی بحری بیڑوں کے سربراہ امیر معاویہ ہی تھے، اس لئے یہ صلح روم و عرب کی صلح تھی[۱]۔ اس کے بعد امیر معاویہ سکون کے ساتھ حضرت علی کے مقابلہ کی تیاری کرتے رہے۔ (اخبار الطوال)

جنگ صفین دارالخلافہ سے فوج کی روانگی | چنانچہ حضرت علی ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ/۶۵۷ء میں ابو مسعود انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر اسی ہزار فوج کے ساتھ دارالخلافہ سے شام کے رخ روانہ ہوئے، جزیرہ کے راستہ سے رقہ پہنچے اور وہاں دریائے فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئے۔

طلایہ فوجوں میں مڈبھیڑ | حضرت امیر نے سرحد شام میں قدم رکھنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کی سرکردگی میں ایک طلایہ دستہ بھیجا۔ ادھر امیر معاویہ بھی اپنی فوج لے کر نکل چکے تھے اور ابوالاعور سلمی کی سرکردگی میں اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا تھا۔ مقام سور روم میں دونوں طلایہ دستوں کا سامنا ہوا۔ ابوالاعور نے زیاد کو آگے بڑھنے سے روکا تمام دن نہایت

---

[۱] یورپ کے مورخین (اولس، جینز ٹیاس، لیپائر وغیرہ) نے اس صلح کے واقعات کو رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے کہ امیر معاویہ نے رومیوں کا باجگذار بننا قبول کر لیا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس صلح سے یورپ میں اسلامی تاخت و فتوحات کے سلسلہ کو ضرور نقصان پہنچا، اور رومیوں کو اسلامی ممالک کے خلاف فوجی تیاریوں کا موقع مل گیا

جاں بازی کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ اس اثناء میں حضرت امیر نے اشتر نخعی کو کمک دے کر بھیجا، ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے، اس لئے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو لے کر ہٹ گیا اور امیر معاویہ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی۔

صفین میں امیر معاویہ کی مورچہ بندی امیر معاویہ نے فرات کے ساحل پر صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما لئے۔ اور گھاٹ کو اپنے قبضہ میں کر کے ابوالاعور سلمی کو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا، کہ علوی لشکر دریا سے پانی نہ لینے پائے۔ اب فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔

پانی کے لئے کش مکش عراقی فوج کے خیمہ زن ہونے کے بعد اس کے سامنے پانی کی دقت آئی، حضرت علی نے گھاٹ پر بزور قبضہ کر لینے کا حکم دیا۔ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لئے صلح و آشتی کے ساتھ پانی کی طرف بڑھے، جب ان پر تیروں کی بارش ہوئی، تو عراقی فوج کے دستے بزور آگے بڑھے۔ ابوالاعور نے مقابلہ کیا، عمرو بن العاص نے بھی کمک پہنچائی، مگر عراقی پیاسے تھے، جان پر کھیل کر آگے بڑھتے گئے، شامیوں کے قدم اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا۔ اب وہی دقت شامی فوج کو پیش آئی، لیکن رحمت عالم کے جانشین نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی لشکر کو دریا سے پانی لینے کی عام اجازت دے دی۔ اب دونوں طرف کی فوج ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگی، اس سے سپاہیوں میں ربط و ارتباط پیدا ہوا اور شامیوں اور عراقیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب باہم صلح ہو جائیگی۔

مصالحت کے لئے امیر معاویہ کے پاس ایک اور سفارت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے اتمام حجت کے لئے ایک اور سفارت بھیجا جس کے ارکان بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی تھے، بشیر نے امیر معاویہ کے روبرو پہلی گفتگو کی اور کہا:

"اے معاویہ! دنیا فانی ہے تم کو اللہ کے پاس جانا ہے اور وہاں اپنے عمل

کا حساب دینا ہے، میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اُمت
میں تفریق نہ ڈالو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو۔"

امیر معاویہ نے کہا "تم نے یہ وعظ علیؓ کو کیوں نہیں سنایا؟" بشیر نے جواب دیا:
"حضرت علیؓ سابقین اولین میں سے ہیں اور اپنے فضائل اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے کل مسلمانوں سے
زیادہ امامت کے مستحق ہیں، تم بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لو تاکہ مسلمانوں
کا شیرازہ نہ ٹوٹے۔"

امیر معاویہ نے اس کے جواب میں خلیفہ مظلوم کے خون اور اس کے قصاص کا ذکر کیا تو شیث بن
ربعی بپھر کے اٹھے اور یوں گویا ہوئے:

"تم نے جو کچھ کہا ہم اس کا مقصد سمجھے، تم جس غرض سے لڑنا چاہتے ہو،
وہ ہم سے مخفی نہیں، تم نے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ دعویٰ کھڑا
کیا ہے کہ خلیفہ کا ناحق قتل ہوا اس لئے اس کا قصاص چاہیئے۔ ہم کو
معلوم ہے تم خود چاہتے تھے کہ وہ مارے جائیں تاکہ تم کو خلافت حاصل
کرنے کا موقع مل سکے، اور یہی وجہ تھی کہ تم نے قصداً اُن کی امداد میں
دیر لگائی۔

لیکن یہ بات یاد رکھو کہ ہر شخص اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوتا
اگر تم ناکام رہے تو تم سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں ہو سکتا، اور اگر
کامیاب بھی ہو گئے، تو مسلمانوں کی خون ریزی کی بدولت جہنم کی
آگ سے نہیں بچ سکتے، اس لئے دونوں صورتیں تمہارے لئے بری ہیں۔
پس اللہ کا خوف کر کے اس تفریق سے باز رہو، اور جو شخص زمامِ خلافت
ہے، اُس کی مخالفت نہ کرو۔"

Marfat.com

اس سخت گفتگو کا جواب امیر معاویہ نے بھی سخت دیا اور سفارت ناکام واپس آگئی

مصالحینِ اُمّت کی طرف سے جنگ کی روک تھام اس سفارت کی ناکامی کے باوجود، جنگ کا آغاز نہیں ہوا، کیونکہ دونوں طرف امّت کے ایسے ایسے مخلصین علماء صلحاء اور حفاظ موجود تھے، جو دل سے اس خون ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ماہ ربیع الاول سے جمادی الاخریٰ ۳۷ھ ۶۵۸ء تک تین مہینے ایسے گذر گئے کہ دونوں طرف کی فوج پورے جماؤ سے صفین کے میدان میں کھڑی رہی اور جب کسی فریق کی طرف سے جنگ شروع ہونے لگی، خیرخواہانِ اُمّت بیچ میں آگئے اور کسی طرف سے حملہ کی ابتدا، نہ ہوسکی۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً پچاسی ۸۵ دفعہ ایسے موقعے آئے، کہ جنگ شروع ہوتے ہوتے رہ گئی، لیکن در اصل امیر معاویہ کی طرف وہ خود اور عمرو بن العاص اور خصوصاً عہدِ عثمانی کے برطرف عمال کسی قیمت پر مصالحت کے لئے آمادہ نہ ہوسکے اور مصالحت کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔

آغازِ جنگ بالآخر وہ موقع آگیا کہ ماہ جمادی الاخریٰ ۳۷ھ ۶۵۸ء کے شروع میں اُمّت کی تاریخ میں جو سب سے المناک جنگ ہے اور جس کے نتیجہ میں اسلام کی جمہوری خلافت کا باب ختم اور اسلامی بادشاہت کا دَور آیا، اس جنگ کا آغاز ہوگیا، پھر بھی آخر ماہ جمادی الاخریٰ تک کوئی بڑی لڑائی نہیں ہوئی، بلکہ دن میں صرف دو مرتبہ صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان میں اُترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنی فرودگاہ پر لوٹ آتی تھی، فوج کی کمان حضرت علی کبھی خود کرتے، کبھی اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن عمرو، زیاد بن نضر، زیادہ بن حفصہ تیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس، اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، اور دوسری طرف امیر معاویہ، عمرو بن العاص اور عہدِ عثمانی کے مختلف برطرف عمال کمان سنبھالتے تھے۔

جنگ کا التواء لڑائی کا یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخوں تک جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا چاند نکلا، اشہرِ حرم کی عظمت میں طرفین نے اپنی تلواریں تھام

Marfat.com

میں کرلیں اور خیرخواہانِ اُمت کو ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوششوں کا موقع ہاتھ آیا۔

مصالحت کی نئی اور آخری کوشش

چنانچہ مشہور خداترس صحابی حضرت ابو درداء اور حضرت ابوامامہ باہلی درمیان میں پڑے، امیر معاویہ اور حضرت علی دونوں سے ملے معاویہ سے انھوں نے کہا "تم علی سے کیوں لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں؟" امیر معاویہ کا جواب وہی تھا جو اس سے پہلے دے چکے، حضرت علی کی صف میں بھی کسی منفرد قاتل کی شناخت نہیں تھی۔ بیس ہزار سپاہی الزامی جواب کے طور پر اپنے قاتل ہونے کا اقرار کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ ان بیس ہزار سپاہیوں پر قصاص کے لئے قابو نہیں پایا جاسکتا تھا۔ حضرت ابو درداء و ابوامامہ دونوں لشکرگاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ سے بے تعلق ہوگئے۔

اسی طرح ایک وفد عدی بن حاتم طائی، یزید بن قیس، زیاد بن حصفہ اور شبث بن ربعی پر مشتمل امیر معاویہ سے دوبارہ ملا اور اسی قسم کی پھر باتیں ہوئیں جیسی پہلے ہو چکی تھیں اور وفد ناکام واپس آیا۔ دوسری طرف امیر معاویہ نے حبیب بن مسلمہ، شرجیل بن سمط، معن بن یزید اور اخلس بن شریق کو حضرت علی کے پاس بھیجا۔ حبیب نے اس مرتبہ قصاص عثمان کے علاوہ ایک اور مطالبہ حضرت علی سے کیا، کہ "آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اُمت کی رائے عامہ پر چھوڑ دیں، وہ جس کو چاہے منتخب کرے" حضرت علی نے برہم ہو کر حبیب کو ڈانٹا۔ شرجیل حضرت علی کو مخاطب کرکے بولے کہ اگر یہی جواب ہے جو آپ نے حبیب کو دیا، تو مجھے اس کے سوا اور کچھ کہنا نہیں جو حبیب نے کہا لیکن کیا آپ اس کے سوا کوئی دوسرا جواب دیں گے؟"

منصب خلافت کے متعلق حضرت علی کا واضح نقطۂ نظر

حضرت علی نے فرمایا "ہاں، ٹھہرو" پھر جواب میں ایک طویل تقریر کی، جس میں اللہ و رسول کے ذکر کے بعد انھوں نے فرمایا:

Marfat.com

"جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تو حضرت ابوبکر خلیفہ ہوگئے، پھر انھوں نے عمر کو ولی عہد کر دیا۔ یہ دونوں عادل اور نیک سیرت تھے، ہم کو ان سے صرف یہ شکایت تھی کہ ہم رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار تھے، ہمارے ہوتے ہوئے خلافت ان کا منصب نہ تھا، مگر ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہم خاموش رہے اور اس شکایت سے درگذر کی۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو ان سے چند امور ایسے سرزد ہوئے جن کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے خلاف ہوگئے، اور ناراضی یہاں تک بڑھی، کہ ان کو قتل کر ڈالا۔

اُن کے بعد لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی، میں نے انکار کیا، مگر لوگوں نے اصرار کیا اور کہا کہ اُمّت تمہارے سوا کسی دوسرے شخص کو منظور نہیں کر سکتی، اور اگر تم بیعت نہیں لوگے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ ناچار میں اس کے لئے تیار ہوگیا۔ پہلے وہ دونوں شخص (یعنی حضرت طلحہ وزبیر جن کو حضرت علی جنگ جمل کا بانی سمجھتے تھے) باوجود بیعت کر لینے کے میرے مقابلہ میں آئے اور اب معاویہ مخالفت پر آمادہ ہیں، جو سابقین نو کجا، مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں، نہ اسلام کی خدمت میں اُن کا کوئی کارنامہ ہے، بلکہ وہ اور ان کے باپ (ابوسفیان) برابر اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی کرتے رہے اور فتح مکّہ کے بعد مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے، ان سے اسی مخالفت کو میں بعید نہیں سمجھتا لیکن مجھ کو حیرت اس بات پر ہے کہ تم لوگ کیوں ان کا ساتھ دے رہے ہو، اپنے نبی کے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑتے ہو اور ان کی اطاعت سے مُنہ موڑتے ہو، میں تم کو کتاب وسنّت کی طرف بُلاتا ہوں، ہمارا کام یہ ہے، کہ

Marfat.com

باطل کو مٹائیں اور حق کو سربلند کریں۔"

لیکن شرجیل، وہی تھے، جن کے دل و دماغ پر قصاص عثمان کا مطالبہ معاویہ و عمرو بن العاص کی سازش سے چھا گیا تھا اور جنھوں نے اس مطالبہ پر اُٹھ کھڑے ہونے کے لیے پورے شام کا دورہ کر کے گاؤں گاؤں کے لوگوں کو آمادہ کیا تھا، وہ حضرت علی کی اس تقریر سے متاثر نہ ہو سکے اور قصاص عثمان کا حوالہ دے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کی اس سفارت کی نمائش بھی ختم ہو گئی۔

ماہِ محرم گذر جانے کے بعد حضرت علی نے اپنے لشکر میں اعلان کرایا کہ ہم نے ہر طرح سے مخالفین کو سمجھایا، حق کی طرف بلایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے، اس لئے اب سوائے جنگ کے کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہ گئی۔

خونریز مسلسل لڑائیاں آغاز صفر[1] سے فریقین پوری شدت سے میدانِ جنگ میں اُتر آئے، چند دنوں دونوں فریق مغلوب رہے، دن بھر لڑائی رہتی اور رات کو بند ہو جاتی چند دنوں کے بعد حضرت علی کا میمنہ، جس میں عراقی فوج تھی، کمزور پڑا۔ حضرت علی نے میسرہ کو سنبھالا، یہاں مصری لشکر تھا، یہ بھی شامیوں کے حملہ کی تاب نہ لائے اور پیچھے ہٹے، حضرت علی نے اشتر سے کہا، پکار کر کہو، موت سے کہاں بھاگو گے، مصری پلٹے اور ایسا حملہ کیا کہ شامیوں کی صفیں اُلٹ دیں۔

---

[1] ماہ صفر ۳۷ھ کا تھا یا ۳۸ھ کا آگیا تھا، لائق نظر ہے، مورخین نے اس موقع پر عموماً ۳۷ھ ہی لکھا ہے لیکن دوسری طرف وہی یہ بھی لکھتے آئے ہیں کہ حضرت علی کا لشکر شام کی طرف ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ میں روانہ ہوا، چند مہینے لڑائی ملتوی رہی۔ پھر ماہ جمادی الاولیٰ ۳۷ھ یا باختلاف روایت اُخریٰ میں باضابطہ جنگ شروع ہو گئی، پھر لڑائی چند مہینے شہر حرام کی عظمت میں بند رہی، اس کے بعد صفر ۳۷ھ سے شروع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ جمادی الاولیٰ ۳۷ھ کے بعد صفر کا مہینہ ۳۸ھ ہی میں آسکتا ہے اسلئے یا تو ۳۸ھ ہی ہو سکتا ہے ورنہ وہ سب تصریحات صحیح نہیں رہتیں، اس لئے کہ جنگ جمل کے بعد ماہ رجب ۳۶ھ میں بصرہ سے حضرت عائشہ مکہ اور حضرت علی کوفہ روانہ ہوئے، اس کے بعد (باقی حاشیہ ۵۳۵ پر)

Marfat.com

فیصلہ کُن جنگ کی تیاری اس کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج کے سامنے پرجوش تقریر کی، فیصلہ کن جنگ کے لیئے اُبھارا، پوری فوج نے جوش و خروش سے لبیک کہا۔ حیدر کرّار نے خود کمان سنبھالی اور اس زور و شور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

(حاشیہ صفحہ ۵۳۳ کا بقیہ) ماہ جمادی الاولی یا اُخری ۳۶ھ ہی میں آیا اور ماہ صفر ۳۸ھ میں حضرت علی نے کوفہ میں رجب سے ذی الحجہ ۳۶ھ تک انصرام حکومت اور فوجوں کے اجتماع میں وقت گذارا۔ اور ذی الحجہ ۳۶ھ میں عراق سے شام روانہ ہوئے۔ ماہ صفر ۳۸ھ میں جنگِ صفین کا خاتمہ ہوا، خوارج کا معاملہ سامنے آیا اور جنگ نہروان اسی سال ۳۸ھ میں بہ اتفاق عام برپا ہوئی۔

اور اگر ان تصریحات کا لحاظ نہ کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ میں شام کی روانگی کے بعد عراقی فوج صفین کے میدان میں رہی اور صرف ایک مہینہ محرم ۳۷ھ میں ماہِ حرام کے احترام میں جنگ بند رہی اور صفر ۳۷ھ میں فیصلہ کن جنگ ہوئی، تو پھر دوسری طرف مورخین کی یہ تصریح غلط پڑتی ہے کہ صفین کی جنگ کئی ماہ جاری رہی، اور صاحب الاعلام کے بیان کے مطابق ۱۱۰ دن تک لڑائی ہوئی، جس کے تین ماہ بیس یوم ہوتے ہیں، اس لحاظ سے بھی ماہ صفر کے لیے ۳۷ھ کو ماننا دشوار ہوگا۔

اور اگر یہ تصور کیا جائے کہ علوی فوج عراق سے رجب یا شعبان ۳۶ھ میں روانہ ہوئی، چند ماہ کے بعد ماہ شوال ۳۶ھ میں لڑائی شروع ہوئی، پھر ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم میں شہر حرام کی عظمت میں لڑائی کو بند سمجھا جائے اور ماہ صفر ۳۷ھ میں فیصلہ کن جنگ کا برپا ہونا مانا جائے تو یہ مہینے کسی مورخ کی تصریح کے مطابق نہیں ہوتے اور نہ حضرت علی کے لئے انصرام حکومت و اجتماع لشکر کا وقت بچتا ہے اور یہ باتفاق مؤرخین طے شدہ بات ہے کہ صفین کی جنگ ۳۷ھ میں برپا ہوئی۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ میدانِ صفین میں دونوں فوجوں کا اجتماع اور جنگ کا آغاز ۳۷ھ میں ہوا اور فیصلہ کن جنگ جس پر لڑائی کا خاتمہ ہوا ماہ صفر ۳۸ھ میں پیش آئی، اور (باقی حاشیہ ...)

حیدر کرار امیر معاویہ کے خیمہ تک حیدر کرار فوج نے آگے آگے تھے "صفیں چیرتے اور یہ
"اضربهم ولا ارى معاوية" یعنی میں انھیں مار رہا ہوں مگر معاویہ کو نہیں دیکھتا
معاویہ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ قریب پہنچ کر زور سے آواز دی" معاویہ اخلق خدا
خون کیوں کرتے ہو؛ آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرلیں"۔ خیمہ میں عمرو بن العاص
تھے، حضرت علی کی مبارزت طلبی پر انھیں غیرت آئی۔ معاویہ سے کہا" بات انصاف کی
"۔ معاویہ نے جواب دیا" خوب! کیا انصاف ہے، تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا
ہے، زندہ نہیں بچتا"۔ عمرو بن العاص نے کہا" جو کچھ ہو، تاہم مقابلہ کے لئے نکلنا چاہیئے"، معاویہ
نے ترش روئی سے جواب دیا کہ" تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کراؤ اور میرے منصب پر قبضہ کرو"۔

عمرو بن العاص کا مقابلہ میں آنا اور حیدر کرار کا دشمنوں کو اُن کی زندگی بخش دینا امیر معاویہ کا یہ اعراض دیکھ کر عمرو بن العاص، شیر خدا کے مقابلہ کے لئے خود نکل آئے۔ دونوں میں تیغ و سنان کا مقابلہ ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علی نے ایسا وار کیا، کہ
عمرو بن العاص کا بچنا ممکن نہ تھا، وہ بدحواسی میں گھوڑے سے گر پڑے اور مادرزاد ننگے ہو گئے،

(ص ۵۳۴ کا باقی حاشیہ) مورخینِ عرب نے ۳۷ھ کے احوال میں اس فیصلہ کن جنگ کا ذکر بھی کر دیا۔
لیکن چونکہ احوالِ ۳۷ھ میں یہ ذکر آیا ہے اس لئے اس ماہ صفر کو بھی ۳۷ھ ہی کا تصور کیا جائے بعید
از فہم و حقیقت ہے، افسوس ہے کہ بعض اور بجنسِ ماخذ ان سطروں کی تسوید کے وقت سامنے موجود نہیں جن
کی اس وقت ضرورت تھی، ورنہ پوری تحقیق کے بعد کوئی یقینی بات کہی جا سکتی تھی۔ تاہم اغلباً یہی کہا جا سکتا
ہے کہ یہ واقعہ ماہ صفر ۳۸ھ میں پیش آیا، بہرحال اس سلسلہ میں بعض اور بجنس ماخذ کی طرف رجوع کرنا
ضروری ہے، وہ جیسے ہی ہاتھ آگئے، اس مسئلہ کی تحقیق کرلی جائے گی اور اگر زندگی باقی رہی تو طبع ثانی میں اس
مسئلہ کو صاف کرلیا جائے گا، اس وقت بھی اس کی تحقیق کی خاطر پریس میں جانیوالی کاپی کو روکا نہیں جا سکتا۔
عام مسلمانوں کے حلقہ میں پہلی صفر سے ۱۳ صفر تک خصوصاً ۱۳ صفر کی "نحوست" کا جو عام تصور پھیلا ہوا ہے اسکی بنا یہی
جنگ صفین ہے، جو انہی ۱۳ دنوں تک جاری رہی اور ۱۳ کو حریف نے حضرت علی کے خلاف آخری کیا جنگی تدبیر اختیار کی،
حضرت علی کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ عراقی لشکر میں شگاف پیدا ہو گیا اور خارجی فرقہ کی بناء پڑ گئی۔

Marfat.com

حیدرِ کرارؓ نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اگر ارشادِ نبویؐ الحیاء شعبۃ من الایمان یعنی شرم ایمان کی ایک شاخ ہے، کے پیکرِ مجسم حیدرِ کرارؓ اس وقت لوٹ نہ آتے، تو نہ صرف عمرو بن العاص کا وجود حضرت علیؓ کو آئندہ ضرر پہنچانے کے لئے باقی رہتا، بلکہ مقصورہ میں پہنچ کر ذوالفقار کی بجلی امیر معاویہ کے سر پر بھی کوندتی اور ان کو موت کے منہ میں جانے سے کوئی بچا نہ سکتا، لیکن حضرت علی نے ایمان کی شاخ حیا کو سرسبز رکھا اور دشمنوں کو قابو میں کر لینے کے باوجود، مآل سے بے پروا دونوں کو ان کی زندگی بخش کر واپس چلے گئے۔

لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ اب فیصلہ کن جنگ کا موقع آگیا تھا اور نہایت تندی و خوں ریزی کے ساتھ اس کا سلسلہ شروع ہوا، سپاہ میدان میں اُتری تو صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح آئی اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھرّا اُٹھا، اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہا گیا، کشتوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں، دوسرے دن صبح کو مُردوں کی تجہیز و تکفین کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔

اب لڑائی کا پانسہ پلٹ چکا تھا، طرفین کو یقین آگیا کہ فتح و کامرانی حضرت علیؓ کے قدم چوم رہی ہے، حضرت علی نے اپنی فوج کے سامنے ایک پُرجوش تقریر کی جس میں ارشاد فرمایا:

"جانبازو! ہماری کوششیں اب انجام تک پہنچ چکی ہیں، کل انشاءاللہ اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، بس آج کچھ آرام کر لو، کل اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لئے تیار ہو جاؤ، اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا آخری فیصلہ سامنے نہ آجائے۔"

امیر معاویہ کی طرف سے مصالحت کی تحریک دوسری طرف امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کو لیلۃ الہریر کی جنگ سے یقین آگیا کہ اب لشکرِ حیدری کا مقابلہ

نہیں ہے، ان کے ساتھ کے قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے اور امیر معاویہ کے سامنے کھڑے ہوکر اعلانیہ کہا کہ :

"اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا، رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے اور ایران کے دہقان، عراق میں عربوں کے بال بچوں کو پکڑ لیں گے"

امیر معاویہ کی مجلس میں جو لوگ موجود تھے، انھوں نے اس خیال کی تائید کی، امیر معاویہ نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت علی کو لکھا کہ :

"اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھنچے گی، تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے۔ بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں (ہاشم و امیہ دونوں عبد مناف ہی کے لڑکے تھے) آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لئے مصالحت ایسی ہو، کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے"

مصالحت کی یہ تحریک امیر معاویہ کی طرف سے اس وقت کی گئی، جب حضرت علی کی کامیابی سامنے آچکی تھی اور اس میں بھی اگر سپر ڈالنے اور بیعت کرنے کی طرف کوئی ہلکا اشارہ بھی موجود ہوتا، تو حضرت علی اس پر غور فرما سکتے تھے، اس لئے وہ جیتی ہوئی جنگ کو اس طرح کی مبہم پیش کش پر کیونکر نثار کر سکتے تھے، اس لئے حضرت علی نے اس موقع پر مصالحت قبول کرنے سے انکار کیا اور آخری حملہ کی تیاری فرمانے لگے۔

شامیوں کی ایک شاطرانہ چال اور میدانِ جنگ کا ایک انوکھا منظر

لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا اسلئے کہ امیر معاویہ کو اپنی فوج کی پوری حالت کا اندازہ

Marfat.com

ہو گیا تھا، انھوں نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا، کہ علی رضؓ نے جنگ بند کرنے سے انکار کر دیا ہے، عمرو بن العاص نے کہا، کہ میں نے پہلے سے ایک تدبیر سوچ رکھی ہے، اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا علی رضؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

چنانچہ دوسرے دن جب حضرت علی رضؓ علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ میدان میں صف آرا ہوئے تو ادھر شامی میدان میں اس ہیئتِ کذائی سے اترے کہ جامع دمشق کے مصحفِ اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے اور اس کے پیچھے ہزاروں قرآن مجید نیزوں پر بلند تھے، جس کے پاس قرآن مجید کا کوئی نسخہ تھا، اس کو اس نے نیزہ پر باندھ لیا تھا، پھر قلب، میمنہ اور میسرہ سے ایک ایک شامی فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقاء بن معمر فوج کے آگے سے بڑھے اور چلا کر کہا:

"معشرِ عرب! خدارا روم و ایران سے اپنی عورتوں اور بچوں کو بچاؤ، اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی ختم ہو گئے، تو عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں، اسی کا فیصلہ ہم دونوں کے لئے واجب العین ہے۔"

یہ تھا عمرو بن العاص کے ترکش کا آخری تیر جس کو دجل و فریب سے قرآن کے غلاف میں لپیٹ کر چھوڑا گیا، حضرت علی اور ان کی فوج کے چند قائدین نے اس مکر و خدع کو سمجھ لیا، اشتر نخعی نے ساتھیوں کو سمجھایا کہ یہ حریف کی ایک جنگی تدبیر اور چال ہے، اور جوش دلا کر زور و شور سے حملہ کر دیا، شامیوں کی وہ جماعت جو ان کے سامنے تھی، بدحواس ہو گئی، اشتر حملہ کرتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے آگے بڑھتے گئے، پھر حضرت علی نے بھی لوگوں کو سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا حریف کی محض عیاری ہے۔ چند قائدین کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور رفاد بن معمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور لوگوں سے کہا کہ پہلے جب ہم نے ان کو قرآن کی طرف بلایا تو انھوں نے منہ پھیر لیا، لیکن جب ناکامی و نامرادی کا سامنا ہوا تو عیاری و مکاری سے قرآن

Marfat.com

نیزے پر بلند کرکے سامنے آئے ہیں، مگر عمرو بن العاص کی تدبیر کارگر ہوئی، لشکر حیدری میں پھوٹ پڑ گئی، حضرت علی فرماتے ہے کہ یہ محض فریب ہے، مگر ایک بڑی جماعت پر جادو چل گیا، اس نے کہا شامیوں کو ہم اسی کتاب کا پابند بنانے کے لئے آئے تھے، اب جبکہ وہ خود ہمیں دعوت دے رہے ہیں تو ہم اس سے انکار کیونکر کرسکتے ہیں۔ چند قائدین مسعر بن غدکی، زید بن حصین، سنبسی اور ابن الکوا، وغیرہ جذبات سے ایسے مغلوب ہوگئے کہ وہ حضرت علی سے کہنے لگے کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی عثمان کے پاس پہنچا دیں گے۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ نے فوج میں التوائے جنگ کی خواہش کا عام اعلان کیا اور حضرت علی کو مکتوب بھیجا کہ اس خون ریزی کا مواخذہ میرے اور آپ کے سر ہے اب میں آپ کو اس کے بند کرنے، الفت و محبت قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں۔

التوائے جنگ بالآخر صورت حال ایسی ہوگئی، کہ حضرت علی کو بادل ناخواستہ فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر اس وقت کامیابی سے آگے بڑھ رہے تھے، واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا۔ فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن غدکی اور ابن الکوا وغیرہ میں نہایت تلخ گفتگو ہوئی، قریب تھا کہ کشت و خون کی نوبت آجائے، مگر حضرت علی نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت وگشت کرایا۔

صفین کے معرکوں اور کشتوں کی تعداد صفین کی اصل جنگ یکم صفر سے ۱۳ صفر تک [۱] برپا ہوئی، اور پورے زمانہ کو ملا کر ایک سو دس دن تک جاری رہی جس میں کم و بیش نوے معرکے ہوئے اور درمیان میں، مردوں کی تجہیز و تکفین کے لئے ایک ایک دو دو دن لڑائی ملتوی ہوتی رہی، ان معرکوں میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے اور ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہوگئے، اور بہ روایت مقتولین کی تعداد نوے

---

[۱] عام مسلمانوں میں یکم صفر سے ۱۳ صفر تک کے ایام "منحوس" سمجھے جاتے ہیں جس کی بنیاد غالباً یہی جنگ صفین ہے۔

Marfat.com

ہزار تھی، اور کہا جاتا ہے کہ عہد رسالت سے جنگ صفین کے پہلے تک جس قدر اسلامی فتوحات ہوئی تھیں، اُن سب میں ملاکر بھی اتنی بڑی تعداد میں مسلمان کام نہ آئے تھے۔

ثالثی کی تجویز اور ثالثوں کا انتخاب التوائے جنگ کے بعد فریقین میں نامہ و پیام شروع ہوا اور طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے، وہ دونوں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، جو دونوں فریق کے لئے واجب التعمیل ہو۔ اگر کوئی فریق اس فیصلہ سے روگردانی کرے تو سب اس کے خلاف دوسرے کی مدد کریں۔ اس قرار داد کے مطابق امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص حَکم بنائے گئے، لیکن حضرت علی کے اصحاب الرائے میں اب پھوٹ پڑ چکی تھی، اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کیا، جو واقعہ جمل سے پہلے حضرت علی کی مخالفت کر چکے تھے اور جن کو امام حسن کوفہ سے شہر بدر کر چکے تھے، اس لئے قدرتی طور پر حضرت علی کو ان پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا "اولاً وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں۔ دوسرے، ہمیں ان کے فہم و تدبّر پر بھی بھروسہ نہیں ہے، اس لئے ان کی بجائے عبداللہ بن عباس کو حَکم بنایا جائے۔ اشعث بن قیس نے کہا، عبداللہ بن عباس تو آپ کے عزیز ہیں، حَکم کسی غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیئے، حضرت علی نے فرمایا، تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے، اشعث نے کہا، اُن ہی نے تو یہ آگ بھڑکائی ہے، وہ کس طرح حَکم ہو سکتے ہیں۔ حضرت علی نے جب دیکھا، کہ تحکیم کے ہمنوا ابو موسیٰ کے علاوہ کسی اور پر اتفاق نہیں کرتے، تو بالآخر فرما دیا " جاؤ جس کو چاہو اپنا حکم بناؤ، مجھے اس سے بحث نہیں "

قراین سے اندازہ ہوتا ہے کہ حَکم کے انتخاب میں یہ اختلاف بھی درپردہ عمرو بن العاص وغیرہ کی سازش کا ایک نتیجہ تھا۔ اشعث بن قیس اگرچہ حضرت علی کے حامیوں میں تھے لیکن تاریخوں میں ذکر آیا ہے کہ وہ امیر معاویہ کی مجلس میں بھی اس دن موجود تھے، جب لیلۃ الہریر میں شامی فوج کی شکست کے بعد روم و ایران کے شام و عراق پر استیلا کر لینے کا ذکر آیا تھا۔ اور اشعث نے بھی خیالات امیر معاویہ کی مجلس میں ظاہر کئے۔ پھر انہی باتوں کو حضرت علیؓ

کے سامنے پیش کیا، اس لئے یہ بعید از قیاس نہیں کہ عمرو بن العاص نے ان کو ہمنوا بنا لیا ہو۔ اور ابو موسیٰ اشعری کے حَکَم بنانے کی تجویز پیش کرنے اور اس کو اصرار سے منظور کرانے پر آمادہ کر لیا ہو، اس لئے درحقیقت ابو موسیٰ کے حَکَم بنائے جانے کے فیصلہ سے عمرو بن العاص کو دوسری کامیابی حاصل ہوئی اور حضرت علی نے عسکری طاقت سے میدان جیت لینے کے باوجود سیاست کی شاطرانہ بساط پر اسی لمحہ شکست قبول کر لی جب ان کی مرضی کے خلاف ابو موسیٰ اشعری کے حَکَم بنائے جانے کا اعلان ہو گیا۔

تحکیم کا عہد نامہ ابو موسیٰ اشعری عراق سے نکل کر شام ہی کے ایک گاؤں میں کسی جگہ گوشہ نشیں تھے، اس کے دوسرے معنی یہ تھے، کہ انھوں نے معنوی طور پر امیر معاویہ کی امارت تسلیم کر لی تھی، حالانکہ اس وقت معاویہ ضابطہ کے مطابق شام کی ولایت سے معزول ہو چکے تھے، اور امیر وقت کے خلاف انھوں نے علَم بغاوت بلند کیا تھا، لیکن شام ہی میں آکر ان کا اقامت گزیں ہونا حضرت ابو موسیٰ جیسے متقی و پرہیز گار کے لئے سزاوار نہ تھا اور امیر معاویہ و عمرو بن العاص جیسے مدبرین کے لئے یہ کوئی دشوار بات نہ تھی، کہ انھوں نے کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑ رکھا ہو جو ابو موسیٰ کے دل میں حضرت علی کے خلاف جذبات کو زیادہ مشتعل کر سکے ہوں، بالآخر وہی ابو موسیٰ رض شام کے اس گاؤں سے بلا کر لائے گئے۔ تحکیم کا ایک طویل معاہدہ لکھا گیا، جس کی تسوید کے وقت صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی یاد تازہ ہو گئی، جب امیر معاویہ نے حضرت علی کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" کے لفظ پر اعتراض کیا اور حضرت علی نے فرمایا "حدیبیہ میں مشرکین نے" رسول اللہ " کے لفظ پر اسی طرح اعتراض کیا تھا، آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا تھا، یہ میرے لئے اتباع سنت ہے، "امیر المومنین" کے لفظ کو عہد نامہ سے الگ کر دو" معاہدہ لکھا گیا، جس میں فریقین کے حَکَم کا ذکر کر کے کہا گیا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس کی تعمیل فریقین اور تمام امت کے لئے لازمی ہوگی، اگر کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ سرزد ہو تو فریقین اپنے عمل کے لئے آزاد ہوں گے، حَکَم کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی، فیصلہ کے اعلان تک جنگ ملتوی رہے گی۔

اور فیصلہ کا اعلان ماہ رمضان تک کر دیا جائے گا۔ اس عہد نامہ پر فریقین کے علاوہ دونوں گروہوں کے ممتاز افراد نے دستخط کیئے اور شام و عراق کی سرحد پر مقام دومۃ الجندل، فیصلہ کے اعلان کے لئے مقرر ہوا۔ یہ معاہدہ تیرہویں صفر یوم چہارشنبہ کو ترتیب پایا۔

عراقی فوج میں تفریق | تحکیم کے اس معاہدہ کے ردِ عمل میں اسی تیرہ صفر کو خارجی فرقہ کی بنیاد پڑی۔ اس وقت علوی فوج میں خیال و عقیدہ کے لحاظ سے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک جماعت تحکیم والتوائے جنگ کی ہمنوا تھی، جس کے سربراہ اشعث بن قیس تھے، دوسری جماعت تحکیم کو حریف کی شاطرانہ چال سمجھتی تھی، لیکن اس کو اس صورت میں قبول کرنے پر آمادہ تھی کہ جب تک تحکیم کے فیصلہ کا اعلان نہ ہو جائے، حالتِ جنگ قائم رہے، اس جماعت کے رہنما اشتر نخعی تھے، لیکن حضرت علی نے اشتر نخعی کو تحکیم قبول کر لینے اور جنگ ختم کر دینے پر آمادہ کر لیا۔ تیسری جماعت تحکیم کی سرے سے خلاف تھی کہ کتاب اللہ کے فیصلہ میں انسانوں کی تحکیم کو کیا دخل؟ یہ تیسری جماعت خوارج کہلائی۔

معاہدہ کی ترتیب کے بعد اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے کے لئے مامور کیے گئے۔ مختلف قبائل میں اعلان کرتے ہوئے جب وہ عنزہ کی فرودگاہ پر پہنچے، تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا، کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں، اور غضبناک ہو کر قریب کی شامی فوج پر حملہ کر دیا۔ اور لڑ کر مارے گئے۔ اسی طرح قبیلہ مراد، بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس معاہدہ کو ناپسند کیا۔ بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن ادیہ نے غضبناک ہو کر اشعث سے کہا "تم اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو" اور بڑھ کر تلوار سے وار کیا۔ اشعث بچ گئے مگر ان کا گھوڑا زخمی ہوا۔ پھر بہت سے آدمی حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے محرز بن خنیس نے کہا "امیر المومنین! اس معاہدہ سے رجوع کیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو" اس طرح عراقی فوج میں بڑی سخت افراتفری پھیل گئی۔

صفین سے فوجوں کی واپسی | معاہدہ کی ترتیب کے بعد فریقین کی فوجیں صفین سے واپس ہوئیں۔

امیر معاویہ سکون کے ساتھ دمشق پہنچ گئے، مگر عراقی لشکر میں ہر ہر منزل پر اختلاف بڑھتا گیا، آپس میں بد زبانی اور کبھی کوڑوں سے مار پیٹ کی نوبت بھی آ گئی۔ ایک جماعت کہتی، تم لوگوں نے اللہ کے حکم میں مداہنت کی، دوسری جماعت کہتی، تم لوگ امام سے برگشتہ ہو رہے ہو۔ آخر جب کوفہ کے قریب آئے تو بارہ ہزار آدمی فوج سے الگ ہو گئے۔

خوارج کی بنیاد

یہ اسی تیسری جماعت کے لوگ تھے جو معاہدہ تحکیم کی تکمیل کے روز اول ۱۳ صفر سے اس معاہدہ کو شرعی حیثیت سے ناجائز سمجھتے تھے اور حضرت علیؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ اس سے رجوع کر جائیں۔ یہ بارہ ہزار آدمی علوی فوج سے الگ ہو کر مقام حروراء میں جا کر خیمہ زن ہوئے اور اعلان کیا کہ ہمارا امیر شیث بن ربعی ہے، یہ وہی شخص ہے جو امیر معاویہ کے پاس سفارت کا ایک رکن بن کر گیا تھا، تیز گفتگو کی تھی، اور امیر معاویہ سے حضرت علی کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

خوارج کو افہام و تفہیم اور اُن کی واپسی

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کو انھیں سمجھانے کے لئے بھیجا، انھیں ناکامی ہوئی، تو خود تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ ہماری جماعت سے کیوں خارج یعنی علیحدہ ہو گئے؟ انھوں نے کہا آپ نے اللہ کے حکم میں انسانوں کو ثالث مان لیا۔ حضرت علی نے فرمایا "تم ہی لوگوں نے تو خود اصرار کر کے مجھے اس پر مجبور کیا۔ پھر وہ لوگ تو قرآن کے حکم کے مطابق فیصلہ دیں گے اور اس کے خلاف ہو گا، تو تعمیل واجب نہ ہو گی۔ اشخاص قرآن ہی کی رو سے فیصلہ دیں گے" پھر ان لوگوں نے کہا، اس فیصلہ کے لئے پھر مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت علی نے فرمایا، تاکہ اس عرصہ میں امت پوری طرح واقف ہو جائے۔ لوگوں کو غور و فکر کا موقع ملے، اور صحیح راہ اختیار کر سکیں۔ وہ پھر بولے، دراصل ثالثی قبول کر کے ہم سے کفر کی حرکت سرزد ہوئی، ہم اس سے تائب ہوتے ہیں، اور آپ سب لوگوں سے تائب ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بالآخر حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر کوفہ چلنے پر آمادہ کیا، وہ لوگ شہر میں داخل ہوئے، مگر اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔

Marfat.com

خوارج کا بنیادی عقیدہ | خوارج کا بنیادی یقین وعقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی خلیفۂ برحق ہیں، ان کی بیعت واجب ہے، جن لوگوں نے اس سے انکار کیا، وہ باغی ہیں۔ خلیفہ، رسول کا نائب اور قائم مقام ہے، اس لئے وہ اللہ ورسول سے لڑتے ہیں، جن کے متعلق قرآن میں واضح تصریح ہے کہ وہ لوگ واجب القتل ہیں، اس لئے معاویہ اور ان کی جماعت از روئے قرآن واجب القتل ہیں، اس لئے ثالث کو ماننے کے معنی حکم قرآنی کو چھوڑنے کے ہیں، اس لئے جن لوگوں نے ثالثی قبول کی، انھوں نے واضح حکم قرآنی کو چھوڑا اور کفر کے مرتکب ہوئے، اس لئے اس سے تائب ہوکر رجوع کرنا پھر اسلام میں داخل ہونا ہے، اگر حضرت علی بھی تائب نہیں ہوتے تو ان کی خلافت ناجائز قرار پاتی ہے، اس لئے کہ ان کا اسلام قائم نہیں رہا اور ان میں اور معاویہ اور ان دونوں کی جماعتوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا، پس معاملات دین میں کسی کو حکم بنانا کفر ہے اور حکم اور اس کے فیصلہ کو ماننے والے سب کافر ہیں، ان سے جہاد فرض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ توضیح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کی سزا قتل ہے، لیکن معاویہ اور اہل شام کا دعویٰ یہ تھا کہ پہلے عثمانؓ کے قتل کا قصاص لینا ضروری ہے حضرت علی نے قصاص نہیں لیا، اس لئے ثالث یہ متعین کریں، کہ اللہ کے حکم کے بموجب ان کی خلافت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، دوسری طرف علویین کا دعویٰ یہ تھا کہ اکابر امت حضرت علی کی خلافت کی بیعت کر چکے ہیں اور سبقت اسلام کے شرف میں اس وقت ان پر کوئی بھی سبقت نہیں لے جاسکتا اور قصاص عثمان کا مطالبہ اسی وقت ان سے کیا جاسکتا ہے، جب وہ پہلے خلیفۂ برحق تسلیم کر لئے جائیں اور اس قتل کا مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو اور وہ شہادتوں کے مطابق اس کا فیصلہ کریں۔ بہرحال کوفہ میں لوگ مختلف الخیال رہے، اور شہر میں بحث ومناظرہ اور جنگ وجدال کی گرم بازاری قائم رہی۔

دونوں ثالثوں کی گوشۂ خلوت میں مشاورت | جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا، اس دستہ کے افسر شریح بن ہانی

اور پیش امام حضرت عبداللہ بن عباس تھے، اسی طرح امیر معاویہ نے شام سے عمرو بن العاص کو اسی قدر آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا، دونوں کا اجتماع دومۃ الجندل کے قریب مقام اذرح میں ہوا۔ اس کے بعد دونوں ثالث حضرت ابو موسیٰ اشعری و عمرو بن العاص باہمی مشورہ کے لئے گوشۂ خلوت میں جاگزیں ہوئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری ایک سادہ لوح بزرگ تھے، عمرو بن العاص بڑی دانائی و تدبر سے ابو موسیٰ کے ساتھ غیر معمولی تعظیم و تکریم سے پیش آئے، کہ آپ ہمارے مقتدیٰ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی ہیں، اپنی بزرگانہ شفقت سے اس مشکل مرحلہ کو طے کرنے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اس کے بعد اصل گفتگو شروع ہوئی۔ ابو موسیٰ نے کہا " ابن العاص! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں، جس سے خدا کی خوشنودی اور امت کی فلاح کا مقصد دونوں حاصل ہوں" عمرو بن العاص نے پوچھا "کس کو؟" ابو موسیٰ نے کہا "عبداللہ بن عمر کو، جن کا دامن ان ہنگاموں سے پاک ہے" عمرو بن العاص نے اس پر کہا" آخر معاویہ میں کیا خرابی ہے؟" ابو موسیٰ نے بپھر کر کہا " معاویہ کا کیا رتبہ ہے؟ وہ نہ اس منصب جلیل کے لئے موزوں ہیں اور نہ کسی طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں" عمرو بن العاص نے جواب میں کہا " یہ تو معلوم ہے کہ عثمان مظلوم شہید کئے گئے، ان کے بعد معاویہ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں، اگر لوگوں کو یہ اعتراض ہو، کہ وہ قدامت اسلام کے شرف سے محروم ہیں، تو آپ قرآن مجید کی یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے کہ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا یعنی جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو، ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا" اس کے علاوہ معاویہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہ کے بھائی ہیں" ابو موسیٰ نے یہ دلیلیں سننے کے بعد فرمایا "ابن العاص! خدا سے ڈرو۔ اگر یہی شرف استحقاق خلافت کے لئے کافی ہوتا تو سلاطین یمن کی اولاد میں ابرہہ بن صباح اس کا سب سے زیادہ مستحق ہوتا، جس کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ خلافت صاحب فضل و اہل دین

Marfat.com

کا حق ہے، پھر علی و معاویہ کا کیا مقابلہ ؟ اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا، تو علی کے حق میں کرتا، اور معاویہ قصاص عثمان کے ولی کیسے ہو گئے ؟ اس کی ولایت تو عثمان کے لڑکے عمرو کو حاصل ہو گی۔ مہاجرین اولین کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا، اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظم کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہ اپنے باپ کی یاد تازہ کر دیں" عمرو بن العاص نے اس کے جواب میں کہا "تو پھر میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی ؟ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں" ابو موسیٰ نے جواب دیا "بے شک تمہارا لڑکا صالح اور خلافت کا اہل ہو سکتا تھا، لیکن تم نے اس کو اس فتنہ میں شریک کر کے اس کے دامن کو بھی داغ دار کر دیا۔ بہتر یہ ہے کہ طیب بن طیب عبداللہ بن عمر کو ہم لوگ خلیفہ بنا دیں" عمرو بن العاص نے جب ان کے پیش کئے ہوئے نام پر ان کے اصرار کو دیکھا تو تلملا کر کہا "ابو موسیٰ! منصب خلافت کے فرائض پورے کرنے کی صلاحیت اس شخص میں ہو سکتی ہے جس کی دو داڑھ ہوں، ایک داڑھ سے خود کھائے، دوسری سے دوسروں کو کھلائے" یہ اشارہ امیر معاویہ کی طرف تھا۔ ابو موسیٰ نے کہا "عمرو! تمہارا برا ہو۔ کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، ہم پھر ان کو فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے"

اس گفتگو سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی جو حضرت علی کی طرف سے ثالث بنائے گئے تھے، خود ان کے حق میں نہ تھے، وہ ان کی بجائے حضرت عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر لانا چاہتے تھے اور عمرو بن العاص کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ اب وہ امیر معاویہ کو مسند خلافت پر کسی طرح بٹھانا چاہتے تھے، جو ابھی تک بظاہر خلافت کے دعویدار نہیں بنے تھے، اس طرح اس گفتگو کے نتیجہ میں عمرو بن العاص نے اس مرحلہ کو طے کر لیا، کہ حضرت علی رض اس راہ سے ہٹ جاتے ہیں، اور حضرت علی رض کا یہ گمان صحیح نکلا، کہ ابو موسیٰ ان کی ضرور مخالفت کریں گے، اب صرف یہ طے کرنا باقی رہا کہ حضرت علی کی جگہ کس کو مسند خلافت پر بٹھایا جائے،

Marfat.com

چنانچہ عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ کے اس جواب کے بعد سوال کیا، کہ "تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟" ابو موسیٰ نے پھر کہا "اب ہمارا خیال ہے کہ ہم علی و معاویہ دونوں کو معزول کردیں، اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے، خلیفہ منتخب کر دے۔" عمرو بن العاص نے خاموشی سے جواب دیا "مجھے بھی اس سے اتفاق ہے، اُمّت کی بھلائی اسی میں ہے۔"

فیصلہ کا اعلان فیصلہ کے اعلان کے لیے ماہ رمضان مقرر تھا۔ اُمّت کی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے ایسے صحابہ جو اس جنگ میں غیر جانبدار رہے تھے، ان میں سے حضرت سعد بن ابی الوقاص، عبداللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی وغیرہ ...... دومۃ الجندل آئے۔ امیر معاویہ کے قاصد روزانہ عمرو بن العاص کے پاس آتے جاتے رہے اور کسی کو خبر نہیں ہونے دی کہ باہم کیا نامہ و پیام ہوتے رہے لیکن حضرت علی کا جب بھی کوئی قاصد عبداللہ بن عباس کے پاس آیا، عراقی جمع ہو کر حضرت عبداللہ بن عباس سے مراسلہ کا مضمون پوچھتے، اگر مصلحت کے لحاظ سے نہ بتایا جاتا، تو قیاس آرائی کر کے افواہیں مشہور کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ایک طرف عراقیوں کی اس روش سے پریشان تھے، دوسری طرف مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص سے الگ الگ ملے، انھوں نے اندازہ لگایا کہ دونوں ثالثوں میں درحقیقت اتفاق رائے نہیں ہو سکا، اس لیے تحکیم کی یہ تحریک ناکام ہو کر رہے گی۔ حضرت ابن عباس کو یہ حالات سن کر فکر لاحق ہوئی، کہ اگر بظاہر دونوں حکم کسی فیصلہ پر پہنچ گئے ہوں تو حضرت ابو موسیٰ کی سادہ لوحی اور عمرو بن العاص کی ہوشمندی سے یہ خطرہ ہے کہ موخرالذکر اپنے عہد پر قائم نہیں رہیں اور عین وقت پر کوئی ایسی چال چل جائیں، جس سے ہماری جماعت کو نقصان پہنچ جائے، اس لیے انھوں نے ابو موسیٰ اشعری کو اس خطرہ سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھا اور ان سے کہا، "اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں تو اس کے اعلان میں پیش قدمی نہ فرمائیے گا، پہلے عمرو بن العاص سے اعلان کرائیے گا، وہ بڑے ہی غدار اور شاطر ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے اعلان کر دیا

کوئی سبقت کی، تو وہ اپنا موقع آنے پر مکر وفریب سے کام نہ لے لیں، اور اُمت میں انت
پیدا ہو جائے"۔ ابو موسیٰ نے اپنی سادہ لوحی سے بڑے یقین سے کہا "نہیں ایسا نہیں ہوگ
ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں"۔

اس کے بعد فیصلہ کے اعلان کا وقت آیا، دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں ہزاروں
مسلمان اس کے سننے کے اشتیاق میں جمع تھے۔ ابو موسیٰ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ پہلے تم اعلان
کرو، انھوں نے بڑی عاجزی سے عرض کیا، آپ فضل ومنقبت میں مجھ سے افضل ہیں، میں آپ پر
سبقت کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں، ابو موسیٰ خود اس حقیقت کے معترف تھے، حضرت
ابن عباس کے منع کرنے کے باوجود منبر پر کھڑے ہو گئے اور اعلان عام سنایا کہ:

"اما بعد! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا، اُمت کے اتحاد واتفاق اور صلاح کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آئی، کہ علی ومعاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور خلافت کے انتخاب کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے، عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اس کو منتخب کر لیں، اس لئے میں علی ومعاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے چاہو خلیفہ بنالو"۔

اس کے بعد عمرو بن العاص منبر پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے اعلان کیا، کہ:

"حاضرین! ابو موسیٰ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انھوں نے اس شخص کو جس کے وہ نمائندہ تھے، یعنی حضرت علی کو معزول کر دیا، میں بھی اُن کو معزول کرتا ہوں، اور اپنے آدمی یعنی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں، اس لئے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ وہی مستحق ہیں"۔

عمرو بن العاص کا یہ کہنا تھا، کہ ابو موسیٰ نے چلا کر کہا "یہ کیا غداری ہے، یہ کیسی بے ایمانی ہے
تمہاری حالت اُس کتے کی ہے، جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے، چھوڑ دو جب بھی ہانپتا

عمرو بن العاص نے طنز کے ساتھ کہا "تم پر چارپائے بر وکتابے چند کی مثل صادق آتی ہے"[1]
ہوئی، عمرو بن العاص کے اس اعلان سے حیران و ششدر تھے، مگر اب تیر داں سے چھوٹ
چکا تھا، اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی پھر اس اعلان سے حضرت علی کے حامیوں میں
اشتعال بھی پیدا ہوا، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص پر کوڑے برسانے شروع کیے، ابن العاص
کے لڑکے شریح پر جھپٹے، مگر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ شامی، ابوموسیٰ کی تلاش میں تھے، وہ محجوب و خجل
روپوش ہو کر مکہ چلے گئے اور تمام عمر عزلت گزیں رہے۔

فیصلہ ثالثی کے بعد حضرت علی رضہ کا قصد فوجکشی حضرت علی نے ثالثی کے اس فیصلہ کو مکر و خدع اور قرآن کے خلاف قرار دیا اور عہد نامہ ثالثی کے مطابق جو فیصلہ
قرآن کے خلاف ہو، وہ قابل قبول نہ تھا، اس لئے حضرت علی نے اس کو قبول نہ کرنے کا اعلان
کرا دیا، اس لئے معاویہ کے ساتھ جو حالت جنگ پہلے تھی، وہ برقرار رہی، اس کے بعد شام پر
حملہ آور ہونے کی تیاریاں کرنے لگے، اور بجز شام اور بعض دوسرے چھوٹے مقاموں کے پورا
عالم اسلامی علوی خلافت کے زیر فرمان رہا۔

امیر معاویہ کا اعلان خلافت دوسری طرف امیر معاویہ نے ثالثی کے فیصلہ میں عمرو بن
العاص کے اعلان کو بنیاد قرار دے کر اپنی خلافت کا اعلان کیا اور اہل شام نے ان کے ہاتھ
پر بیعت کر لی، مگر حضرت علی کی زندگی تک شام کے علاوہ کسی اور جگہ بجز ایک دو مقام کے
امیر معاویہ کے ہاتھ پر کسی نے رضا و رغبت سے بیعت نہیں کی۔

بعض مقام کے باشندوں کا سکوت ثالثی کے فیصلہ کے بعد بعض مقام کے باشندوں نے
سکوت اختیار کیا اور کسی کی امامت و خلافت قبول نہیں کی۔ یہ صورت حال شام و عراق
کے درمیان کے سرحدی شہر دومۃ الجندل جو تحکیم کا مقام اجلاس تھا اور مصر کے ایک قصبہ خرتبا
میں پیش آئی، خرتبا والوں نے غیر جانبداری کی یہ راہ جنگ صفین کے پہلے ہی سے اختیار کر لی تھی۔

---

[1] مثلہ کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ یعنی تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لادی جاتی ہیں۔

Marfat.com

خوارج کا خروج | چوتھی جماعت خوارج کی تھی، جن میں اس فیصلہ کے اعلان کے بعد مزید برہمی پیدا ہوئی، وہ حضرت علی سے تحکیم قبول کرنے سے رجوع کرنے اور تائب ہونے کے طالب تھے ہی، اس فیصلہ کے بعد انھوں نے حضرت علی کی تکفیر اور اپنی بیعت توڑ دینے کا اعلان کیا اور اپنے میں سے عبداللہ بن وہب راسبی کو امیر بنایا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور حضرت علی کی مخالفت شروع کردی اور طے کیا کہ کوفہ سے نکل کر کسی جگہ مجتمع ہوں، چنانچہ متفرق طور پر وہ کوفہ سے نکلے اور نہروان میں اکٹھا ہوگئے اور اسی کو اپنا مرکز بنایا۔ اور بصرہ مداین اور عراق کے دوسرے شہروں میں اپنے خروج کی اطلاع بھیجی اور اپنے ہم خیالوں کو نہروان طلب کیا، مداین کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل وحرکت کی اطلاع ہوگئی۔ کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا سعید کے ساتھیوں نے کہا "امیرالمومنین کا ان کے متعلق کوئی حکم نہیں ملا پہلے ان سے دریافت کرلیا جائے، ان سے مزاحمت نہ کی جائے، سعید نے ان کی راہ چھوڑ دی۔ اسی طرح بصرہ سے پانچ سو کی جماعت روانہ ہوئی یہاں کے والی عبداللہ بن عباس نے ابوالاسود دولی کو ان کے تعاقب میں بھیجا، انھوں نے تستر میں انھیں پالیا، لیکن رات ہوچکی تھی خارجی نکل گئے اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جاملے۔ خارجی فتنہ کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان کا غلو ایک قسم کے خبط وجنون کی حد تک پہنچ گیا، چنانچہ راہ میں یا جہاں کہیں کوئی مسلمان (مرد ہو یا عورت) ملتا، اس سے ثالثوں اور ثالثی کے فیصلہ کے متعلق دریافت کرتے۔ اگر ملنے والا اس سے اپنی برأت ظاہر نہ کرتا تو اس کو قتل کردیتے۔ اس سلسلہ میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خباب کو شہید کردیا، ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے قتل کردیا۔ اسی طرح قبیلہ طی کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔

خوارج کو دعوت اتحاد | حضرت علی کو خوارج کے یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے انھیں ایک مکتوب لکھا، جس میں ثالثی کے فیصلہ اور اس سے پیدا ہونے والے حالات سے انھیں ضابطہ سے مطلع کر کے دعوت اطاعت واتحاد دی، کہ

Marfat.com

"ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا، انھوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا، اس لئے ہم نے اس فیصلے سے برأت ظاہر کی اور اب پھر پہلی حالت (یعنی جنگ) پر آ گئے ہیں، ہم اپنے اور تمھارے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جا رہے ہیں، خدا تم پر رحم کرے، تم بھی ہمارا ساتھ دو، ہم اس وقت تک مقابلہ کرینگے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے"

خوارج اس مکتوب سے متاثر نہیں ہوئے، اور جواب میں لکھا کہ:

"آپ کو اس فیصلہ پر خدا کے لئے نہیں، اپنے نفس کے لئے برہمی ہے، اگر تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے تائب ہوں، تو ہم آپ کے سوال پر غور کر سکتے ہیں، اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم آپ سے لڑنے کے لئے میدان میں آئیں گے"

امیر المومنین کی خدمت میں اطاعت شعار شہریوں کا ایک وفد

خارجیوں کا یہ جواب مایوس کن تھا۔ اس اثنا میں ان کے کوفہ سے نکل جانے، مسلمان راہ گیروں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے سے عراق کا امن و امان درہم برہم ہونے لگا۔ جب ان کی فتنہ انگیزی حد سے سوا ہو گئی اور کسی مسلمان کی جو ان کی ہم خیالی کا اقرار نہ کرے، جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں رہی تو کوفہ کے اطاعت شعار باشندوں کا ایک وفد حضرت علی کی خدمت میں آیا، کہ امیر المومنین! ان خارجی فتنہ انگیزوں کو آزاد چھوڑ کر آپ شام کا قصد رکھتے ہیں، آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے، پہلے ان کی سرکوبی کر کے، انھیں مطیع کر کے ان کے فتنہ کو ختم کیجئے، اس کے بعد شام کا قصد فرمایئے"۔

خوارج کے استیصال کا قصد اور حملہ شام کی تیاری کا جاری رکھنا

حضرت علی نے اس وفد کی رائے سے اتفاق کر کے خوارج کے فتنہ کے استیصال کا قصد فرمایا۔ اس کے

Marfat.com

ساتھ شام پر حملہ کی تیاری بھی جاری رکھی اور صوبوں کے والیوں کو اپنی اپنی فوج لے کر دارالخلافہ میں آنے کا حکم بھیجا، چنانچہ اسّی ہزار فوج جمع ہو گئی۔

خوارج کے مظالم اس اثناء میں اطلاع ملی، کہ خوارج لوگوں کو علوی فوج میں جانے سے روکتے ہیں اور کئی آدمیوں کو انھوں نے قتل بھی کر ڈالا ہے۔ حضرت علی نے حارث بن مرّہ کو قاصد بنا کو بھیجا، کہ تمھارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے، ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کر دو، تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے، شاید خدا تم کو راہِ راست پر لے آئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے، اور ہم تمھارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں پھر حارث بن مرّہ کو بھی مار ڈالا۔

حضرت علی کا اتمام حجت حضرت علی نے پھر بھی ضبط سے کام لیا۔ نہرواں پہنچ کر پہلے اتمام حجت کر لینا چاہا اور حضرت ابو ایوب انصاری اور قیس بن سعد انصاری کو سمجھانے کے لئے بھیجا لیکن خوارج اپنی ضد پر قائم رہے تو حضرت علی خود اتمام حجت کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے اور اُن کے سامنے ایک فصیح تقریر کی کہ:

> "اے وہ گروہ! جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے، اور خواہش نفس نے اُسے قبولِ حق سے روکا ہے، تم لوگ شبہہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں، تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو، اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ، کہ خدا کے سامنے تمھارے لئے کوئی دلیل باقی نہیں رہے۔"

اس کے بعد واقعۂ تحکیم، اس کے شرائط، تحکیم پر حضرت علی کا راضی نہ ہونا اور انھی لوگوں کا اصرار کرنا، یہ اور اس سلسلہ کی ساری باتیں بیان کیں، جن کو پہلے خط میں بھی لکھ چکے تھے لیکن اس تقریر سے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ آیا، اور جواب میں وہی باتیں کہیں، جو پہلے کہہ چکے تھے، کہ حَکَم کی تجویز کو مان کر وہ کافر ہو گئے تھے، اب تائب ہو چکے ہیں، نعوذ باللہ حضرت علی کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، وہ بھی تائب ہو جائیں۔ حضرت علی نے پھر بھی ضبط سے کام لیا اور

Marfat.com

فرمایا کہ "اگر کفر کا اقرار کروں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا۔ مناسب ہے کہ کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفت گو کے لئے بھیجو، اگر وہ مجھے قائل کر دے، تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں، اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔"

اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکواء کو گفت گو کے لئے بھیجا لیکن گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

معرکۂ نہرواں بالآخر مجبور ہو کر حضرت علی نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شبث بن ربعی، پیادہ پر حضرت ابو قتادہ انصاری اور سواروں پر حضرت ابو ایوب انصاری کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

امان کا علم حضرت علی نے صف آرائی کے بعد خارجیوں کو ایک دفعہ اور رغابت فرمایا اور حضرت ابو ایوب انصاری کو امان کا علم دے کر وسط میدان میں اعلان کرایا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آجائے یا کسی شہر کی طرف لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ کسی طرح چھوڑ دے وہ مامون ہے۔ خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حضرت علی سے جنگ کرنے میں پس و پیش تھا، یہ اعلان سن کر ان کے سردار مردہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علی سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس وقت تک حصہ نہ لینا چاہیئے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرنے میں سے اپنی رائے میں ہم کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں چنانچہ پانچسو آدمیوں نے نہروان سے بندبخین کی راہ لی، اسی طرح ایک بڑا گروہ میدان چھوڑ کر کوفہ روانہ ہو گیا اور ایک ہزار حضرت علی کے جھنڈے کے نیچے آگئے۔ عبداللہ بن وہب راسبی کے علم کے نیچے تھوڑی سی فوج بہ روایت دو ہزار آٹھ سو، اور ایک روایت کے مطابق چار ہزار رہ گئی۔

معرکۂ کارزار اور میدان میں خوارج کا خاتمہ حضرت علی نے اب بھی جنگ شروع نہیں کی یہاں تک کہ خارجیوں نے لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کر دیا کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علی کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ پھر میمنہ و میسرہ پر جھپٹے اور

Marfat.com

اس شجاعت و پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے اور وہ لڑتے رہتے۔ ایک خارجی شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا تو ایک ہی پاؤں پر کھڑا لڑتا رہا۔ حضرت علی کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا، بالآخر ایک خوں ریز جنگ کے بعد خوارج کو شکست ہوئی، لیکن کسی خارجی نے فرار ہونے کے لئے پیٹھ نہیں پھیری۔ ہر ایک آخری وقت تک لڑتا رہا اور لڑنے والوں میں کوئی بھی سلامت باقی نہیں رہا۔ وہ ایک ایک کر کے میدانِ جنگ میں گرے، ان میں صرف چار سو ایسے زخمی تھے جن کی سانس باقی تھی، ورنہ سب کے سب مقتول ہوئے۔ حضرت علی نے ان زخمیوں کو میدان سے اٹھایا، ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا کہ کوفہ میں لے جا کر ان کا علاج کرائیں۔

شام پر حملہ کا قصد اور اشعث بن قیس کی رخنہ اندازی

معرکۂ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، کہ "خدا نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ میں کامیاب کیا ہے، اب یہیں سے اپنے دوسرے دشمن (معاویہ) کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو جاؤ"۔ اس پر اشعث بن قیس سامنے آئے اور عرض کیا "امیرالمومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواریں کند ہو گئی ہیں، اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے"۔ حضرت علی نے اشعث کی رائے کے مطابق مقام نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن لوگ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کر کے چھپ چھپ کر اپنے گھروں کو واپس لوٹنے لگے۔ آخر میں بجز امراء ورؤسائے فوج کے کل ایک ہزار آدمی باقی رہ گئے، حضرت علی بھی یہ رنگ دیکھ کر کوفہ واپس چلے آئے۔

یہ صورتِ حال اشعث بن قیس کی رخنہ اندازی سے پیدا ہوئی۔ یہ اشعث وہی ہیں جنھوں نے شامی فوج کی دراصل شکست کے بعد روم و ایران کے خطروں کا حوالہ دے کر مصالحت کی آواز اٹھائی، اور جب جنگی تدبیر کے طور پر شامیوں نے قرآن کو نیزہ پر بلند کیا تو سب سے پہلے ان ہی نے التوائے جنگ کا نعرہ لگایا، پھر جب حَکَم کے انتخاب کا موقع آیا تو سب سے پہلے ان ہی نے

ابوموسیٰ اشعری کا نام پیش کیا اور جب حضرت علی اس پر راضی نہیں ہوئے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ورنہ اشتر نخعی کا نام پیش کیا تو اسی اشعث نے ان دونوں ناموں کی مخالفت کی اور ابوموسیٰ اشعری کے حکم بنائے جانے پر اس قدر اصرار کیا کہ حضرت علی نے فرما دیا جس کو چاہو حکم بنا دو، مجھے اس سے بحث نہیں "۔ اور اب جبکہ ستّر اسّی ہزار فوج پھر اکٹھا ہوگئی تھی اور بڑی خوبی کے ساتھ امیر معاویہ کو زیر کیا جا سکتا تھا کہ اس موقع پر بھی سامنے آئے اور شام کی روانگی کو ایک عذر پیش کر کے تعویق میں ڈالا اور بالآخر علوی لشکر میں پست ہمتی آئی اور وہ دس بیس کر کے بلا اجازت لشکر سے نکل گئے اور حضرت علی کو کوفہ واپس آنا پڑا۔

ان پے در پے واقعات سے اس شبہہ کو تقویت ہوتی ہے کہ ممکن ہے اشعث بن قیس علوی جماعت میں امیر معاویہ و عمرو بن العاص کے تدبّر، دُور اندیشی اور مخفی سیاسی سازش کے آوردہ ہوں، اگر یہ واقعہ صحیح ہے، تو یہ بھی ان دونوں کی کامیاب سیاست کا ایک نشان ہے، لیکن ایسی سیاست، عہد رسالت سے اس قدر قریب زمانہ کے دورِ اتقاء کے لئے موزوں نہیں سمجھی جا سکتی۔

غالی سبائیوں کا آخری حشر ان دنوں کوفہ کے باشندوں میں جیسا کہ اوپر گذرا، مختلف قسم کے اعتقادات پھیل گئے تھے۔ ایک طرف خارجیوں کی جماعت تھی، جو نعوذ باللہ حضرت علی کی تکفیر کرتی اور ان کا خون مُباح سمجھتی تھی، دوسری طرف غالی سبائی تھے، جن میں سے رفتہ رفتہ عوام کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جس کی حضرت علی سے والہانہ عقیدت بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچ گئی، کہ اس نے ان کے مرتبہ کو درجۂ اُلوہیت تک پہنچا دیا اور اس عقیدہ میں انھیں اس قدر غلو ہوا، کہ خود حضرت علی کے بار بار منع اور زجر و توبیخ فرمانے کے باوجود وہ اپنے عقیدہ پر شدت سے قائم رہے اور علانیہ حضرت علی کو خدا سمجھنے لگے حضرت علی کے لئے یہ بڑا ہی روح فرسا حادثہ تھا۔ ایک طرف وہ لوگ ان کے متبع اور جاں نثار تھے دوسری طرف ان کے ان عقائد میں ان خرافات کے داخل ہو جانے سے اسلام کے صاف شفاف

Marfat.com

عقیدۂ توحید پہ کاری ضرب آتی تھی، بالآخر حضرت علی نے فیصلہ فرمایا کہ یا تو اس جماعت کو ان عقائد کے ترک کرنے اور تائب ہونے پر مجبور کیا جائے یا اگر وہ کسی طرح ان خرافات کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں تو ان کا استیصال کر دیا جائے، تاکہ اسلام کے عقائد ان فتنوں سے پاک وصاف رہیں۔

جب وہ لوگ بار بار کی زجر و توبیخ سے کسی طرح اس عقیدہ کو چھوڑنے اور اس سے تائب ہونے پر تیار نہیں ہوئے تو حضرت علی نے کوفہ کی جامع مسجد اور قصر کے درمیان ایک گڑھا کھدوایا اور اس میں آگ سلگوائی اور انھیں گرفتار کر کے بلوایا اور ان سے مطالبہ فرمایا کہ اس لغو عقیدہ سے باز آکر تائب ہو جاؤ، ورنہ میں تمھیں اس گڑھے میں ڈال دوں گا، مگر اس کے باوجود وہ لوگ اپنے عقیدہ پر قائم رہے اور اس عقیدہ کو چھوڑنے اور اس سے تائب ہونے سے صریح انکار کیا، اور حضرت علی کے لئے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے قول کو پورا کریں، چنانچہ وہ سب کے سب جنھوں نے حضرت علی کی اُلوہیت کے عقیدہ کو چھوڑنے سے انکار کیا تھا، اس گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ [1]

لیکن جس طرح معرکۂ نہروان میں خارجیوں کے استیصال کے باوجود ملک میں ان کی جماعت کے لوگ موجود رہے، اسی طرح اس حادثۂ نذرِ آتش کے باوجود غالی سبائی جماعت کے کچھ لوگ باقی رہے، اور جو حضرت علی کے وصال فرما جانے کے بعد بھی عقیدۃً یہ سمجھتے رہے کہ حضرت علی زندہ ہیں اور جماعت کے ساتھ عنقریب ظہور فرمائیں گے اور حضرت امام حسن نے اُن کے جواب میں یہ فرمایا کہ اگر یہ حقیقت ہوتی، تو نہ ہم ان کا ترکہ تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقدِ ثانی ہونے دیتے۔

---

[1] اس وقت تک حضرت علی کے علم میں یہ بات نہیں آئی تھی، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کسی جرم کی سزا میں آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے، یہ سن کر انھیں افسوس ہوا، اور آئندہ کبھی کسی کو ایسی سزا نہیں دی۔

شام پر فوج کشی کے ارادہ کا التواء بہرحال حضرت علی نے کوفہ واپس آکر شام پر لشکر کشی کی تحریک کو زندہ رکھا۔ امراء و رؤساء سے مشورہ کیا۔ جنھوں نے اب مخالفت کا اظہار کیا، بعض لوگوں نے علالت کا عذر کیا اور کچھ لوگوں نے خوشی سے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ پھر حضرت علی نے اپنے پرجوش خطبوں کا سلسلہ شروع کیا، لوگوں کو ابھارتے رہے مگر اب کوفیوں کا جوش و خروش رفتہ رفتہ ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ بزدلی و پست ہمتی ان میں گھر کر رہی تھی، بالآخر حضرت علی نے یہ رنگ دیکھ کر سردست شام پر لشکر کشی کے ارادہ کو ترک کر دیا۔

مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ امیر معاویہ کوفہ کے حالات سے ناواقف نہ تھے، ان کے جاسوس ان کو اطلاعیں بھیجتے رہتے تھے، جب انھیں اندازہ ہوگیا کہ شام پر علوی حملہ کا امکان اب باقی نہیں رہا اور اہل کوفہ اپنے حال میں مبتلا ہیں، تو ان کے حوصلے بلند ہوگئے۔ ان کی سب سے زیادہ مصر پر نگاہ تھی، مصر کو زیر اثر لانے کی کوششیں انھوں نے جنگ صفین سے پہلے بھی کی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک طرف عراق کی جانب سے شام پر حملہ ہو اور دوسری طرف مصری ان پر چڑھ دوڑیں، لیکن قیس بن سعد نے ان کے عزائم کو پورا نہیں ہونے دیا۔

حضرت علی نے ۳۶ھ ۶۵۷ء میں جب عثمانی عمال کو برطرف کرکے نئے عمال مقرر کئے تو مصر کی ولایت ان ہی حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی جو بیدار مغز مقتدر صحابی تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شریک رہ چکے تھے، مصر شام کا اہم سرحد تھا، اس لئے یہاں ایسے ہی ہوشمند مدبر والی کی ضرورت تھی، انھوں نے حکمت عملی سے تمام اہل مصر سے حضرت علی کی بیعت لے لی تھی۔ صرف ایک مقام خرنبا کے باشندوں نے یہ درخواست کی تھی کہ جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں ان سے بیعت کے لئے اصرار نہ کیا جائے، وہ حکومت مصر کی اطاعت کے ساتھ خراج دیتے رہیں گے اور امن و امان برقرار رکھیں گے۔ قیس بن سعد نے انھیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور مصلحت شناسی سے ان کی درخواست قبول کر لی۔

قیس بن سعد عرب کے مشہور مدبر تھے، جب امیر معاویہ نے علم بغاوت بلند کیا تو

Marfat.com

عمرو بن العاص کی طرح ان کو بھی ملانا چاہا، کہ کہیں ایسا نہ ہو جب وہ حضرت علی سے مقابلہ کر رہے ہوں، قیس مصر سے آکر شام پر چڑھائی کر دیں، اس لئے انھوں نے قیس کو خط لکھا کہ "اگر تم قاتلینِ عثمان کا ساتھ چھوڑ کر طالبینِ قصاص کے ساتھ آجاؤ، تو تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص رہے گی اور حجاز پر بھی تمھیں اختیار ہوگا جس کو چاہنا حاکم بنانا، اس کے علاوہ جو کچھ تم چاہو، اس کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا، اگر تم کو یہ منظور ہے، تو اپنی رائے لکھو۔"

اس وقت حضرت علی و معاویہ کی کش مکش کا آغاز تھا، قیس نے اس خط کا گول مول جواب دیا، تو امیر معاویہ نے پھر لکھا "تم نے ایسا جواب دیا ہے، کہ نہ تم کو دوست سمجھا جا سکتا ہے کہ اطمینان کیا جا سکے، نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ مقابلہ کیا جائے۔ مجھ جیسے کو تم فریب میں نہیں لا سکتے۔ افسوس، تم اس شخص کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے۔"

قیس نے اس تحریر کا سخت جواب دیا کہ "مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے، تم مجھ کو ایک مستحق خلافت، حق گو، حق پرست اور سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب کے مقابلہ میں ایک جھوٹے، گم کردہ راہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کی نسبت رکھنے والے شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، پھر تم مجھے اپنی طاقت سے دھمکاتے ہو، یاد رکھو وہ وقت قریب آسکتا ہے کہ خود تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں۔"

اس خط کے بعد امیر معاویہ قیس بن سعد کے متعلق ایک نئی چال چلے۔ انھوں نے اہلِ شام سے کہا کہ قیس ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں، اس لئے اہلِ شام ان کو برا بھلا نہ کہیں، ان کے خطوط میری حمایت میں آرہے ہیں، اسی سبب سے خربتا والوں کے ساتھ جو ہمارے حامی اور (حضرت علی) کے مخالف ہیں، قیس کا سلوک اچھا ہے، ان کے (حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کے باوجود ان کے روزینے اور وظیفے جاری رکھے ہیں۔ پھر قیس کی طرف منسوب کر کے ایک فرضی خط بھی عمائدینِ شام کو سنایا، یہ خبر شام میں شہرت کر گئی، لوگوں نے قیس کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور عام طور پر یہ

Marfat.com

یاور کرلیا گیا کہ قیس در پردہ امیر معاویہ کے ساتھ ہو گئے ہیں، امیر معاویہ کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی، شام کے علوی جاسوسوں کے ذریعہ ان افواہوں کی اطلاع پہلے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کو ہوئی، ان دونوں نے حضرت علی رض کو آگاہ کیا، انھوں نے اس کو صحیح سمجھنے میں تامّل کیا، ان لوگوں نے اہل خرتبا کے معاملہ کو اپنی دلیل میں پیش کیا اور مشورہ دیا کہ قیس بن سعد کو خرتبا والوں سے بیعت لینے کا فرمان بھیجا جائے۔ حضرت علی نے بالآخر ان دونوں کے اصرار سے قیس کو لکھ بھیجا کہ خرتبا والوں سے بیعت لی جائے، اگر وہ انکار کریں تو جنگ کی جائے۔ قیس نے جواب میں لکھا کہ "خرتبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے، اس میں بسر بن ارطاۃ، معاویہ بن خدیج اور مسلمہ بن مخلد جیسے جنگ آزما بہادر ہیں، میں نے جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے، یہی مناسب ہے، ان سے لڑائی خرید نا مناسب نہیں، جہاں انھیں چھیڑا، یہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے اور معاویہ ان کی ہر قسم کی مدد کریں گے، اس لئے میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان سے تعرض نہ کیجئے۔"

لیکن حضرت علی کی رائے پر ان دونوں نوجوانوں کی رائے غالب آگئی، انھوں نے قیس بن سعد کے مشورہ کو قبول نہیں کیا اور محمد بن جعفر نے محمد بن ابی بکر کو اصرار کرکے مصر بھجوا دیا کہ وہ وہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر امیر المومنین کو حالات سے باخبر کریں۔ جب محمد بن ابی بکر مصر پہنچے، تو قیس نے پوچھا "امیر المومنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کر دیا ہے؟" محمد بن ابی بکر نے کہا "نہیں، حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی"۔ لیکن قیس نے اس دو عملی کو پسند نہیں کیا اور اپنا استعفیٰ نامہ بھیج دیا۔ محمد بن ابی بکر مصر کے والی مقرر کیے گئے، قیس حضرت علی کے سچے خیر خواہ تھے، انھوں نے محمد بن ابی بکر کو مصر کے نشیب و فراز سمجھائے اور اپنی جس حکمتِ عملی پر قائم تھے اس کی توضیح کی اور محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت دے کر مصر سے مدینہ چلے گئے ۔۔۔ یہ مصر کی سیاست کے لئے اندوہناک واقعہ اور حضرت علی کی دوسری بڑی سیاسی مسامحت تھی جس سے ایسے سچے بہی خواہ مدبّر کی خدمات کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور اس کے نتیجہ

Marfat.com

میں مصر کا زرخیز صوبہ ہاتھ سے نکل گیا۔ محمد بن ابی بکر نوعمر و ناتجربہ کار تھے، ان سے مصر کی حکومت کا بار سنبھل نہ سکا۔ انھوں نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خربتا والوں پر فوج کشی کر دی، وہ لوگ بڑے شجاع و بہادر تھے، محمد بن ابی بکر کو فاش شکست ہوئی اور معاویہ بن خدیج کندی نے علانیہ قصاصِ عثمان کی دعوت شروع کر دی جس سے مصر کی فضا بھی مسموم ہوگئی

حضرت علی نے جنگِ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں۔ امیر معاویہ کے جاسوس لگے ہوئے تھے، انھوں نے اشتر کی روانگی کی اطلاع انھیں دی، امیر معاویہ نے راستہ میں اشتر نخعی کو زہر دلا کر اُن کا کام تمام کرا دیا۔۔۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوج کشی کے متعلق خط و کتابت کی، ان لوگوں نے خوش آمدید کہا اور کامیابی کا یقین دلایا۔ امیر معاویہ نے مصر کے ہونے والے حاکم عمرو بن العاص کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ یہاں کا عثمانی گروہ ان کے زیرِ علم آگیا۔ عمرو بن العاص نے مصر پہنچ کر محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہو چکے ہیں، میرا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھیں میرے ہاتھ سے کوئی نقصان پہنچے"۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کو حالات سے مطلع کیا۔ انھوں نے مقابلہ کا حکم بھیجا، محمد بن ابی بکر چند ہزار کی جمعیت کے ساتھ عمرو بن العاص کے مقابلہ کے لئے نکلے اور جانبازی سے لڑنے لگے۔ ان کے مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر کے ہاتھ میں تھی، وہ بڑی پامردی سے شامیوں کا مقابلہ کرتا رہا، جو دستہ سامنے آتا اس کو پسپا کر دیتا۔ عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو اشارہ کیا، انھوں نے کنانہ کو گھیرے میں لے لیا اور شامی اس پر ٹوٹ پڑے۔ کنانہ گھوڑے سے اُتر کر تیغ بے دریغ سے لڑتا رہا اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود اپنی جان دی۔ اس اثنا میں امیر معاویہ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پیچھے سے آکر گھیر لیا۔ اب میدان محمد بن ابی بکر کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ان کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر فرار ہوئے اور وہ خود ایک ویران کھنڈر میں جا کر چھپ رہے۔ عمرو بن العاص کے جاسوسوں نے ان کو ڈھونڈ

مثلاً اور عمرو بن العاص کے اشارہ سے معاویہ بن خدیج نے بے دردی کے ساتھ ان کو قتل کر کے ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ حضرت علی نے اس اثناء میں دارالخلافہ سے دو ہزار کی کمک روانہ کی تھی کہ محمد بن ابی بکر کے قتل کئے جانے کی اطلاع ملی، اور حضرت علی نے فوج کو واپس طلب کر لیا۔ اس طرح ۳۸ھ / ۶۵۹ء میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور یہ زرخیز صوبہ حضرت علی کے ہاتھ سے نکل گیا۔

عمرو بن العاص ولایت مصر پر امیر معاویہ نے پچھلے تحریری معاہدہ کے مطابق مصر کی حکومت عمرو بن العاص کے سپرد کر دی اور مصر کا خراج ان ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ عمرو بن العاص مصر کی ولایت پر آنے کے بعد چھ برس زندہ رہے۔ امیر معاویہ نے مصر کا خراج انھیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہے مصر کے خراج کے مالک بنے رہے اور ان کے پاس دولت و ثروت کا ایک انبار لگ گیا۔ ۴۳ھ / ۶۶۴ء میں قاہرہ میں انھوں نے وفات پائی۔ ؎۱

؎۱ عمرو بن العاص کا خاندان جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ فیصل مقدمات کا عہدہ اس خاندان کے سپرد تھا۔ اپنے جاہلیت کے دور میں اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھے۔ نجاشی کے پاس مہاجرین حبش کے خلاف یہی وفد لے کر گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ فتح مکہ کے بعد سریہ ذات السلاسل ان کی سرکردگی میں انجام پایا۔ بت سواع کو انھوں نے مسمار کیا۔ پھر سفارت کے موقع پر تبلیغ اسلام کے لئے انھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حاکموں کے پاس بھیجا، وہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر آپ ؐ نے ان کو عمان کا والی بنایا، پھر عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد، عہد فاروقی میں شام و مصر کے فتوحات، عہد عثمانی میں ولایت مصر پر تقرری، معزولی اور پھر بحالی کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں۔ عہد علوی میں امیر معاویہ کی معاونت میں ان کی جو کارگذاریاں موجودہ حکومت مصر کے لئے ان کے ہاتھوں گذریں وہ ابھی ان ہی اوراق میں نظر آ چکی ہیں، انھوں نے اپنے مرض وفات میں اپنی زندگی پر خود تبصرہ کیا جو بڑی حد تک حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے کہا :

"میری زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور جب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (۵۶۲ پر)

Marfat.com

حضرت علی کے مقبوضات پر امیر معاویہ کی جارحانہ پیش قدمیاں اب امیر معاویہ شام و مصر کے زرخیز صوبوں کے مالک تھے، لیکن ان کے علاوہ سارا عرب و عجم امیر المومنین حضرت علی کے زیر فرمان تھا۔ مصر پر قابض ہونے کے بعد امیر معاویہ خاموش نہیں بیٹھے، اب ان کا مطمح نظر منصب خلافت پر قابض ہونا تھا، اس لئے وہ حضرت علی کے مقبوضات پر جہاں مناسب سمجھتے، جارحانہ پیش قدمیاں کرتے، جہاں موقع پاتے پرسکون باشندوں سے جبر و تشدد سے بیعت لیتے، حرم میں جنگ کا خطرہ نہ ہونے کے باعث کبھی وہاں کسی کو امیر حج بنا کر بھیج دیا، کبھی کسی مقام پر کسی کی سرکردگی میں فوج کا دستہ بھیج دیا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو حضرت علی کی اطاعت سے برگشتہ کرے۔

باشندگان بصرہ کی سرکشی و اطاعت چنانچہ امیر معاویہ نے مصر کے بعد عراق پر نظر ڈالی، اور ۳۸ھ / ۶۵۹ء ہی میں اہل بصرہ کو برگشتہ کرنے کے لئے عبداللہ بن حضرمی کو وہاں بھیجا کہ اہل بصرہ کو حضرت علی کی اطاعت سے برگشتہ کرکے امیر معاویہ کی طرف مائل کرے۔ بصرہ جنگ جمل کا مرکز رہ چکا تھا، یہاں کے طاقتور قبیلہ بنو تمیم نے اس دعوت کو لبیک کہا۔ کچھ اور دوسرے قبیلوں نے بھی

(صفحہ ۵۶۱ کا باقی حاشیہ) سخت دشمن تھا۔ اور کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا، اگر اس حالی میں مر جاتا تو یقینی دوزخی ہوتا، دوسرا وہ جب میں اسلام لایا اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا، وجہ بتائی تو آپ نے فرمایا "اسلام انسان کے تمام پچھلے گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے" اس کے بعد میری حالت یہ ہوگئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ میرا کوئی محبوب نہ تھا۔ آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپکو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کوئی آپ کا مجھ سے حلیہ پوچھے تو نہیں بتا سکتا، اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنت کی امید تھی۔ پھر تیسرا دور آیا جس میں مجھ سے مختلف قسم کے اعمال سرزد ہوئے، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔" رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ساتھ دیا اور حضرت علی کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر مقام حوان میں پناہ گزیں ہونا پڑا جعفر
لی کو اطلاع ہوئی، تو انھوں نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضری کی ریشہ دوانیوں کے انسداد کے لئے
بیا، مگر امیر معاویہ نے ناگہانی ان کو قتل کرادیا۔ اس کے بعد جاریہ بن قوامہ کو حضری کی سرکوبی
لے لئے مامور کیا گیا۔ انھوں نے آکر ابن حضری اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور اس کی پناہ گاہ کو نذر
آتش کر دیا۔ اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کرلی اور امیر المومنین نے ترحم فرما کر عفو عام کا
اعلان کرادیا۔

مختلف علوی مقبوضات پر چھاپے مارنے کی ناکام کوششیں

امیر معاویہ کے لئے بصرہ کا واقعہ سبق آموز نہ ہوسکا انھوں نے اپنی مستقل روش یہ اختیار کرلی کہ فوج
کے چھوٹے چھوٹے دستے جابجا پھیلا دیتے، جو وہاں کے باشندوں کو حضرت علی کے خلاف ورغلاتے
اور امیر معاویہ کی طرف مائل کرتے۔ مرکزی خلافت کے عمال میں اگر مقابلہ کرنے کی طاقت ہوئی تو
انھوں نے مقابلہ کیا ورنہ بے دخل ہوگئے اور معاویہ کے لشکر نے بیت المال کو لوٹ لیا اور جہاں مستقل
قبضہ ہو سکے، قبضہ کرلیا اور زکوٰۃ و صدقات کی وصولی شروع کر دی۔ پھر علوی لشکر نے آکر دوبارہ
قبضہ کیا، یہی صورت حال ایک سے زیادہ مقاموں میں پیش آئی، لیکن امیر معاویہ کسی ایک انچ
زمین پر بھی مستقل قبضہ نہ کر سکے۔

امیر معاویہ نے ان اقدامات کا سلسلہ ۳۹ھ ۶۶۰ء سے شروع کیا۔ سب سے پہلے نعمان بن
بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا، جس نے یہاں کے حاکم مالک بن کعب کو شکست
دی اور خزانہ لوٹ لیا۔ دوسری طرف اسی سال سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و
مداین بھیجا۔ وہ پہلے انبار پہنچا، اس نے یہاں کے حاکم اشرف بن حسان بکری کو قتل کر کے جو کچھ ملا،
لوٹ لیا۔ حضرت علی کو اطلاع ملی تو انھوں نے سعید بن قیس کو اس کے تعاقب میں بھیجا، مگر
سفیان آگے بڑھ چکا تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقات و زکوٰۃ
وصول کرنے کے لئے تیار روانہ کیا، وہ وصولی کرتے ہوئے بلد حرام مکہ معظمہ پھر وہاں سے مدینہ منورہ

جا پہنچا، حضرت علی نے مسیب بن نجبہ فزاری کو مقابلہ کے لئے بھیجا تیما میں دونوں کا مقابلہ ہ
عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ کچھ شامی بھاگ نکلے۔ مسیب نے ابن مسعدہ کی پنا
کا محاصرہ کر کے اس میں آگ لگادی۔ ابن مسعدہ نے پناہ مانگی، دونوں خزاری تھے مسیب نے
چھوڑ دیا اور وہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گیا۔

پھر اسی سال امیر معاویہ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقصہ کے
علاقہ میں بھیجا، وہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچا حضرت علی کو اطلاع ہوئی، تو انھوں
حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ تعاقب میں بھیجا۔ تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ مقابلہ ہوا
شامی مارے گئے، پھر رات کی تاریکی میں نکل گئے۔ اسی طرح جزیرہ کی طرف امیر معاویہ نے عبدالرحمن
قباث بن اشیم کو روانہ کیا۔ یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے۔ انھوں نے کمیل بن زیاد
خبر دی۔ وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر گئے، عبدالرحمن کو شکست ہوئی، بہت سے شامی ما
گئے، اس اثنا میں شبیب بھی نصیبین سے پہنچ گئے۔ انھوں نے عبدالرحمن کا بعلبک تک تعاقب
امیر معاویہ کو خبر ہوئی، تو انھوں نے حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر وہ واپس
تھے۔ پھر اسی سال زہیر بن مکحول کو بنو کلب اور بنو بکر بن وائل سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا
حضرت علی نے عبداللہ اشجعی کو مامور کیا، دونوں میں جنگ ہوئی، زہیر واپس چلا گیا۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو دومۃ الجندل کے باشندوں سے بیعت لینے کے
بھیجا جو ابھی تک غیر جانبدار تھے، حضرت علی و معاویہ میں سے کسی کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ لوگ معاویہ
بیعت پر آمادہ نہیں ہوئے۔ حضرت علی کو اطلاع ہوئی، تو مالک بن کعب کو اپنی بیعت لینے کے
روانہ کیا۔ مسلم و مالک میں جنگ ہوئی، مسلم شکست کھا کر لوٹ گیا۔ مالک نے دومۃ الجندل والوں
سے بیعت لینی چاہی، تو انھوں نے سر دست غیر جانبدار رہنے کی خواہش کی۔ مالک نے بیعت پر زیادہ
اصرار نہیں کیا، واپس لوٹ گئے۔

اس طرح امیر معاویہ کی ان پے در پے جارحانہ پیش قدمیوں کے باوجود ان مقامو

لیکن ان کے قدم جم نہ سکے حضرت علی نے ہر جگہ مقابلہ کیا اور بیشتر موقعوں پر شامی مغلوب ہو کر واپس گئے۔

امارت حج کے لئے نزاع | امیر معاویہ، تدبر، دوراندیشی اور سیاسی حکمت عملی سے اپنے مقصد کے حصول میں لگے ہوئے تھے، مگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ حج کے موقع پر شرعی دستور یہ تھا کہ امیر المومنین خود حج کے لئے جایا کرتے یا کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر امیر حج مقرر کر کے بھیجتے فتح مکہ کے بعد عہد رسالت سے اس پر عمل جاری تھا۔ اگر کوئی دوسرا نامزد نہیں کیا جاتا، تو حاکم مکہ کو امارت حج کی خدمت بھی تفویض ہوتی تھی۔ ۳۹ھ/۶۶۰ء کے حج کے موقع پر مکہ میں حضرت علی کے عامل قثم بن عباس تھے، امیر معاویہ کو معلوم تھا کہ بلد الحرام مکہ معظمہ میں وہ بھی حج کے موقع پر خونریزی کو روا نہیں رکھ سکتے، چنانچہ انھوں نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر حج بنا کر مکہ بھیج دیا۔ قثم نے مکہ سے نکل کر یزید کا مقابلہ کرنا چاہا، مگر اہل مکہ اس موقع پر ان کے ہمنوا نہیں ہوئے۔ قثم نے حضرت علی کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابوسعید خدری نے ان کو روکا۔ اس درمیان میں شامی مکہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی کو معلوم ہوا تو انھوں نے ریان بن حمزہ اور ابو الطفیل کو فوج دے کر مکہ بھیجا، لیکن امیر معاویہ کا مقصود جنگ کرنا نہ تھا۔ ابن شجرہ نے غالباً ان ہی کی ہدایت کے مطابق ابوسعید خدری سے درخواست کی کہ وہ حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا، اس کے اور قثم کے علاوہ کسی تیسرے کو امیر بنا دیجئے۔ قثم نے بھی اس رائے کی تائید کی اور قثم ہی کے معتمد شیبہ بن عباس کو جو ابن شجرہ کو حرم میں داخل ہونے سے بزور روکنا چاہتے تھے، اس سال کے لئے امیر حج بنایا گیا اور ۳۹ھ/۶۶۰ء کا حج انہی کی امامت میں ادا ہوا۔ ابن شجرہ حج کے بعد واپس چلا گیا۔

حجاز و یمن پر امیر معاویہ کی تاختیں | امیر معاویہ نے حج کے لئے اپنا امیر مقرر کر کے دراصل یہ دیکھنا چاہا کہ علویین اور اہل حجاز حرمین کی حرمت کا پاس و لحاظ کر کے جنگ سے گریز کرتے ہیں یا نہیں۔ حج کے موقع پر انھیں جو تجربہ ہوا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے انھوں نے حجاز و یمن پر

Marfat.com

تاخت کرنے کے لئے اچانک ایک خونخوار قائد بسر بن ارطاط کو مامور کیا۔ وہ یہاں مدینہ منو
پہنچا۔ یہاں کے والی حضرت ابوایوب انصاری نے حرم نبوی کے احترام کے خیال سے مقابلہ کر
مناسب نہ سمجھا، اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔

اب بسر بن ارطاط کے لئے مدینہ کا راستہ ہموار تھا، اس نے مدینہ منورہ پہنچ کر حرم
نبوی میں گستاخانہ تہدید آمیز تقریر کی کہ "ہمارے شیخ (یعنی حضرت عثمانؓ) کہاں ہیں؟ جن
ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا۔ خدا کی قسم اگر میں نے معاویہ سے عہد نہ کر لیا ہوتا تو یہاں ایک بالغ
بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جابر بن عبداللہؓ (جو اس وقت مدینہ کے اصحاب نبوی میں
سب سے ممتاز تھے) کو میرے حوالہ نہ کرو گے، اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لئے بند
ہیں" حضرت جابرؓ نے سنا تو چھپ کر حضرت ام المومنین ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور عرض
کیا "اگر معاویہ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے۔ بیعت نہیں کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا
ہوں" حضرت ام المومنین نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا[۱]، اور انہوں نے اہل مدینہ کو مظالم سے
بچانے کے لئے بجبر و اکراہ بیعت کر لی۔ اس کے باوجود بسر نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے کے لئے
کے چند گھروں کو مسمار کرا دیا پھر یہاں سے مکہ روانہ ہو گیا۔ مکہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری موجود
انہیں حضرت جابر کے واقعہ کی اطلاع ہو چکی تھی، وہ روپوش ہو کر مکہ سے نکل گئے۔ بسر نے مکہ
یہاں بھی لوگوں سے بزور بیعت لی اور یمن روانہ ہو گیا۔

یمن کے والی حضرت عبیداللہؓ بن عباس کو حجاز میں بسر کے مظالم کا حال معلوم
تھا۔ موقع ان کے لئے بھی مقابلہ کا نہ تھا۔ وہ حضرت علیؓ کو حالات سے باخبر کرکے، بسر کے فتنہ کو
کرنے کا مشورہ دینے کوفہ چلے گئے، اور عبداللہ بن عبدالمدان کو قائم مقام بنا دیا۔ بسر نے یہاں

[۱] اسلامی شریعت کے مطابق مسلم کی جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اس کو بچانے کے لئے صریح حرام
کھائی جا سکتی ہیں۔ اور اگر کبھی موقع آ جائے اور کلمۂ کفر کہہ کر جان بچائی جا سکے تو کلمۂ کفر تک کہہ دینے کی
ہے۔ (احکام القرآن جصاص)

عبدالمدان، اس کے لڑکے اور حضرت عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں کو تہِ تیغ کیا اور روانہ ہو گیا۔

حضرت علی کو ان واقعات کی خبر ہوئی، تو انھوں نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ بسر کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ اس وقت نجران میں تھا۔ علوی لشکر کی خبر سن کر بسر بھاگ نکلا، اس کی جماعت کے چند آدمی جاریہ اور وہب سے مقابلہ کرتے ہوئے قتل کئے گئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے لشکر کے ساتھ یمن میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے معاویہ کی بیعت کو ترک کر کے حضرت علی کی بیعت کی تجدید کی۔

حجاز و یمن کی تاختوں سے بھی امیر معاویہ کوئی نفع نہ اٹھا سکے۔ حضرت علی کی زندگی تک ان کے ممالک محروسہ میں شام و مصر کے علاوہ ایک انچ زمین بھی نہ آسکی۔ پھر شام و مصر کے علوی خلافت سے الگ ہو جانے کی وجہ سے مغرب و طرابلس کا علاقہ بھی حضرت علی کے قبضہ میں نہ آیا، کہ ان حصوں تک پہنچنے کی راہ شام و مصر ہی ہو کر تھی۔ امیر معاویہ بھی اس مغربی خطہ کی طرف سے خاموش رہے، کہ مبادا پھر رومیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ ہو جائے، اس لئے در اصل مغرب کا یہ حصہ نہ حضرت علی کے پاس رہا نہ امیر معاویہ کے پاس۔

چند بغاوتیں اور ان کا استیصال

اگرچہ حضرت علی کی شجاعت، تدبر اور حسن تدبیر سے امیر معاویہ کے حملہ آور دستوں میں سے ہر ایک کا مقابلہ کیا گیا اور ان کو ممالک محروسہ سے نکال دیا گیا، لیکن مسلمانوں کی خانہ جنگی سے دور دراز حصوں میں بدامنی پھیلی اور سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں برپا ہوئیں۔

خریت بن راشد کی سرکوبی اور راہِ ہرمز کی بغاوت کا خاتمہ

سرزمین عجم کے دور دراز حصوں میں بغاوتیں اس لئے بھی رونما ہوئیں، کہ نہ صرف امیر معاویہ کی تاختیں ہوتی رہیں، بلکہ جنگ نہروان کے بعد بھی خارجی نچلے نہ بیٹھے اور ان کا ایک سردار خریت بن راشد اپنی ریشہ دوانیوں سے کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتا رہا۔ وہ مجوسیوں، مرتدوں، نومسلموں اور

Marfat.com

ذمیوں کو اُبھار کر اُن کو اپنے ساتھ لیتا اور ملک کے مختلف حصوں میں لوٹ مار کرتا پھرتا اور خصوصاً ذمیوں کو بھڑکا کر اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت کرا دیتا۔ حضرت علی نے معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انھوں نے اس کا مسلسل تعاقب کیا اور رامہرمز کی پہاڑیوں میں اس کو اس کی جماعت کے ساتھ پالیا اور اس کے اور اس کی جماعت کے وجود سے ملک کو پاک وصاف کیا۔

پھر ذمیوں کا جو حلقہ اس کے زیر اثر آ گیا تھا، اس سے اطاعت کا عہد لے کر لطف و ترحم کا سلوک کیا، مرتدوں اور نومسلموں سے بھی قبولِ اسلام کا اقرار لے کر حُسنِ سلوک سے پیش آئے۔ جب معقل بن قیس رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، اور ان کی جدائی پر مجوسی ایرانیوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔

کرمان وفارس اور دوسرے صوبوں کی دوبارہ اطاعت

بہرحال خریت بن راشد اور امیر معاویہ کے شورش انگیز اقدام سے عجم کے دور دراز حصوں میں بغاوت کی لہر دوڑ گئی۔ کرمان وفارس کے عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، اور دوسرے صوبوں نے بھی خودسری اختیار کی اور علوی عمال کو نکال دیا۔ حضرت علی نے عجم کی اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے مشورہ طلب کیا۔ اہل الرائے نے زیاد بن ابیہ کا نام لیا کہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے موزوں ترین شخص ہو سکتے ہیں، حضرت علی نے زیاد کو اس مہم پر مامور کر دیا۔ اور وہ فوج لے کر دار الخلافہ سے روانہ ہو گئے۔

زیاد فوج لے کر اس مہم پر روانہ ہوئے اور حسب توقع چند دنوں میں کرمان وفارس اور دوسرے تمام مقاموں کی بغاوت فرو کی۔ لوگوں نے اطاعت کا عہد کیا اور امن وامان سے زندگی گذارنے لگے۔ حضرت علی نے ان عجمیوں کے ساتھ اس لطف ومدارات کا سلوک کیا، کہ ایران کے بچہ بچہ میں منت پذیری کے جذبات پیدا ہوئے اور ایرانی برملا کہنے لگے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کے طریقِ جہانبانی سے نوشیروانی عہد کی یاد تازہ ہو گئی۔

Marfat.com

فتوحات | عہد آفرینوں[illegible] پُرفتن دَور سے گزر رہا تھا اور امیر معاویہ اپنی سلطنت کے خواب کو پورا کرنے کے لیئے تو ایک دن بھی غافل نہیں رہے، اس کے باوجود اس عہد میں فتوحات کا صفحہ بھی خالی نہیں ہے سیستان و کابل میں بعض عرب، خود مختار ہو گئے تھے، حضرت علی انھیں دوبارہ لائے، پھر پیش قدمی کر کے اس سمت کے بعض غیر مفتوحہ علاقوں پہ اسلامی پرچم کو بلند کیا پھر ۳۸ھ میں بعض اسلامی بحری بیڑے کو ہندوستان کے رُخ جانے کی اجازت دی اور کوکن کے ساحل پر اُتر کر اس کو زیر علم لائے۔

امیر معاویہ سے مقابلہ کی آخری تیاری | شامیوں کے حملہ آور دستوں کو حدود حجاز، یمن، و عراق سے نکالنے کے بعد حضرت علی نے عراق پر روز روز کی حملہ آوری کا انسداد کرنا چاہا۔ کوفہ کی جامع مسجد میں پُرجوش خطبے دیئے، اہل کوفہ کے مُردہ دلوں میں کچھ تازگی آئی، مگر وہ دیر پا نہ رہ سکی معقل بن قیس کے مشورہ سے جبری بھرتی کا قصد فرمایا اور معقل کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر فوج فراہم ہو سکے، وہ اپنے ساتھ لے آئیں، لیکن ابھی یہ تیاریاں حد تکمیل کو نہ پہنچی تھیں کہ قضاء و قدر کا دوسرا فیصلہ سامنے آ گیا اور ۴۰ھ ۶۶۱ء میں حضرت علی پر قاتلانہ حملہ ہو گیا۔

شہادت

حضرت علی پر قاتلانہ حملہ | خارجیوں کو معرکہ نہروان میں اگرچہ سخت نقصان پہنچا تھا مگر ان کی تحریک اور عقیدہ کی تبلیغ جاری تھی، اور اپنی خفی سازشوں سے فتنے برپا کرتے رہتے تھے۔ حج کے موقع پر ان کی مجلس مشاورت ہوئی، جس میں یہ طے پایا کہ جب تک علیؓ، معاویہ اور عمرو بن العاص کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نہ مٹایا جائے نہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ امن و سکون قائم ہو سکتا ہے۔ ان میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم نے اپنے اوپر حضرت علیؓ کو شہید کرنے کا ذمہ لیا۔ دوسرے برک بن عبداللہ نے معاویہ کو ختم کرنے کا عہد کیا اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کی زندگی کا چراغ گل کرنے کا وعدہ کیا۔ ابن ملجم

Marfat.com

اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو ہمراز بنا کر شریک کر لیا اور ایک حسین خارجی عورت قطام نے اس کے ارادہ کو زیادہ پختہ کیا اور ابن ملجم سے شادی کا وعدہ کیا اور خون علیؓ کو مہر قرار دیا۔

یہ سب اپنی اپنی مہم پر مکہ سے روانہ ہو گئے۔ حملہ کا ایک دن مقرر تھا۔ ان تینوں نے ان تینوں پر ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو صبح کی نماز کے وقت ایک ساتھ حملہ کیا۔ عمرو بن العاص اتفاق سے اس دن صبح کی نماز پڑھانے نہ آسکے تھے، ایک دوسرا شخص جس نے ان کی جگہ نماز پڑھائی، ان کے دھوکے میں قتل کیا گیا۔ امیر معاویہ پر وار اوچھا پڑا، وہ علاج معالجہ سے صحت یاب ہو گئے۔ ابن ملجم شبیب کے ساتھ مسجد میں حضرت علی کی گذرگاہ پر آکر سو رہا تھا۔ انہوں نے اس کو جگایا۔ جب نماز شروع ہوئی اور حضرت امیر المومنین کا سرِ نیاز سجدہ میں جھکا تو ابن ملجم نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے کاری وار کیا۔ سر پر زخم آیا۔ شبیب فرار ہو گیا لیکن ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔ جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد ابن ملجم، حضرت علی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے انہوں نے چند سوالات کیے، پھر فرمایا "اس کو آرام سے رکھا جائے۔" پھر فرمایا "اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں کر دینا، اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا۔" پھر مسلمانوں سے فرمایا "میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا، صرف میرا قاتل قتل کیا جائے۔" اس کے بعد حضرت حسن کو وصیت فرمائی، کہ "اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت فرمائی ہے۔" پھر حضرت امام حسن و حسین و محمد بن الحنفیہ کو بلا کر باہم اتحاد و اتفاق قائم رکھنے اور دین و دنیا میں خیر و برکت حاصل کرنے کے لئے وصیتیں فرمائیں اور امامین حسنین کو محمد بن الحنفیہ کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی۔

Marfat.com

جانشین کے متعلق اظہارِ خیال | جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو جندب بن عبداللہ نے پوچھا "آپ کے بعد حسن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں" امیر المومنین نے فرمایا "میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں۔ تم لوگ خود اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔"

وفات | زہر آلود خنجر کے کاری زخم کا اثر تیزی سے بڑھتا گیا اور قاتلانہ حملے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو فضل و کمال ہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھوں سے غسل اور تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی۔ حضرت نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور کوفہ کے قبرستان غرّی میں سپرد خاک فرمائے گئے[۱] رضی اللہ عنہ۔

مدتِ خلافت | مدت خلافت چار سال اور چند دن کم نو مہینے رہی۔

فضل و کمال، اخلاق و عادات و ازواج و اولاد

فضل و کمال | حضرت علی نے بچپن سے دامن نبوت میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی۔ اخوت کا خاندانی رشتہ قائم تھا، پھر رشتہ اخوت کے رشتہ کو اعزاز عطا کیا اور اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیا۔ عقد نکاح سے پہلے تک کاشانۂ نبوت ہی حضرت علی کا گھر بھی تھا۔ تمام صحابہ میں انہی کو فیض صحبت سے فائدہ اٹھانے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ جب الگ گھر میں گئے تو بھی وصال نبوی تک دامن دولت سے وابستہ رہے، اور روزانہ ایک یا دو مرتبہ خدمت نبوی میں پابندی سے حاضری کی اجازت تھی۔ یہ شرف بھی کسی اور کو حاصل نہ تھا، اور جب آپ سفر میں جاتے تو بھی وہ آپ کے ہمرکاب ضرور رہتے تھے۔ سفر کے مسائل و احکام میں صحابہ حضرت علی ہی کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کرتے تھے۔ ان میں

---

[۱] مدفن کے متعلق اختلاف ہے، کسی نے قصر امارت کوفہ کہا ہے، کسی نے رحبہ کوفہ بتایا، کسی نے نجف حیرہ کو قرار دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ لاش اطہر صندوق میں رکھی گئی کہ مدینہ لے جائی جائے۔ بنوطے نے اس کو روکا اور اپنی سرزمین میں دفن کردیا۔

Marfat.com

تحصیلِ علم وکسبِ کمال کی فطری صلاحیت اور اس کا ذوق تھا، اس لئے مکتبِ نبوت سے جو فیض انھوں نے حاصل کیا، وہ کم دوسرے صحابہ کے حصے میں آیا۔ ان کے تقرب واختصاص اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنے کے سبب اکثر اوقات حاضرِ خدمت رہنے کی سعادت ان کو حاصل تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دان کو تعلیم دیتے، کبھی قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر سمجھاتے اور کبھی کوئی خاص حدیث قلمبند کرلتے، اس لئے ان کو مشکوٰۃِ نبوت سے براہِ راست اپنے دامن کو انوار کی تجلیوں سے بھرنے کا موقع حاصل ہوا۔ جماعتِ صحابہ نے تبحرِ علمی وفضل وکمال میں ان کی سبقت اور ان کے امتیاز رکھنے کا اعتراف کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس خود خیر الامت تھے، وہ فرماتے ہیں کہ خدا نے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے علی کو عطا کئے اور دسویں حصہ میں بھی وہ شریک تھے، اور زبانِ نبوت سے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (یعنی میں علم کا شہر اور علی اس کے دروازہ ہیں) کے طغرائے امتیاز سے سرفراز کئے گئے۔

نوشت وخواند کی تعلیم بچپن ہی میں حاصل کی ظہورِ اسلام کے بعد کم سنی کے باوجود کتابتِ وحی کے ممتاز منصب پر مامور رہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات وفرامین کی بھی کتابت کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ انہی کے قلم سے لکھا گیا۔

تفسیر وعلوم قرآن حضرت علی کا سینہ علوم ومعارف کا گنجینہ تھا۔ قرآن مجید انھیں پورا یاد تھا اور اس سرچشمہ سے وہ پوری طرح سیراب ہوئے۔ ایک ایک آیت کے معنی وشانِ نزول پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے فرمایا "قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں، جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں، کیوں اور کس کے بارے میں نازل ہوئی"۔ صحابہ میں حضرت ابن عباس کے سوا اس کمال میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا۔ تمام متقدم تفسیروں ابن جریر، ابن ابی حاتم و ابن کثیر وغیرہ اور احادیث کے ابوابِ تفسیر میں آیات کی تفسیروں کے متعلق ان کی روایتیں منقول ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ مہینے گوشہ نشین رہے۔ اس اثنا میں قرآن مجید کی سورتوں کو نزول کی ترتیب سے جمع کیا، ابن ندیم نے "الفہرست" میں اس ترتیب کو

نقل کیا ہے، قرآن مجید سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا اسی طرح قرآن مجید کی آیتوں میں ناسخ و منسوخ کے عارف تھے اور دینی پیشوا اور قرآن کے درس دینے والوں کے لئے علم ناسخ و منسوخ کا جاننا ضروری سمجھتے تھے، جو اس علم سے آگاہ نہ ہوتا اس کو درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق ان کی بکثرت روایتیں ہیں، اور اہلِ علم کے لئے علوم قرآن کی تحصیل میں بنیاد و اساس کا درجہ رکھتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس کے لئے یہ باعثِ فخر تھا کہ وہ فن تفسیر میں حضرت علی کے ہمسر سمجھے گئے۔

علمِ حدیث حضرت علی نے چوبیس پچیس برس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کیے، حضرت ابوبکر کو چھوڑ کر انھیں سماعِ حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ اور اسلام کے احکام و فرائض و ارشاداتِ نبوی کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔ وصالِ نبوی کے بعد بھی تقریباً تیس ۳۰ برس ارشادات و افادات کا فیض جاری فرماتے رہے۔ احادیث کی روایت میں خلفائے ثلاثہ کی طرح حضرت علی بھی محتاط تھے، بایں ہمہ چونکہ شرفِ صحبت زیادہ حاصل رہا، اس لئے احادیث و روایات کا علم بھی انھیں زیادہ حاصل ہوا۔ اُنکی روایتوں کی تعداد پانچ سو چھیاسی ۵۸۶ ہے، جن میں بیس ۲۰ حدیثیں متفق علیہ، نو ۹ حدیثیں صرف بخاری میں اور دس صرف مسلم میں ہیں، اس طرح صحیحین میں کُل اُنتالیس ۳۹ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت علی نے احادیثِ نبوی کا ایک مجموعہ خود بھی عہدِ رسالت ہی میں تیار کیا تھا اور اس کو "صحیفہ" کے نام سے موسوم فرمایا تھا، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔

حضرت علی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، کو خود آپ سے سُن کر جو کچھ انھوں نے بیان کیا، ان کے علاوہ چند حدیثیں چند دوسرے ہمعصروں کی روایت سے بھی بیان فرمائی ہیں، جن میں حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ حضرت مقداد بن الاسود اور حضرت فاطمہ زہراؓ سے روایتیں ہیں اور تلامذۂ حدیث کا دائرہ بہت وسیع ہے، جن میں صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور پوتے، بھتیجے اور بھانجے ہیں، ان کے علاوہ ممتاز صحابہ کرام میں سے

Marfat.com

حضرت براء بن عازب، ابوہریرہ، زید بن ارقم، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابن زبیر اور بیشتر صحابہ ہیں۔ اسی طرح ممتاز تابعین کی ایک کثیر جماعت نے حضرت علی سے سماع کا حوالہ دے کر حدیثیں روایت کی ہیں۔

فقہ و اجتہاد حضرت علی کو فقہ و اجتہاد میں تمام صحابہ پر تفوق حاصل تھا۔ ذہانت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، اصول و کلیات سے جزوی احکام اور فروع و جزئیات سے اصول و کلیات کے استنباط میں دستگاہ حاصل تھی۔ حضرت عمر و حضرت عائشہ کو فقہ و اجتہاد میں بلند پایہ حاصل تھا، مگر کبھی کبھی ان دونوں کو بھی حضرت علی سے استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، حد یہ ہے کہ ان کے حریف، امیر معاویہ کو بھی کبھی کبھی فقہ و اجتہاد کے شرعی مسائل و احکام میں ان کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ جب ایک پیچیدہ مسئلہ میں امیر معاویہ نے حضرت علی کی طرف رجوع کیا، تو انھوں نے فرمایا "خدا کا شکر ہے ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جن کے فتاویٰ پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے حضرت عمر کے علاوہ حضرت علی ہی کے دامنِ فیض میں تربیت پائی تھی۔

حضرت علی کا یہ کمال سمجھا گیا ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل میں اُنکی نکتہ رس نگاہ اصل حقیقت تک پہنچ جاتی تھی اور طبع رسا و انتقالِ ذہنی سے مسائل کو حل کر دیا کرتے تھے۔ فقہ و اجتہاد کے باب میں ان کے ذہن رسا میں ایک قسم کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر مجنون زانیہ پر حد جاری کرنے جا رہے تھے، حضرت علی نے سنا تو اُن کو باز رکھا کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر حالتِ احرام میں غیر محرم کے شکار کئے ہوئے شکار کے گوشت کو کھانے میں صحابہ میں اختلاف ہوا، حضرت عثمان اس کے جواز کے قائل تھے، پھر انھوں نے پوچھا "صحیح بات کس سے معلوم ہو سکتی ہے" لوگوں نے حضرت علی کا نام لیا۔ ان سے پوچھا گیا، تو انھوں نے ایک واقعہ یاد دلایا۔ ایک مرتبہ غیر محرم کے شکار کئے ہوئے گورخر کا گوشت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا "ہم تو حالتِ احرام میں ہیں، غیر محرموں

Marfat.com

کو کھلا دو" واقعہ یاد دلانے پر بارہ صحابیوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی اور حضرت عثمان نے بھی گوشت نہیں کھایا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے سفر میں خفین کے مسئلہ کو پوچھا گیا انھوں نے کہا "علیؓ سے جاکر پوچھو، وہ اکثر سفر میں آپؐ کے ساتھ رہتے تھے" حضرت علی نے مسئلہ بتایا۔

قضا اور فیصلے قضاء وفصلِ مقدمات میں پوری جماعتِ صحابہ میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے "اَقْضَاهُمْ عَلِیٌّ" (یعنی صحابہ میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں) کی سند مل چکی تھی، حضرت عمر نے بھی اعتراف کیا کہ "اقضانا علی" یعنی "ہم سب میں قضاوت کے لئے سب سے زیادہ موزوں علی ہیں" حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں "ہم یعنی صحابہ کہا کرتے تھے، کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں" عہدِ رسالت میں یمن کے قاضی مقرر کئے گئے۔ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "مجھے تجربہ و علم نہیں ہے" آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمھاری زبان کو راہِ راست اور دل کو ثبات و استقلال بخشے گا" حضرت علی فرماتے ہیں "اس کے بعد کبھی مجھے مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہیں ہوا" پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قضاء اور فصلِ مقدمات کے چند اصول سمجھائے۔ عہدِ رسالت سے اپنے زمانۂ خلافت تک قضاء وفصلِ مقدمات کی خدمت انجام دیتے رہے۔

انھوں نے فصلِ مقدمات کے لئے چند اصول بنا لئے تھے، جن میں سے ایک یہ بھی تھا، کہ علم یقین حاصل کرنے کے لئے وہ اہلِ مقدمہ اور گواہوں سے جرح و سوالات بھی کرتے اور گواہوں کو یاد دلاتے کہ اگر جھوٹی گواہی دی تو رسوا ہوں گے یا داشت میں وہ سزا بھی پا سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ چوری کے الزام میں ایک شخص کو پیش کیا گیا اور دو گواہ لائے گئے۔ انھوں نے گواہوں کو یقین دلایا کہ اگر گواہی جھوٹی ثابت ہوئی، تو ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ پھر کسی کام میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد دیکھا تو دونوں گواہ موقع پا کر عدالت سے چل دیے تھے۔

Marfat.com

یمن میں یمنیوں کے اسلام لانے کے بعد اپنی نوعیت کا ایک عجیب مقدمہ آیا۔ ایک عورت ایک ماہ میں، تین مردوں کی خلوت میں رہ چکی تھی۔ نو ماہ کے بعد بچہ ہوا تو تینوں دعویدار ہوئے۔ مقدمہ حضرت علی کے پاس آیا تو بچہ کی دیت کے تین حصے کئے اور بچہ کے لئے قرعہ ڈلوایا، جس کا نام نکلا، بچہ اس کو دلوایا اور اس سے دیت کے دو حصے لے کر باقی دونوں کو دلوا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سنا تو تبسم فرمایا۔

ایک اور دلچسپ مقدمہ آیا۔ دو مسافر تھے۔ ایک کے پاس تین، دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ کھانے کے ارادہ سے بیٹھے تو ایک اور شخص آکر کھانے میں شریک ہو گیا اور واپس جانے کے وقت آٹھ درہم دے دیئے۔ اس شخص کے جانے کے بعد ان دونوں میں نزاع ہوئی۔ پانچ روٹیوں والے نے پانچ درہم لئے اور تین روٹیوں والے کو تین درہم دیئے۔ اس نے نصفا نصف تقسیم کا مطالبہ کیا اور جھگڑا حضرت علی کے سامنے آیا۔ انھوں نے تین روٹیوں والے سے کہا جو کچھ وہ دیتا ہے اس کو قبول کر لو، ورنہ شاید تم خسارہ میں رہو۔ اس نے کہا ہم اپنا حق لینا چاہتے ہیں، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حضرت علی نے فرمایا، حق یہ ہے کہ تمھارا ایک درہم اور تمھارے ساتھی کے سات درہم ہوئے۔ وہ متحیر رہ گیا تو حضرت علی نے فرمایا، تمھاری تین اور اس کی پانچ روٹیاں تھیں۔ ان آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کرو تو چوبیس ٹکڑے ہوں گے۔ تمھارے نو، تمھارے ساتھی کے پندرہ ٹکڑے ہوئے، تم تینوں نے برابر کھایا تو ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ اس طرح اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے خود کھا لئے، تمھارا صرف ایک ٹکڑا بچا، اور تمھارے ساتھی کے پندرہ ٹکڑوں میں سے اس نے آٹھ کھا لئے تو سات ٹکڑے بچے، اس طرح تیسرے نے تمھارا ایک ٹکڑا اور تمھارے ساتھی کے سات ٹکڑے کھائے، اس لئے ان آٹھ درہموں میں سے تمھارے ساتھی کے سات درہم ہوئے اور تمھارے باقی ماندہ ایک ٹکڑے کے معاوضہ میں ایک درہم ہوا، اس طرح تمھارا ایک اور تمھارے ساتھی کے سات درہم ہوئے۔

کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا، تو زندہ دلی کا ثبوت دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے

Marfat.com

مقابلہ دائر کیا، کہ فلاں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبرو ریزی کی ہے؟
فرمایا، ملزم کو دھوپ میں لے جاکر کھڑا کرو، اور اس کے سایہ کو سو دُرّے مارو" تو زنا کی
سزا شرعی ہے۔

علم فقہ کی شاخ فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں بھی حضرت علی کو علمائے مدینہ میں
امتیاز حاصل تھا۔

علم اسرار و حکم حضرت علی کی پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ تھی، وہ اسلام کے
اصولی و کلی امور کو اہمیت دیتے تھے اور اس کے اسرار و حکم کے مطابق استنباط و اجتہاد فرماتے
تھے، وہ جزوی مسائل کے وجوہ و اسباب اور تطابقِ عقل کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ
فرمایا "اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو تلوے" پاؤں کے اوپر کے حصّہ سے مسح کے زیادہ
مستحق تھے، مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشتِ پا پر مسح فرمایا" یعنی موزوں
کے گرد و غبار کو جھاڑنا مقصود ہوتا تو موزوں پر نیچے تلووں میں مسح کیا جاتا، لیکن اس کے ساتھ
شرعی مسائل و احکام کے بیان کرنے میں انسان کے مختلف طبقوں کی عقل کی رسائی کا لحاظ
رکھتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا "لوگوں سے وہی کہو، جس کو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ پسند کرتے ہو، کہ
خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے"۔

تصوّف و عرفان تصوّف و عرفان کا سرچشمہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کی ذات گرامی ہے،
تصوف کے اکثر سلسلے سینہ بہ سینہ جاکر سینۂ مرتضوی ہی پر ختم ہوتے ہیں، بیشتر سلاسل میں اجازت
و خلافت کا سلسلہ بھی حضرت امام حسن بصری کے واسطے سے حضرت علی ہی تک جاکر منتہی ہوتا
ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی فرماتے ہیں" ارباب طریقت کے نزدیک حضرت حسن بصری
کو تمام و کمال حضرت علی سے نسبت ہے۔ لیکن محدثین کے ایک طبقہ کے نزدیک، جس کی نظر
اصل حقیقت تک نہیں پہنچ سکی، امیر المومنین حضرت علی و حضرت امام حسن بصری میں لقاء
ثابت نہیں، یعنی ان دونوں میں سرے سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہوتی، اس لئے انھوں نے

Marfat.com

نہ اُن سے کوئی حدیث سُنی اور نہ حضرت علی نے ان کو تصوف و عرفان کی کوئی تعلیم و تلقین کی انھوں نے سرے سے ان سے فیض ہی نہیں پایا لیکن یہ اعتراض سراسر غیر صحیح و بے معنی ہے حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نہ صرف ان میں لقا ثابت ہے، بلکہ بارگاہِ مرتضوی میں رہ کر اکتسابِ فیض فرمایا۔ حضرت حسن بصری نے خود اس رمز سے پردہ اٹھایا ہے، کہ انھوں نے بعض موقعوں پر حضرت علی کا نام لینے سے قصداً کیوں گریز کیا ہے[۵۱]۔ اس لئے حقیقت یہی ہے کہ فنِ تصوف کی تعلیم و اشاعت جو کچھ ہوئی، وہ حضرت حسن بصری ہی کے واسطے سے ہوئی اور اس فن کے منبع و سرچشمہ حضرت علی کی ذاتِ گرامی رہی۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ "اصول (و حقائق تصوف) اور امتحان و ابتلاء میں ہمارے شیخ الشرح حضرت سیدنا علی ہیں"۔ تصوف کی ترویج و اشاعت کے مشاغل خلافت سے وابستہ ہونے سے پہلے زیادہ تھے۔ یعنی وہ زمانہ تھا، جب ان کا قیام مدینہ منورہ میں تھا اور مدینہ میں حضرت حسن بصری کے متعلق محدثین کو بھی اقرار ہے، کہ انھوں نے ان کو وہاں دیکھا۔

تقریر و خطابت حضرت علی ممتاز ترین فصحائے عرب میں تھے۔ ان کے خطبات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ ان کی زبان و بیان، امثال و تشبیہ و استعارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ ادا کی جھلک نظر آتی ہے اور جو قرآن مجید

---

۵۱ حضرت امام حسن بصری کے سوانح حیات پر راقم سطور کا ایک مفصل مقالہ جو بزم صوفیہ پھلواری شریف کے سالانہ اجلاس میں مولانا سید شاہ غلام حسنین ندوی سجادہ نشیں خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف کے زیر اہتمام و زیر صدارت مسٹر سید عبدالعزیز بیرسٹر مرحوم پڑھا گیا تھا، وہ ماہنامہ ندیم گیا میں شائع ہو چکا ہے اس مقالہ میں اس بحث پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے اور لقاء کے واضح ثبوت پیش کرنے کے ساتھ لقاء نہ ہونے کے ادنیٰ شبہہ کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔ صوفیہ کرام کے حلقہ میں یہ مقالہ طمانیت کی نظر سے دیکھا گیا۔

Marfat.com

زبان بیان اور تشبیہات و استعارات و امثال کے پرتو ہیں۔ شریف رضی نے ان کے خطبات کا مجموعہ نہج البلاغت کے نام سے مرتب کیا ہے، لیکن اہل علم کی تحقیق کے مطابق اس کے بیشتر حصے الحاقی ہیں، تاہم سب ہی خطبے مشتبہ نہیں۔ "نہج البلاغۃ" کی چار جلدیں ہیں۔ ان میں بہت سے خطبے تاریخ کی کتب طبری، مسعودی، یعقوبی اور اخبار الطوال وغیرہ میں بھی محفوظ ہیں، ان خطبوں کے توسط سے ہزاروں ہزار فصیح و بلیغ خطیب تیار ہوئے، اور آج بھی وہ عربی ادب کا قیمتی سرمایہ اور اس کی جان ہیں۔

شاعری حضرت علی کو شاعری کا موروثی ذوق تھا۔ شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ لڑائی کے میدان میں فی البدیہہ رجز کے باموقع و موزوں اشعار زبان پر آجاتے تھے، مختلف غزوات کے برمحل اشعار جن کا ذکر اوپر گذرا، احادیث و تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ابو حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمہ کا مرثیہ اور ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ اشعار کا ایک مجموعہ "دیوان علی بن ابی طالب" کے نام سے ہے لیکن یہ یا تو پورا جعلی یا اس کا بیشتر حصہ الحاقی ہے۔

فن نحو کی ایجاد فن نحو کی ایک ایجاد بھی اپنے زمانہ کے افصح العرب حضرت علی ہی کے ہاتھوں سے ہوئی۔ ایک مرتبہ انھوں نے کسی عجمی کو قرآن مجید غلط پڑھتے ہوئے سنا، اس سے انھیں خیال پیدا ہوا کہ ایسے قواعد ترتیب دیئے جائیں، کہ عربی پڑھنے میں اعراب میں غلطی واقع نہ ہو، چنانچہ اپنے معتمد ابو الاسود دؤلی کو چند اصول کی تلقین کرکے اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ اور علم نحو کی بنا پڑی اور اس کے ابتدائی اصول مدون ہو گئے۔

اخلاق و عادات حضرت علی فطرۃً سلیم، خلق نبوی کے پیکر اور تعلیمات اسلامی کی روح کی تصویر تھے۔ آنکھیں کھولیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں اپنے کو پایا اور محاسن اخلاق و حسن تربیت کا نمونہ بنے، انھوں نے گویا جاہلیت کے زمانہ کو پایا ہی نہیں، نہ ان کی زبان کبھی کلمۂ کفر و شرک سے آلودہ ہوئی اور نہ ان کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی،

Marfat.com

بچوں کا کھیل کھیلا تو کعبہ میں گئے، اور موقع پاکر بتوں کو توڑا پھوڑا اور نکٹا کیا، جاہلیت کی بری صحبتوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا، شراب کے ذائقہ سے زبان کبھی نہ ظہور اسلام سے پہلے نہ اس کے بعد لذت یاب ہوئی[1] حضرت علی کی سراپا زندگی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں گذری، اس لئے ان کے اخلاق، ان محاسن اخلاق کے جن کی تعلیم و تلقین کو دین اسلام لے کر آیا تھا، اعلیٰ عملی نمونہ تھے، اور وہ خود اخلاقی تعلیمات کے ایک مجسم پیکر تھے۔

زہد، توکل، قناعت، فیاضی چنانچہ حضرت علی کی پوری زندگی زہد و ورع اور توکل و قناعت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گذر نہ تھا حضرت فاطمہ سے شادی کے بعد ایک معمولی سے مکان میں اٹھ آئے اور اسی میں ساری زندگی گذار دی، کبھی اپنے لئے کوئی عمارت نہیں بنوائی، حالانکہ دوسرے صحابہ نے اسی زمانہ میں مدینہ میں اپنے لئے عالی شان محل تعمیر کرائے۔ جب کوفہ میں مستقل قیام کے ارادہ سے تشریف لے گئے، تو کوفہ کا قصر امارت بھی جو گورنروں کے لئے بنایا گیا تھا، امیر المومنین کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود ان کی قناعت پسند طبیعت میں ایک عالی شان عمارت میں نظر آیا اور اسوۂ فاروقی کا حوالہ دے کر اس میں قیام پسند نہیں کیا اور کھلے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ شادی کے بعد جس گھر میں اٹھ کر آئے، اس میں حضرت فاطمہ اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں اس میں تاعمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ اس کی فہرست نظروں سے اوپر گذر چکی۔ گھر میں کوئی غلام نہ تھا نہ لونڈی، سارا کام حضرت فاطمہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چہیتی بیٹی اپنے ابا جان کی خدمت یعنی بارگاہ رسالت میں ایک لونڈی مانگنے گئیں تو لونڈی کی بجائے چند دعائیہ کلمات پڑھنے کی تلقین ہوئی، اور یہی تحفہ باپ کے گھر سے لے کر واپس آئیں۔ عسرت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ فاقے کی نوبت آئی، تو حضرت علی مزدوری کرنے نکلے، ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر تھوڑی کھجوریں مزدوری میں لائے، تو خود کھانے کے علاوہ

---

[1] حدیث کی بعض کتابوں میں ایک حدیث اس سلسلہ میں آگئی ہے کہ ابو حاکم کی مستدرک کے چھپنے کے بعد اب یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ حضرت علی نے وہ واقعہ ایک شخص کا بیان کیا تھا جو غلطی سے انکی طرف منسوب ہو گیا۔

Marfat.com

بارگاہِ رسالت میں بھی ان کھجوروں کو لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے حال سُنا تو داماد کی مزدوری کی کمائی ہوئی کھجوروں کو آپ نے خوش خوش نوش جان فرمایا۔

حضرت علی پر غربت و امارت کے مختلف دَور گذرے مگر کسی دَور میں مزخرفاتِ دُنیاوی کی طرف آنکھ نہیں اُٹھائی۔ ان کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ "دُنیا مردار ہے، جو اس کو حاصل کرنا چاہے اس کو کتوں کی صحبت میں رہنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ عہدِ رسالت ہی میں فارغ البالی کا یہ دَور آگیا تھا کہ ان کی آمدنی اتنی ہوگئی، کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی، لیکن ان دنوں بھی فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی تھی۔ ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا۔ اپنی زرہ بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا۔

کبھی کسی سائل کو اپنے گھر سے واپس نہ کرتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو قوت لایموت تک دے دیتے تھے، ایک مرتبہ گھر میں فاقہ چل رہا تھا۔ مزدوری کرنے باہر نکلے۔ رات بھر کسی کا باغ سینچ کر تھوڑی جو لائے۔ صبح کو گھر آئے تو ایک تہائی جو پسوا کر حریرہ بنوایا۔ کوئی مسکین آگیا، اس کو اُٹھا کر دے دیا۔ دوسرے ثُلث کو پکوانا شروع کیا، وہ تیاری پر آیا تو ایک یتیم دروازہ پر پہنچ گیا، دوسرا ثُلث اس کو دے دیا۔ آخری تہائی حصہ پھر پکنے لگا، جب وہ تیار ہوا تو ایک فاقہ کش مشرک قیدی کے کھانے کا سوال آگیا، یہ آخری حصہ بھی اس کی نذر ہوگیا اور خود فاقہ سے سو رہے اللہ تعالیٰ کو یہ ایثار پسند آیا اور اس کے صلہ و ستایش میں آیت نازل ہوئی، کہ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا۔ یعنی اللہ کی محبت میں اپنے کھانے کو مسکین و یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔

جب گھر میں تھوڑی ثروت و خوش حالی آئی، تو حضرت فاطمہ نے دروازے پر پردہ لٹکایا اور حضرت امام حسن و حسین کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں ایک دن تشریف لائے تو یہ دنیاوی ساز و سامان دیکھ کر واپس تشریف لے گئے، حضرت فاطمہ کو معلوم ہوا تو پردہ کو چاک کر ڈالا اور کنگن اُتار ڈالے۔

ایام حکومت میں بھی زہد و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور ان کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہی روکھا پھیکا کھانا اور موٹا جھوٹا لباس تھا، حالانکہ دنیا کی دولت قدموں پر پڑی ہوئی تھی۔ درِ دولت پر نہ کوئی حاجب تھا نہ دربان اور نہ امیرانہ کروفر اور شاہانہ تزک و احتشام، فیاضی کا حال یہ تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی اس زمانہ میں بھی فاقہ کی نوبت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "میری تلوار کا کون خریدار ہے خدا کی قسم میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی، تو میں فروخت نہ کرتا"۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ "امیر المومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں"۔

عبادت و ریاضت عبادت و ریاضت حضرت علی کا مشغلۂ حیات تھا۔ زبیر بن سعید کہتے ہیں "میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا کہ جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گذار ہو"۔ حضرت عائشہ ان کے متعلق فرماتی ہیں کہ "وہ قائم اللّیل اور صائم النّہار تھے"۔ قرآن مجید میں "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" کی آیت میں مفسرین کی تفسیر کے مطابق مختلف ممتاز صحابہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی اور عام صحابہ کرام کا ذکر آیا۔ اس آیت میں "رُکَّعًا سُجَّدًا" سے مراد حضرت علی کی ذاتِ گرامی لی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا وصفِ خاص خدا کی نگاہ میں بھی ان کی عبادت و ریاضت ہی ہے۔

امانت و دیانت حضرت علی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی۔ آپؐ نے ہجرت کے وقت اپنے دشمنوں کی تمام امانتیں حضرت علی ہی کے سپرد فرمائیں جنھوں نے دشمنوں کے گھر گھر جا کر ان کی امانتیں واپس کیں، اس لئے امانت و دیانت حضرت علی کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی اور اس پر عمل کرنے کا موقع اس وقت زیادہ آیا جب انھوں نے بارِ خلافت سنبھالا تو جس دیانت و احتیاط کے ساتھ بیت المال کے سرمایہ کی حفاظت کی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے قوتِ لایموت کے سوا ایک حبہ بھی اپنی ذات کے لئے بیت المال سے لینا گوارا نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ سردیوں کے زمانہ میں ایک پرانی معمولی چادر اوڑھے تھے، اور

Marfat.com

سردی سے کانپ رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا "امیرالمومنین! بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حصہ ہے، اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں"، فرمایا "میں تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) حق کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا"۔ ایک مرتبہ حضرت علی کے غلام قنبر گھر کی تکلیف دیکھ کر سونے چاندی کے چند برتن بیت المال سے لے آئے اور حضرت علیؓ سے عرض کر دیا۔ برتنوں کو دیکھ کر انھوں نے ارشاد فرمایا "تیری ماں تجھ کو روئے، تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں ڈھکیلنا چاہتا ہے" اور اسی وقت کُل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک مرتبہ بیت المال میں نارنگیاں آئیں۔ امام حسن وحسین نے ایک ایک نارنگی اٹھا لی جس کی حیثیت ماعون (یعنی گری پڑی چیز) سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت علی اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے، انھوں نے حسنینؓ کے ہاتھ میں نارنگی دیکھی تو اُن سے چھین کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔ اسی طرح ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علی کی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم نے مانگ بھیجا۔ عمرو بن سلمہ نے دونوں کا ایک ایک پیپا بھیج دیا۔ دوسرے دن حضرت علی نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے، عمرو بن سلمہ سے سختی سے پوچھا، انھوں نے بتا دیا۔ حضرت علی نے دونوں پیپے اُسی وقت منگا لئے، جو کچھ خرچ ہو چکا تھا، اُس کا اندازہ لگا کر اُس کی قیمت ادا کر دی۔

شجاعت وبسالت شجاعت وبسالت حضرت علی کا امتیازی وصف تھا۔ شب ہجرت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر جبکہ لوگ قتل کرنے کے لئے نرغہ کئے ہوئے تھے، خندہ جبینی سے لیٹ رہنا کچھ کم شجاعت کی بات نہ تھی، غزوات بدر، اُحد، خندق، خیبر، حُنین وغیرہ کے واقعات ان کے شجاعانہ کارناموں سے لبریز ہیں، جن کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ ان کارناموں سے ان کی شجاعت کی ایسی شہرت ہوئی، کہ بڑے بڑے نامور جنگ آور لڑائیوں میں اُن کے سامنے آنے سے لرزتے تھے۔ جب جنگ صفین میں انھوں نے امیر معاویہ کو دعوت مبارزت دی اور عمرو بن العاص نے غیرت دلائی تو یہی جواب دیا کہ جو کوئی اُن کے سامنے گیا، وہ بچ کر آیا ہے؟

عین حالتِ جنگ میں دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا بھی شجاعت کی ایک نشانی ہے۔ عمرو بن العاص اور ایک دوسرے حریف کا واقعہ گذر چکا ہے کہ جب بے قابو ہو کر گر پڑے اور برہنہ ہو گئے، تو منہ پھیر کر ہٹ گئے۔

تواضع و خاکساری | شجاعت و بسالت سے عموماً تکبر و استغناء کی شان پیدا ہوتی ہے، لیکن حضرت امیر میں اس کے برعکس تواضع و خاکساری کا جوہر بدرجہ اتم موجود تھا۔ پوری زندگی سادگی کا نمونہ تھی، اپنے سارے کام خود کرتے تھے۔ لوگ علم کی تحصیل کے لئے خدمتِ اقدس میں آتے، وہ کبھی اونٹ چراتے دکھائی دیتے، کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، کبھی جوتے ٹانکتے نظر آتے تھے کبھی کسی کام میں عار نہ آیا۔ زمانۂ خلافت میں بھی تنہا بازار میں گھومتے دکھائی دیتے۔ بھٹکوں کو راستہ بتلاتے، تاجروں اور دکانداروں کو عدل و تواضع کی تلقین کرنے والی آیتیں سُناتے، بازار میں گشت کرتے وقت اگر کوئی تعظیم کے طور پر پیچھے ساتھ ہو لیتا تو منع فرماتے کہ "اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے۔"

لباس و غذا | تواضع کی وجہ سے لباس و غذا میں بھی بالکل سادگی تھی، قیمتی لباس اور نفیس غذاؤں سے احتراز کرتے، غذا بہت معمولی اور روکھی پھیکی ہوتی۔ ایک مہمان دسترخوان پر تھے کہا "امیر المومنین! آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں؟" فرمایا "خلیفہ، وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے۔ ایک اپنے اور اہل و عیال کے لئے، اور دوسرا کسی خلق خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے۔ ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ فرمایا "کتنا خوش ذائقہ، خوش رنگ اور خوش رائحہ ہے، لیکن میں نفس کو ایسی غذا دینا نہیں چاہتا، جس کا وہ عادی نہیں ہے۔"

معمولی غذا کی طرح لباس بھی بہت سادہ تھا، قیمتی لباس تو کبھی زیبِ تن فرمایا ہی نہیں۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے۔ فرماتے "یہ عربوں کا تاج ہے۔" کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے کرتے کی آستینیں اس قدر چھوٹی ہوتی، کہ آدھے ہاتھ کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی آدھی پنڈلیوں تک کی ہوتی تھی۔ کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر پر اکتفاء کرتے تھے، کبھی پیوند لگے ہوئے

Marfat.com

پھر پہنے۔ مسلمان کچھ عرض کرتے تو فرماتے "یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کیلئے ایک اچھا نمونہ ہے کہ اس کی پیروی کریں۔" بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے جس پر "اللہ الملک" نقش تھا۔

ازواج و اولاد حضرت علی نے حضرت فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد متعدد شادیاں کیں تمام ازواج سے اولادیں ہوئیں۔ جن میں چودہ[14] لڑکے اور سترہ[17] لڑکیاں تھیں۔ ازواج و اولاد کا نقشہ حسب ذیل ہے:

ازواج	اولاد
۱۔ حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	۱ حسن[1]، حسین[2]، محسن[3]، زینب کبریٰ[4]، ام کلثوم کبریٰ[5]، مؤخر الذکر صاحبزادے محسن کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا۔
۲۔ ام البنین بنت حزام۔	۲ عباس[6]، جعفر[7]، عبداللہ[8]، عثمان[9]۔ یہ چاروں بھائی، حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے۔
۳۔ لیلیٰ بنت مسعود	۳ عبیداللہ[10]، ابوبکر[11]۔ ایک روایت کے بموجب یہ دونوں بھی کربلا میں امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔
۴۔ اسماء بنت عمیس	۴ یحییٰ[12]، محمد اصغر[13]۔
۵۔ صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ۔ یہ ام ولد تھیں بنو تغلب کے اسیران جنگ میں آئی تھیں۔	۵ عمر[14]، رقیہ[15]
۶۔ امامہ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں۔	۶ محمد اوسط[16]

Marfat.com

۷۔ خولہ بنت جعفر الحنفیہ

۱۷۔ محمد[۱۷] بن علی معروف بہ محمد بن الحنفیہ، جو ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

۸۔ ام سعید بنت عروہ بن مسعود

۱۸۔ ام[۱۸] الحسن، رملہ[۱۹] کبریٰ

۹۔ محیاۃ بنت امراء القیس

۱۹۔ ایک بچی[۲۰] پیدا ہوئی جو بچپن میں قضا کر گئی۔

۱۰۔ متعدد لونڈیاں بھی تھیں جن سے متعدد لڑکیاں تولد ہوئیں۔

۲۰۔ وہ لڑکیاں حسب ذیل تھیں: ام[۲۱] ہانی، میمونہ[۲۲]، زینب[۲۳] صغریٰ، رملہ[۲۴] صغریٰ، ام کلثوم[۲۵] صغریٰ، فاطمہ[۲۶]، امامہ[۲۷]، خدیجۃ[۲۸] الکرام، ام[۲۹] سلمہ، ام جعفر[۳۰]، جمانہ[۳۱]، نفیسہ[۳۲]۔

ان میں سے چند صاحبزادوں، حضرت امام حسن، حسین، محمد بن الحنفیہ اور عمر سے سلسلۂ نسل جاری رہا اور اقطاع عالم میں بہ کثرت نسل پھیلی جو آج سید اور علوی کہی جاتی ہے۔ (رضی اللہ عنہم)

ازواج و اولاد سے لطف و محبت اور شفقت ازواج و اولاد سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ حضرت فاطمہ کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ نوجوانی کے زمانہ میں حضرت فاطمہ سے کبھی کبھی گھریلو معاملوں میں شکررنجی ہو جاتی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں پڑکر صفائی کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ بات زیادہ بڑھ گئی تو حضرت فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علی بھی آئے، حضرت فاطمہ کو جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکیں، تو آپ نے فرمایا "بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیئے، کہ کون شوہر اپنی بیوی کے پاس خاموش رہتا ہے" حضرت علی یہ سن کر متاثر ہوئے اور حضرت فاطمہ سے فرمایا "اب میں تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کروں گا۔"

اسی طرح دوسری بیویوں سے بھی لطف و محبت کا برتاؤ قائم رکھا۔ اولاد میں حضرت حسن و حسین کے علاوہ، جو اپنے نانا جان کے بڑے پیارے نواسے تھے، حضرت محمد بن حنفیہ سے

Marfat.com

بھی حضرت علیؓ کو دلی لگاؤ تھا۔ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ کو محمد بن حنفیہ کے ساتھ اخلاص و محبت سے پیش آتے رہنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

حضرت علی کے صفاتِ حسنہ کی توصیف امیر معاویہ کے دربار میں

حضرت علی کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے ضرار ہمدانی سے جو حضرت علی کے صحبت یافتہ تھے، ان کے اوصاف بیان کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے سرِ دربار کہا:

"علی نہایت بلند حوصلہ اور قوی دل تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلے کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے گھبراتے تھے۔ رات کی تاریکی میں اس کی وحشت ان کی مونس تھی، عبرت پذیری کے ساتھ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا اور موٹا جھوٹا لباس اور معمولی سے معمولی سادہ کھانا پسند کرتے تھے۔ ہم لوگوں میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دے دیتے تھے، اگرچہ وہ ہم کو قریب رکھتے تھے مگر ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، وہ غریبوں کو مقرب بناتے تھے، دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل کی طمع نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں، اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مار گزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں:

"اے دنیا کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس افسوس، میں نے تجھے تین طلاقیں دیں۔ تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے، ہائے ہائے سفر طویل، راستہ وحشتناک اور زادِ سفر قلیل ہے۔"

یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رو دیئے اور فرمایا :

"خدا ابوالحسن علی پر رحم کرے، بخدا وہ ایسے ہی تھے۔"

وَالفضل ماشهدت به الاعداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

عہد مرتضوی پر ایک اجمالی نظر اور اس دور کی مدنیت

حضرت علی مرتضیٰ کو صرف پونے پانچ برس منصب خلافت کے فرائض ادا کرنے کا موقع مل سکا اور یہ پورا دور ایسا پر آشوب اور داخلی فتنوں سے معمور رہا، کہ اسلام کی تاریخ میں ایسے دن اس سے پہلے نہیں گذرے تھے۔ عہد صدیقی میں مدعیانِ نبوت، ارتداد اور منکرین زکوٰۃ کے فتنے پیدا ہوئے، مگر یہ مقابلہ کفر و اسلام کا تھا اور عہد رسالت میں مدنی زندگی کا دور وسطی ایسی ہی لڑائیوں میں گذر چکا تھا اور بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی اصابت رائے، تدبر، عزم و استقلال اور صحابہ کرام کی مخلص جماعت کے تعاون سے ان فتنوں پر جلد قابو پالیا اور انھیں کچل کر رکھ دیا اور اسلام کا کارواں شاہراہ ترقی پر چل پڑا۔ مگر حضرت علی کو سامنا داخلی فتنوں کا کرنا پڑا۔ ام المومنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و زبیر جیسے مبشرین جنت صف باندھ کر مقابلہ میں آئے۔ امیر معاویہ و عمرو بن العاص جیسے جہاندیدہ، ہوشمند مدبرین نے ان کے خلاف بساطِ سیاست بچھائی، لیکن حضرت علی نے میدان کارزار میں جنگ جمل و صفین دونوں جیت لی، لیکن حریف کی آخری جنگی تدبیر یعنی نیزوں پر قرآن کو بلند کرنے سے حیدر کرار کی صف میں انتشار پیدا ہو گیا اور حریف ان پہ بازی لے گئے اور علی کے ماننے والے ایک سے زیادہ گروہ میں بٹ گئے اور یہ انتشار ان کی صف میں ایسا پیدا ہوا کہ پھر ان کے متبعین یکجا نہ ہو سکے اور فتنے سے فتنے پیدا ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان ہی کے ہاتھوں جو کبھی ان کے جاں نثاروں میں تھے، انھوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایسے مخالف حالات میں حضرت علیؓ اخلاص، دینداری، تقویٰ و پرہیزگاری اور حسن و صداقت کا دامن ہاتھ میں لئے اور اپنی سیاسی حکمت عملیوں میں خدع و فریب کی دنیاوی

سیاست کے داؤں پیچ کا ادنیٰ شائبہ قبول کئے بغیر، عوائق و مشکلات سے جس طرح عہدہ برآ ہوئے تاریخ عالم میں اس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔ انھوں نے نہ صرف جمل و صفین کے کارزار میدانوں کو جیتا، بلکہ حریفوں کے مقابلہ میں اپنی بے مثال دینداری و بلند کرداری کے اعلیٰ اسوہ پر قائم رہ کر اپنے حریفوں کو اخلاقی شکست دی، اگرچہ بعض حیثیتوں سے ان کے حریف کامیاب نظر آئے، لیکن عالم کی نظر میں اخلاقی فتح ان ہی کو حاصل ہوئی۔

عہد مرتضوی میں جو حالات پیدا ہوئے وہ یک بیک ظہور پذیر نہیں ہوگئے، ان کا اصلی سوتا در اصل عہد عثمانی میں پھوٹا، عہد فاروقی تک خلافت کا نظام صاحب تدبیر و سیاست صحابہ کے مشورہ سے چلتا تھا، حضرت ابوبکر کے تحمل، تواضع اور نرمی اور حضرت عمر کے دبدبہ و شکوہ سے نظام خلافت جادہ اعتدال پر قائم رہا، فتوحات فاروقی سے عربوں میں غیر عرب عنصر کی آمیزش ہوئی، لیکن عجمیوں اور رومیوں کی نگاہیں فاروقی جاہ و جلال سے خیرہ رہیں۔ اس وقت تک اس نظام کے پائے ایسے صحابہ کرام سنبھالے تھے، جنھوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا، ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھی، قبائلی و خاندانی عصبیت، نفع اندوزی اور ذاتی سربلندی و ترفع کے میلانات پیدا نہیں ہوئے تھے، یہ جذبات عہد عثمانی میں اس وقت پیدا ہوگئے جب صحابہ کی مجلس شوریٰ معطل ہوگئی، قریشی اپنے کو ارباب حکومت اور بنو امیہ کے نوجوان اپنے کو گویا تاجدار سلطنت کا ہم خاندان تصور کرنے لگے اور ان جذبات کے رد عمل میں نومسلم ایرانیوں، مصریوں اور رومیوں میں بیداری پیدا ہوگئی اور سازشوں اور فتنوں کا بازار گرم ہوگیا اور ایک مستقل مخفی تنظیم عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں اپنا کام کرنے لگی۔ اس جماعت نے روز بروز طاقت حاصل کی یہاں تک کہ مدینہ پر چڑھ دوڑی، اس جماعت نے اپنی مخفی تحریک کے زیر اثر حضرت علی کو ان کے علم و مشورہ کے بغیر اپنا پیشوا بنالیا، حضرت علی نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کیا اور افہام و تفہیم کے بعد باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا اور اصلاحات کے دور کا آغاز ہونے جا رہا تھا کہ اموی نوجوان مروان بن حکم نے رسوائے زمانہ جعلی فرمان کو پکڑ کر مصری واپس

Marfat.com

آگئے اور ان کے ساتھ دوسرے مقاموں کے بلوائی بھی آگئے۔ حضرت علی نے پھر حالات کو سنبھالنا چاہا، مگر اب بلوائی اُن کے قبضہ سے بھی نکل چکے تھے۔ انھیں حضرت عثمان سے ملنے تک کی اجازت نہ دی، اور نہ صرف خانہ نشین ہو گئے بلکہ انھیں مدینہ سے باہر جانے کی آزادی بھی حاصل نہیں رہی، جیسا کہ...... حضرت امام حسن کے اس اظہارِ خیال پر کہ اگر آپ مدینہ سے باہر چلے جاتے، تو قصاص عثمان کا یہ جو مطالبہ بھی یہ لوگ نہ کر سکتے، حضرت علی نے جواب دیا کہ "تمھیں کیا معلوم کہ میں اُس زمانہ میں آزاد تھا یا مقید"۔ معاملات پھر بھی قابو میں آسکتے تھے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کی بار بار کی یہ درخواست رد نہ فرمادی ہوتی کہ مقابلہ کر کے ان بلوائیوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ حضرت عثمان اس رائے پر استوار رہے کہ مر تے دیں گے مگر مسلمانوں کی باہم خونریزی کو اپنے زمانہ میں نہ ہونے دیں گے، اور انھوں نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ میری سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ میری طرف سے مدافعت نہ کی جائے۔

بالآخر شہادت عثمانیؓ کا سانحۂ عظمیٰ پیش آگیا۔ مسندِ خلافت تین دن تک خالی رہی۔ حضرت طلحہ و زبیر و دیگر اکابر مہاجرو انصار صحابہ نے حضرت علی کے بار بار انکار کرنے کے باوجود انھیں منصب خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا اور اس وقت بھی وہی بلوائی مدینہ پر چھائے ہوئے تھے۔ حضرت علی نے مسندِ خلافت پر بیٹھ کر سب سے پہلے قتل عثمانؓ کے مقدمہ کی سماعت کی۔ چشم دید گواہ سوائے حضرت نائلہ کے کوئی اور دوسرا نہ تھا۔ محمد بن ابی بکر حملہ آوروں میں تھے مگر وہ حضرت عثمان کے ایک فقرہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے، قتل میں شریک نہیں ہوئے۔ جن لوگوں نے قتل کا جرم کیا نہ اُن کے نام سے حضرت نائلہ واقف، نہ وہ شناخت کر سکیں۔ محمد بن ابی بکر نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی اور مقدمہ کی تفتیش مزید ثبوت و شہادت کی فراہمی کے لئے ملتوی ہو گئی۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان کے گھر کو نرغہ میں لیا تھا، وہ سیکڑوں آدمی تھے اور اب وہ سب کے سب حضرت علی کے پیرو تھے اور ان کا پیرو ہونا شہید عثمانی سے معلوم تھا، مگر محض مکان کو محاصرہ میں لینے سے فقط قتل کا الزام تو پوری جماعت پر نہیں لگایا جا سکتا تھا تا قاتلین عثمان چھت پر عقب سے چڑھ کر

Marfat.com

حملہ آور رہے، اور اپنا کام تمام کر کے نکل گئے تھے، کوئی اُن کو جانتا پہچانتا نہ تھا اور اگر جانتا پہچانتا تھا تو اس کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس مقدمہ کی تفتیش اسی وقت مکمل ہو سکتی تھی، جب ہنگامی حالات ختم ہو جاتے اور نظام خلافت کا کاروبار معمول کے مطابق چلنے لگتا۔

لیکن پے درپے واقعات ایسے سرزد ہو گئے، کہ حالات نے دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی کی نیکی، دینداری، اصول پسندی اور راہِ صواب کی طلب میں ان سے ایک دانستہ یا نادانستہ مسامحت سرزد ہو گئی۔ انھوں نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد حکومت کے کاموں کو اسی منزل سے چلانا چاہا، جہاں تک عہدِ عثمانی میں پہنچا تھا۔ حضرت عثمان نے اصلاحات کے مطالبہ کو قبول کر کے عمال و امراء کے عزل و نصب کے مطالبہ کو منظور کر لیا تھا۔ حضرت علی نے حضرت عثمان کے اسی منظور شدہ مطالبہ کو عملی جامہ پہنانا چاہا۔ جب ان کے بہی خواہوں کو اطلاع ہوئی، تو انھوں نے نشیب و فراز سمجھا کر ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا، لیکن حضرت علی نے ان کے خیر خواہانہ مشورہ کو قبول نہیں کیا، اور تمام مآل اندیشیوں سے بے پرواہ ہو کر انھوں نے عہدِ عثمانی کے عمال کو یک قلم برطرف کر دیا، اور یہ عمال اپنے جاہ و منصب کی حفاظت کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو گئے، چنانچہ سب سے پہلے مکہ کے عثمانی والی نے، جب حضرت عائشہ کو لوگوں نے قصاصِ عثمان کا نعرہ دے کر برانگیختہ کیا، تو ہر قسم کی مالی و جانی معاونت اس تحریک کو عمل میں لانے کے لئے پیش کی، پھر حضرت طلحہ و زبیر جیسے مبشرہ بن صحابہ حضرت عائشہ کے دست و بازو بنے اور در پردہ بنوامیہ عمال و رؤسا کے زیر اثر آ کر حضرت عائشہ قصاص عثمان کا علم بلند کر کے بصرہ کی سمت چل پڑیں، لیکن جیسا کہ تفصیل سے اُوپر بیان ہوا، خیر خواہانِ اُمت کی کوششوں سے حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر کو یقین آ گیا کہ ان کا اقدام صحیح نہیں ہے، اور طرفین میں اخلاص کے ساتھ صلح ہو گئی صرف صبح کو صلح کا اعلان اور فوجوں کی واپسی کا کام باقی تھا۔ شرپسندوں نے باہمی سازش

Marfat.com

سے رات کی تاریکی میں جنگ چھیڑ دی، حضرت عائشہ و حضرت علی دونوں جنگ کو روکنے میں اپنی کوششیں صرف کرتے رہے، لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے، کہ دونوں کے جنگ نہ چاہنے کے باوجود جنگ برپا ہو گئی اور مبشرین جنت حضرت طلحہ و زبیر پھر میدانِ جنگ سے الگ ہوئے، مگر وقت پورا ہو چکا تھا، دونوں نے جام شہادت نوش کیا اور آخر الامر حضرت عائشہ کے ہمنواؤں نے شکست کھائی۔

حضرت عائشہ نے قصاص عثمان کا جو علم بلند کیا، اس میں اخلاص، صداقت اور سچائی تھی۔ انھیں حق الیقین تھا کہ حضرت علی کی طرف سے قصاص لینے میں کوتاہی ہو رہی ہے اور وہی گروہ جس نے حضرت عثمان کے محل کا محاصرہ کیا تھا، حضرت علی کے اعوان و انصار میں ہے، لیکن مصالحت کی گفتگو میں تبادلۂ خیال کے بعد حضرت عائشہ کو اپنی اجتہادی غلطی اور حضرت علی کی بے گناہی اور مجبوری کا یقین آ گیا اور انھوں نے مصالحت قبول کر کے اپنے علم کو سرنگوں کر دیا، اس لئے حضرت عائشہ کا شمار ان مجتہدین میں تھا، جن کو اپنی اجتہادی غلطی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے، بہ ایں ہمہ حضرت عائشہ زندگی بھر اپنی اس اجتہادی غلطی پر شرمسار رہیں۔

لیکن امیر معاویہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، حضرت علی نے حق و دینداری کی راہ پر رہ کر مصلحتِ وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا اور بہی خواہانِ امت کے سختی سے منع کرنے کے باوجود امیر معاویہ کو معزولی کا فرمان بھیج دیا، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت علی کو سمجھاتے رہے، کہ اگر معاویہ سے شام کی حکومت چھینی گئی تو وہ مقابلہ پر اتر آئیں گے، ورنہ انھیں فکر نہ ہو گی کہ دارالخلافہ مدینہ میں مسندِ خلافت پر کون بیٹھا ہے، اس لئے پہلے معاویہ سے بیعت لے لی جائے، جب وہ حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جائیں تو وقت آنے پر جو بھی مناسب قدم ان کی معزولی کے لئے ہو، وہ اٹھایا جائے، لیکن حضرت علی نے ایسے صاف اور واضح مشورہ کو صرف اس لئے قبول نہیں کیا کہ حق، حق ہے اور باطل، باطل۔ جب

ان کے خیال میں معاویہ کو معزول کرنا حق کا اقتضاء ہے تو احقاق حق و ابطال باطل یعنی حق کو قائم کرنے اور باطل کو مٹانے میں تاخیر روا نہیں، چنانچہ انھوں نے بغیر تاخیر پروانۂ عزل امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا اور اسی وقت حضرت عثمان کا خون آلود پیرہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر رکھ دی گئیں اور پورے شام میں ایک کہرام مچ گیا، اس کے بعد امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی باہمی سرگوشی سے حضرت علی کو امت میں غیر مقبول بنا کر راہ سے ہٹانے اور امیر معاویہ کی سلطنت جس میں مصر کا زرخیز صوبہ عمرو بن العاص کے پاس ہوگا، قائم کرنے کے لئے ایک جامع نقشہ تیار کر لیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے، اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے گھوڑے کی ٹاپ سے اڑنے والی گرد ہماری آنکھوں کے لئے سرمۂ نور ہے، لیکن وہ معصوم نہ تھے، ان سے غلطیاں سرزد ہو سکتی تھیں، مگر ان کی اور حضرت عائشہ کی غلطیوں میں ایک بنیادی فرق تھا، حضرت عائشہ کی غلطی بالارادہ نہ تھی، جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو تاعمر ندامت و شرمساری کے جذبات ان میں موجود رہے، لیکن امیر معاویہ اور عمرو بن العاص میں باہم جو مختلف موقعوں پر گفتگوئیں ہوتی رہیں اور جنگی تدبیر کے طور پر قرآن مجید کو جو نیزوں پر بلند کیا گیا، پھر امیر معاویہ کے زیر ہدایت حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص کے درمیان خفیہ مجلس مشورت میں جو باتیں ہوئیں اور ان سے فیصلہ کے اعلان کے وقت بالقصد جو انحراف کیا گیا، یہ اور اس قسم کی وہ ساری باتیں جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، ان سے یہ سمجھنے کا موقع ہے کہ یہ سب کچھ بالقصد و بالارادہ ظہور میں آیا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرف صحابیت اور ان کے نیک اعمال کے صلہ میں ان خطاؤں سے درگذر فرمائے۔ یہ صحیح ہے کہ کبھی انسان جذبات و ذاتی اعمال سے مجبور ہو جاتا ہے، شہنشاہ روم ہرقل کی مثال اوپر گذر چکی، ایمان کی روشنی سے اس کا دل روشن ہوا، اس نے جاہ و منزلت کی محبت میں یہ بھی چاہا کہ اس کی رعایا بھی اسلام لے آئے، اور وہ اپنی پوری سلطنت کو اسلام کے قدموں

Marfat.com

پر لا کر ڈال دے، لیکن رعایا نے اس کو قبول نہیں کیا، تو سب کچھ کہہ چکنے کے بعد اس نے اپنی بات بدل دی اور حُبِ جاہ و سلطنت اس کے جذبۂ ایمانی پر غالب آگیا۔

جنگِ صفین میں معاویہ کی فوج کو پوری شکست ہو چکی تھی، صرف گھنٹہ دو گھنٹے کی بات تھی، امیر معاویہ کو جو بیسوں اشخاص و وفود کے سامنے مصالحت کی تحریک کو ٹھکرا چکے تھے، جب یقین آگیا کہ صفین کا میدان اُن کے ہاتھ سے جا رہا ہے، تو انھوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کی تجویز بھیجی، کہ عبدمناف کے وہ دونوں لڑکے ہیں، باعزت مصالحت پر باہم رضامند ہو جائیں، اگر حضرت علی نے اس موقع پر بھی اپنی فتحمندی کے باوجود مصالحت کی تجویز کو رد نہ کیا ہوتا اور کم سے کم گفتگو کر لی ہوتی، تو شاید امیر معاویہ کے لئے یہ نازک موقع آگیا ہوتا کہ وہ اپنی اموی سلطنت کے خواب کو پورا کرنے کا تصور چھوڑ کر شام کی ولایت پر رضا منظور کر کے حضرت علی کی خلافت کی بیعت کر لیتے۔ اس کے بعد جب خلافت کے نظام کو استحکام حاصل ہو جاتا تو ولاۃ میں ردّ و بدل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن انھوں نے امیر معاویہ کو ایک خلیفۂ راشد کا باغی تصوّر کیا اور ان کو لائقِ خطاب تصوّر نہیں کیا اور عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑا جو اُمّتِ اسلامیہ کے سینے میں ایسا پیوست ہوا کہ ناسور بن کر رہ گیا آج شیعہ، سُنّی، خارجی وغیرہ مختلف فرقے ان ہی زخموں کے نشان ہیں۔

حضرت علی کی جماعت میں پہلا اختلاف یہی ہوا کہ حضرت علی اور دوسرے ممتاز قائدین نے حریف کی چال سمجھ لی، کہ قرآن مجید کو نیزوں پر جنگی تدبیر کے طور پر بلند کیا گیا ہے، اگر اہلِ عراق میں اطاعت کا جذبہ ہوتا، تو وہ حضرت علی کے حکم کو مانتے اور فیصلہ کُن جنگ کرتے جس کی [illegible] حریف کا لشکر کھو چکا تھا، صفین کی جنگ کو ختم کرتے، مگر حضرت علی کو التوائے جنگ پر خود اُن کی جماعت نے مجبور کیا۔ اس مقدس دور میں سیاست کی جو بازیگری چل رہی تھی، اس سے یہ بعید نہیں کہ مرتضوی لشکر میں بھی حریف کے ہمنوا گھس گئے ہوں، اشعث بن قیس کے مشتبہ کردار کے سلسلے میں اُوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ التوائے جنگ کے بعد

Marfat.com

حضرت علی کی بار بار مخالفت کے باوجود حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حَکَم منتخب کیا گیا۔ اگر کم سے کم اس موقع پر بھی حضرت علی کی بات مان لی جاتی اور حضرت عبداللہ بن عباس حَکَم بنائے جاتے تو بھی حالات دوسرا رُخ اختیار کر لیتے، لیکن خود حضرت علیؓ کے پیروؤں نے بار بار عدول حکمی کر کے معاملات کو بد سے بدتر کر دیا، پھر تحکیم جس کے ماننے پر خود اصرار کیا، اس کے قبول کرنے پر حضرت علی کو موردِ الزام قرار دیا اور خیالات و عقائد میں اس قدر غلو پیدا ہوا کہ ایک طرف خارجی پیدا ہو گئے، جنھوں نے حضرت علی کی تکفیر کی اور جامِ شہادت نوش کرایا اور دوسری طرف غالی سبائی ہوئے، جنھوں نے حضرت علی کو خدائی کے درجہ پر پہنچا دیا اس افراتفری میں عراقیوں کی قوت مدافعت سلب ہو گئی۔ ان دونوں غالی جماعتوں کے علاوہ جو لوگ باقی رہ گئے، وہ لڑنے سے جی چرانے لگے دوسری طرف حضرت علی کے گرد وپیش میں چند نوعمر جمع ہو گئے، جنھوں نے قیس بن سعد جیسے حضرت علی کے وفا شعار کو، جن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے خود امیر معاویہ گھبراتے تھے، مصر سے علیحدہ کرا دیا اور امیر معاویہ نے شام و مصر میں اپنی مستحکم حکومت قائم کر لی اور اپنی جداگانہ خلافت کی بیعت لے لی۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت علی کے دوسرے مقبوضات میں بھی ابتری پیدا کرنی چاہی، مگر کوئی پائدار کامیابی ان کو حاصل نہ ہو سکی۔

اگرچہ خارجیوں اور امیر معاویہ کی کوششوں سے دوسرے ممالک محروسہ میں بغاوت کی لہر دوڑی، مگر حضرت علی نے استقلال سے ان کا مقابلہ کیا اور جو ممالک ان کے زیرِ علم تھے، وہ اس مختصر مدت خلافت میں بھی عدل و انصاف و رعایا پروری کے اثرات سے حضرت علی کے دل سے مطیع و تابع فرمان رہے۔

ملکی نظم و نسق و نظام خلافت میں اصلاح | عہدِ عثمانی میں نظام خلافت میں جو خامیاں پیدا ہو گئی تھیں، حضرت علی نے اپنے زمانہ میں ان کی اصلاح کی سعی بلیغ کی اور نظام مملکت کو حضرت عمر کے نقشِ قدم پر لا کر چلانے کی کوشش کی، اور مخالف حالات کے باوجود جس قدر کامیاب ہو سکتے تھے، کامیاب ہوئے۔ عثمانی عہد کے اموی نوجوانوں کی بے عنوانیوں کو دور کیا

Marfat.com

اور پورے نظام کو عہد فاروقی کے نظم ونسق کے سانچہ میں ڈھال لیا اور حضرت عمر کے طریقِ کار کی اتباع اور ان کے فیصلوں کا احترام کیا۔ نجران کے یہودیوں کو حضرت عمر نے جلاوطن کیا تھا عہدِ مرتضوی میں انھوں نے واپسی کی بے حد کوششیں کیں، لیکن حضرت علی نے فرمایا "عمر سے زیادہ صائب الرائے کون ہوسکتا ہے" صوبوں کی تقسیم وہی رکھی جو عہد فاروقی میں تھی عمالِ حکومت کو بدل دیا اور دارالخلافہ کو مدینہ سے کوفہ لے آئے، تاکہ جوار نبوی اس سیاسی آویزش سے جس کے دور کو اس زمانہ میں ان کے حریف لے آئے تھے، محفوظ رہے اور کوفہ کے باشندے اس کے دارالخلافہ بننے کے وقت تک ان کے سب سے زیادہ وفاشعار تھے۔

عمال کی نگرانی عمال کے تقرر کے وقت انھیں گراں قدر نصائح فرماتے، ان کی کارگذاریوں کی دیکھ بھال رکھتے تھے، ایک مرتبہ کعب بن مالک کی سرکردگی میں ایک وفد مرتب کرکے عراق کے شہروں کا دورہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور ہدایت فرمائی، کہ "تم اپنے ساتھیوں کا گروہ لے کر روانہ ہوجاؤ، عراق کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کے طرزِ حکومت کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو"

اگر کسی والی یا عامل سے کوئی بے عنوانی سرزد ہوتی، تو سختی سے بازپرس فرماتے تھے، ایک مرتبہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے رقم نکال کر پانچسو لونڈی غلام آزاد کئے حضرت علی نے سختی سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مصقلہ نے کہا "خدا کی قسم عثمان کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، مگر یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں"۔ مصقلہ برگشتہ ہوکر امیر معاویہ کی پناہ میں چلا گیا۔ حضرت علی نے سنا تو فرمایا:

"خدا اس کا برا کرے، اس نے کام تو سرداروں کا کیا، لیکن غلام کی طرح بھاگا، اور تاجر کی طرح خیانت کی، خدا کی قسم اگر وہ مقیم رہتا، تو قید سے زیادہ اس کو سزا نہ دیتا۔ کچھ رقم اس کے پاس ہوتی، تو لیتا، ورنہ معاف کر دیتا"

Marfat.com

اس بازپرس میں انھوں نے اپنے اعزّہ خاص کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے والی تھے، ایک خطیر رقم انھوں نے بیت المال سے لے لی، وہ اس رقم پر شرعی حیثیت سے اپنا حق سمجھتے تھے۔ حضرت علی نے جیسے نمائی کی تو خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔ اسی طرح اصطخر کے والی منذر بن جارود کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں گذارتے ہیں، اور فرائضِ منصبی کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ انھیں دارالخلافہ طلب کر کے سخت تنبیہ کی اور منصب سے معزول کر دیا۔ اسی طرح ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عیش و تنعّم کی زندگی بسر کرتا ہے، بخورات و روغنیات کا زیادہ استعمال کرتا ہے، دسترخوان پر الوانِ نعمت چُنے رہتے ہیں۔ اس کو سخت تہدید آمیز مکتوب لکھا کہ "تم منبر پر صدّیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہلِ اباحت کے طریق پر عمل کرتے ہو، اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تمھیں سخت تادیب پر مجبور ہونا پڑے گا۔۔۔۔ گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور خدا کے حقوق ادا کرو۔"

شعبۂ عسکری | شعبۂ عسکری کا نظام عہدِ فاروقی کے نظام کی مانند قائم کیا۔ فوج کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صرف ایک معرکۂ صفین میں اسّی ہزار کی تعداد میں مرتضوی لشکر میدانِ جنگ میں اترا، ضرورت کے مطابق نئی چھاؤنیاں بنائیں، نیا قلعہ تعمیر کیا، اصطخر کے حصن زیاد انہی کے عہد کی یادگار تھا۔ عہدِ عثمانی تک مجاہدین کی تنخواہوں میں فرقِ مراتب تھا، حضرت علی کے زمانہ میں یہ فرق و اختلاف دُور کر دیا گیا۔ تمام مجاہدین کی تنخواہ خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں، برابر کر دی گئی۔

شعبۂ مالیات | شعبۂ مالیات میں آمدنی میں اضافہ کی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ عہدِ مرتضوی سے پہلے جنگلوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تھا، حضرت علی نے ان کو قابلِ محصول قرار دیا، چنانچہ صرف صحرائے برس سے، چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے لیکن بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا لیا۔ عہدِ رسالت میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے،

حضرت علی نے گھوڑوں کی نسل کی افزائش کے لئے عہدِ رسالت کے مطابق گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا۔

خراج کی آمدنی پر احتساب عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی وقت پر وصول ہونے کے لئے احتساب رکھتے تھے، تاخیر ہو جاتی تو فہمائش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو سخت فہمائشی مکتوب لکھا، کہ "تم نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں.... ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد ہو جائے.... اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اسی طرح بحرین کے عامل نعمان بن عجلان خراج کی رقم لے کر کہیں چلے گئے، دارالخلافہ میں خبر پہنچی تو انھیں امانت میں خیانت کرنے کے نقصان اور دین و دنیا کی بربادی کا حوالہ دے کر لکھا کہ "تم صالح خاندان سے ہو، اس لئے خوش گمانی کا موقع دو۔ مجھ کو جو خبر ملی ہے، اگر وہ صحیح ہے، تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کردو"۔

بیت المال بیت المال کی حفاظت کا اہتمام حضرت عمرؓ ہی کی طرح کرتے تھے۔ ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع نے جو بیت المال کے نگراں تھے، بیت المال کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علی نے دیکھ کر پہچان لیا، پوچھا "یہ موتی کہاں سے آیا؟ میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کروں گا"۔ ابورافع نے اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ حضرت علی نے فرمایا "تمہارا یہ حال ہے کہ تم اپنی لڑکی کو موتی سے آراستہ کرتے ہو۔ جب فاطمہ سے میری شادی ہوئی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی، جس پر رات کو میں سوتا تھا اور دن کو مویشی کو اسی پر چارہ دیتا تھا۔ ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔ مالِ غنیمت تقسیم فرماتے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے، کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو وہ اس سے بری رہیں۔ معذوری اور ناداری کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سال بہ سال کی آمدنی ہر سال خرچ کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ صرف کر کے اس میں جھاڑو

Marfat.com

دی اور دو رکعت نماز ادا کی کہ قیامت میں وہ ان کی امانت و دیانت اور فرضِ منصبی کو بحسنِ کمال ادا کرنے پر شاہد ہے۔

شعبۂ عدالت و قضاء: حضرت علی عہدِ رسالت میں منصبِ قضاء پر فائز کیے گئے اور فنِ قضاء کے سب سے بڑے ماہر (اقضٰی) کی تصدیق سے ممتاز فرمائے گئے۔ اُن کے ایوانِ عدالت میں بلا امتیازِ مذہب و ملت، خویش و بیگانہ و امیر و غریب سب برابر تھے۔ اپنے دورِ خلافت میں بھی شعبۂ قضاء کے اس امتیاز و احترام کو قائم کیا اور اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ اگر وہ خود کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تو قاضی کے سامنے حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی، حضرت علی نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ نصرانی نے جوابِ دعویٰ میں بیان دیا کہ وہ زرہ اسی کی ہے۔ قاضی شریح نے حضرت علی سے پوچھا کہ ان کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علی نے نفی میں جواب دیا تو قاضی شریح نے حضرت علی کے دعویٰ کو خارج کر کے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ سے وہ نصرانی اتنا متاثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا کہ یہ تو انبیاء کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔

جیل خانہ: جیل خانہ کی ابتداء عہدِ فاروقی میں ہو چکی تھی۔ حضرت علی نے جیل خانوں پر خاص توجہ دی۔ کسی مکان کو اس مصرف میں لے لیا جاتا تھا جیسے عہدِ فاروقی میں مکہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر جیل خانہ قرار دیا گیا۔ حضرت علی نے مستقل عمارتیں اس مقصد کے لئے بنوائیں۔ پہلے اس عمارت کو "نافع" سے موسوم کیا۔ اتفاق سے قیدی اس میں سے نکل بھاگے تو دوسری مضبوط عمارت بنوائی اور اس کو "مخیس" سے موسوم کیا۔ (خطط مصر مقریزی جلد ۳ ص ۳۰۳ و شفاء الغلیل شہاب الدین خفاجی مصری)

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ اپنے فسق و فجور

Marfat.com

کی وجہ سے نظر بند کئے جاتے تھے اور وہ صاحب ثروت ہوتے تو خود اُن کے مال سے اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ اُن کو بھی بیت المال سے کھلایا جاتا تھا۔

بازار کی نگرانی اسلامی قانون بیع و شرا کے صحیح طور پر نافذ رہنے کی نگرانی کے لئے خود بازار کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ خود دُرّہ لے کر نکل جاتے۔ بازار کے نرخ اور ناپ تول پر نظر رکھتے اور تاجروں اور دکانداروں کو حسن معاملت اور ناپ تول میں ایمان داری قائم رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

امامت و اجتہاد حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ چوتھے خلیفہ راشد اور امامیہ عقائد والوں کے نزدیک بارہ اماموں میں سے پہلے امام تھے اور اہل سنّت کے عقائد کے مطابق بھی امامت کا منصب دراصل نبوّت کا ایک شائبہ ہے۔ خلیفہ برحق امام برحق بھی ہوتا ہے جس پر نائب رسول کی حیثیت سے اُمّت کی امامت کے فرائض کی ادائی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خلفائے ثلٰثہ اس خدمت کو بہ احسن وجوہ انجام دیتے رہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسوۂ نبوی کی اتباع کرکے بہ حسن و خوبی اس ذمّہ داری کے فرائض کو پورا فرماتے رہے اور چونکہ ان کی تربیت تمام تر آغوش نبوی میں ہوئی تھی، اس لئے ان میں اس خدمت کو زیادہ بہتر طریقہ سے قدم بہ قدم نبیؐ کے نقش قدم کے مطابق انجام دینے کی صلاحیت موجود تھی۔

مسائل پر اُن کی جیسی مجتہدانہ نگاہ تھی اور عہد صدیقی و فاروقی میں جس طرح شریعت کی روح و اقوال و افعال نبوی کے مطابق مختلف پیش آنے والے موقعوں پر انھوں نے خلفائے راشدین کے سامنے راہِ صواب پیش کی، اس کا اثر یہ تھا کہ حضرت عمر کو اعتراف فرمانا پڑا کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ یعنی "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔

اسی طرح اپنے دورِ خلافت میں انھیں بارہا ایسے موقعے آئے کہ انھوں نے شریعت کے احکام کو صحیح طریق پہ سمجھ کر ان کو برتا اور اسلامی قوانین میں ان حدود کو انھوں نے واضح رکھا، جہاں آیات قرآنی و احکام نبوی کے بعد خلیفہ وقت کو اجتہاد کا حق دے کر مناسب فیصلے

Marfat.com

اور راہِ عمل طے کرنے کا مجاز بنایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے جن جرموں کی سزا اسلام میں متعین نہیں تھی اور خلیفہ کو متعین کرنے کا اختیار دیا گیا تھا ان کی مختلف نوعیتوں کے لحاظ سے مختلف سزائیں تجویز کیں۔ بعض سنگین جرموں کی سنگین سزا مثلاً زندہ جلانا مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ بعض دوسرے جرموں میں ہاتھ کاٹنا وغیرہ مقرر کی۔ زندہ جلانے کی سزا صرف ایک مرتبہ دی تھی، کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان سے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے" یہ سن کر انھیں ندامت ہوئی اور آئندہ کسی کو یہ سزا نہ دی۔ شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہیں تھی حضرت علی نے اسی دُرّے تجویز کیے۔ دُرّے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ شرمگاہ اور چہرے پر دُرّے نہ پڑنے پائیں۔ عورتوں کے متعلق حکم دیا کہ انھیں بٹھا کر سزا دی جائے اور ان کے پورے جسم کو کپڑے سے چھپا دیا جائے، کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے۔ جرم کرنے کے لئے ارادہ واقدام کو جرم ثابت ہونے کے لئے کافی نہیں سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے مکان میں نقب لگائی، اور چوری کرنے سے پہلے پکڑ لیا گیا، تو اس پر کوئی حد جاری نہیں کی۔ اگر مجرم نشہ کی حالت میں پکڑا جاتا تو اس کو سزا دینے کے لئے نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔ ناجائز حمل سے حاملہ ہونے والیوں پر وضع حمل کے بعد حد جاری کی جاتی تھی۔ کبھی مزید تعزیری سزا تجویز فرماتے تھے۔ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اس کو اسّی کی بجائے ایک سو دُرّے لگوائے۔ یہ زائد بیس دُرّے رمضان شریف میں شراب نوشی کرکے اس مقدس مہینہ کی بے حرمتی کرنے کی سزا میں تھے۔ اسی طرح امام کے اور جو دوسرے فرائضِ امامت، تنظیم مساجد وغیرہ تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، ان کے ہاتھوں سے بھی خوبی کے ساتھ انجام پائے۔

ذمّیوں کے حقوق کی نگرانی اور اُن پر شفقت

حضرت علی، ذمّیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے، اور ان کے ساتھ شفقت آمیز برتاؤ کرتے تھے۔ ایران میں بار بار سازشیں ہوئیں، بغاوتیں برپا کی گئیں، مگر حضرت علی نے ترحّم سے کام لیا۔ نرمی برتی

اور لطف و شفقت سے اسلامی حکومت کی اطاعت پر قائم رہنے پر آمادہ کیا اور ان کے حقوق و ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام رکھا۔ ذمی عموماً کاشتکار تھے۔ نہروں اور آبپاشی کا انتظام اسلامی مملکت کے ذمہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کی ایک نہر پٹ گئی تھی انھوں نے بارگاہِ خلافت میں درخواست بھیجی تو حضرت امیرالمومنین نے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا، کہ :۔

"تمھارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا درست کرانا مسلمانوں کا کام ہے تم اس کو درست کرا کر آباد کرادو۔ خدا کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک کو چھوڑ کر نکل جائیں، یا یہیں رہ کر عاجز و درماندہ رہیں اور ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ جائیں"

اسی طرح ایک دفعہ ذمیوں نے ایک عامل عمرو بن مسلمہ کی درشت مزاجی کی شکایت کی، تو حضرت علی نے عامل کو لکھ بھیجا کہ :۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے علاقہ کے ذمی کاشتکاروں کو تمھاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے تم کو سختی و نرمی دونوں سے کام لینا چاہیئے لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ اور نرمی نقصان کی حد کو نہ پہنچنے پائے، ان پر جو مطالبہ ہو، وصول کیا کرو، لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو"

عہد مرتضوی میں اہل عجم کے ساتھ بھی لطف و کرم کا برتاؤ تھا، کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی سلطنت نے تو نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔[۵۱]

---

[۵۱] ماخذ: صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب غزوہ ذی قرد، بخاری ذکر غزوۂ اُحد، ذی قرد،

Marfat.com

خیبر، فتح، کتاب العلم باب کتابۃ العلم، مناقب علی، مرض النبی، کتاب الوضوء، کتاب
الدیات، کتاب الاعتصام، فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۶، ۱۵۲، ترمذی مناقب علی، فضل فاطمہ
حدود مرتد، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۱، ۳۶۶، ۴۹۲، ۱۳۵،
۳۲۷، ۱۲۱ - باب فضائل زبیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ - کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۱۹ - جلد ۶ صفحہ ۲۰۹ -
جلد ۲ صفحہ ۴۹، ۴۱۸ - مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۴، ۱۳، ۷۸، ۹۹، ۸۴، ۱۵۵،
۷۷، ۸۰، ۸۸، ۸۶، ۱۴۶، ۷۹، ۱۰۰، ۷۰۹، ۱۴۰، ۹۶، ۱۰۷، ۹۲، ۱۴۳،
۱۴۰، ۷۷۰، ۱۳۵، ۷۸، ۵۹، ۹۹ - جلد ۲ صفحہ ۵۵، ۶۹،
تہذیب الاسماء نووی ۲۴۵، ۲۴۶ - ابوداؤد کتاب الحدود والادب والخراج، اصابہ جلد ۸
صفحہ ۱۵۸ - تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۴۸، ۴۹ - کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۷۹،
۶۸، ۵۰، ۴۴، ۶۹، ۹۹، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۰، ۸۸، ۲۹۰، ۹ -
فتح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۷، باب سیستان وکابل و ذکر فتح السند، ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ -
ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۸۳، ۲۷۴ - ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ - اسدالغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۱۷،
جلد ۴ صفحہ ۹ - ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۴۷، ۷۷، ۹۰، ۸۳، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۰۵، ۳۳۵،
۱۰۸، ۱۸۱، ۱۴۳، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۶۹ - جلد ۲ صفحہ ۱۲۹، ۱۵۳!
ابن سعد ترجمہ علی صفحہ ۱۳ - جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲ - ج ۳ - ق ۱، صفحہ ۲۰، ۱۸، ۱۰۱ -
زرقانی جلد ۱ ص ۲۸۰، ۴۲۶، جلد ۲، صفحہ ۴، ۸ - غزوہ بنی قریظہ ۱۸۶ - غزوہ خیبر و حدیبیہ
جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ - سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۲۸، ۵۸ - ذکر بدر جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۴۲،
۲۴۳ - یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۴۷،
۲۳۹، ۲۴۰ - طبری جلد ۶ ص ۹، ۱۲۷۲، ۲۹۳۸، ۳۰۵۸، ۳۰۶۶، ۳۰۸۳،
۳۰۸۴، ۳۰۹۱، ۳۰۹۸، ۳۰۸۶، ۳۰۱۰، ۳۰۹۹، ۳۰۱۲، ۳۰۱۳، ۳۰۲۰، ۳۱۰۶،
۳۱۱۶، ۳۰۱۹، ۳۱۶۴، ۳۱۶۵، ۳۱۶۷، ۳۱۶۹، ۳۱۸۲، ۳۲۳۷، ۳۲۳۱، ۳۲۵۵،

Marfat.com

۳۲۶۹، ۳۲۲۹، ۳۲۳۰، ۳۲۳۲، ۳۲۴۰، ۳۲۵۵، ۳۲۵۷، ۳۱۵۸،
۳۲۴۱، ۳۲۵۰، ۳۳۴۸، ۳۳۳۲، ۳۲۶۱۔

اخبار الطوال ۱۵۱ تا ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۰ تا
۱۸۲، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۲۱۔

روضۃ المناظر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲۔ کتاب العمدہ ابن رشیق ۱/۴۔ فہرست ابن الندیم صفحہ ۶۰۔
الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صفحہ ۱۸، ۳۱۔

تاریخ اسلام جلد ۱ دار المصنفین، خلفاء راشدین دار المصنفین، تاریخ صقلیہ دار المصنفین
تاریخ الامت (جامعہ ملیہ) الاعلام مصر خطط مصر مقریزی، جلد ۳ صفحہ ۲۰۳۔
شفاء الغلیل شہاب الدین خفاجی صفحہ ۱۰۹۔

Marfat.com

عہدِ حسنی

سنہ ۴۰ھ ۶۶۱ء - سنہ ۴۱ھ ۶۶۲ء

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سنہ ۳ھ ۶۲۴ء —— سنہ ۴۱ھ ۶۶۲ء

نام و نسب ولادت و بچپن

حسن نام، ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبی لقب تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہاشمی قرشی کے سب سے بڑے صاحبزادے یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جگر گوشہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے نواسے تھے۔ یہ سنہ ۳ھ ۶۲۴ء میں مدینہ میں مولود ہوئے۔ حضرت فاطمہ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے، اس لئے نانا جان کو سب سے زیادہ پیارے تھے۔ بچپن میں کبھی آغوشِ نبوی میں بیٹھے رہتے، کبھی دوشِ نبی پر سوار ہوتے، کبھی آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کی پشت اور گردن پر چڑھ جاتے، کبھی انگشتِ نبوی پکڑ کر ساتھ چلتے، کبھی آپ ان کی سواری بنتے، وہ سوار بنتے۔ ان کے بچپن کے دن اسی طرح گذرے۔ پانچ سال کی عمر کے ہوئے تو صلح حدیبیہ ہوئی اور جب قریش نے اس صلح کی شکست کا اعلان کیا اور قریش کو لینے کے دینے پڑ گئے، پچھتاوا آیا تو ابو سفیان تجدید صلح کے لئے مدینہ آیا۔ جب اس کو بارگاہِ رسالت، حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت علی کے جوابوں سے مایوسی ہوئی، تو اس نے پانچ سال کے بچے حضرت حسن کی انگلی پکڑی اور ان کا واسطہ دے کر صلح کی سفارش چاہی۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ بچوں کو ان معاملات

Marfat.com

سے کیا تعلق؟ لیکن پھر اسی واسطہ کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی نے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ تم اپنی طرف سے مسجد نبوی میں تجدید صلح کا اعلان کردو، اور وہ یہی کر کے چل گیا۔ حضرت حسن آٹھ برس کی عمر کے تھے، کہ نانا جان کی شفقت کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ پھر چھ مہینے کے بعد پیاری ماں بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

جہادوں میں شرکت | ۲۷ھ / ۶۴۸ء سے جہادوں میں شریک ہونے لگے۔ اسی سال عبداللہ بن زبیر کی سرکردگی میں جو لشکر افریقہ گیا، اس میں ممتاز نوجوان صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی جس کے سرخیل حضرت امام حسن تھے۔ افریقہ و طرابلس میں نمایاں خدمات انجام دیئے اور فتوحات حاصل کئے، پھر ۳۰ھ / ۶۵۱ء میں اصفہان، طبرستان و جرجان وغیرہ کی مہموں میں شرکت کی اور فتوحات میں شریک رہے۔

حضرت عثمان کی مدافعت میں | اس کے بعد جب عہد عثمانی میں فتنوں کا دور آیا، اور حضرت عثمان کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو حضرت امام حسن محل کے پھاٹک پر محافظ کے ساتھ متعین رہے، جب آخر وقت میں بلوائیوں نے پھاٹک کو توڑ کر بزور اندر جانا چاہا تو حضرت حسن نے مدافعت کی اور زخمی ہوگئے۔ حضرت علیؓ شہادتِ عثمانؓ کے سانحۂ عظمیٰ کی خبر سنتے ہی غیظ و غضب میں عثمانی محل کی طرف آئے اور غصہ میں حضرت حسن کو پیٹا۔ جوان سعادت مند بیٹے نے اُف نہ کی، خاموش رہے۔

عہد مرتضوی میں خدمات | حضرت علی نے جب مختلف شہروں کے بیت المال کے لوٹے جانے کے متعلق خبر سُنی، تو بصرہ کی سمت روانہ ہوئے۔ پھر منزل پر پہنچ کر کوفہ سے فوج جمع کرنے کے لئے حضرت حسن کو کوفہ روانہ کیا۔ یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری کوفیوں کو خانہ نشین رہنے اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی تلقین کر رہے تھے، امام حسن نے ان کو کوفہ سے شہر بدر کر دیا اور اپنی تقریروں سے اہلِ کوفہ کو اطاعت و فرماں برداری اور جنگ میں شریک ہونے کی تلقین کی، اور یہاں سے عظیم لشکر ساتھ لے کر حضرت علی

Marfat.com

کی خدمت میں واپس ہوئے، اس کے بعد جمل و صفین کے معرکے ہوئے اور ان میں میدان جنگ میں اُترے اور کارنامے انجام دیئے۔ پھر ہمہ دم اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہ کر ان کے معاون بنے رہے، یہاں تک کہ جب حضرت علی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور زندگی سے مایوسی ہوئی، تو بعض لوگوں نے جانشینی کے لئے حضرت حسن کے نام پر استفسار کیا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ نہ میں اس کے لئے تم کو کہتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ تمہاری سمجھ میں جو کچھ آئے وہ کرو۔ اس کے بعد حضرت علی نے امام حسن کو بلا کر چند مفید نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں اور اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ امام حسن ہی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور غسل، تجہیز و تکفین و تدفین کی خدمتیں انجام دیں۔

بیعت خلافت اگرچہ حضرت علی نے دمِ آخر جمہور مسلمانوں کے حقِ انتخاب کا لحاظ کر کے جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا، لیکن وابستگانِ دامنِ مرتضوی کی نظر کسی اور جانب نہیں جا سکتی تھی، چنانچہ شہادت کے بعد سب سے پہلے حضرت قیس بن سعد انصاری نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، پھر تمام اہلِ عراق نے بیعت کی۔ اور ماہِ رمضان ۴۰ھ ۶۶۱ء میں حضرت حسن مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

پہلا خطبہ زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد انھوں نے اپنا پہلا خطبہ دیا جس میں فرمایا۔

"لوگو! کل تم سے ایسا شخص بچھڑا ہے، کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے وہ کسی جنگ سے ناکام نہ لوٹا۔ میکائیل و جبرئیل داہنے بائیں اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا، اور اس نے یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے۔"

Marfat.com

حضرت امام حسن کے حدودِ مملکت وہی تھے، جو عہدِ مرتضوی میں تھے۔ یعنی حجاز، یمن، عراق، خراسان اور مشرق کے سب ہی اسلامی مقبوضات ان کے زیرِ فرمان رہے۔

امیر معاویہ کا جارحانہ اقدام لیکن دوسری طرف امیر معاویہ والیٔ شام کے دل میں عالمِ اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی، لیکن حضرت علی کی زندگی میں ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ حضرت امام حسن بڑے نرم خو، صلح جو، متحمل مزاج اور امن پسند تھے۔ امیر معاویہ کو اس کا اندازہ تھا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد انھوں نے اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کے لئے موقع کو غنیمت سمجھا اور عراق پر فوج کشی کر دی اور عبید اللہ بن عامر کی قیادت میں مقدمۃ الجیش عین التمر ہوتا ہوا مداین پہنچا۔ حضرت حسن نے یہ خبر سنتے ہی اپنے سب سے وفا شعار و آزمودہ قائد قیس بن سعد انصاری کی قیادت میں بارہ ہزار فوج شامیوں کو روکنے کے لئے روانہ کی۔

حضرت حسن کی مدافعت میں روانگی اور عراقی فوج کی غداری پھر خود عراقی لشکر لے کر عقب سے روانہ ہوئے۔ امیر معاویہ میدانِ جنگ میں معرکہ آرائی سے زیادہ اور دوسری مخفی سیاسی حکمتِ عملی پر زیادہ اہتمام سے توجہ رکھتے تھے۔ صفین کے میدان میں اشعث بن قیس کا رویہ خاصے طور پر مشتبہ تھا۔ انھوں نے عراقی لشکر میں رہ کر حضرت علی کو زیادہ نقصان پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ کا مخفی اثر عراقی فوج میں کام کر رہا تھا۔ اور اس کا ایک حصہ ان کے افسوں کا شکار ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ نے یہ کمند عراقی فوج کے اس حصہ پر خاص طور پر ڈالی تھی، جو حضرت حسن کے ہمرکاب تھا، چنانچہ حضرت حسن مداین تک پہنچے تھے، کہ فوج میں کسی نے افواہ اڑائی کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے۔ اس وقت جنگ کی کمان دراصل قیس ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اس افواہ کا پھیلنا تھا، کہ عراقیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگوں نے امام حسن کے خیمہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیا، یہاں تک کہ جس فرش پر وہ تشریف فرما تھے، اس کو بھی اٹھا لیا۔

امام حسن کے خیالات میں تبدیلی یہ حادثہ بڑا ہی اندوہگیں تھا۔ فوج کا یہ رنگ دیکھ کر وہ غور و فکر میں پڑ گئے۔ اگرچہ یہ عراقیوں کا ایک مختصر سا لشکر تھا لیکن عہد مرتضوی میں بھی عراقیوں کے متعلق کچھ تجربے حاصل ہو چکے تھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ ہوا اس لئے وہاں رُکے اور فوج کو مخاطب کر کے کہا:

"لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا۔ اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ تم اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد اور یک جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف و تفرقہ سے بہتر و افضل ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور کمزوری دکھا رہے ہیں، اس لئے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا۔"

یہ خیالات سُن کر لوگ ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ کچھ خارجی بھی فوج میں موجود تھے، انھوں نے حضرت امام پر یورش کی، مصلّی اور کپڑے چھین لئے، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، اُنھوں نے خارجیوں کے نرغہ سے ان کو نکالا اور وہ مدائن کی سمت روانہ ہو گئے۔ راہ میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ تاک میں، چھپا بیٹھا تھا وہ حملہ آور ہوا، ران میں زخم آیا، حملہ آور پکڑ کر قتل کر دیا گیا اور حضرت امام مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم مندمل ہونے تک یہیں قیام پذیر رہے۔ اس اثناء میں ان کے نئے خیالات کے مطابق رائے پختہ ہوتی گئی۔ انھوں نے اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیار کے صاحبزادے سے پہلی مرتبہ کھلے لفظوں میں منصب خلافت سے دستبردار ہونے کا خیال ظاہر کیا اور فرمایا:

Marfat.com

"میں نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے۔ ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں۔ قطع رحم عام طور پر ہو رہا ہے، راستے خطرناک ہو چکے ہیں، سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں۔"

قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں مقابلہ لیکن ابھی تک حضرت امام نے کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا تھا۔ عبیداللہ بن عامر کی فوج مدائن کے قریب سر پر موجود تھی۔ امیر معاویہ بھی فوج لے کر انبار پہنچ چکے تھے۔ یہاں قیس بن سعد انصاری مستحکم مورچہ جمائے تھے اور امیر معاویہ کی مخفی قوتیں ان کی فوج میں کام نہ کر سکی تھیں۔ یہ لوگ جانباز، بہادر اور مرنے مارنے کے لئے چشم براہ تھے۔ اس مورچہ پر خونریز جنگ شروع ہو گئی اور قیس بن سعد بری طرح شامیوں کو دبائے ہوئے تھے۔

حضرت امام سے عراقیوں کی دوبارہ غداری اور مداین کا محاصرہ ادھر حضرت امام مداین سے نکل کر اس مقام پر پہنچے، جہاں عبیداللہ بن عامر مداین کے قریب مورچہ جمائے تھا۔ حضرت امام حسن نے عراقی فوج کو پھر میدان میں لا کر کھڑا کیا لیکن اس عراقی لشکر میں بھی وہ عناصر موجود تھے جو درپردہ امیر معاویہ کی سازش میں تھے۔ چنانچہ شامی سپہ سالار عبیداللہ بن عامر نے اس عنصر کو پھر آلۂ کار بنایا اور جنگ شروع کرنے کی بجائے عراقی لشکر میں اعلان کرایا کہ:

"میں جنگ کرنا نہیں چاہتا، میری حیثیت تو معاویہ کے مقدمۃ الجیش کی ہے، وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں، ابو محمد (یعنی حضرت امام حسن) کو سلام کے بعد میرا یہ پیام پہنچا دو، کہ وہ خدا کے لئے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں۔"

عراقیوں نے یہ اعلان سُن کر پھر جنگ سے علیحدہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت حسن نے یہ رنگ دیکھا تو جنگ کا ارادہ ترک کر کے مداین واپس چلے گئے اور عراقی لشکر کی واپسی کے بعد ہی عبیداللہ بن عامر نے آگے بڑھ کر مداین کا محاصرہ کر لیا۔

دست برداری کا قطعی فیصلہ اب حضرت امام نے منصب خلافت سے دست بردار ہونے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور اپنے ہوا خواہوں کے سامنے اپنے قصد کا اظہار فرمایا۔ ان میں سے ہر شخص نے اس کی سخت مخالفت کی، لیکن حضرت امام اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ حضرت امام حسینؓ سے ضبط نہ ہو سکا، انھوں نے فرمایا "خدارا معاویہ کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے" حضرت امام نے عزم بالجزم سے فرمایا، "تم خاموش رہو، میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں"

مصالحت و دست برداری کے لئے سلسلہ جُنبانی ایک طرف عبیداللہ بن عامر مداین کا محاصرہ کئے تھا۔ دوسری طرف انبار میں قیس بن سعد اور امیر معاویہ کی فوجوں میں خوں ریز مقابلہ جاری تھا، کہ اس اثناء میں حضرت امام نے مصالحت کی سلسلہ جُنبانی کی۔ ایک روایت کے مطابق امام حسن کے ارادۂ صُلح کی خبر ملتے ہی امیر معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے ان کے پاس بھیج دیا، کہ جو شرائط وہ چاہیں، اس پر لکھ دیں، وہ سب شرطیں منظور ہوں گی، لیکن زیادہ قرین صحت دوسری روایت ہے، کہ حضرت امام نے خود چند شرائط پر امیر معاویہ کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادگی ظاہر کی اور امیر معاویہ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیجدیں۔

شرائطِ صلح شرائطِ صلح کی تفصیل میں کئی روایتیں ہیں، جن میں قدرِ مشترک ذیل کی دفعات تھیں :۔

۱۔ کسی عراقی کو محض پُرانی عداوت کی بناء پر پکڑا نہ جائے۔ ۲۔ بلا استثناء سب کو امان دی جائے۔ ۳۔ اہلِ عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے ۴۔ دارالجبرد

(اہواز) کا پورا اخراج حضرت حسن کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ ۵ امام حسین کو دو لاکھ سالانہ وظیفہ دیا جائے۔ ۶ وظائف میں بنو ہاشم کو بنو اُمیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہ نے بلا کسی ترمیم کے سب شرطیں منظور کر لیں۔ اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اپنی مہر ثبت کی اور اکابرِ شام کی شہادتیں لکھوا کر عبید اللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسن کے پاس بھجوا دیا۔

قیس بن سعد کو واپسی کا حکم اقرار نامہ کے ملنے کے بعد حضرت امام حسن نے قیس بن سعد کو جنگ بند کر کے مداین واپس آنے کا حکم بھیج دیا۔ اس لشکر کے ایک قائد ابو عریق کا بیان ہے کہ ہماری تلواروں سے شامیوں کے خون کی دھاریں ٹپک رہی تھیں، کہ ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی اور شدتِ غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائیگی۔

قیس نے حکمنامہ کو فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا "اب صرف دو صورتیں ہیں۔ یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھی جائے، یا امیر معاویہ کی اطاعت قبول کر لی جائے۔ قیس کی فوج بڑی سرفروش تھی، لیکن اس نے کہا امام حسن کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہیں۔ اور جنگ روک کر قیس مداین چلے آئے۔

شرائطِ صلح کی امیر معاویہ کی طرف سے بالمشافہ تصدیق اس کے بعد حضرت امام حسن کوفہ واپس چلے گئے چند دنوں کے بعد امیر معاویہ خود کوفہ پہنچے، اور بالمشافہ شرائطِ صلح کی زبانی تصدیق کی۔

منصبِ خلافت سے دستبرداری کا اعلان اور زمامِ حکومت کی امیر معاویہ کو سپردگی شرائطِ صلح کی تکمیل کے بعد حضرت امام حسن نے منصبِ خلافت سے اپنی دست برداری کا اعلان کیا اور ماہ ربیع الاول ۴۱ھ / ۶۶۲ء میں بیت المقدس میں زمامِ حکومت امیر معاویہ کے سپرد کر دی۔ یہ سال "عام الجماعہ" یعنی سالِ اجتماع سے موسوم کیا گیا اسلئے کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں مل گئے اور حضرت حسن کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی

Marfat.com

پوری ہوئی کہ "میرا یہ لڑکا سردار ہے، خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔

دستبرداری کے اثرات ونتائج یہ مصالحت ملک وملت کے لئے مفید ثابت ہوئی کہ باہمی خانہ جنگی وخون ریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ موقوف ہوگیا ملک میں امن و سکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں صرف ہو رہی تھی، وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی۔

لیکن حضرت امام حسن کے متبعین کا ایک بڑا طبقہ اس مصالحت سے ناراض ہوا۔ اور حضرت کو خود ان ہی کے گروہ کے لوگوں نے "مُذِلُّ المومنین۔ مسوّد وجوہ المومنین" یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والے، مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے" القاب سے یاد کیا۔ حضرت حسن نے سنا تو جواب میں فرمایا "میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی۔"

دستبرداری کے حقیقی اسباب حقیقت یہ ہے کہ ان چند ہزار عراقی سپاہیوں کے سوا جنھوں نے دراصل امیر معاویہ کے زیر اثر میدانِ جنگ میں دو دفعہ غداری کی تھی باقی سارا عراق حضرت امام کے ساتھ تھا۔ قیس بن سعد اور ان کی بارہ ہزار جرار فوج معاویہ کے مقابلہ سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھی، پھر چالیس ہزار آدمی حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور وہ حضرت امام کے اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے، بلکہ سارا عرب حضرت امام حسن کے ساتھ اور صلح وجنگ میں ان کے حکم کا تابع تھا، لیکن مشہور مورّخ امام نوَوی کے بقول "چالیس ہزار سے زائد آدمیوں نے حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ ان کے وفادار تھے، مگر جب حضرت حسن مقابلہ کے لئے نکلے تو انھیں اندازہ ہوا، کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت کام نہ آجائے گی کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، اس لئے وہ مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے چند شرائط پر امیر معاویہ کے حق میں

Marfat.com

دستبردار ہوگئے۔"

پھر ایک موقع پر حضرت امام حسن نے خود ارشاد فرمایا کہ :۔

"عرب کے سردار میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا، وہ صلح کرتے، اور جس سے میں جنگ کرتا وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصتاً للہ اور مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے خلافت چھوڑ دی۔"

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان مصالحت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد، امیر معاویہ کے دستِ راست عمرو بن العاص نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت حسن سے مجمع عام میں بھی دستبرداری کا اعلان ان کی زبان سے کرا دیا جائے۔ امیر معاویہ جانتے تھے، کہ حضرت حسن نے دست برداری کسی معذوری و مجبوری سے نہیں، دل کی خوشی اور رضا سے کی ہے، اس لئے مجمع عام میں اعلان کی ضرورت نہیں، لیکن جب عمرو بن العاص کا اصرار زیادہ ہوا تو انھوں نے حضرت حسن سے اس اعلان کی درخواست کی۔ حضرت امام کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا، چنانچہ اعلانِ عام کے لئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"امابعد! — لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمھاری خون ریزی کرائی۔ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ، عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں، یا میں ہوں، دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خون ریزی سے بچنے کے لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔"

پھر معاویہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا :۔

"یہ خلافت تمہارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے ...."

یہ سُن کر امیر معاویہ بولے "بس کیجئے" اور عمرو بن العاص کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

"تمہارا مقصد حاصل ہو گیا، تم یہی سُنوانا چاہتے تھے۔"

خلافت و امامت حضرت امام حسن پانچویں خلیفہ راشد اور اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے، تقریباً چھ مہینے ان کی خلافت برقرار رہی۔ ان ہی کے عہد کے خاتمہ پر خلافت راشدہ کا دَور ختم ہو گیا، اور خلافت کے لباس میں عہدِ اسلام میں بادشاہت کا دَور شروع ہوا۔ حضرت امام حسن خلیفۂ راشد کی حیثیت سے امام برحق بھی تھے، امّت کی امامت و پیشوائی کا تاج ان کے سر پر تھا۔ امامیہ عقائد والوں کے نزدیک بارہ اماموں میں سے دوسرے امام تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں مصالحت حضرت امام حسن کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہو گیا اور اس پر کچھ دن گذر بھی گئے، مگر قیس بن سعد کی مخالفت برقرار رہی اوپر گذر چکا ہے کہ قیس و معاویہ میں دیرینہ دشمنی تھی۔ قیس حضرت علی کے پُرجوش حامی اور عرب کے نامور مدبّر تھے۔ ان ہی کی شخصیت تھی جو عقل و تدبّر اور سیاسی حکمتِ عملی اور سوجھ بوجھ میں دینداری کو ٹھیس لگائے بغیر امیر معاویہ و عمرو بن العاص کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ وہ مصر کی ولایت سے امیر معاویہ ہی کی سازش سے علیحدہ ہوئے تھے اور حضرت علی نے اُس وقت انھیں بعض نوجوانوں کے مشورہ سے ولایتِ مصر سے معزول کر دیا تھا مگر اب بھی اُنکی وفاداری میں فرق نہ آیا تھا۔ وہ حضرت علی اور ان کے بعد حضرت حسن کے دستِ راست بنے رہے۔ وہ حضرت حسن کے حکم کی تعمیل میں مورچۂ جنگ کو ختم کر کے مداین چلے گئے تھے، مگر کسی طرح وہ امیر معاویہ کی بیعت کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور رفتہ رفتہ ایک جماعت بھی امیر معاویہ سے لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئی، اس لئے معاویہ کو اُن کے ملانے کی بڑی فکر تھی۔ عمرو بن العاص سے انھوں نے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا، مصالحت کی کوشش نہ کی جائے، بزورِ طاقت

انہیں مطیع بنایا جائے۔ امیر معاویہ نے جواب دیا کہ "جب تک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیا جائے، اس وقت تک ان کو مطیع نہیں کیا جا سکتا۔ جب جنگ ان سے ناگزیر ہو جائے گی تو لڑ لوں گا"۔ آخر میں امیر معاویہ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا، کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں، سب منظور کیے جائیں گے۔ حضرت حسن کی دست برداری عمل میں آچکی تھی، قیس کب تک معاویہ کے مقابلہ میں شمشیر بکف رہتے، آخر میں انھوں نے بھی چند شرائط پر امیر معاویہ سے صلح کرلی۔ معاویہ نے ان کی تمام شرطیں منظور کرلیں۔ اب امیر معاویہ کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہیں رہ گیا۔

مدینہ منورہ میں توطن حضرت امام حسن نے خلافت سے دست برداری کے بعد کوفہ کی سکونت ترک کردی اور مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مستقل قیام اختیار فرمالیا، اور صبر و سکون کے ساتھ زندگی گذار دی، سیاست میں پھر کبھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ امیر معاویہ کا دست راست، رسوائے زمانہ مروان بن حکم مدینہ میں برسرِ عام منبر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا بھلا کہتا، حضرت امام سن کر پی جاتے، کوئی جواب نہ دیتے، تو ایک مرتبہ حضرت امام سے گفتگو میں چھیڑ چھاڑ کی اور ان کی شان میں نہایت درشت کلمات کہے۔ ان کو بھی سن کر وہ پی گئے۔

مدینہ میں وہ اپنی زندگی تقریباً الگ تھلگ گذارتے رہے۔ ان کی معمولات میں تھا کہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں سے ملتے۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کو جاتے، پھر گھر ہوتے ہوئے مسجد میں آجاتے تھے۔

زہر خورانی حضرت امام حسن کی اس معصوم و پاکبازانہ الگ تھلگ زندگی کے باوجود انکی دست برداری کے نو سال کے بعد ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے ان کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کو زہر دینے پر آمادہ کیا جس نے دودھ میں ملا کر کھلایا۔ جعدہ کا نام اسماء بھی تاریخ میں آیا ہے[۵۱]۔ امیر معاویہ نے

(۵۱ کا حاشیہ ۶۱۷ پر دیکھیے)

Marfat.com

ہوی: اس کے معاوضہ میں ایک لاکھ عطا کیا۔ زہر نہایت قاتل تھا اس لئے زہر کھاتے ہی صاحبِ فراش ہو گئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت امام حسین کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا۔ فرمایا "نام پوچھ کر کیا کرو گے؟" عرض کیا "قتل کروں گا" فرمایا "اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے، تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے"

---

۵ صفحہ ۶۱۶ کا حاشیہ) زہر دینے والی بیوی کا نام اسماء ہو یا جعدہ، دونوں ناموں کے متعلق یہ تصریح ہے کہ وہ اشعث بن قیس کی بیٹی تھیں۔ یہ اشعث وہی ہیں جن کی شخصیت جنگِ صفین سے واقعہ تحکیم اور اس کے بعد تک کے واقعات میں بڑی مشتبہ رہی تھی اور جیسا کہ اوپر کی سطروں میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہ کے مخفی اثرات کام کر رہے تھے اور اشعث بن قیس درپردہ امیر معاویہ کے زیر اثر تھے، فتنہ پرداز مروان بن حکم مدینہ میں موجود تھا، جس کے باپ کو مع اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلا وطن فرمایا تھا اور جس کو عہد عثمانی میں مدینہ واپس آنے کی اجازت اس لئے دی گئی، کہ حضرت عثمان کے علم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطنی کا حکم منسوخ فرما دیا تھا۔ مدینہ آکر مروان حضرت عثمان کا داماد بنا اور دور فتن سے اس کے سیاہ کارنامے شروع ہو گئے۔ ان دنوں بھی حضرت علی پر اور آلِ ہاشم پر سبّ و شتم برسرعام منبر پر کیا کرتا تھا۔ بنو ہاشم سے اس کو دیرینہ دشمنی تھی، اس لئے جعدہ کو اس کا ملا لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ امیر معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے امام حسن کو زہر دلوایا اور اس کے معاوضہ میں جعدہ کو ایک لاکھ عطا کیا۔ بعض مورخین نے امیر معاویہ کے زہر دینے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ شرائطِ صلح میں یہ دفعہ بھی تھی کہ امیر معاویہ کے بعد امام حسن خلیفہ ہوں گے لیکن درحقیقت اس قسم کی کوئی شرط روایۃً و درایۃً ثابت نہیں۔ لیکن اس شرط کے محقق نہ ہونے سے زہر خورانی میں امیر معاویہ کے دامن کے ملوث ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر امام حسن کی آئندہ موہوم خلافت کا کوئی سوال نہ تھا، تو موجود شرائط کیا کم تھے کہ ایک وسیع علاقہ کا (باقی حاشیہ ۶۱۸ پر)

Marfat.com

ناناجان کے پہلو میں جانے کی تمنّا حضرت امام کو ناناجان کے پہلو میں لیٹنے کی بڑی تمنّا تھی۔ حضرت عائشہ سے اس کی اجازت مانگ بھیجی، انھوں نے خوشی سے اجازت دی۔ حضرت امام نے حضرت حسینؓ سے فرمایا۔ وفات کے بعد اُن سے پھر اجازت طلب کرنا، اگر خوشی سے اجازت دیں تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ شاید بنو امیہ مزاحم ہوں۔ اگر وہ مزاحمت کریں تو زیادہ اصرار نہ کرنا، بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کردینا۔

وفات حضرت امام حسنؓ زہر کھانے کے تیسرے دن ۵۰ھ میں اس دارِ فانی کو چھوڑ کر صدّیقین و شہداء سے جاملے۔ رضی اللہ عنہ۔

تدفین کے لئے تنازع حضرت امام حسین نے وصیّت کے مطابق حضرت عائشہ سے روضۂ نبوی میں دفن کئے جانے کے لئے دوبارہ اجازت طلب کی، انھوں نے پھر فراخ دلی سے اجازت دی۔ واقعہ کی خبر مروان کو ہوئی تو اس نے کہا۔ حسنؓ روضۂ نبوی میں دفن نہیں کئے جاسکتے۔ ان لوگوں نے عثمان کو تو یہاں دفن نہیں ہونے دیا۔ امام حسین بزور دفن کرانے پر آمادہ ہوگئے اور قریب تھا کہ بنو امیّہ و بنو ہاشم میں تلواریں چل جائیں۔ اتنے میں حضرت ابو ہریرہ آپہنچے اور رو کر چلائے "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کئے جانے سے روکا جاتا ہے؟" پھر حضرت حسین کو حضرت امام کی وصیّت یاد دلائی کہ اگر خون ریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کردینا۔ حضرت امام حسین کو

(صفحہ ۶۱۷ کا باقی حاشیہ) پورا اخراج امام حسن کے لئے وقف تھا۔ اگر وہ اس حالت میں کہ ان کی آئندہ کامیابی اور اسلامی مملکت پر قبضہ کا امکان پوری طرح واضح نہ تھا، جب عمرو بن العاص ان سے مصر کی حکومت کا مطالبہ اپنی مدد پیش کرنے کے لئے بطور شرط پیش کرتے ہیں تو وہ اس کو قبول کرنے میں ابتداءً تامّل کرتے ہیں، پھر جس ملک پر ان کا قبضہ ہے اور جس کے وہ حقدار ہیں، اس کا پورا اخراج کسی دوسرے کو مل جائے، یہ مشکل ہے ان کے لئے لائق انگیز تھا اس لئے ان روایتوں کے قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہونا چاہیے، خصوصاً جبکہ امیر معاویہ اس سیاسی ہتھکنڈے کو اس سے پہلے بھی استعمال کرچکے تھے اور اشتر نخعی کو راہ میں زہر دلاکر ان کا کام تمام کرچکے تھے۔

Marfat.com

وصیت یاد آگئی اور خاموش ہو گئے۔ غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وصیت کے مطابق بقیع میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا۔

جنازہ و مدفن جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہیں گذری تھی ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی، تو کثرت اژدہام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی اور سرورِ عالم کے دوشِ مبارک پر چڑھ کر کھیلنے والے کو ہزاروں ہزار اپنے کندھوں پر اٹھائے قبرستان بقیع میں لائے اور ان کی ماں خاتونِ جنت کے پہلو میں لٹا دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت امام حسن اپنے حسنِ خلق سے اتنے محبوب و مقبول تھے، کہ ان کی وفات پر سارے عرب خصوصاً مدینہ میں صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ حضرت ابوہریرہ مسجد نبوی میں پکار پکار کر کہتے "لوگو! آج خوب رو لو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا محبوب آج دنیا سے اٹھ گیا۔

مدینہ میں سوگواری یہاں تک کہ دشمنوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ وہی مروان جس نے روضۂ نبوی میں اُن کے دفن کئے جانے میں مزاحمت کی، اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا حضرت حسین نے فرمایا "اب روتے ہو، ان کی زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا" مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا "میں نے جو کچھ کیا، اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا"۔

فضل وکمال، اخلاق وعادات و ازواج واولاد

فضل وکمال حضرت امام حسن نے "باب مدینۂ علم"[۱] کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی اور اسلاف کے علمی خزانوں کے وارث ہوئے۔ حدیث میں ان کی مستند روایات کی

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا یعنی میں علم کا شہر اور علی اس شہر کے دروازہ ہیں۔

Marfat.com

تیرہ ہے۔ اکثر حدیثیں حضرت علی کے واسطہ سے روایت کی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے واسطہ سے روایتیں کیں، ان میں حضرت عائشہ صدیقہ بھی ہیں، فہم وفراست میں ممتاز تھے اور فقہ واستنباط میں کمال حاصل تھا اور مدینہ کی صاحب علم وافتاء جماعت کے ایک ممتاز رکن تھے۔ نہایت فصیح اللسان تھے اور فی البدیہہ کلمات وامثال کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ شاعری سے بھی ذوق تھا۔ کتاب العمدہ میں بعض اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

اصلاح عقائد عبداللہ بن سبا کی سبائی تحریک سے اہل بیت کی محبت کے نام سے بہت سی مہمل باتیں جزو عقائد بنا لی گئی تھیں۔ جب اس تحریک کو قوت حاصل ہوئی تو حضرت علی کے ایسے بہت سے متبعین کے عقائد میں بھی غلو پیدا ہو گیا جو اگرچہ سبائی جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ کو ان عقائد فاسدہ کی جب بھی اطلاع ہوتی، وہ ان کی پُر زور تردید فرماتے تھے۔ ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ "حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی، وہ عنقریب ظاہر ہو جائیں گے۔" حضرت حسن کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا "یہ لوگ جھوٹے ہیں، یہ لوگ ہرگز علیؓ کے سچے ماننے والے نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہوں گے، تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ اُن کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے۔"

عبادت وریاضت حضرت امام کی زندگی کے بیشتر اوقات عبادت وریاضت میں گذرتے تھے۔ وقت کا بڑا حصہ مسجد ہی میں گذرتا تھا، حج کے لئے پا پیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ فرماتے تھے، کہ "مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پا پیادہ نہ گیا ہوں"، چنانچہ اپنی زندگی میں انھوں نے بیس حج پا پیادہ کیے۔

اخلاق وعادات مکارم اخلاق میں خُلق رسول کے نمونہ تھے۔ حلم وبردباری، صلاح وخیر سے اُلفت ومحبت، استغنا وبے نیازی، فیاضی وسیر چشمی، عبادت وریاضت وغیرہ کے اوصاف کے حامل تھے۔

Marfat.com

استغناء و حلم و بردباری حضرت امام کے استغناء و بے نیازی کا یہ اثر تھا، کہ خلافت کے منصب جلیل سے، صرف اس لئے کہ مسلمانوں میں خون ریزی نہ ہو اور اسلامی مملکت کو نقصان نہ پہنچے کنارہ کش ہو گئے، اس کنارہ کشی کے بعد بھی مروان جیسے بدلگام کی زبان سے تلخ و درشت کلمات اپنی اور اپنے والد محترم کی شان میں سنتے اور برداشت کرتے، مخالفین برے خطاب سے یاد کرتے مگر زبان پر اُف نہ لاتے، کبھی کبھی انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کو نا ملائم اور درشت بات نہیں کہی۔ ان کے دشمن مروان کو بھی کہنا پڑا کہ وہ اپنے حلم و بردباری میں، پہاڑ سے بھی زیادہ بڑے اور اونچے ہیں۔ بلا کسی ذاتی رنجش اور اختلاف کے ان کی منکوحہ نے ان کو دوسروں کی سازش اور حرص و طمع میں آکر زہر کا پیالہ پلا دیا۔ یہ خود اس کو سمجھے مگر ضبط و تحمل فرما کر اس کا نام زبان پر نہ لائے۔

فیاضی و سیر چشمی فیاضی و سیر چشمی کا وصف بھی انھیں، ورثہ میں ملا تھا اپنے زمانہ میں مدینہ کے تین فیاضوں میں سے جن کی فیاضی کا عام چرچا تھا اور جن کے در دولت سے سائل منہ مانگی مرادیں لے کر واپس ہوتے تھے، ایک یہ بھی تھے۔ اپنی دولت و ثروت راہ خدا میں لٹا دیا کرتے تھے۔ عمر میں تین مرتبہ اپنی دولت و ثروت کا نصف نصف حصہ انفاق فی سبیل اللہ کی تعمیل میں تقسیم کر دیا۔ ان کی فیاضی و سیر چشمی سے دوست و دشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو حضرت علی کے دشمنوں میں سے تھا زادِ راہ اور سواری کے لئے اہل مدینہ سے سوال کیا۔ مدینہ والوں نے حضرت حسن کا پتہ دیا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان دونوں چیزوں کا انھوں نے انتظام کر دیا۔

حاجت مندوں کی حاجت برآری کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک حاجتمند اعتکاف کی حالت میں ان کی خدمت میں آیا تو اعتکاف توڑ کر باہر نکل آئے اور اس کی حاجت پوری کر دی اور فرمایا "میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا

ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔"

ازواج واولاد حضرت امام حسنؑ کے حبالۂ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں جن سے گیارہ لڑکے اور صرف ایک لڑکی ہوئی۔ لڑکوں میں حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمٰن طلحہ و عبیداللہ وغیرہ ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

خاتمۂ سخن عہد رسالت کے بعد، حضرت ابوبکر کی خلافت سے حضرت امام حسن بن علی کی خلافت تک کی مدّت ..... تیس سال ہے، اسی کو عہد خلافتِ راشدہ کہتے ہیں جس کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ الخلافة بعدی ثلثون سنةً ثم ملك بعد ذلك یعنی میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی، پھر سلطنت ہو جائے گی۔ اس تیس برس کی مدّت تک خلافت راشدہ کی شکل میں اسلامی جمہوریت کی حقیقی روح موجود رہی۔ تیس برسوں کے بعد خلافت کے لباس میں بادشاہت کا دور آیا، پھر دورِ حاضر میں خلافت کی قبا بھی اُتار دی گئی۔

ماخذ: اخبار الطوال صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۳۔ طبقات ابن سعد ترجمہ حسن و تذکرہ علی بن حسین، اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۔ طبری ج ۷ ص ۱، ۲، ۴، ۹۔ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۱۹ ج ۴ ص ۲۰۹، ۲۱۶، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۲۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۱، ۱۶۳۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۳۸۰۔ یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹۔ تاریخ الخلفاء ۱۰۹۔ اسد الغابہ ترجمہ حسن، استیعاب ج ۱ ص ۱۴۵۔ مستدرک حاکم ترجمہ حسن، جلد ۳ ص ۱۷۰، ۱۷۰۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۱ الکمال ۸۶، تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۹۔ اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۲۔ تاریخ الخلفاء جلد ۱ (دار المصنفین)

خلافتِ راشدہ

کے دَور کے نظامِ حکومت پر

ایک نظر

اِسلام میں خلافتِ راشدہ ہی کا وُہ دَور ہے جس میں اسلامی نظامِ حکومت مکمّل طور پر اپنے عملی پیکر میں جلوہ افروز ہوا۔ اس نظامِ حکومت کے چند بنیادی اولیات پر بھی ایک آخری نگاہ ڈال لینی ہے، کہ درحقیقت دنیا میں اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کیلئے اس دَور کی حکومت ایک حقیقی نمونہ اور مثال ہے۔

اسلامی حکومت کی رعایا اسلامی حکومت کے حدود میں جو شخص رہتا ہے، اس کے حقوق اور خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہر حکومت کی طرح اسلامی حکومت پر ہوتی ہے اور اس پر اسلامی حکومت کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ اصطلاح میں ان باشندوں کو رعایا کہا جاتا ہے، اس کے حدود کے اندر کے باشندوں کے حقوق اسلامی قانون میں منضبط ہیں یہ قدرتی طور پر دو قسم کے ہیں مسلم و غیر مسلم۔ ان دونوں کے لئے جُداگانہ تفصیلات ہیں مثلاً:

مُسلِم رعایا اگر رعایا مسلم ہے تو مسلم رعایا اسلامی حکومت کا ایک جزء ہوتی ہے ہر فرد میں یہ استعداد سمجھی جاتی ہے، کہ وہ انتظامی عہدوں پر اپنی صلاحیت کے اعتبار سے مامور کیا جائے، اور اسلامی حکومت ہر مسلم کو جس خدمت کے لئے چاہے طلب کر سکتی ہے اور مسلم کو انکار کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لئے اسلامی حدودِ حکومت میں رہنے والا ہر مسلمان مرد، اسلامی حکومت کا ایک پُرزہ ہے، جس لمحہ اس کو جہاں نصب کرنے کی ضرورت ہوگی اس سے کام لیا جائے گا۔ ان ہی مسلم افراد کا مجموعہ خلیفہ کا عزل و نصب کرتا ہے بیت المال کا

در اصل سہیم اور حصہ دار ہوتا ہے، اور ضرورت کے وقت حکومت اور اس کے ولاۃ و عمال پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ اگر خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو ان کی اصلاح کے لئے آواز اٹھاتا ہے، اور ارباب حکومت کو ان کی رائیں سننی اور ان میں جو لائق قبول ہوں، ماننی پڑتی ہیں۔

ذمّی رعایا اگر رعایا غیر مسلم ہے تو اس کو غیر مسلم رہنے کا پورا اختیار ہے، اسلام کے قانون میں دین و مذہب کے لئے جبر و اکراہ روا نہیں۔ اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا کے مذہبی حقوق کی بھی نگہبان اور محافظ ہوتی ہے اور آزادی سے اس کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اصطلاح میں غیر مسلم رعایا کو "ذمّی" یا "معاہد" کہا گیا ہے، جس کے جان و مال، عزت و آبرو، مذہب اور مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت کی "ذمہ داری" اسلامی حکومت نے اپنے "ذمہ" عائد کر لی ہے اور ان کی بعض جماعتوں سے جو معاہدے طے پاتے، ان کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا۔

اسلامی حکومت میں ذمیوں کے چند بنیادی حقوق متعین ہیں، مثلاً ان کے جان و مال کی حفاظت نہ صرف اسلامی حکومت پر بلکہ اسلامی حدودِ حکومت میں رہنے والے ہر مسلم پر فرض ہے۔ ارشادِ نبویؐ کے مطابق جو مسلمان کسی ذمّی کو بے وجہ عمداً قتل کرے گا، جنّت اس قاتل کے لئے حرام ہو جائے گی۔ ذمیوں کو عدل و انصاف سے متمتع کرنا، انھیں جور و ظلم سے بچانا بھی اسلامی حکومت اور ہر مسلم کے ذمہ عائد ہے، اس لئے کہ اگر کسی ذمّی پر ظلم کیا گیا اور اس کو نقصان پہنچایا گیا یا اس کی رضامندی کے بغیر بجبر اس سے کچھ لے لیا گیا تو ایسے ذمّی و معاہد کے متعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں اس کی طرف سے قیامت کے دن بطور وکیل حجت کروں گا"۔ اسی طرح جو حقوق ہر انسان کو فطری طور پر حاصل ہو سکتے ہیں، اسلامی حکومت میں وہ سب اُن ذمیوں کو حاصل ہیں، اور ان کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے ارشادات میں تصریحات آئی ہیں۔

Marfat.com

اسلام میں غیر مسلم رعایا کا یہ اعزاز بھی لائقِ ذکر ہے کہ انھیں مقابل و ہم رتبہ معاہد کا درجہ دیا گیا ہے اور ان معاہدوں کی پابندی پوری سختی سے کی جاتی تھی اور ان پر عمل کرنا ایک مسلم فرمانروا اپنا جزوِ ایمان سمجھتا تھا۔

ذمّی رعایا فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہتی تھی، اس کے معاوضہ میں وہ جزیہ ادا کرتی تھی جو قلیل ترین مقدار میں ہوتا تھا، اور اگر ان میں سے کسی شخص یا جماعت نے اپنی فوجی خدمت رضاکارانہ پیش کی، تو جزیہ کی یہ رقم بھی ان سے معاف ہو جاتی تھی۔

خلیفہ و امام و مجلس شوریٰ | اسلامی حکومت کا سربراہ خلیفہ و امام ہوتا ہے اور اس کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ خلیفہ و مجلس شوریٰ وغیرہ کی تفصیلات پچھلے باب "اسلام میں خلافت کا انتظام" میں گذر چکی ہیں، جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ ان مباحث کو ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔

نائب امیر | نیابتِ امارت کی ضرورت، عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ دونوں میں پیش آئی ہے، اس لئے اسلامی حکومت میں "نائب امیر" ایک مستقل منصب ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ حضرت عبداللہ بن مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور ایک مرتبہ حضرت علی کو اس فضیلت سے ممتاز فرمایا۔ حضرت عمر نے بھی دو مرتبہ حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنایا۔

وزراء | احادیث کی تصریح کے مطابق خلفائے اسلام، حکومت کے کاموں میں اعانت کے لئے وزراء مقرر کر سکتے ہیں، اگرچہ خلافتِ راشدہ کے دَور میں، وزراء کا تقرر عمل میں نہیں آیا، لیکن جہاں تک مشوروں کا تعلق ہے، مجلس شوریٰ کے ارکان اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ جب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد صحابہ نے منصبِ خلافت کا بار حضرت علی کے دوش پر رکھنا چاہا، اور انھوں نے اس سے ابتداءً انکار کیا تو یہی فرمایا کہ "امیر بننے کی نسبت وزیر رہنا مجھے زیادہ پسند ہے"۔ اگرچہ در اصل مجلس شوریٰ کے ارکان مشیر

Marfat.com

کی حیثیت رکھتے تھے۔ وزیر و مشیر میں ایک بنیادی فرق ہے مشیر کا فرض، اس سے خلیفہ کا صلاح لینے کے وقت صلاح دینا، یا خود ضرورت سمجھنے پر خلیفہ کو مفید مشورے دینا ہے انتظامی امور سے مشیروں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن وزرا، صلاح و مشورہ دینے کے علاوہ خود انتظامی امور کے انجام دینے کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں، اور تنفیذی طاقت ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

وزارت کا قلمدان عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی حکومتوں میں آیا ہے، جو ہمارے دائرہ گفتگو سے باہر ہے۔

ولاۃ والی، حاکم صوبہ کو کہتے ہیں، جو اپنے صوبہ میں خلیفہ کا نائب ہوتا ہے اور اس صوبہ کا وہ سب سے بڑا عہدہ دار ہوتا ہے، جس کو تمام انتظامی، عسکری، مالی و عدالتی اختیارات حاصل ہوتے ہیں، لیکن خلیفہ کو اس کے اختیارات میں حسبِ ضرورت کمی بیشی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ والی میں عدالت، تقویٰ، عقل، بلوغ اور صلاحیت کا رکا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی خلیفہ نے اِن اوصاف کے حامل کو والی مقرر نہیں کیا تو رعایا کو خلیفہ پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ خلیفہ سے اس کے عزل کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ولاۃ کا تقرر و عزل تمام تر خلیفہ کے اختیار میں ہے۔ قاضی تو اپنے فیصلہ میں ولاۃ کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں لیکن مختلف شہروں کے لئے عمال کا تقرر، ان کی نگرانی، بیت المال کی حفاظت اور سارے ملکی، مالی اور عسکری انتظامات کی نگرانی اس کے سپرد ہوتی ہے، اور خلیفہ اور اس صوبہ کے باشندوں میں والی ہی کی ذات رابطہ کا کام دیتی ہے اور سارے رسل و رسائل اسی کے توسط سے انجام پاتے ہیں۔

امیر عسکر و امیر البحر خلفائے راشدین کے عہد میں شعبۂ عسکری کے حالات تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ شعبۂ عسکری کے سربراہ امیر الجیش و امیر البحر تھے، اور اسلامی حکومت کے اندر رہنے والا ہر مسلمان فوج کا سپاہی تھا، اور جو مستقل فوج بارکوں میں رہتی تھی، اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے اور امیر عسکر اور والی میں جو رابطہ قائم تھا اس کا تذکرہ

Marfat.com

بھی گذر چکا ہے۔

قضاۃ | قاضی، اسلامی حکومت کا ایک اہم منصب ہے اسلامی حکومت میں خلیفہ کو انتظامی و عدالتی دونوں اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عدالتی اختیار کو قاضی کی جانب منتقل کرتا ہے اور وہ تمام عدالتی اختیارات کا خواہ وہ دار الخلافہ کا قاضی ہو یا کسی صوبہ کا یا کسی شہر کا، ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ خلیفہ کے عدالتی اختیارات اپنی جگہ اس کے پاس بھی برقرار رہتے ہیں، لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ قاضی کو کسی فیصلہ پر مجبور کر سکے، قاضی اپنے فیصلہ میں مطلقاً اور قطعاً آزاد رہتا ہے۔ اسی طرح قاضی القضاۃ بھی کسی قاضی کو کسی فیصلہ پر مجبور نہیں کر سکتا۔

عہدۂ قضاء اس شخص کے سپرد کیا جا سکتا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے تقرری کے شرائط کو پورا کرتا ہو، اس کے شرائط ہیں: وہ شخص مسلم، عاقل، بالغ اور مسائل فقہ کا ماہر ہو۔ فصل قضایا و خصومات پر نظر رکھتا ہو، اور سب سے اہم یہ کہ علم دین میں ماہر ہونے کے ساتھ اس کا متقی، دیندار اور صاحب زہد و ورع ہونا ضروری ہے اور وہ خود عہدۂ قضاء حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہو۔

قاضی کے فرائض میں فصلِ مقدمات کے علاوہ اوقاف، ودیعت اور نابالغوں اور یتیموں کے اموال و جائیداد کی نگرانی، ولی کا تقرر اور تقسیمِ ترکہ کی خدمات بھی داخل ہیں۔ قاضی اپنے رقبۂ قضاءت کے حدود کے اندر کے اشخاص کو اپنی عدالت میں طلب کر سکتا ہے اور عدول حکمی پر سزا دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر خلیفہ کے خلاف بھی عدالت میں کوئی مقدمہ دائر ہو تو ضروری ہے کہ خلیفہ بھی عدالت میں طلب کیا جائے اور اس کے مخالف فریق کے ساتھ، خواہ وہ فریق مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو کھڑا کیا جائے، اور جب خلیفہ عدالت کے احاطہ میں داخل ہو تو قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس پر نگاہ رکھے کہ خلیفہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ادنیٰ امتیازی سلوک بھی نہ کیا جائے۔ رعایا کے ایک عام فرد کی طرح وہ

Marfat.com

عدالت میں آئے اور مقدمہ کی سماعت کے وقت عدالت میں قاضی کے روبرو حاضر رہے
(فتح القدیر کتاب ادب القاضی و فتاویٰ عالمگیری باب ہفتم کتاب ادب القاضی)

مفتی اسلامی حکومت میں ایک اہم منصب مفتی کا بھی ہے جو اسلامی حکومت کا قانونی مشیر ہوتا ہے، وہ قانون کی تشریح کرتا ہے۔ کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات کو اخذ کرتا ہے۔ قاضی و مفتی میں فرق یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور مفتی کے فیصلہ کی حیثیت ایک قانونی مشورہ اور قانون کی موشگافی کی ہے۔ قاضی واقعات کی صحت کی جانچ پڑتال کے بعد فیصلہ کرتا ہے اور مفتی کے سامنے وہ مسئلہ یا معاملہ جس طور پر بیان کیا جائے یا لکھ کر پیش کیا جائے، اس کے مطابق وہ حکم شرعی بیان کرتا ہے۔ مفتی کا عزل و نصب بھی خلیفہ کے اختیار میں ہے اور اس کے تقرر کے شرائط بھی وہی ہیں جو قاضی کے تقرر کے ہیں۔ دراصل محکمہ افتاء، محکمہ قضاء کا معاون ہوتا ہے اور مفتی کی حیثیت ایک شارح قانون کی ہوتی ہے اور فتویٰ دینے کا اختیار اسی کو ہوتا ہے جس کا تقرر اسلامی حکومت کی طرف سے اس منصب پر کیا جاتا ہے۔ اس طرح شارح قانون کے منصب اور اس شعبہ کا علیحدہ قیام اسلام کے اولیات میں سے ہے۔

محتسب محکمہ احتساب بھی اسلام سے پہلے کسی حکومت میں موجود نہیں تھا۔ محتسب کا فرض ہے کہ ریاست کے باشندوں کے اخلاق و عادات، اعمال و افعال و کردار کی نگرانی کرتا ہے، تاکہ وہ جادۂ حق و اسلام سے منحرف نہ ہونے پائیں۔ خود محتسب کو تقویٰ و دینداری کے اعلیٰ مرتبہ پر ہونا ضروری ہے اور اس کو علم دین کا ماہر بھی ہونا چاہیئے، تاکہ وہ احتساب کے اختیارات کو صحیح موقعوں پر استعمال کر سکے۔ محتسب کا عزل و نصب بھی خلیفہ کے اختیار میں ہے۔

یہ محکمہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت کا نگراں ہوتا ہے خصوصاً بر سرعام منہیات کے ارتکاب پر سختی سے پابندی رکھتا ہے، اس کے ساتھ بازار میں خرید و فروخت اور عام

Marfat.com

کاروبار کو اسلام کے اصول اور جادۂ اعتدال پہ رکھنا بھی اس کا فرض ہوتا ہے۔ برسرِ عام منہیات کے مرتکبین کا فوراً چالان کیا جاتا ہے۔ خود محتسب کو کسی مقدمہ کے سماعت اور فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ وہ صرف مجرمین کو قاضی یا خلیفہ کی عدالت میں پیش کرے گا، جہاں ان کے مقدمات کی سماعت کے بعد اُن کا فیصلہ کیا جائے گا۔

چند دیگر عہدہ دار اسی طرح چند اور اہم عہدہ دار صاحب الاحداث (پولیس) صاحب بیت المال (افسر خزانہ) اور صاحب الخراج (کلکٹر و تحصیلدار) وغیرہ اور اُن کے علیحدہ علیحدہ محکمے تھے۔

محکموں کی خود کاری اُن میں سے ہر شعبہ و محکمہ اور ان کے افسر اپنے فرائض کی ادائی میں خود کار تھے کسی شعبہ کو کسی دوسرے شعبہ کے کاموں میں دخل اندازی کا حق حاصل نہ تھا۔ اور ہر صوبہ کے تمام عہدہ دار اپنے صوبہ کے والی کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں کسی شعبہ کے افسر اور والیٔ صوبہ میں کوئی اختلاف پیدا ہوتا تو اس کا مرافعہ دربارِ خلافت میں جاتا تھا اور وہاں سے جو فیصلہ کیا جاتا تھا، ولاۃ، عمال اور دوسرے عہدہ داروں کو ان کا قبول کرنا لازمی تھا۔

بیت المال بیت المال، اسلامی حکومت کے خزانہ اور قومی سرمایہ کا اصطلاحی نام ہے: بیت المال کے چند مستقل محاصل لگان، عشور، جزیہ، زکوٰۃ وغیرہ اور چند غیر مستقل محاصل مالِ غنیمت، خمس اور لقطہ وغیرہ تھے۔ ان مستقل و غیر مستقل محاصل کی مدوں کی تفصیل اُوپر گذر چکی ہے۔ اسی طرح مصارف کی تعیین آیاتِ قرآنی و احادیث کے بموجب ہے، جو محاصل کی مختلف مدوں کے لحاظ سے ہوتے تھے، ان کی تفصیل بھی اُوپر گذر چکی ہے۔

عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ میں پوری پابندی سے ان محاصل و مصارف کی مدوں کے لحاظ سے اخراجات عمل میں آتے تھے، اس لئے اسلامی خزانہ بیت المال میں دولت کے اکٹھا ہو جانے کا کبھی کوئی موقع نہیں آیا، جو کچھ بھی آمدنی ہوتی تھی وہ اپنی نوعیت اسکے

Marfat.com

مصارف میں صرف ہو جاتی تھی اور خلفائے راشدین سکون محسوس فرماتے تھے کہ ہر سال کی آمدنی اس کے مختلف مدوں میں خرچ کر دی گئی اور ان کے زمانہ میں بیت المال دولت کا ذخیرہ نہ ہونے پایا۔

غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات | اسلام نے غیر مسلم ریاستوں کے مختلف کردار کے لحاظ سے ان سے مختلف قسم کے تعلقات قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا اصول وضع کیا ہے۔ وہ غیر مسلم ریاستوں سے اسلامی حکومت کو اپنے تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دیتا ہے، جو دعوتِ اسلام اور اس کے نظامِ زندگی کی ترویج و تبلیغ میں حائل نہیں ہوتیں یعنی جس حکومت میں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے، اس حکومت سے اسلامی حکومت کے دوستانہ تعلقات قائم ہو سکتے ہیں، اور یہ مذہبی آزادی اسلامی حکومت نے اپنے حدود میں بھی غیر مسلموں کو دے رکھی ہے، اس لئے غیر مسلم حکومتوں سے اسلامی حکومت کا مذہبی آزادی کا مطالبہ کرنا، اصول و انصاف کے قرین ہے۔

لیکن جو غیر مسلم حکومتیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں سدِ راہ ہوں گی، وہ اس کی معاند، دشمن حکومتیں سمجھی جائیں گی۔ ان سے کسی قسم کا تعاون اسلامی حکومت کے لئے روا نہیں۔ اگر یہ تعاون ہو گا تو "اثم و عدوان" پر تعاون ہو گا جس کی تصریح سے ممانعت آئی ہے۔

البتہ ان غیر مسلم معاند حکومتوں سے مختلف نوعیتوں کے معاہدوں کے ذریعہ تعلقات کا ایک گونہ قیام ہو سکتا ہے۔ عہدِ رسالت میں صلح حدیبیہ اس کی واضح مثال ہے کہ قریش نے اسلام کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی، بہ ایں ہمہ ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا! اس لحاظ سے معاند غیر مسلم حکومتوں سے بھی معاہدوں کے ذریعہ کسی نوعیت کے تعلقات کا قائم کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے ناروا نہیں ہے۔

جہاد | بہر حال غیر مسلم معاند حکومتوں کی عدم رواداری کے کردار سے اسلامی حکومت کے لئے جہاد کی ضرورت سامنے آتی ہے یعنی جو حکومتیں اسلام کے پیام کو اپنے عوام الناس تک

Marfat.com

پہنچانے دینے کی روادار نہیں ہوتیں، اور طاقت کے استعمال سے اسلام کی آواز کو دبانا چاہیں گی، ان سے مزاحمت کی جائے گی، اور طاقت کے جواب میں طاقت استعمال کر کے اُن کو سرنگوں کیا جائے گا۔

اس لئے جہاد کے آغاز سے پہلے لڑنے والے معاندین کے سامنے اتمامِ حجت کے طور پر اسلام کی دعوت کو پیش کیا جائے گا، اگر وہ قبول کرنے سے انکار کریں گے تو جزیہ کی شرط رکھی جائے گی اور اگر ان دونوں سے ان کو انکار ہوگا تو تلوار سے معاملہ کا فیصلہ کیا جائے گا اور اسی فیصلہ کے لئے تلوار کا اٹھانا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اس لئے درحقیقت جہاد کے ذریعہ جابر حکمراں کے ملک کے عوام کے بے زبان طبقہ کو ان حکمرانوں کے قبضہ و اقتدار سے نکال کر انسانیت کے اعلیٰ مقام پر لایا جاتا ہے، جہاں اس کو فکر ورائے کا غلام نہیں بنایا جاتا، بلکہ اس کو پوری آزادی ہوتی ہے کہ وہ خود اچھی طرح غور و فکر کر کے اپنی راہ کو خود منتخب کرے۔ وہ چاہے تو اپنے دین و مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے اور چاہے تو اسلام کی دعوت کو قبول کر کے حکمراں طبقہ کا ایک رکن بن جائے۔ پچھلی جابرانہ اور اس اسلامی حکومت میں یہ فرق ہوگا کہ ان پر عدل و انصاف سے حکومت کی جائے گی۔ انھیں شخصی و فکری آزادی حاصل ہوگی اور اسلام کی دعوت کو سننے اور اس کے پرکھنے کا اُن کو موقع حاصل ہوگا، اور حق کی جو بات جابر حکمرانوں کی روک ٹوک کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی، وہ بہ آسانی پہنچ سکے گی، اور لا اِکراہَ فِی الدّین کے اصول کے مطابق وہ ذاتی طور پر پوری طرح آزاد رہیں گے، کہ وہ جس مذہب کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں اور اس پر قائم رہیں اور اگر وہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی معاشرہ کے اثرات سے خود متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونا چاہیں، تو کوئی جابرانہ طاقت اس ارادہ سے ان کو باز نہ رکھ سکے، اور وہ بہ خوشی اسلام قبول کر لیں۔

جہاد، مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، لیکن اس کی فرضیت اسی وقت عائد ہو

Marfat.com

ہے۔ جب اس کی طاقت مسلمانوں کی جماعت کو حاصل رہتی ہے یعنی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے تمام وسائل و ذرائع مہیّا رہیں، جن کے ذریعہ اس دینی فرض کو ادا کیا جا سکے۔

اسلامی حکومت میں رہنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض اور فوجی خدمت لازمی ہے، لیکن جہاد کے لئے سب سے اہم بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ خلیفہ اس کا حکم دے۔ فرمانِ خلافت کے بغیر کوئی لڑائی جہاد نہیں ہو سکتی۔

اسیرانِ جنگ جنگ میں جو قیدی ہاتھ آئیں گے، ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا اس کی تفصیل اسیرانِ غزوۂ بدر کے بیان میں گذر چکی ہے۔ قیدیوں کے متعلق وہی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، یعنی یا تو ان پر احسان کر کے ان کو رہا کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ لینے میں ایک طریق یہ بھی ہے کہ ان قیدیوں میں جو صاحب ہُنر ہوں، ان کا فدیہ ان سے ہُنر سیکھنا اور اس کے معاوضہ میں انھیں آزاد کرنا ہے۔ یا پھر اسیرانِ جنگ کا غیر مسلم حکومتوں کے مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ سب سے آخر طریقہ جس کو کم سے کم موقعوں پر استعمال کیا گیا، یہ بھی ہے کہ اسیروں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔

غلامی اسیرانِ جنگ کو لونڈی غلام بنانا، آج سے چودہ پندرہ سَو برس پہلے دنیا کے معاشرہ میں داخل تھا۔ دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں میں اس کا عام رواج تھا اسلام نے غلامی کے استیصال کا فیصلہ کیا اور ایسی راہیں اختیار کیں کہ رفتہ رفتہ دُنیاوی معاشرہ میں اس انسانی طبقہ کا وقار بڑھے اور بالآخر اس کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلام کا طریقِ عمل یہی رہا ہے کہ بُرائیوں کو آہستہ آہستہ مٹایا جائے اور انسان کو بُرائیوں کو چھوڑنے اور نیکیوں کو اختیار کرنے کا خوگر بنایا جائے۔ مثلاً شراب کی حُرمت کے تدریجی احکام کے نزول کا واقعہ عام طور پر معلوم ہے۔ اسی طرح غلامی کے مسئلہ میں یہی تدریجی راہ اختیار کی گئی۔ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں بھی اس کا عام رواج تھا۔ غلاموں

Marfat.com

کو معاشرہ میں کوئی درجہ حاصل نہ تھا، عرب میں غلام کو "عبد" اور لونڈی کو "امۃ" کہتے تھے جن کے معنی "بندہ" اور "بندی" کے ہیں۔ اسلام نے ان کے وقار کو اونچا کرنے کے لیے ان کے نام تبدیل کیے۔ عبد کو "غلام" یعنی لڑکا اور امۃ کو "بنت" یعنی لڑکی کہا گیا، لیکن رفتہ رفتہ غلام کے معنی "سلیوز" (Slaves) کے سمجھے جانے لگے۔ اور یہ لفظ کثرت استعمال سے اپنی افادیت سے محروم ہو گیا۔

اسلام میں غلاموں کی حیثیت بندہ یا بندی کی نہیں اسلام میں انسان صرف خدا کا بندہ ہے اور خدا اس کا آقا و مالک ہے، اس لیے اسلام میں غیر اللہ کی بندگی و غلامی روا نہیں، یہ اسیران جنگ دراصل ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی کفالت کے بار کا تحمل مفتوح قومیں نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ اور خود ان کے پاس ان کی جائداد و املاک سالم نہ ہوتی یا باقی نہ رہ جاتی تھی، اس لیے ان کی کفالت کا بار اسلامی حکومت پر آجاتا تھا۔ اسلامی حکومت اگر ان کی کفالت اور معاشی مدد کا بار اپنے ذمہ رکھتی تو مختلف دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتیں، اس لیے وہ مسلمانوں کے مختلف افراد میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے، جو ان کے کل ضروری اخراجات کے کفیل اور ذمہ دار ہوتے تھے، اور وہ ان کے خاندان میں ایسے گھل مل جاتے تھے کہ اس کے ایک رکن بن جاتے تھے۔

جب ان لوگوں کے تمام اخراجات کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہوتی جن سے یہ وابستہ کیے جاتے تو یہ خود جو کچھ کماتے اور کسب کر کے حاصل کرتے، اس کی ایک مقرر مقدار اپنے کفیل کو دیتے، اس کے ساتھ انھیں اختیار ہوتا کہ اس مقرر رقم سے زائد وہ اگر حاصل کر کے جمع کر سکیں، اور اپنے کفیل کو کوئی معین رقم ادا کر دیں تو پھر وہ اپنی معاشی زندگی میں بھی آزاد ہو جاتے، اس طرح ان کفالت کرنے والوں کی جو رقم ان وابستوں پر صرف ہوتی، وہ ان کو واپس مل جاتی اور ان لوگوں کو معاشرہ میں آزاد زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا۔

Marfat.com

اس طرح یہ ایک قسم کا معاشی نظام تھا جو اس شکل میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو غلام جب تک اپنے کفالت بردار سے وابستہ رہتے، اسلامی قانون اور اصول کے مطابق ان کے لیے لازمی تھا کہ جو خود کھائیں وہ ان کو کھلائیں، جو خود پہنیں ان کو پہنائیں، زیادہ مشقت کے کام ان سے نہ لیں، اگر مشقت کے کچھ کام آ جائیں تو خود بھی شریک ہو کر اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائیں اور مل جل کر اس کام کو پورا کریں۔

ایک نئی فضا کی تخلیق، اسلامی جمہوری حکومت کے ثمرات

یہ تھا اسلام میں غلاموں کا درجہ اور انہی طریقوں سے معاشرہ میں ان کا وقار بڑھا اور رفتہ رفتہ ان کے سلسلہ کا خاتمہ ہوا، غرض اسلام کا سیاسی نظام، اس کے نظام خلافت سے وابستہ ہے، جو اپنی اصل کے اعتبار سے نہ موجودہ زمانہ کی شخصی حکومت ہے، جس کو آمریت کہا جاتا ہے اور نہ وہ ناقص جمہوری نظام ہے جو آج دنیا میں رائج ہے، اور نہ اس کو اشتراکیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جو اس زمانہ میں زیادہ ترقی پسندی کا ایک نشان ہے۔ اسلامی نظام خلافت کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، یعنی انسان اور انسانیت کے ابدی و دائمی ارتقا کے لیے جن قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے، ان کو جاری اور رائج کرنا، اور اس مقصد کے لیے جن مواقع سے احتراز ضروری ہے، ان سے عوام الناس اور پبلک کو بچانا ہے۔ اس کے ذیل میں دینی، علمی و اخلاقی ترقی کے علاوہ معاشرتی، تمدنی اور معاشی ترقی کے تمام گوشے آ جاتے ہیں۔ اور ان سے عوام الناس کا ایک ایسا معاشرہ اور سماج بنتا ہے، جو اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ ہوتا ہے اور انسانی فوز و فلاح کے تمام منازل آسانی سے طے پاتے ہیں، اس لیے کہ اسلامی ریاست کا وجود بالکل فطری نہج پر اخلاق و کردار کے اعلیٰ محاسن اور زہد و اتقاء کے بلند منازل کی فضا میں ہوتا ہے، یہ فضا پہلے پیدا ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کا وجود عمل میں آتا ہے، اور اسلامی حکومت کا مقصد اسی فضا کو قائم

Marfat.com

اور باقی رکھتا ہوتا ہے۔ اس فضا سے پوری قوم میں ایک عزم راسخ پیدا ہو جاتا ہے اور عوام یعنی پبلک کا مزاج اجتماعی اعتدال پر آجاتا ہے۔

انسانیت معراج کمال کی راہ پر

عہد رسالت میں پہلے یہی فضا پیدا ہوئی اور خلافت راشدہ کے دور میں اسی سانچہ میں ایک صالح حکومت کے نقشہ میں رنگ بھرے گئے، جس سے عہد رسالت کی وہ فضا قائم اور باقی رہی، اور دنیا نے ایک اعلیٰ طرز کی اسلامی جمہوری حکومت اور اس کے خوش گوار ثمرات کا مشاہدہ کیا، اور دنیا میں ایک ایسے امن وامان کا دور آیا جس کی مثال اس سے پہلے نہیں گذری تھی۔ اور انسانیت اپنے معراج کمال کی راہ پر چل پڑی اور ایک ایسا معاشرہ اور سماج پیدا ہوا جس معاشرہ کا ہر فرد خود اپنی جگہ اپنے محاسن واخلاق سے نیکیوں کا حامل اور حتی الوسع برائیوں سے دور تھا، اور آج بھی اگر دنیا کے کسی گوشہ میں کسی صالح جماعت نے جزئی طور پر سہی، اس حکومت کے اصولوں کو اپنا رہنما بنایا ہے تو وہ اپنے اخلاق وکردار میں دوسروں سے بلند اور اپنی معیشت وخوش حالی میں بھی کسی دوسرے سے فروتر نہیں ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۰

سید ریاست علی ندوی

۷ر رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق
یکم اکتوبر ۱۹۶۸ء

ڈاکٹر وزیر علی روڈ، گیا

Marfat.com